مطالعۂ عیسائیت

رَدِّ عیسائیت پر لکھی گئی اُردُو زبان میں پہلی کتاب

کتاب الاستفسار

تألیف

مناظرِ اسلام حضرت مولانا سیّد آلِ حسن مُہانی (م ۱۲۸۷ھ)

مع مُقدّمہ

مناظرِ اسلام ڈاکٹر خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، مانچسٹر

دارُالمعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ———— کتاب الاستفسار
مصنف ———— حضرت مولانا آل حسن مہانی
مقدمہ ———— علامہ خالد محمود صاحب
کتابت ———— حنیف اسحٰق صدیقی
صفحات ———— ۵۹۶
ناشر ———— دارالمعارف لاہور
تعداد ———— گیارہ سو
قیمت اعلیٰ مجلد ———— ۱۵۰ روپے
ممالک یورپ ———— ۱۰ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف ۱/۲ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور

Address in England:
19 Charlton Terrace Off Upper Brook Street
Manchester- U.K.

پتہ انگلینڈ میں، اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست

پیش لفظ

فاضل ذکی مولانا آل حسن مہانیؒ

مطالعۂ عیسائیت

تاریخ بنی اسرائیل

تاریخ یہود پر ایک نظر

عیسائیت

اناجیل کا تنقیدی مطالعہ

کتاب الاستفسار

مقدمہ

پہلا استفسار

دوسرا استفسار

تیسرا استفسار

چوتھا استفسار

پانچواں استفسار

چھٹا استفسار

ساتواں استفسار

آٹھواں استفسار

نواں استفسار

دسواں استفسار

گیارہواں استفسار

بارہواں استفسار

تیرہواں استفسار

چودہواں استفسار

پندرہواں استفسار

سولھواں استفسار

حضرت خاتم النبیینؐ کی آمد کی خبر

انجیل میں پائی جانے والی پیشگوئیاں

سترہواں استفسار

نسخ کی بحث

مسئلہ جہاد

بائیبل کی استحسان عقلی کے خلاف باتیں

جواب الزامی تفصیلی

اٹھارہواں [18] استفسار

پیش لفظ

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد ایک نئی فاتح قوم کی ہی آمد نہ تھی۔ ان کے آنے سے ہندوستان ایک نئے مذہب سے بھی متعارف ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے مسلمانوں کے ذریعہ علمی سطح پر کچھ عیسائیوں اور یہودیوں کے تذکرے ہوتے رہے تھے لیکن اہل ہند نے عیسائیوں کو عملی شکل میں یا ایک قومی حیثیت میں کہیں نہ دیکھا تھا۔ یورپین اقوام کی آمد سے یہاں عیسائیوں کا عملی تعارف ہوا اور انگریز یہاں نہ صرف نئے حکمران بن کر آئے بلکہ وہ اپنے ساتھ ایک نئی تہذیب، ایک نئی زبان اور ایک نیا مذہب بھی لائے۔ عیسائیت گو ایک پرانا مذہب تھا لیکن اس کا یہاں داخلہ بالکل نیا تھا۔ عیسائی مشنریوں نے نئی سلطنت کے سائے میں یہاں تاریخ مذاہب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ گرجے بنے، مسیحی مشنری سکول اور کالج بنے، مسیحی مشنری ہسپتال کھلے، بائبل سوسائٹیاں قائم ہوئیں اور بعض جگہ مستقل عیسائی بستیاں بھی بنیں۔

ان دنوں یہاں مسلمانوں کے علم وعقیدت کا مرکز جہاں آباد دہلی تھا۔ پورے ملک میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کی علمی اور روحانی سیادت مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن تھی۔ آپ نے یہاں علمی شعائر کی پامالی پر ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوے دیا اور پھر مختلف محاذوں پر اپنے شاگرد اور عقیدت مند کھڑے کر دیئے۔

سیاسی میدان میں اپنے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ کو کھڑا کیا۔ خطابت اور عسکری محنت پر اپنے بھتیجے اور شاگرد حضرت شاہ اسماعیلؒ کو کھڑا کر دیا۔ مسند علم پر حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کو بٹھایا۔ تفسیر میں حضرت مولانا عبدالحیؒ کو اپنا جانشین بنایا اور معقولات میں مولانا صدرالدینؒ اور مولانا جعفر علیؒ جیسے شاگرد پیدا کیے۔ حمداللہ کا حاشیہ انہی مولانا جعفر علی کسمنڈوی (۱۲۸۴ھ) کا لکھا ہوا ہے مولانا جعفر علی کے ممتاز شاگردوں میں مولانا آل حسن مہانیؒ ہیں جو اپنے وقت کے جلیل القدر مناظر، فقیہ اور

استاد کے منطقی ذوق کی جیتی جاگتی تصویر تھے اور زبردست قوتِ حافظہ رکھتے تھے

مولانا آل حسن مہانی

آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کا علمی نوٹس لیا اور اناجیل کا نہایت بالغ نظر علمی محاسبہ کیا۔ مُہان لکھنؤ کے قریب کوڑہ جہاں آباد کے متصل ایک بستی ہے۔ آپ وہاں ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ والد مرحوم کا نام غلام سعید اور دادا کا نام وجیہ الدین تھا۔ آپ حضرت امام رضا (۲۰۳ھ) بن موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں ملتا ہے۔۔

الحسینی الرضوی المهانی احد فحول العلماء ولد بمهان ۱۲۰۲ھ

آپ نے انگریزوں سے محاذ آرائی کی بجائے ان کے قریب ہو کر انہیں عیسائیت سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ اپنی اس پالیسی میں کامیاب نہ ہو سکے اور انگریز سمجھ گئے کہ آپ ان کے لیے کسی طور پر مفید نہ رہ سکیں گے۔ سو انہوں نے آپ سے جان خلاصی کرائی۔ آخر میں آپ حیدر آباد دکن میں عدلیہ میں بطور جج تعینات ہوئے ـــــ اسی سال کی عمر میں آپ پھر واپس وطن لوٹے۔ اور ۱۲۸۷ھ میں وفات پائی۔

آپ کی تصنیفات میں کتاب الاستفسار اور کتاب الاستبشار دو ضخیم کتابیں ہیں یہ عیسائیت پر نہایت بلند پایہ علمی سرمایہ ہیں۔ اور یہ بعد میں عیسائیت پر لکھی جانے والی اسلامی کتابوں میں متن کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب الاستبشار آپ نے پادری فنڈر کی کتاب حل الاشکال کے جواب میں لکھی۔

آپ کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۳۰۸ھ) اس میدان میں نکلے۔ آپ حضرت شیخ جلال الدین عثمانی پانی پتی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے کیا میدان تصنیف اور کیا میدان مناظرہ ہر باب میں اسلام کا پورا دفاع کیا اور عیسائیت پر سر دہ حجت، تمام کی کہ تاریخ انہیں اسی باب میں امام کا مقام دیتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر خاں جو انگریزی تعلیم رکھتے تھے اور آپ نے تورات پر عبور حاصل کرنے کے لیے عبرانی زبان بھی سیکھی تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کے معین مناظر تھے۔ ۱۲۷۰ھ میں آپ نے اکبر آباد میں پادری فنڈر سے تاریخی مناظرہ کیا اور اسے عبرت ناک شکست دی۔ مناظرہ

تحریف بائبل، نسخِ احکام، تثلیثِ الٰہ، حقیقۃ القرآن اور نبوتِ نبوی کے پانچ موضوعات پر تھا۔ مناظرہ ابھی نسخ کی بحث پہ پہنچا تھا کہ پادری فنڈر نے فرار کی راہ اختیار کی، اور مسلمان بڑی عزت سے کامیاب ہوئے۔

یہ واقعہ ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کا ہے اور مناظرۂ کبریٰ کے نام سے موسوم ہے۔ اس سے تین ماہ قبل حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ایک مناظرہ پادری فرنچ کے مکان پہ ہوا تھا پادری کئی بھی وہاں موجود تھا۔ مولانا رحمت اللہ نے اس کا ذکر ازالۃ الشکوک کی دوسری جلد میں کیا ہے اور اس کا نام مناظرۂ صغریٰ رکھا ہے۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے سیاسی معرکہ پیش آیا اور مولانا رحمت اللہ نے اس میں بالفعل حصہ لیا۔ اب انگریز آپ سے اپنی علمی شکست کا بدلہ لینے کے لیے خون آشام تھے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی پھر مکہ ہجرت کر گئے اور وہاں ۱۲۹۰ھ میں آپ نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ پادری فنڈر جب ترکی پہنچا اور اس نے وہاں اہل اسلام کو مناظرہ کا چیلنج دیا، تو سلطان عبدالحمید نے آپ کو یہاں مکہ سے قسطنطنیہ بلوایا۔ مولانا رحمت اللہ کے وہاں پہنچنے پر پادری فنڈر نے وہاں بھی فرار کی راہ اختیار کی اور مولانا مظفر و منصور ہو کر واپس مکہ پہنچے۔ یہ ۱۲۸۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے اکیس سال بعد آپ کو پھر قسطنطنیہ بلایا گیا۔ آپ کی تصنیفات ردِ عیسائیت میں ظاہر الروایۃ کی طرح مرکزی حیثیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اظہار الحق (دو جلد)، ازالۃ الشکوک (دو جلد) ازالۃ اوہام (فارسی) اعجاز عیسوی، اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث اور معدل اعوجاج المیزان، یہ چھ کتابیں لکھیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۸ھ) مولانا سید ناصر الدین محمد ابو المنصور صاحب نوید جاوید مؤلفہ ۱۲۹۲ھ اور مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی (۱۳۲۰ھ) نے بھی اس میدان میں بہت کام کیا۔ مولانا رحمت اللہ کے ساتھیوں میں جس طرح ڈاکٹر وزیر علی عبرانی زبان کے ماہر تھے اور انہوں نے کتاب مقدس کے پرانے یوریبین نسخوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی نے عبرانی کے لیے چھ سال احبار یہود کے ساتھ گزارے اور کتاب مقدس کا اصل عبرانی میں مطالعہ کیا۔ آپ کی تالیف میں البُشریٰ (دو جلد) مبحث نبوت پر بلند پایہ کتاب ہے۔ آپ نے اعجاز القرآن پر بھی ایک کتاب لکھی۔ آپ کئی مسائل میں تفردات کے حامل تھے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بھی اس فن کے امام تھے۔ آپ نے پادری صفدر علی اور پادری عماد الدین کا فاتحانہ تعاقب کیا۔ پادری صفدر علی نے ایک کتاب نیاز نامہ لکھی۔ آپ نے مرآۃ الاسلام کے نام سے اس کا جواب دیا۔ پادری عماد الدین کی کتاب ہدایۃ المسلمین کا جواب مرآۃ الیقین کے نام سے دیا۔

آپ نے ردِ عیسائیت پر چار اور کتابیں تکمیل الایمان، رسالت محمدیہ، دافع التلبیسات اور تصدیق مسیح بھی لکھیں اور عیسائیوں پر حجت تمام کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مولانا سید ناصر الدین ابو المنصور نے بھی پادری صفدر علی کی کتاب نیاز نامہ کا جواب رقیمۃ الوداد اور پادری عماد الدین کی کتاب ہدایۃ المسلمین کا جواب عقوبۃ الضالین کے نام سے لکھا۔ پادری عماد الدین نے نغمہ طنبوری کے نام سے ایک کتاب لکھی تو آپ نے لحن داؤدی کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ پادری رجب علی کی کتاب آئینہ اسلام کا جواب انعام العام کے نام سے لکھا اور پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے جواب میں میزان المیزان لکھی۔

رام چندر نے اعجاز القرآن کے نام سے قرآن کریم پر کڑی تنقید کی۔ مولانا ابو المنصور نے اعزاز القرآن کے نام سے اس کا مسکت جواب دیا ــــــ مصباح الابرار اور تنشویش القسیس بھی آپ کی ردِ عیسائیت پر معروف کتابیں ہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر علی کے بعد اس فن میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا ابو المنصورؒ کا نام ہی آتا ہے۔

مولانا محمد عبد الحقؒ (۱۳۳۵ھ) صاحب تفسیر حقانی بھی ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے کتاب مقدس کا پورا تنقیدی مطالعہ کیا اور اسلام کا پوری قوت سے دفاع کیا۔

اس دور کے اہل حق اپنی تصنیف و تالیف اور تربیت و تقریر سے حوزۂ اسلام کی حفاظت کے لیے ایسے بند باندھ گئے کہ پھر چودھویں صدی کے مسلمان اس سنگ میل کی پیروی میں ہندوستان کے عیسائی مشنریوں سے ہر محاذ پہ مقابلہ آراء ہوئے اور ہر میدان میں فتح پائی۔

عیسائیوں سے سب سے پہلا اہم مناظرہ کانپور میں فاضل عباس علی جاجموی اور پادری

وِیٹ مع پادری ولیم کے مابین ہوا۔ یہ مناظرہ اکبر آباد ۔ ے بائیس سال پہلے کی بات ہے۔ فاضل عباس علی کی کتاب صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم تاریخی شہرت رکھتی ہے۔ تیرہویں صدی کے آخر میں عیسائی مشنری لندن سے اپنے شہرۂ آفاق سکالرز (مثل پادری فنڈر اور پادری رابرٹ. کلارک) کو ہندوستان لاکر اسلام کی صداقت کے جلوے دیکھ چکے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس دور کے علمائے اسلام نے انگریزوں کے سیاسی عروج کے اس دور میں بھی صف اسلام کے گرد اس بے جگری سے پہرہ دیا کہ عیسائی اپنی تمام صلیبی جنگیں بھول گئے۔

مولانا الٰہی بخش بریلوی عرف مولوی رنگین بھی کتاب مقدس کے بڑے ماہر تھے اور ردِ عیسائیت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ شاہجہانپور کے ۱۸۷۶ء کے مذہبی مباحثہ میں مسلمانوں کی طرف سے آپ ہی پیش پیش تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ نے مولوی رنگین بریلویؒ کو مشورہ دیا کہ مباحثہ شاہجہانپور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ پادری نولس اس میں خود پیش ہو رہا ہے۔ اس کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بلانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بلایا گیا —— اور آپ حضرت مولانا محمود حسنؒ، مولانا فخر الحسنؒ اور مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ کی معیت میں مباحثہ شاہجہانپور میں تشریف لائے۔ پھر کیا ہوا؟ اسے اخبار خیر خواہ عالم دہلی کی ۱۹ مئی ۱۸۷۶ء کی اشاعت میں پڑھیئے۔ اس کی رپورٹ یہ ہے:۔

> پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔ طول۔ عرض۔ عمق —— سو تثلیث فی التوحید ہر طرح ثابت ہے۔ مولوی صاحب موصوف (حضرت مولانا محمد قاسمؒ) نے اسی وقت اس کا رد کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ تمام قرب وجوار اور چاروں طرف شور و غل مچ گیا کہ مسلمان جیت گئے —— جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا اس کے ارد گرد ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔[1]

مورخِ اسلام جناب محمد ایوب قادری بھی لکھتے ہیں:۔

> مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید میں ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے۔[1]

---

[1] سوانح مولانا احسن نانوتویؒ صفحہ ۲۲

اگلے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں میلہ خدا شناسی پھر رکھا گیا۔ اس دفعہ پادری نولس نے اپنے ساتھ مشہور مفسر بائیبل پادری اسکاٹ کو بھی بلالیا۔ اس دفعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہمراہ مولوی محمد علی بچھرایونی (۱۳۰۵ھ) تشریف لائے۔

مولانا محمد علی بچھرایونی بھی رد عیسائیت میں بڑے مشہور تھے۔ آپ نے ۱۸۶۹ء میں پادری اینڈرسن کے اعتراضات کے جواب میں سوط الجبار علی متن الکفار لکھی جو مطبع صدیقی بریلی سے شائع ہوئی۔ ۱۸۷۳ء میں آپ نے ظفر مبین علی جمع الشیاطین لکھی۔ یہ بھی مطبع صدیقی میں شائع ہوئی۔ یہ دونوں کتابیں گہری تحقیقات پر مشتمل ہیں۔

۱۸۷۵ء میں آپ کا مناظرہ دہلی میں پادری تارا چند سے ہوا تھا۔ اس سے آپ کا تعارف مولانا ابو المنصور ناصر الدین سے بھی ہوگیا۔ اب یہاں ۱۸۷۷ء کے میلہ خدا شناسی میں آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نائب تھے۔ مبارک شاہجہانپور میں عیسائیوں کا یہ عہم اس مغلوب ملک کو مذہبی حیثیت سے فتح کرنے کی تھی۔ جو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی بروقت تشریف آوری سے ناکام رہا اور ہر طرف زمزمہ تھا کہ مسلمان جیت گئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ان تمام حضرات سے گہرا ربط رکھتے تھے۔ جو اسلام کے دفاع میں عیسائیت کے خلاف کچھ بھی کام کر سکتے تھے۔ آپ کی خط و کتابت مولوی ابو المنصور دہلویؒ (۱۹۰۲ء) سے بھی باقاعدہ رہتی تھی۔[1]

مولانا کا ۱۲۹۴ھ کا ایک اور خط بھی ملا ہے جس میں آپ نے پرچہ مہر درخشاں، رسالہ تبیان، اور مولوی الٰہی بخش رنگین کا بھی ذکر ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس طرح ملک میں ہونے والی مسیحی کوششوں پر عقابی نظر رکھتے تھے اور پھر اس پیدا کی فکریں ہوتے تھے۔

مولانا ابو محمد عبد الحق حقانیؒ (۱۳۳۵ھ) نے پورے قرآن کریم کی ایک جامع تفسیر فتح المنان لکھی۔ آپ نے اس میں جگہ جگہ عیسائیوں پر نقد کیا ہے۔ آپ نے علوم قرآن پر ایک بڑا جامع مقدمہ بھی لکھا ہے اور حقیقت، قرآن پر بڑی جامع بحث کی ہے۔ آپ کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

مولانا اشرف الحق صدیقیؒ ۱۳۵۴ھ نے دہلی کے انچارج مشنری مسٹر لیفرائے کا زبردست مقابلہ

---

[1] دیکھئے عین الیقین: مرتبہ سید مہدی حسن ص۳۳۳ مطبع فاروقی دہلی

کیا۔ آپ زبردست مناظر تھے اور ردِ عیسائیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دافع التبیان اور استیصالِ دین عیسوی آپ کی تالیفات ہیں۔ آپ نے غازی پور میں پادری رد فیس سے بھی مناظرہ کیا۔

تحریری مناظروں کا آغاز ۱۸۴۵ء سے ہو چکا تھا۔ پہلا مناظرہ پادری فنڈر اور مولانا آلِ حسن مہانی کے مابین سات ماہ ہوا۔ پادری عماد الدین اور مولانا عبد الباری مؤلف اعلام الاحبار میں بھی تحریری مناظرے ہوئے۔

مولانا محمد علی مراد آبادی نے کشف الاوہام۔ شہادۃ التبیین رسالہ سید المرسلین اور تائید الفرقان لکھیں۔ عیسائیوں نے امہات المومنین کے نام سے ایک نہایت غلیظ کتاب لکھی۔ لکھنؤ کے مولانا علی غضنفر نے اس کے جواب میں الحق المبین فی الرد علی کتاب امہات المومنین لکھی۔

ہندوستان میں عیسائی پادریوں کی آمد

یوں تو عیسائی مشنری یورپین قوموں کے ساتھ شروع سے ہی ہندوستان میں آوارد ہوئے لیکن جن سرکردہ پادریوں نے یہاں کے قدیمی مذاہب کا مقابلہ کیا۔ ان میں یہ چند منار تاریخی حیثیت کے مالک ہیں۔

① پادری فنڈر (وفات ۱۸۶۵ء)

۱۸۳۷ء میں ہندوستان آیا۔ میزان الحق۔ حل الاشکال اور مفتاح الاسرار اس کی ضخیم تالیفات ہیں میزان الحق کے باب اوّل اور سوم کا رد مولانا آلِ حسن نے لکھا اور کہیں کہیں مفتاح الاسرار کی بھی تردید فرمائی ہے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ نے پوری کتاب کے جواب میں اظہار الحق دو ضخیم جلدوں میں لکھی۔ فاضل ہادی علی نے کشف الاستار کے نام سے کشف الاسرار کا جواب لکھا۔ جواب الجواب میں فنڈر نے حل الاشکال لکھی۔ اس کے جواب میں مولانا آلِ حسن نے کتاب الاستبشار لکھی۔

② بشپ تھامس ویلپی

اس فرانسیسی پادری نے ۱۸۹۱ء تک علاقہ ملتان میں بطور بشپ کام کیا۔ پادری فنڈر کے ساتھ

مناظروں میں اس کا معین رہا۔ لاہور کا بڑا چرچ Cathedral اسی کا قائم کردہ ہے۔

③ پادری چارلس ولیم فورمین ڈی۔ ڈی۔ ماہر الٰہیات (وفات ۱۸۹۴ء)

۱۸۴۸ء میں رنجیت سنگھ کے دور میں ہندوستان آیا۔ ایف۔ سی کالج لاہور اسی کا قائم کردہ ہے۔ ایف سی کالج لاہور، مرے کالج سیالکوٹ، اور گارڈن کالج راولپنڈی مرکزی مشنری کالج تھے۔

④ پادری رابرٹ کلارک (وفات ۱۹۰۰ء)

۱۸۵۲ء میں مشنری کے طور پہ ہندوستان آیا۔ رائے ونڈ کے پاس کلارک آباد کی ۱۹۰۰ ایکڑ زمین اسی کے نام سے موسوم ہے۔ انار کلی لاہور میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی اسی کی قائم کردہ ہے۔ پشاور، کابل اور کشمیر میں اس نے تبلیغی دورے کئے۔ ۱۸۶۶ء میں اس نے امرتسر میں ایک نامور مولوی عماد الدین کو عیسائی کیا۔ اسے جو زمین ملی وہ اب تک کوچہ پادری عماد الدین کے نام سے موسوم ہے راقم الحروف امرتسر کے اسی کوچہ کا رہنے والا ہے۔

⑤ پادری اینڈریو گورڈن ماہر الٰہیات ڈی ڈی (وفات ۱۸۸۷ء)

سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں بطور مشنری کلکتہ آیا۔ اس نے سیالکوٹ، گوجرانوالہ نارووال، ظفروال، گورداسپور اور راولپنڈی میں بھی تبلیغی دورے کیئے۔

⑥ پادری تھامس ہنٹر

۱۸۵۷ء میں اسے ایک سکھ نے قتل کیا۔ دہلی، سیالکوٹ اور لاہور میں اس نے خاصا مشنری کام کیا۔ اس کی سرگرمیاں جاری تھیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہو گئی اور یہ اس میں مارا گیا۔

⑦ بشپ جارج الیفرڈ لیفرائے (وفات ۱۹۱۹ء)

۱۸۵۴ء میں بطور مشنری دہلی آیا۔ یہاں ایک آرچ ڈیکن کی تقرری زیر تجویز تھی بشپ فرنچ

پادری رابرٹ کلارک کو اس بُکہ مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن بشپ جارج ایلفرڈ نے ہندوستانی باشندے پادری احسان اللہ کو آرچ ڈیکن مقرر کیا یہ دہلی مشنری کا اپنے وقت کا سب سے بڑا مبشر انجیل تھا۔

مولانا اشرف الحق صدیقی (۱۳۵۴ھ) نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور ہر محاذ پہ اسے شکست دی، اس سے مناظرے کئے اور فتح پائی۔

پادری خیر سنگھ جو ضلع ملتان کا مرکزی مبشر تھا اس سے اس کے کچھ اختلافات ہو گئے تھے۔

⑧ پادری جے سی۔ آر یوئنگ (ماہر الٰہیات) ڈی ڈی

۱۸۷۹ء کو ہندوستان آیا سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ وفات ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔

⑨ ڈاکٹر تھیوڈور لائٹنر (وفات ۱۹۱۲ء)

اس نے پنجاب اور پشتو بولنے والے علاقوں میں مشنری کام کیا۔ اس کی تربیت ان علاقوں کے لیے تھی۔ ان کے علاوہ متعدد اور پادری بھی سواحل ہند پر اترے ——— اور ان مشنریوں نے سکولوں کالجوں اور ہسپتالوں میں لوگوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذہب کو فروغ دیا عیسائیت کی اشاعت گرجاؤں میں اتنی نہ تھی جتنی عوامی بہبود کے ان مراکز میں ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ کمزور دل لوگ جلد احسان کے جال میں آجاتے ہیں۔

پھر یہاں مقامی پادریوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد وجود میں آگئی ——— پادری تارا چند دہلی کے مضافات میں پادری طالب الدین جو ۱۹۱۴ء میں نارووال کے علاقے میں تھا پادری طالب الدین جو ۱۹۱۰ء میں دیوبند کے قریب ایک مدرسہ الٰہیات College of Divinity میں صدر مدرس بنا کر بٹھا یا گیا، اور پادری عماد الدین (وفات ۱۹۰۰ء) اس دور کے مرکزی صلیب بردار ہیں۔

پھر پادری اکبر مسیح نے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے خلاف تنزیہ الاذہان لکھی، یہ مولوی ابوالحسن صدیقی (حیدر آباد) کی کتاب کے جواب میں ہے۔ اس کے بعد پادری برکت اللہ نے صحت کتب مقدسہ کے نام سے اپنی کتاب مقدس کا دفاع کیا۔ ان کتابوں کی ابتر صورت حال نے عیسائیت کی اور بہت سی کمزوریاں واضح کر دی ہیں۔ اور بتلا دیا کہ علمی سطح پہ ان لوگوں کے پاس کچھ نہیں۔

پادریوں کی زبان اور شرافت

انگریزی تہذیب کے دلدادہ انگریزوں کی متانت اور سنجیدگی کے عمومی طور پر قائل ہیں اور علماء اسلام کو یہ عام طور پر غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ ان کا ایسا سمجھنا بھی دراصل اسی انگریزی تہذیب کا نتیجہ ہے۔ ہم یہاں پادریوں کی اس زبان اور شرافت کا پتہ دینا چاہتے ہیں جو عیسائیوں کے چوٹی کے پادریوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ حضرت مولانا آل حسن مہانی جن کا پادری فنڈر سے ۱۸۴۴ء (تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء سے تیرہ سال پہلے) میں تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ ان کے بارے میں پادری صاحب کی زبان ملاحظہ ہو۔ پادری فنڈر (حل الاشکال کے ص۸ پر مولانا آل حسن مصنف کتاب الاستفسار کے بارے میں یہ الفاظ لکھتا ہے:-

یہ شخص فہم میں بت پرست سے بھی کم ہے اور کفر میں یہودیوں سے بڑھ کر ہے۔ ص۱۱

پھر آگے جا کر لکھتا ہے:

جناب فاضل ص۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں۔ ص۱۱۸

پھر آگے یہ بھی لکھا ہے:-

انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ص۱۲۰

مولانا آل حسن نے ۱۸۴۴ء کے مناظرے میں یہ شرط لگائی تھی کہ پادری صاحب جہاں بھی ہمارے پیغمبر کا نام لیں تعظیمی الفاظ سے لیں اور ان کے لیے جمع کی ضمیریں استعمال کریں تاکہ مسلمانوں کو کوفت نہ ہو۔ اس کے جواب میں پادری فنڈر نے ۹ جولائی کے خط میں لکھتے ہیں:-

خوب سمجھ لو ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں — یہ بات ہمارے لیے قطعی ناممکن ہے ...... اور کسی ایسی جگہ جہاں کلام کا مقتضا ہو گا یہ بھی کہوں گا کہ محمد رسول نہیں ہیں یا جھوٹے ہیں۔

پھر فنڈر نے اپنے ۳۱ جولائی ۱۸۴۴ء کے خط میں بھی یہی لکھا ہے۔

"یہ بات محال ہے کہ ہم محمد کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے

صیغوں کے ساتھ لائیں۔"

یہ جواب مولانا آلِ حسنؒ کو ملا تھا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ فرماتے ہیں: میں نے بھی اپنے مناظرے کے موقع پر یہی مطالبہ پادری فنڈر سے کیا کہ ہمارے آقا کا نام جمع کی ضمیروں سے لیا جائے تو میرے ۱۶ اپریل ۱۸۵۴ء کے خط کے جواب میں پادری فنڈر نے مجھے بھی وہی جواب دیا جو اس نے صاحب استفسار کو دیا تھا۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان پادریوں کے سینے کس طرح حضور رسالت مآبؐ کے بغض اور کینے سے بھرے ہوئے ہیں۔ وما تخفی صدورھم اکبر اور جو بات ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

پادری فنڈر کے رسالہ مراسلات میں وہ تمام خطوط درج ہیں جو اس کے اور حضرت مولانا آلِ حسنؒ کے مابین ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۵ء میں لکھے گئے۔ ان مراسلات میں مناظرے کے مضامین یہ تھے:

۱. تحریف بائبل ۲. الوہیت مسیح اور تثلیث ۳. رسالت محمدیؐ

مولانا آلِ حسنؒ اور پادری فنڈر کی یہ خط وکتابت عیسائیوں نے حل الاشکال کے ساتھ شائع کر دی ہے۔

آپ اندازہ کریں ایک قوم جو سیاسی طور پر مغلوب کی جا چکی ہو، اس کے لیے فاتح قوم سے اپنے پیغمبر کے حق میں اس قسم کی زبان سُننا کس قدر دل آزاری کا سامان ہوگا، مگر آفرین علماء حق پر جنہوں نے آگ کے سمندر میں کود کر بھی اپنے آقا و مولیٰ کی شان میں ذرہ بے ادبی نہ آنے دی اور جب بھی کسی گستاخ نے آپ کی شان میں کوئی ایسی بات کی مسلمانوں نے ترکی بہ ترکی جواب دے کر موت وحیات کے فاصلوں کو ختم کر دیا۔

علمائے حق کی مدافعت کا پادریوں پر اثر

علماء حق کی علمی گرفت سے پادریوں کے سامنے ان کی اپنی مایۂ ناز کتابوں کی حقیقت کھُلی تو انہوں نے اپنی کتابوں میں حک واضافہ اور ترامیم شروع کر دیں اور یہ بات ان لوگوں کے لیے کوئی

شکل نہ تھی، جن کے ہاتھ اللہ کی کتابوں میں تحریف سے پہلے سے رنگین تھے۔

(۱) ——— میزان الحق پر مولانا آل حسنؒ کی گرفت دیکھ کر پادری فنڈر نے اسے دوبارہ مرتب کیا اور اب اسے فارسی میں لکھا۔ یہ فارسی نسخہ ۱۸۴۹ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ سو اب میزان کے دو نسخے ہیں ایک قدیم اور ایک جدید ——— حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اس جدید نسخے کا بھی رد لکھا ہے اس کا نام معدل اعوجاج المیزان ہے مولانا آل حسن نے جس میزان الحق کا جواب لکھا تھا وہ ۱۸۴۳ء کی مطبوع تھی۔

(۲) ——— پادری اسمتھ کی کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۲ء کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ حضرت مولانا آل حسنؒ نے اس کا بھی رد لکھا۔ مولانا رحمت اللہؒ نے بھی تقلیب المطاعن کے نام سے اس پر قوی گرفت کی ہے۔ اس کے بعد پادری مذکور نے خود اپنی کتاب میں ترامیم کیں اور اپنی اس کتاب کا ایک نیا نسخہ پیش کر دیا پھر پادری سنکلیر نے اسے تنقیح میزان الحق کے نام سے ایک نئی ترتیب دی ہے۔

پادری ولیم اسمتھ کی کتاب طریق الاولیاء مرزاپور سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ پادری پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

انگریز پادری تھامس جو کیتھولک فرقے کے پیرو تھے۔ ان کی کتاب مرآۃ الصدق ۱۸۵۱ء میں اردو میں ترجمہ ہوئی۔ اصل کتاب انگریزی میں تھی۔ اب کسے معلوم نہیں کہ ان سب کتابوں میں خود ان کے مصنفین اگلے ایڈیشنوں میں کتنی ترامیم کرتے رہے ہیں اس سے بآسانی پتہ چل سکتا ہے کہ علمائے اسلام کی مضبوط گرفتوں نے کس طرح صلیبی دنیا کو علمی حدود میں زیر و زبر کر دیا تھا۔ اب یہ اسی چراغِ کشتہ کا دھواں ہے جس میں پادری برکت اللہ اور ان کے ساتھی دم توڑ رہے ہیں۔

علمائے حق کا شاندار ماضی

غلام ہندوستان کے سیاہ دور میں یہ علمائے حق کی روشن تاریخ ہے۔ اہل حق کا یہ قافلہ نہ کہیں جھکا ہے نہ بکا ہے۔ تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی ان حضرات نے گرانقدر یادگاریں چھوڑی ہیں۔ یورپ تحریک احیاء علوم Renaissance کے بعد فن تنقید میں بہت آگے نکل چکا تھا۔ ہندوستان میں تنقید نے ابھی کوئی فنی صورت اختیار نہ کی تھی۔ تاہم رد عیسائیت میں یہ حضرات اتنی علمی قوت، منطقی تجزیے اور صحیح اصولِ تنقید سے آگے بڑھے کہ پورے یورپ کا

فنِ تنقید پچھڑ گیا اور عیسائی مبشرین کی بے مائگی ہر کہ و مہ کو نظر آنے لگی غلبۂ حق کی فطرت میں ہے اور باطل ہے اسلئے کہ پامال ہو۔ بنارس۔ احمد نگر۔ حیدر آباد دکن۔ پشاور۔ سیالکوٹ۔ ملتان اور جہاں جہاں بھی مسیحی مشنری پہنچے، وہاں کے علمائے حق فوراً ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے رہے۔ ان حضرات نے زبان و قلم کے ان معرکوں میں بہت سے اخبارات اور رسائل بھی نکالے۔ سید الاخبار دہلی ۱۸۳۸ء میں، سراج الاخبار دہلی ۱۸۳۹ء میں اور ہفت روزہ اردو اخبار دہلی ۱۸۴۳ء میں اس مقدس نصب العین کے لیے نکالے گئے۔ لکھنؤ سے مہر درخشاں آگرہ سے قطب الاخبار، الہ آباد سے امین الاخبار، کلکتہ سے حبل متین، بنگلور سے منشور محمدی اور حیدر آباد سے ماہنامہ حسن اسی قلمی جہاد کی یادگاریں ہیں۔

پنجاب بھی اس مہم سے کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ رہبر ہند لاہور سے، نور علیٰ نور لدھیانہ سے، اور نور الاسلام سیالکوٹ سے عیسائی مشنریوں کے اس تعاقب میں جاری کئے گئے اور علمائے حق نے اس محاذ پہ اپنی پوری ذمہ داری ادا کی۔ عیسائیوں کا پرچہ نُورِ افشاں لدھیانہ سے نکلتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی خدمات

ممکن ہے بعض ذہن یہ تشنگی محسوس کریں کہ یہاں مرزا غلام احمد کا نام نہیں لیا۔ اس نے بھی تو عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور مضمون شائع کئے ــــــ لیجیے ہم اس راز سے بھی پردہ اُٹھائے دیتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنی پیشگوئی میں پادری آتھم سے جو شکست کھائی وہ ہمیں اس کے ذکر سے روکتی ہے پھر مرزا غلام احمد پادریوں کی اس یورش کے وقت دفاعِ اسلام کے لیے بھی تو آگے نہ آئے تھے۔ ان کی عیسائیوں کے خلاف قلم کشی کسی اور مقصد کے لیے تھی اور وہ مقصد یہ تھا کہ پادریوں کی ان خلاف اسلام تحریرات کے خلاف یہاں اُمتِ مسلمہ کہیں بھڑک نہ پڑے اور انگریزی حکومت کسی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ عیسائیوں کے خلاف مذہبی جوشیلی کارروائی سے مسلمانوں کے جوش ٹھنڈے پڑ سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مرزا غلام احمد نے عیسائیوں کے خلاف قلم اُٹھایا۔ سو ہم اس کی اس کارگردگی کو دفاعِ اسلام کی صف میں کیسے جگہ دے سکتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنے ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء کے اشتہار میں خود اپنی اس نیت کا اقرار اور اپنے اس مقصد کا اظہار کیا ہے۔

اور میں اس بات کا بھی اقراری ہوں کہ جب کہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہوگئی اور حد اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نور افشاں میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کئے کہ یہ شخص ڈاکو تھا، چور تھا، زناکار تھا اور صدہا پرچوں میں یہ شائع کیا کہ یہ شخص اپنی لڑکی پر بدنیتی سے عاشق تھا اور باایں ہمہ جھوٹا تھا اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔ تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کے دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے۔ تا سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔ تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں کسی بالمقابل سختی تھی۔ کیونکہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لیے یہ طریق کافی ہوگا۔ کیونکہ عوض معاوضہ کے بعد کوئی گلہ باقی نہیں رہتا۔ سو یہ میری پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی۔ اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا مسلمان جو پادری عمادالدین وغیرہ لوگوں کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے یک دفعہ ان کے اشتعال فرو ہو گئے۔ کیونکہ انسان کی یہ عادت ہے کہ جب سخت الفاظ کے مقابل پر اس کا عوض دیکھ لیتا ہے تو اس کا وہ جوش نہیں رہتا۔[1]

اس عبارت کا لفظ لفظ بتا رہا ہے کہ مرزا غلام احمد کی نیت ان تحریروں سے عیسائیت کے رد کی نہ تھی صرف مسلمانوں کے جوش آزادی کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر ہوتا تھا۔

---

[1] عاجزانہ درخواست ضمیمہ تریاق القلوب صہ ۳۶۲

پادریوں کی علمی ناکامی پر انگریز حکومت کی نئی حکمت عملی

جب تمام بڑے بڑے پادری اپنی اپنی بارشکست کھا گئے تو یہ وقت انگریز حکومت کے لئے بڑا نازک لمحہ فکریہ تھا۔ انگریز حکومت گو اپنے آپ کو سیکولر حکومت سمجھتی تھی اور ہر مذہب کو مذہبی آزادی دینے کی مدعی تھی لیکن ان کے اندر کی صلیبی دھڑکن کسی نہ کسی طرح محسوس ہو ہی جاتی تھی۔ پادریوں کی علمی ناکامی پر وہ سخت پریشان تھے کہ اب آگے کیا ہوگا ہم اس مغلوب قوم پر کبھی علمی غلبہ نہیں پاسکیں گے ——— اس وقت تک اہل سنت مسلمانوں میں کوئی ذیلی فرقہ بندی نہ تھی۔

اب بدیشی حکومت کے سامنے صرف ایک ہی راہ تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ہندوستان کے سنی مسلمانوں کو ذیلی گروہوں میں تقسیم کیا جائے اور ان کی مرکزی طاقت کمزور کی جائے تاکہ اہل سنت مسلمان محدثین دہلی کی علمی سند سے تسلسل قائم نہ رکھ سکیں اور قوم اثار کی کانکار ہو جائے۔

یہ وہ دور ہے جب دہلی میں مولانا نذیر حسین دہلوی تقلید کی بندھن سے نکلتے ہیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی بجائے خود شیخ الکل بنتے ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی حکومت سے اپنے فرقے کے لیے ایک نام الاٹ کرنے کی درخواست دیتے ہیں اور ایک نیا فرقہ وجود میں آتا ہے۔ مولانا فضل رسول بدایونی شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ محمد اسحق دہلویؒ کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں اور ایک نیا فرقہ بنتا ہے۔ قادیان میں مرزا غلام مرتضیٰ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو پچاس گھوڑے مع پچاس سوار جاں نثار دیتے ہیں۔ اور وفاداری کی ایک نئی راہ کھلتی ہے۔ نواب صدیق حسن خاں اس وقت کے جہاد کو مفسدہ قرار دیتے ہیں۔ اور بریلی میں مولانا نقی علی خاں مسئلہ امکان نظیر پر مولانا محمد احسن نانوتوی سے الجھتے ہیں، اور مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ سر سید احمد خاں اور مولوی چراغ علی آزادی رائے کا غلط فائدہ اٹھا کر دین کے قطعی مسائل معجزات اور خوارق عادات کا انکار کر دیتے ہیں اور ایک نیچری گروپ سامنے آتا ہے۔ چکڑالہ کے مولوی غلام نبی اٹھتے ہیں اور اپنا نام بدل کر عبداللہ چکڑالوی کے نام سے آگے بڑھتے ہیں اور انکار حدیث کی مہم شروع ہو جاتی ہے ——— اسی اثنا میں مولوی عبدالسمیع رامپوری نے بدعات کی حمایت میں رسالہ انوار ساطعہ لکھا اور تمام مروجہ بدعات کو علمی استناد مہیا کیا۔

یہ سب اختلافات اسلام میں آزادئ رائے کے نام سے گوارا کر لیے گئے اور نہایت خاموشی

سے یہ مسلمانوں میں سمو دیئے گئے۔ اس سے مسلمان بُری طرح فرقہ بندی کا شکار ہوتے اور جو کام پادری فنڈر پادری اسکاٹ۔ پادری سمتھ۔ پادری نولس اور پادری رابرٹ کلارک سب مل کر بھی نہ کر سکے تھے۔ وہ خود مسلمانوں نے آزادئ رائے کے خوب صورت عنوان سے کر ڈالا اور امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ فرقہ بندی کے ایسے کانٹے بچھائے کہ اسلام کے جملہ اصول و فروع زخمی ہو کر رہ گئے اور ہزار ہا صالح کوششوں کے باوجود مسلمان اس فرقہ بندی سے نہیں نکل سکے محدثین دہلی کی روش کے خلاف جو بھی چلا وہ کسی نہ کسی طور پر دانستہ یا نادانستہ انگریزی حکومت کی اس حکمت کا شکار ہوا کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف کی آمد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں لائی گئی اور یہ مختلف بارودی لائنیں۔ محدثین دہلی اور دارالعلوم دیوبند کے اثرات کو کم کرنے کے لیے بچھائی گئیں ـــــ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مولانا احمد رضا خاں کے مکتبِ فکر کا تعارف ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

> یہ گروہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک۔ خانوادہ شاہ ولی اللّٰہی خصوصاً شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بعض دینی افکار اور علمائے دیوبند کی تحریک کے ردعمل کے طور پر وجود میں آیا ہے [1]

گویا اس کا وجود کسی مثبت کام کے لیے نہیں محض ایک منفی غرض کے لیے عمل میں آیا تھا۔

اب جب مسلمان باہمی اختلاف کا شکار ہوئے تو ہندوستان پر انگریزی حکومت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اب ہندوستان جو آزاد ہوا ہے وہ اہل ہند کی کسی تحریک آزادی سے نہیں جنگ عظیم ثانی کے ختم پر جو معاہدہ برطانیہ اور روس کے مابین ہوا اس کے نتیجہ میں بڑے ممالک کو اپنی نو آبادیات سے واپس ہٹنا پڑا ہے اور اسی پالیسی کے تحت ہندوستان آزاد ہوا ہے۔

ہم اس فرقہ بندی کے دور سے سخت نالاں ہیں۔ لیکن علمائے حق کے اس روشن ماضی کو خراجِ تحسین ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے اس پہلے دور میں باہمی اختلاف اور تفردات تک کو بڑی وسعت قلبی سے برداشت کیا۔ مگر مسلمانوں کی فرقہ بندی نہیں ہونے دی اور اس قوم کا ہمیشہ ایک بڑا نام رہا۔ اور یہ مسلمانوں کی وحدت ملی تھی۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص ۴۸۵

تاہم اس فرقہ بندی کے دور میں بھی مسلمان عیسائیوں اور قادیانیوں کے خلاف مشترکہ پلیٹ فارم بناتے رہے اور اس دور میں بھی مسلمانوں نے علمبرداران صلیب اور ان کے حواریوں کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔

پنجاب میں اس محاذ پر مولانا فقیر محمد جہلمی (۱۳۲۴ھ) مالک سراج الاخبار جہلم نے بنیادی کام کیا آپ نے علمائے احناف پر ایک تاریخی دستاویز حدائق حنفیہ قلمبند کی ہے۔ اس میں آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا بڑی عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے عیسائیوں کی اصلاح کے لیے ـــــ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل لکھی اور ان پر حجت تمام کردی۔

دوسرے بزرگ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر محمد صادق علی ہیں جو ریاست کپور تھلہ میں اسسٹنٹ سرجن تھے کپورتھلہ مشرقی پنجاب کی ایک ریاست ہے۔ آپ نے بھی عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا اور تحقیق الاناجیل دو حصوں میں لکھی۔ کل صفحات ۲۸۰ ہیں۔ یہ ۱۸۹۷ء میں طبع ہوئی۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول کے آغاز پر عیسائی مشنریوں نے مسلمانوں سے پندرہ فیصلہ کن سوال کئے اور انہیں پورے ملک میں پبلسٹی دی۔ پسرور ضلع سیالکوٹ کے حافظ محمد عبداللہ صاحب نے مختلف شہروں اور قصبوں میں ان کے جوابات دیئے اور پھر انہیں سیف الرحمٰن کے نام سے مطبع نقشبندیہ سیالکوٹ سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس کا سن اشاعت ۱۹۱۹ء ہے۔ اور صفحات ۲۸۰ ہیں۔

سید نواب علی نے تاریخ صحف سماوی ۵۲۴ صفحات میں لکھی۔ حاجی مصطفےٰ صاحب جو بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بشارات کے موضوع پر بنجم الهدایہ فی اثبات البشارۃ لکھی۔ جو دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا بشیر الدین نے صمصام بشیر لکھی۔ جو مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوئی۔

یہ ان اہل علم کا تذکرہ ہے جنہوں نے اس وقت کے عیسائی مشنریوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا پامردی سے مقابلہ کیا کہ باوجود یکہ وقت کی سیاسی شوکت ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ انہوں نے عواقب سے بالکل بے پرواہ ہو کر بہتی عیسائیت کے آگے اس طرح علم و تحقیق کے بند باندھے کہ برصغیر پاک و ہند میں عیسائیت جہاں تھی وہیں رک گئی اور اب انہی کے

خاندان میں جو یہاں کی مسیحی قوم شمار ہوتے ہیں نئے عیسائی بننے ترک گئے تھے۔

ان کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، حافظ محمد شفیع صاحب سنکھتروی، مولانا اسعد اللہ سہارنپوری، مولانا لال حسین اختر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا دور آتا ہے۔

یہ حضرات زبان، قلم اور مناظرہ ہر میدان میں عیسائی مشنریوں پر سبقت لے گئے۔ ان حضرات کے دور میں عیسائیوں کے بڑے مشنری پادری اکبر مسیح پادری عبد الحق اور پادری برکۃ اللہ سمجھے جاتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ہر موضوع تحقیق میں علمائے اسلام سے شکست کھائی ہے۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ حق کی فطرت یہ ہے کہ غالب رہے۔

پاکستان بننے کے بعد جن حضرات نے اس محاذ پر کام کیا ہے وہ مختلف انواع کا ہے۔ تحقیق و تتبع میں اب بھی مولانا آل حسن مہانی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا ابو المنصور ناصر الدین کا ہی سکہ چلتا ہے اور یہ حضرات واقعی اس محاذ کے ائمہ اربعہ ہیں۔ ہاں دفاع نئے اور صارع، اعداد و شمار اور زندگی کے ساتھ اٹھنے والے نئے مسائل میں اگلے آنے والوں کے لیے میدان بے شک وسیع رہا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق ان الواب میں بھی اسلامی نظریات و اقدار کا بڑی وفاداری سے پہرہ دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق کا ترجمہ کرا کر خود اس پر ایک محققانہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

شورکوٹ کے مولانا بشیر احمد جالندھری نے پادری برکت اللہ کی کتاب توریت موسوی اور محمد عربی کا جواب آخری نبی اور تورات موسوی کے نام سے ۲۷۲ صفحات میں تحریر کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی نے پاکستان میں مسیحیت ۵۲۰ صفحات میں لکھی ہے۔ یہ علماء کی طرز پر نہیں۔ واقعات، حقائق اور اعداد و شمار میں ایک گرانقدر ذخیرہ ہے۔

اسی طرح رانا احسان الحق مرحوم نے بھی یہودیت و مسیحیت ۳۹۲ صفحات میں ایک پُر از معلومات کتاب لکھی ہے مسیحیت پاکستان میں ڈاکٹر نادر رضا صدیقی نے ۵۲۰ صفحات میں لکھی ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

علمائے اسلام کی یہ علمی خدمات اپنی جگہ قابل ستائش ہیں لیکن مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے یہ کتابیں بند نہیں باندھ سکتیں کیونکہ اس وقت عیسائیت ہمارے ملکوں میں علم کے راستے نہیں تہذیب کی راہ سے آرہی ہے لوگ معیار زندگی بلند کرنے کے لیے انگریزوں کے طور وطریق اپنا رہے ہیں۔

عیسائی مشنری ایک صدی پہلے علم و عقائد کی راہ میں پچھڑ کر مشن سکولوں اور مشن ہسپتالوں کی اوٹ میں آگئے تھے اور اب ان کے لیے یہی راہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے مجبور کی مجبوری اور معذور کی معذوری سے فائدہ اٹھالیں۔ اس میں بھی جب انہیں کامیابی نہ ہوئی تو اب ان کا ہدف یہ تھا کہ مسلمان عیسائی ہونے سے تو رہے تاہم انہیں مذہب میں اتنا کمزور کر دیا جائے کہ یہ مسلمان بھی نہ رہیں۔ اس واردات کے لیے انہوں نے تمام حکومتی رعایات کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں مغربی تہذیب درآمد کی اور مسلمانوں کا مذہب سے دور رہنے والا طبقہ اس تہذیب کی چمک دمک عریانی جنسی بے راہ روی اور فکر و عمل کی آزادی میں ایسا کھو گیا کہ گویہ لوگ عیسائی نہ بن سکے مگر وہ قلب و قالب اور نظر و فکر میں مسلمان بھی نہ رہے۔

ان حالات میں ہندوستان میں آزادی کا سورج چڑھا اور پاکستان میں وہی لوگ برسر اقتدار آتے رہے جو مذہب سے عملاً دور تھے اور اب پاکستان میں یہی طبقہ ہے جو اسلام کے نفاذ میں وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مغربی قوموں نے جو فکری بیج یہاں بوئے تھے اب وہ اپنے ملکوں میں بیٹھی یہاں ان کی پوری بہار دیکھ رہی ہیں۔

پاکستان میں ایف سی کالج لاہور، گورڈن کالج راولپنڈی مرے کالج سیالکوٹ اور امریکن مشن ہسپتالوں اور سکاچ مشن ہائی سکولوں نے اپنی ان مشنری وارداتوں کو باقی رکھا تھا۔ ہمارے سیاست دانوں کو بہت دیر میں سمجھ آئی کہ ان تعلیمی دانش کدوں کو قومیائے بغیر ہم کبھی اس سرزمین کو بیرونی اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔

سیاستدان بے شک اس قومی ضرورت میں پیچھے رہے لیکن علماء نے جہاں تک ان سے ہو سکا۔ اس باب میں کوئی کمی نہ کی۔ کتاب کے مقابلے میں کتاب، تقریر کے مقابل تقریر، رسائل کے مقابل رسائل اور مناظر کے مقابل مناظر کھڑے کیے اور یہ ان کا حوزہ اسلام کے گرد ایک مخلصانہ پہرہ تھا۔

عربی میں لکھی گئی ردّ عیسائیت کی کتابیں

عرب ممالک میں بہت کم ضرورت محسوس کی گئی کہ وہاں ردّ عیسائیت پر کچھ زیادہ محنت کی جائے۔ بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل میں تاریخی کھچاؤ بھی تھا اور عرب جاہلیت کو تو برداشت کر لیتے تھے۔ لیکن نصرانیت کو برداشت کرنا ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) نے چار جلدوں میں الجواب الصحیح لمن تبدل دین المسیح لکھ کر ان پر حجت تمام کی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے ہدایۃ الحیاری لاجوبۃ الیہود والنصاری لکھی۔

فاضل الماوردیؒ (۴۵۰ھ) اور ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نے دلائل النبوۃ مکمل کی۔

شیخ ابو البقاء الصالح نے تخجیل الاناجیل لکھی اور عبداللہ بن ترجمان (سابق پادری) نے تحفۃ الاریب فی الرد علیٰ اہل الصلیب لکھی۔ یہ چھٹی صدی کی تالیف ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

علامہ ابو البرکات نعمان آلوسیؒ نے الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی۔ جو ۱۳۰۶ھ میں مکمل ہوئی۔ بڑی تقطیع پر اس کے صفحات ۴۸۲ ہیں۔ یہ لاہور میں شائع ہوئی۔

فاضل اقرانی نے کتاب الاجوبۃ الفاخرہ لکھی اور ابھی ابھی شیخ ابراہیم السلیمان الجبہان نے ۱۱۲ صفحات میں ایک یہ کتاب لکھی ہے

ما یجب ان یعرفہ المسلم من حقائق عن النصرانیۃ والتبشیر

سعودی حکومت نے اسے ۱۳۹۷ھ / موافق ۱۹۷۷ء میں شائع کیا ہے۔ سعودی حکومت نے حال میں حضرت علامہ کیرانویؒ کی کتاب اظہار الحق (عربی) بھی دو ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے سعودی حکومت کی یہ وہ دینی خدمات ہیں کہ عالم اسلام میں اور کوئی حکومت ان کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

شیخ عبدالرحمٰن الجزیری استاد کلیۃ الازہر مصر نے بھی پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کا جواب ادلۃ الیقین کے نام سے لکھا ہے۔ شیعہ علماء میں سے علی بن عبداللہ بحرانی (۱۳۱۹ھ) نے لسان الصدق کے نام سے اس کا جواب لکھا ہے۔

فاضلِ ذکی مولانا آلِ حسن مُہانیؒ

یہ وہ بزرگ ہیں جن کی تالیف کتاب الاستفسار آپ کے سامنے آرہی ہے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اردو میں ردعیسائیت پر گرانقدر علمی ذخیرہ مہیا کیا کہ اب بعد میں آنے والا کوئی عالم یا مناظران کتابوں سے مستغنی رہ کر اس باب میں آگے نہیں چل سکتا فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ آپ نے اس میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے پہلے اور تیسرے باب کا جواب دیا ہے۔

کتاب الاستفسار آپ کے سامنے ہے بہت ممکن ہے ہم کسی وقت کتاب الاستبشار بھی آپ کے سامنے پیش کرسکیں۔ اس وقت جب مولانا نے یہ کتابیں لکھیں اور ردعیسائیت پر یہ بنیادی کام کیا۔ مسلمانوں میں دیوبندی۔ بریلوی اختلافات نہ ابھرے تھے۔ جمہور مسلمان سب اہل السنۃ والجماعۃ تھے۔ اور ان میں کوئی ذیلی گروہ نہ تھے۔ تاہم ان کتابوں پر نظر کرنے سے مولانا آلِ حسنؒ کے عقائد کا ان الفاظ میں پتہ ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ اہلسنت کے اجماعی عقائد تھے۔

بشریتِ انبیاء کا عقیدہ

پادری فنڈر نے میزان الحق میں لکھا:-

در دو موضع قرآن بیان شدہ است کہ مسیح از جنسِ بنی نوعِ بشر نیست۔ بلکہ مرتبہ اش اعلیٰ است۔ چنانکہ در سورۃ النساء بیان گردیدہ است انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم و روح منہ۔

مولانا آل حسنؒ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس کے جواب میں کہتے ہیں:-

اس آیت سے یہ بات سمجھ کر تفسیراً لکھنا کہ مسیح از جنسِ بشر نیست تحریف کرنا کہلاتا ہے۔[1]

---

[1] کتاب الاستفسار اڈیشن ہذا ص۔ طبع قدیم ص ۱۱

پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں :۔

بالجملہ حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے۔[1]

اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ رد عیسائیت میں جن عالموں نے شہرت پائی ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہ تھا جو بریلویت کے تعارف میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نُور تھے۔ آپ کا سایہ نہ تھا۔ آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے۔[2]

جس شخص نے بھی ردِ عیسائیت میں قدم اُٹھایا اسے حضرت خاتم النبیین کی بشریت کا واضح الفاظ میں اقرار کرنا پڑا۔ حضور کو نورٌ من نور اللہ ماننے والا کس طرح حضرت عیسیٰ کے بیٹا ہونے کا انکار کرے گا علامہ ابوالبرکات نعمان آلوسی نے عیسائی اسقف عبدالمسیح کے جواب میں القول الفصیح لکھی۔ آپ نے اس میں لکھا ہے۔

فنبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد اللہ ورسولہ وبشر تحلہ العوارض کما قال سبحانہ قل انما انا بشر مثلکم۔[3]

ترجمہ: پس ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے، اس کے رسول اور بشر ہیں جنہیں بشری عوارض لاحق ہوتے تھے۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم۔

حضرت علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں شیخ ولی الدین عراقی سے پوچھا گیا کیا حضور رسالت مآبؐ کے بشر ہونے پر اعتقاد رکھنا صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے یا یہ فرض کفایہ میں سے ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ انہ شرط فی صحۃ الایمان۔ آپ کی بشریت کا اقرار صحتِ ایمان کے لیے ضروری ہے ـــــ اور پھر لکھا ہے :۔

فلو قال شخص اُومن برسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع الخلق لکن لا ادری هل هو من البشر او من الملٰئکۃ او من الجن او لا ادری هل هو من العرب او العجم فلا شک فی کفرہ لتکذیبہ القرآن وجحدہ ما تلقتہ قرون الاسلام

---

[1] کتاب الاستفسار صـ۵۰ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ صـ۴۸۹

[3] القول الفصیح لما لفقہ عبدالمسیح جلد ۲ صـ۲۱۸ طبع لاہور تالیف ۱۳۰۶ھ

خلفاً عن سلف وصار معلوماً بالضرورة عند الخاص والعام ولا اعلم خلافاً[1]

ترجمہ اگر کوئی شخص کہے میں حضورؐ کی رسالت عامہ پر ایمان لاتا ہوں لیکن یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر تھے یا فرشتے تھے یا جن تھے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ عرب تھے یا عجم میں سے تھے تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں رہے گا کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے اور اس چیز کا انکار کر رہا ہے جسے اسلام کے تمام طبقے سلف و خلف سے قبول کرتے آئے ہیں اور یہ بات ہر خاص و عام کے ہاں ضروریات دین کے درجہ میں پہنچ چکی ہے اور میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

والصحیح ان النبی انسان اوحی الیہ سواء امر بالتبلیغ اولا والرسول من امر بتبلیغہ[2]

علامہ طحطاویؒ مراقی الفلاح کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

وھو انسان حرّ ذکر اوحی الیہ بشرع وامر بتبلیغہ فان لم یؤمر بتبلیغہ فھو نبی فقط[3]

مولانا آل حسنؒ کے بارے شیعہ ہونے کا گمان

بعض لوگ مولانا کے نام اور پھر لکھنؤ کی نسبت سے آپ کو شیعہ سمجھتے ہیں حقیقت یوں نہیں۔ آپ نے اس کتاب میں شیعوں پر بھی تنقید کی ہے مثلاً:۔

بعد واقعہ صلیب کے حواریوں کا عقیدہ بدل جانا جیسا مؤلف انجیل کہتا ہے یہ صرف گمان فاسد ہے جیسے ہمارے یہاں کے امامیہ مذہب والے کہ ہر گاہ انہوں نے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی موافقت اصول دین میں جمہور مہاجرین والانصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرون اسلام میں ایسی ثابت دیکھی کہ اسے انکار نہ کر سکے، بلکہ خود بھی روایت کرتے گئے اور یہ بات انکے اپنے بعض اصول کے خلاف

---

[1] روح المعانی جلد ۴ صد ۱۱۳ [2] شرح نقایہ صد ۳

[3] طحطاوی علی مراقی الفلاح صد ۶ وکذلک فی کتاب التعریفات للسید الشریف صد ۵

تھی۔ سو کہنے لگے کہ ویسے وہ ناراض تھے صرف ظاہر میں کسی مصلحت سے موافقت رکھتے تھے [1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

پیغمبروں کے ساتھ ہونے کے زمانے میں ان کے ساتھیوں کا جو عقیدہ ہو وہ درست اور صحیح ہے بہ نسبت اس عقیدے کے جو اس کے خلاف مفارقت کے زمانے میں وہ بہم پہنچاویں [2]

عیسائیوں نے جب آیت نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (پ۲ : البقرہ) پر شیعہ تفسیر کی رُو سے طعن کیا کہ یہاں خلافِ وضعِ فطری کی اجازت دی گئی ہے تو مولانا آلِ حسنؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

یہاں وہ معنی بھی لکھے ہوں گے جو شیعوں کے یہاں مقرر ہیں سو اُن کے لکھنے سے اور شیعوں کے ان معنی کے مقرر کرنے سے قرآن شریف پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ انی شئتم کے معنی صرف یہی نہیں کہ جدھر سے چاہو بلکہ یہ بھی ہیں کہ جس طرح سے چاہو اور حرث کا لفظ کہ اس کے معنی ہیں کھیتی مشعر بتوالد و تناسل ہے [3]

اس میں صریح لفظوں میں شیعیت سے اجنبیت ظاہر کی گئی ہے۔

پادری فنڈر نے اسلام پر اعتراض کرنے کے لیے شیعہ کتابوں سے روایات نقل کیں تو اس پر حضرت مولانا آلِ حسنؒ نے کہا :-

حیات القلوب اور عین الحیٰوۃ کی جو تالیف ملا باقر مجلسی کی ہیں اس طرح کی روایتوں کا ثبوت نہیں ہے [4]

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

جتنی روایتیں پادری صاحب نے حیات القلوب اور عین الحیٰوۃ سے

---

[1] کتاب الاستفسار طبع قدیم صـ۲۴۶ طبع ہذا صـ۲۳۷ [2] ایضاً صـ۲۴۷ طبع جدید صـ۲۳۷

[3] ایضاً طبع قدیم صـ۲۳۱ طبع جدید صـ۲۲۵ [4] ایضاً صـ قدیم صـ۲۸۱ جدید

نقل کی ہیں۔ سو اگرچہ وہ ہمارے یہاں سنداً بمنزلہ روایات مخلوطہ بائبل کے ہیں مگر باعتبار مضمون کے ہر ایک روایت کا جواب الزامی میری اس کتاب سے نکل سکتا ہے۔[1]

شیعہ عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن کریم میں سورۃ نورین کم کردی گئی۔ وہ کسی روایت سے سورۃ النورین کہیں نکال لائے اور دعوے کیا کہ بتاؤ اس میں اور قرآن کریم میں کیا فرق ہے؟ مولانا آل حسن شیعہ کی نادانی قرار دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی قسم کا کوئی شک کیا جائے مولانا لکھتے ہیں۔

> بعض نادان امامیہ مذہب کے ایک عبارت عربی جو صاحب دبستان نے بنام سورۃ النورین لکھی ہے پیش ہو کر کہنے لگے کہ اس میں اور قرآن کی عبارت میں کیا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انشاء کی بلاغت اور اعلیٰ غیبت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کوئی سمجھ لے۔[2]

ان تصریحات کی روشنی میں کوئی شخص اس مغالطے میں نہیں پڑ سکتا کہ شاید مولانا آل حسن شیعہ ہوں۔ نام آل حسن اور لکھنوی ہونے کے پہلو سے اس شبہ کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا آل حسن کے نزدیک شریعت کیا ہے۔ اسے ان کی اس عبارت میں دیکھیں جو آپ نے جہاد کی بحث میں لکھی ہے۔ کیا اس عقیدے کا رکھنے والا شیعہ ہو سکتا ہے؟

> صفت جہاد کی ہماری شریعت میں از روئے قرآن شریف اور احادیث متواترۃ المعنی اور آثار خلفائے راشدین اور اجماعیات ائمہ دین کے یہ بات ٹھہر رہی ہے۔۔۔۔۔ الخ[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام

قادیانی حضرت مولانا آل حسن پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے جرم میں

---

[1] کتاب الاستفسار ص ۷۵۲ قدیم ص ۳۸۷ جدید [2] ایضاً ص قدیم ص ۳۷۳ جدید [3] ایضاً قدیم ص ۲۹۵ جدید

اس پر عائد ہوتا ہے) پردہ ڈالنے کے لیے کتاب الاستفسار سے اس قسم کی عبارات پیش کرتے ہیں :-

عیسیٰ نے کہا کہ آؤ ہم بھی ایسی کچھ بات کریں یا شاید بطور مالیخولیا کے اس کے جی میں آئی کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں بعضے حمقا اس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے خادم خاص بنے [1]

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ عبارت بے شک ملحدانہ ہے اور اس کا قائل توہین نبی کے جرم میں بلاشبہ کافر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ مولانا آل حسنؒ یہ اعتقاد رکھتے تھے یا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان اقوال و افعال کے قائل تھے۔ آپ نے یہ کفریہ عبارت صـ۲۹۲ سطر ۲۰ سے معاذاللہ کہہ کر شروع کی ہے اور صـ۲۹۳ صـ۲۹۴ تک اسے کھینچا ہے صـ۲۹۴ کے آخر میں لکھا ہے انتہی (بات ختم ہوئی) گویا یہ اُن کی اپنی بات نہیں کسی اور کی بات ہے جو الزاماً نقل کر رہے ہیں، اس کے بعد صـ۲۹۵ پر آپ لکھتے ہیں :-

میں نے یہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ملحدانہ تقریر لکھی واللہ صرف الزاماً لکھی اور اللہ کی عنایت سے میرے دل میں اس کا وسوسہ بھی نہیں چہ جائیکہ گمان۔ [2]

کیا مرزا غلام احمد نے بھی انجام آتھم، ضمیمہ انجام آتھم، دعوت ضمیمہ انجام آتھم، ست بچن اور نور القرآن کی عبارات کہ جن میں صریحاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہے کہیں ملحدانہ کہا ہے؟ کہیں اپنی کسی عبارت کو کفریہ عبارت کہا ہے؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا وہ عبارات غلام احمد کی اپنی ہیں اور مذکورہ عبارات حضرت مولانا آل حسنؒ کی نہیں ہیں انہوں نے اناجیل کے مسلمات سے ان باتوں کا لازم ان سے ثابت کیا ہے۔

یہودی اگر اس قسم کی باتیں کہیں جو ان اناجیل سے لزوماً نکلتی ہیں تو اسے بھی حضرت مولانا خباثت اور بد باطنی قرار دیتے ہیں نہ کہ حقیقت صـ۲۹۱ کی پانچویں سطر میں دیکھیں :-

پس اگر کوئی یہودی از راہ خباثت اور بد باطنی کے کہے کہ حضرت عیسیٰ خوشتر و

---

[1] کتاب الاستفسار صـ۲۹۵ قدیم صـ جدید [2] ایضاً

جوان تھے۔ رنڈیاں ان کے ساتھ صرف حرامکاری کے لیے رہتی تھیں.....
توکیا جواب ہوگا۔[1]

کیا مرزا غلام احمد نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے کسی الزام کو خباثت اور بد باطنی کہا ہے؟

حضرت مولانا آل حسنؒ آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

خداوند تعالیٰ مجھے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور توہین سے محفوظ رکھے مگر صرف پادری صاحبوں کے الزام کے لیے نقل کرتا ہوں اور بعض باتوں کا پتہ اسی جگہ دیتا ہوں اور بعض باتوں کا پتہ اسی میری کتاب کے اور مقاموں سے مل سکتا ہے۔[1]

ایک اور مقام پر لکھا ہے:۔

یہ سب شبہے جو ہم نے انبیاءؑ کی بیٹگئی پر کئے تو میں نے اپنے دل سے نہیں کئے بلکہ میں بیزار دل سے (ان سے) بیزار ہوں۔ اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے ایسا کہا ہے یا نہیں۔ اور اگر کہا ہے تو ان کا مطلب معلوم نہیں کیا ہوگا بلکہ یہ شبہے صرف پادریوں کی تقریروں پر مبنی ہیں۔[2]

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی اپنی اولین کتاب ازالۂ اوہام فارسی میں اس کی تصریح کی ہے کہ موجودہ انجیل سے جو جو باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے لازم آرہی ہیں وہ ہرگز ہرگز ان کا اعتقاد نہ تھا۔ الزام سے اعتقاد ثابت نہیں ہوتے۔ الزام کو اپنی حدود میں رہنا ہوتا ہے اور اس الزام سے جو چیز لازم آئے اس سے اپنا اظہار بیزاری ضروری ہے۔ مولانا رحمت اللہ لکھتے ہیں:۔

در جواب ایں فرقہ ادلہ ہائے الزامی ہمہاں تقریر نقل کردہ شدند و روایات کتب مقدسہ شاں ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے علیحدہ آوردہ شدند حاشا وکلا کہ اعتقادم ہجو و مذمت کدامی نبی از انبیاء علیہم السلام باشد یا اہانت شریعۃ مقرر فرمودہ شاں مدنظر بود بلکہ بہزار زبان تبرا از ہمچو امور میمنائم و اعتقاد

---

[1] کتاب الاستفسار ص قدیم ص۳۸۵ جدید [2] ایضاً ص۳۷۴ قدیم ص۲۰۷ جدید

رسولاں برحق من جملہ عقائد ما است[1]

ترجمہ: عیسائیوں کے جواب میں الزامی دلیلیں اسی تقریر سے نقل کی گئی ہیں (جو انجیل میں دی گئی تھی) اور ان کی کتب مقدسہ کی روایات بھی بطور نمونہ مشتے از خروارے علیحدہ دی گئی ہیں۔ حاشا وکلا کہ میرا عقیدہ انبیاء کرام میں سے کسی کی ہجو یا مذمت کا ہو یا ان کی ٹھہرائی ہوئی شریعت کی کوئی اہانت مقصود ہو بلکہ میں ایسی باتوں سے بہزار زباں بیزار ہوں اور رسولان برحق پر عقیدہ رکھنا ہم اہل اسلام کے عقائد میں سے ہے۔

مولانا نے جس واضح انداز میں انجیل کے الزامی امور سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے اس کی رو سے حضرت مولانا رحمت اللہؒ کی کوئی تحریر موجب قدح نہیں رہتی اور مرزا غلام احمد نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سب وشتم کا نشان بنایا ہے اور ان کی کھلے بندوں توہین کی ہے وہ ان حضرات کے الزامات سے قطعاً مختلف ہے۔

مولانا آل حسنؒ کا خلوص وابتہال

مولانا آل حسنؒ نے عیسائیت کے رد میں اپنے خلوص و وفا کا یہاں تک دعوےٰ کیا کہ اپنی جان تک کو آزمائش پر لگا دیا اور عیسائیوں کو بشارت محمدی کے موضوع پر مباہلہ کی دعوت دی میں مباہلہ کرنے کو موجود ہوں اس بات پر کہ یہ تفسیر (فارقلیط کی) الحاقی غلط ہے اور فارقلیط احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا ترجمہ ہے[2]

ایک جگہ فرماتے ہیں:

میں سچ کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز اس میں شبہ نہیں اور اس پہ بھی میں مباہلہ کرنے کو موجود ہوں۔ عیسائیوں کو صرف چند حواریوں کے اعمال پر نازش ہے۔[3]

تاریخ گواہ ہے کہ کسی پادری نے وہ کسی باہر کے ملک کا ہو یا اس ملک کا، حضرت مولانا آل حسنؒ کی اس دعوت مباہلہ کو قبول کرنے کی ہمت نہیں کی اور یہ علماء اسلام کی ایک فتح ہے۔

---

[1] ازالۃ الاوہام ص۵ فارسی [2] کتاب الاستفسار ص [3] ایضاً ص

کتاب الاستفسار کا پیرایہ بیان

کتاب الاستفسار درحقیقت کسی دعوے کا بیان نہیں نہ اس میں اپنے مواقف، ونظریات، کو بطور مدعی یا داعی بیان کیا گیا ہے۔ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سوالات، اور استفسارات پر مشتمل ہے۔ یہ سوالات جن اصولوں اور نظریات کے گرد گھومتے ہیں انہیں مؤلف نے بڑے دلکش اور مسکت پیرائے میں اٹھارہ عنوانوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ان سوالوں کے شائع ہونے سے ہندوستان کی عیسائی دنیا لرزا اٹھی اور ان میں ایک ایسی ہلچل مچی کہ آج کل عیسائی پادری ان ابواب میں علمائے اسلام کے سامنے لرزا براندام ہیں۔ فجزی المؤلف احسن الجزاء۔

کتاب الاستفسار کے وہ اٹھارہ عنوان یہ ہیں۔ اگر ہمارے طلبہ انہیں اسی ترتیب سے ازبر کرلیں اور پھر ہر عنوان کا موضوع و مدعا اپنے ذہن میں رکھیں تو ہمارا ہر طالب علم اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر اعتراض کے جواب میں تیغ بے نیام ثابت ہو سکتا ہے۔

کتاب الاستفسار کے عنوانات اور ان سے متعلق اسلامی دعاوی حسب ذیل ہیں:۔

(١) تثلیث کا مسئلہ برہان عقلی سے باطل ثابت ہوتا ہے۔

(٢) تثلیث کے دلائل لایعنی ہیں۔

(٣) حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات سے تثلیث غلط اور صرف توحید ثابت ہوتی ہے۔

(٤) حضرت عیسیٰؑ کا بندوں کی نجات کے لیے تین دن دوزخ میں رہنا عقلاً باطل ہے۔

یہ اٹھارہ نمبر آپ کو کتاب الاستفسار کے شروع میں بالوضاحت ملیں گے۔ نمونہ کے طور پر ہم نے یہ چار نمبر یہاں ذکر کر دیے ہیں۔ طلباء کو رد عیسائیت میں اس ترتیب سے تربیت دی جائے تو وہ کامیاب مناظر بن کر اہل اسلام کی اعتقادی سرحدوں کا بڑی کامیابی سے پہرہ دے سکتے ہیں۔ ملت بیضا کی صیانت اور حفاظت کے اثرات دیر تک آپ کی اولاد میں بھی باقی رہے۔ مولانا حسرت موہانی آپ کی اولاد میں سے تھے۔

مولانا آل حسنؒ کی اولاد

آپ کے چھ صاحبزادے تھے جو سب مولوی تھے. آپ کے پوتے مولانا حیات الحسنؒ تھے آپ کی کتاب تنقیح العبادات بڑے اہتمام سے شائع کی مسلم لیگ کے مشہور راہنما مولانا حسرت موہانیؒ حضرت مولانا آل حسنؒ کی پوتی کے بیٹے تھے۔

مولانا آل حسنؒ کی دیگر تالیفات

یہ صحیح ہے کہ حضرت مولانا آل حسنؒ کا موضوع تحقیق زیادہ تر رد نصاریٰ تھا تاہم آپ نے اور کئی موضوعات پر بھی قلم اٹھایا. الٰہیات کے ماہر ہونے کی حیثیت سے آپ زیادہ ان موضوعات کو چھوتے ہیں جن میں افراط و تفریط بالآخر مسیحی عقائد کے موضوع پر لے آتی ہے۔

آپکے افکار و خیالات بحیثیت مجمع النذرین اسلامی نظریہ ذکر کے گرد حفاظت کے عظیم پہرے ہیں.

آپ کے پوتے سید محمد حیات الحسن موہانیؒ نے آپ کی کتاب تنقیح العبادات کے ابتدائیہ میں آپ کی کچھ اور کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں تذکرہ شہادت (سانحہ کربلا) اور فرائد مثنوی مولانا روم زیادہ اہمیت رکھتی ہیں. آپ کی ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ہے جس کا پہلا شعر قاری اور سامع کو عجیب حال میں لے آتا ہے۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شد است مارا
جبریل با ملائک درباں شد است مارا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر اور بیان مندوب اور مستحب ہے. اسے بدعت کہنا کسی طرح صحیح نہیں. حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

نفس ذکر ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آئی ہے۔[1]

---

[1] فتاوے رشیدیہ جلد ا ص ۱۰۲ ذکر ولادت آپ کا مثل دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے. براہین قاطعہ ص ۲

کتاب الاستفسار کی ضربِ کاری

مولانا آل حسن مہانیؒ نے پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق مطبوعہ ۱۸۳۲ء کا جواب لکھا اور اس پر وہ ضرب کاری لگائی کہ پادری فنڈر کو اپنی کتاب میزان الحق نئے سرے سے بدلنی پڑی اور بہت سی باتیں جن پر مولانا آل حسنؒ نے جلی گرفت کی تھی انہیں نکال دیا۔ پادری فنڈر نے میزان الحق کا نیا نسخہ ۱۸۴۹ء میں اکبرآباد سے فارسی میں شائع کیا۔ اس کی یہ نئی اشاعت کتاب الاستفسار کی کامیابی کا کھلا اقرار ہے۔

پھر اس نئے نسخہ میزان الحق کا حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ نے پورا تعاقب کیا۔ یہ لوگ پھر اسے بدلنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر چوتھی بار ڈاکٹر سنکلیر نے تنقیح میزان الحق کے نام سے اسے نئی ترتیب دی اور اس کے بہت سے مضامین کو آگے پیچھے کیا اور کئی باتیں اس میں سے نکال دیں ڈاکٹر سنکلیر نے اسے مصر سے عربی میں شائع کیا اور اس میں نہ سن طباعت ہے نہ نام ناشر اور پریس کا نام تک نہیں۔ بلکہ مؤلف یا منقح کا نام بھی مذکور نہیں۔ یہ ان حضرات کی ذہنی پریشانی کا اظہار ہے۔ میزان الحق کا یہ حال بتا رہا ہے کہ کتاب الاستفسار نے اس کی جڑیں ہلا دی تھیں۔ بایں ہمہ عیسائیوں کے ہاں یہ کتاب اب بھی اُن کی مشنریوں سرگرمیوں کا محور ہے۔ اس کتاب کی اشاعت چونکہ زیادہ تر ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس لیے ہم نے انہی جوابات کا تذکرہ کیا ہے جو کہ یہاں لکھے گئے۔

علماء اسلام نے بیرون ہند بھی اس کتاب کا تعاقب کیا ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری استاد کلیۃ الازہر مصر نے ادلۃ الیقین میں اس کا وافی رد کیا ہے۔ شیخ علی بن عبداللہ البحرانی (۱۳۱۹ھ) نے لسان الصدق کے نام سے اس پر رَد لکھا ہے۔

سو جس طرح میزان الحق ان تمام تطورات سے گزرتی ہوئی عیسائی مشنریوں کا مرکز و محور ہے۔ مولانا آل حسنؒ اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تالیفات اپنی جگہ ردِ عیسائیت میں مرکز و محور ہیں۔ مولانا کیرانویؒ نے میزان الحق کی غلطیوں اور خامیوں کی خوب نشاندہی کی ہے۔

ؔ یہ کتاب مؤلف نے ۱۸۳۲ء میں اوّلاً انگریزی میں لکھی اور پھر فارسی میں۔

معدل اعوجاج المیزان

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے میزان الحق کے مختلف نسخوں کو اس میں ملحوظ رکھا ہے اور اس کے ضمن میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق (جدید) کا بھی جواب آگیا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں۔ پادری صفدر علی نے اپنے ایک مقالہ میں جو پرچہ نور افشاں ۲۴ جولائی ۱۸۸۴ء میں چھپا تھا اور لدھیانہ سے نکلتا تھا اس کا ذکر کیا ہے۔

علمائے اسلام خدمت اسلام اور دفاع عن الاسلام میں کہیں پیچھے نہ رہے۔ اپنے محدود وسائل کے باوجود انہوں نے ہر پہلو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے گرد پوری وفا کا پہرہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا آل حسن مہانیؒ اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے اس سلسلہ میں بنیادی کام لیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اس فن کے شیخین کریمین ہیں۔

ان دونوں بزرگوں میں پھر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا قدم سب سے آگے ہے حضرت مولانا آل حسن مہانیؒ کی دو کتابیں کتاب الاستفسار اور کتاب الاستبشار ان کی شہرت کا سبب بنیں لیکن مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی چھ کتابیں اس باب میں مظاہر الروایات کا درجہ اختیار کر گئیں اور آج فن میں کام کرنے والا کوئی شخص ان سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ہم اس وقت مولانا آل حسنؒ کی تالیف کتاب الاستفسار ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی تو آئندہ حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ازالۃ الاوہام (فارسی) بھی اردو میں پیش کی جائے گی۔

یہ چند صفحات کتاب الاستفسار کے تعارف میں سپرد قلم ہیں انہیں مقدمۃ الکتاب سمجھئے۔ اب اس کے بعد مطالعہ عیسائیت کے نام سے احقر نے اس موضوع کا کچھ تعارف کرایا ہے۔ اسے مقدمۃ العلم جانئے۔ اللہ رب العزت ان دونوں مقدموں کو اس کتاب کے ساتھ قبولیت عطا فرمائے۔

نامناسب ہوگا اگر میں آخر میں اپنے عزیزان گرامی مولانا محمد اقبال رنگونی، مولانا حافظ محمد اسلم اور مولانا امداد اللہ انور کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری اور پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ پرخلوص تعاون فرمایا جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ
حال مقیم مانچسٹر

مطالعہ عیسائیت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

قوموں کا تمدنی اختلاط اس بیسویں صدی میں انہیں اس درجہ میں ایک دوسرے کے قریب لے آیا ہے کہ ان کے لیے متوازی نظریات و مذاہب کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ مذہب کو قدیم الایام سے اس سوسائٹی میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ لادینی حلقے اور حکومتیں بھی بہتر حالات پیدا کرنے کے لیے اس باب میں اہل مذاہب کی رعایت سے چلتے ہیں اور کسی قوم اور ملک میں بین المذاہب روابط و تعلقات کی اس ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے مخلوط ماحول میں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنا better understanding of each other بہت سے سماجی اور معاشرتی مسائل کو از خود حل کر دیتا ہے۔ دور رہنے سے نفرتیں بڑھتی ہیں اور ایک دوسرے کو قریب سے سمجھنے میں حالات سنورتے ہیں اور حق کا چہرہ نکھرتا ہے۔

دو صدی پہلے کے ہندوستان کے حالات

ہندوستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں تھیں۔ بدھ مذہب اور جین مذہب کے لوگ تمدنی امور میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ سکھ پنتھ اس عہد کا ایک نیا داخلی مذہب تھا۔ بھارت کے داخلی مذاہب اب بس یہی تھے۔ ہندوستان میں عیسائی آبادی کہیں نہ تھی۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا تعارف صرف مسلمانوں کے ذریعہ ہی ہوا یہاں تک کہ یورپین تاجر اس ملک میں آئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی جب ایک سیاسی قوت بن گئی تو پہلی دفعہ مسیحی مشنری اور عیسائی مناد سواحل ہند پر اترے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں ان لوگوں پر بڑی محنت کی جنہیں ہندوؤں کے ذات پات کے تصور نے تمدنی طور پر بہت پیچھے دھکیل رکھا تھا اور مسلمان بھی ایک صاحب اقتدار قوم کی حیثیت میں انہیں اپنے قریب نہ کر سکے تھے یہاں تک کہ اس ملک میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کے ساتھ

ایک اور قوم نے جنم لیا یہ لوگ عیسائی کہلائے

اگر ہندوستان کے صاحب اقتدار مسلمان ان لوگوں کو پسماندہ نہ چھوڑتے اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرتے جو اسلام نے بتایا تھا اور بنی نوع انسان کو یکساں تکریم بخشی تھی۔ جس کی بہاریں قوموں نے سلطان الہند میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے گرد دیکھی تھیں۔ تو یہ لوگ یقیناً مسلمان ہوتے اور انگریزوں کو یہاں آنے پر حکومت تو مل جاتی لیکن وہ ایک اور مذہبی امت قائم نہ کر پاتے۔ ان لوگوں کا انگریزی حکومت کے تحت ایک علیحدہ تشخص سے سامنے آنا محض اس لیے ہوا کہ ان کے تمدنی زخموں پر مرہم انہی عیسائی مشنریوں نے رکھی جو انگریزی حکومت کے سائے میں یہاں بپتسمہ دیتے تھے۔ یہ ہندوستان میں یورپین اقوام کی آمد اور ان کا ان مشرقی اقوام سے تمدنی اختلاط تھا جس کے نتیجے میں یہاں مسیحیت وجود میں آئی۔

دو سو سال کے بعد انگلستان کے حالات

ہندوستان میں ان حالات کے ڈیڑھ سو سال بعد یورپ کے صنعتی انقلاب نے انگلینڈ کے سرمایہ کاروں اور حکومتوں کو مجبور کیا کہ وہ انگلینڈ میں مشرقی قوموں کو لا کر ان سے اپنے کارخانے چلانے میں مدد لے اور چونکہ یہ لوگ مغربی قوموں کی نسبت زیادہ جفاکش اور ذہین ہوتے ہیں یہاں وہ اپنی دماغی صلاحیتوں اور کارکردگی سے ان کے کاروبار پر چھا گئے اور انگلستان میں ایک نئے بین الاقوامی معاشرے نے جگہ پکڑ لی۔

اور اب جب ان حالات پر دو سو سال گزرنے کو ہیں، لندن ایک بین الاقوامی منڈی بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر ملک، ہر رنگ اور ہر تہذیب اور ہر عقیدہ کے لوگ ملتے ہیں اور انہیں یہاں کی عام آبادی میں رہتے سہتے، گھومتے، کام کرتے اور آتے جاتے بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ اب جب قوموں کا اختلاط انہیں ایک دوسرے کے اتنا قریب لے آیا ہے تو بہتر تمدنی زندگی کے لیے انہیں ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو قریب سے سمجھیں اور نفرت کی دیوار درمیان سے گرا دیں۔ اس عقیدے سے ایک دوسرے کے قریب آئیں کہ ہم سب ایک باپ اور ماں (حضرت آدم اور حضرت حوا) کی اولاد ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کو خیر خواہی اور ہمدردی کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

تین تاریخی قدیمی مذاہب

یُوں تو دنیا میں لاتعداد مذاہب اور لاتعداد نظریات حیات ہیں. لیکن بڑے بڑے مذاہب صرف تین ہیں ——— یہود، ہنود اور مسلمان ——— انہیں بعض دوسرے مذاہب کے لیے Parent body کی حیثیت بھی حاصل ہے. عیسائی کچھ ان سے باہر کے لوگ نہیں، وہ یہودیوں سے نکلے ہیں. سکھ ہندوؤں سے نکلے ہیں اور قادیانی مسلمانوں سے نکلے ہیں. پہلے تین مذاہب اصل کے درجہ میں ہیں اور دوسرے تین ان سے نکلی ہوئی نئی راہیں ہیں جو تطورات زمانہ سے مستقل مذاہب کی شکل اختیار کر گئی ہیں. اب یہ تین شاخیں اپنی اپنی جگہ مستقل مذاہب ہیں. ان کے اپنے عقائد ہیں. اپنا علم کلام ہے اور اپنا طریق عمل ہے اور یہ اپنی اصل Origin کے ساتھ اسی طرح نبرد آزما ہیں جس طرح کوئی فریق کسی دوسرے کا مقابل ہو سکتا ہے.

عیسائی مسیح کے نام پر یہودیوں سے کٹے ——— سکھ اپنے گوروؤں کے نام پر ہندوؤں سے ہٹے ——— اور قادیانی مرزا غلام احمد کو مامور آسمانی مانتے ہوئے ملتِ اسلامیہ سے جُدا ہوئے ——— یاد رکھیئے! آسمانی سلسلے سے قومیں بنتی ہیں اور یہی وہ بنیاد ہے جس سے قومیں قوموں سے جُدا ہوتی ہیں. عیسائی پرانے عہد نامے کو کتابِ مقدس میں رکھنے کے باوجود یہودیت سے پوری طرح جُدا ہیں ——— سکھ ہندوؤں سے اسی طرح اصولاً فروعاً جُدا ہیں. یہاں تک کہ انہوں نے اپنی شکلیں بھی ہندوؤں سے مختلف کر لیں ——— اور قادیانی قرآن کریم کو ماننے کے دعوے کے ساتھ اسلام سے کلیۃً نکل گئے اور عالم اسلام نے بالاتفاق انہیں ایک غیر مسلم اقلیت کہا ہے.

تین متقارب آسمانی مذاہب

یہود، عیسائی اور مسلمان ——— یہ تین ایسے آسمانی مذاہب ہیں جن کی پچھلی تاریخ تقریباً ایک ہے. یہ تین پیغمبروں اور تین کتابوں پہ ایک دوسرے سے جُدا ہیں. تینوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرِ مشترک مانتی ہیں. یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رُک گئے ——— عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ ——— لیکن مسلمان انبیائے سابقین کو بلاتفریق مانتے ہیں. لانفرق بین احد منہم ان کا اعلان

ہے۔ ان قوموں کو یُوں سمجھنا چاہیئے۔ جیسے ایک باپ سے تین بھائی ہوں، جن کی مائیں مختلف ہیں۔ انبیاء کرام کی شرائع اپنی اپنی ہیں جو بمنزلہ مائیں ہیں۔ مگر اصل دین سب کا ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

الانبیاء اخوۃ لعلات امھاتھم شتّٰی و دینھم واحد وانی اولی الناس

بابن مریم [1]

ترجمہ۔ سب پیغمبر آپس میں اس طرح ہیں جیسے علاتی بھائی ہوں اُن کی مائیں (شرائع) تو مختلف ہیں لیکن دین (باپ کے درجہ میں) ایک ہے اور میں ان میں سب سے زیادہ ابن مریم (حضرت عیسٰی) کے قریب ہوں۔

یہ آخری جملہ کہ میں ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے فرمایا کہ حضرت عیسٰی آنحضرتؐ سے پہلے حضورؐ کے قریب ترین پیغمبر ہیں۔ ان کے اور حضورؐ کے درمیان اور کوئی نبی نہیں آیا۔ اور حضورؐ کے بعد آپ کی امت میں آپ پھر تشریف لائیں گے۔ تو گویا آپ دونوں طرف سے حضورؐ کے ارد گرد ہیں۔ اس پہلو سے مسلمانوں کا جو تعلق عیسائیوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ وہ اور مذاہب اور اقوام سے کچھ مختلف نوعیت کا ہے ضرورت ہے کہ ان دونوں قوموں میں اتنی ہم آہنگی پیدا ہو کہ وہ ایک دوسرے کو ایک ماضی کے آئینہ میں دیکھیں ——— یہود کی کی گئی چیرہ دستیاں دونوں کو یاد ہیں کس طرح انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی کوششیں کیں اور کس طرح انہوں نے (بنو قریظہ نے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر آپ کو قتل کرنا چاہا ——— مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسیحی قوموں کے سامنے علم کے چراغ جلائیں۔ پُورے حلم و وقار کے ساتھ ان کی طرف بڑھیں اور انہیں یقین کرادیں کہ حضور پیغمبر عربی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کسی انسان کا انجیل پر عقیدہ قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ موجودہ انجیل گو یہ کسی شکل میں ہو اور اصل مسیحی انجیل سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو، اس پر بھی ہرگز ہرگز ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی آسمانی آوازوں کا مصداق اور رسولِ برحق نہ مانا جائے۔

ان حالات میں مسلمانوں کے لیے عیسائیت کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا ہے اور ان کے لیے مطالعہ عیسائیت میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پُوری تاریخ بنی اسرائیل سے کسی درجے میں آشنا ہوں۔ کیونکہ عیسائیت اپنے آپ کو یہودیت کا وارث سمجھتی ہے۔

---

[1] رواہ احمد وراجع لہ سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

عیسائیت اور یہودیت میں تاریخی رشتہ

عیسائیت خود کو یہودیت کا وارث قرار دیتی ہے اور ان کے ہاں اپنی کتاب مقدس میں حضرت موسیٰ کے پُرانے عہد نامے کو ساتھ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ عیسائی عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو تورات سے علیحدہ نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا:-

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں
بلکہ پورا کرنے آیا ہوں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں
ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو
جائے۔[1]

سلسلہ انبیاء جب پورا ہو جائے اور حضرت خاتم النبیین تشریف لے آئیں، پھر پہلی کسی کتاب کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور نہ پہلی کسی شریعت کا دور ہوگا۔ وہ دور دورِ محمدی ہوگا۔ اس میں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آئیں تو وہ اپنی شریعت کی بجائے شریعت محمدی پر عمل کریں گے۔

تورات کی تصدیق اور وفاداری کے اس اعلان کے بعد معلوم نہیں اس نئے عہد نامے کی کیا ضرورت باقی تھی۔ نئے عہد نامے کا اس کے سوا کیا مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ پرانا عہد اب پرانا ہو چکا ہے۔ وہ اب محض ایک تاریخی دستاویز ہے، لیکن عیسائیوں کا دینی نقشہ فکر و عمل صرف وہ ہی ہے جس کا عیسائی لوگ نیا عہد باندھتے ہیں۔

اس وقت موضوع بحث یہ نہیں، ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عیسائیت کی اصل یہودیت ہے۔ اس لیے مطالعہ عیسائیت کے لیے تاریخ بنی اسرائیل کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

تاریخ اور تنقید

نظریات کی جنگ میں براہ راست نظریات میں اُلجھنا اور اُن کے رد و قبول پہ وقت اور ذہنی توانائیاں خرچ کرنا کوئی کارِ حکمت نہیں۔ نظریات کے پیچھے ایک اُن کی تاریخ ہوتی ہے جس کی روشنی یا

[1] انجیل متی باب ۵ ورس ۱۷

اندھیرے ان نظریات کو از خود حل کر دیتے ہیں۔ اختلافِ مذاہب کو صرف ان کے عقائد و اعمال سے نہ جانچیں۔ ان کی تاریخ پر نظر کریں کہ بات کہاں سے چلی ہے اور اس نظریہ یا مذاہب کا آغاز کب، کیسے اور کس سے ہوا کسی مسلک اور طریقے پر تنقید سے پہلے اس کے ماضی پر نظر کرنا اہم شکل موضوعات کو بھی آسان کر دیتا ہے۔

کسے معلوم نہیں قادیانیت مرزا غلام احمد سے چلی ہم نے دیکھا ہے قادیانی مبلغین مسلمانوں سے مرزا غلام احمد کے موضوع پر یا اس خاندان کی برٹش خدمات پر گفتگو کے لیے کبھی جلدی آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات وحیات پر بات کریں گے۔ یا ختم نبوت کے کسی موضوع پر بات کریں گے۔ تاریخ کی روشنی میں مرزا غلام احمد کی ذات و کردار پر گفتگو کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوں گے۔

شیعہ لوگ مسئلہ خلافت و امامت پر بحث کے لیے تو جلدی تیار ہو جائیں گے لیکن اگر انہیں اپنے مذہب کے تاریخی تجزیئے کے لیے کہا جائے تو وہ موجودہ شیعہ مذہب کو کبھی حضرت علیؓ، حضرات حسنؓ و حسینؓ یا حضرت زین العابدینؒ تک مسلسل نہ لے جاسکیں گے۔ شیعہ مذہب کہاں سے پیدا ہوا اور کیا یہی ائمہ اہل بیت کا مسلک تھا اس پر ابھی تک بیرونی سیاسی مصلحتوں کے گہرے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر مسائل کے تنقیدی مطالعہ کی بجائے ان کی تاریخ پر پر حاصل نظر کی جائے تو پھر آسمانی عقیدہ امامت یا بازاروں کے جلوس ہائے تعزیت پر بحث کرنے اور مزید وقت لگانے کی حاجت نہیں رہتی۔

مطالعہ عیسائیت کے لیے بھی یہی راہ زیادہ مفید ہے کہ ہم اس بات کا پتہ کریں کہ موجودہ عیسائیت کہاں تک حضرت عیسیٰ تک پہنچتی ہے اور موجودہ انجیلوں کو کیا قطعی اور یقینی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کہا جاسکتا ہے جن مصنفین نے یہ انجیلیں لکھیں کیا ان کا کوئی تاریخی رشتہ یا تسلسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قائم تھا۔ اس تاریخ کے بعد پھر آپ مزے سے ایک ایک موضوع پر گفتگو کرتے جائیں۔ ان شاء اللہ ساری راہیں آسان نظر آئیں گی۔ اور دین حق کا چہرہ نکھر کر سب کے سامنے آجائے گا۔

یہود کی تاریخی حیثیت پر بحث کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے قارئین تاریخ بنی اسرائیل کا کچھ اجمالی تاریخی نقشہ اپنے سامنے رکھیں۔ تاریخ عیسائیت سے پہلے تاریخ یہودیت پر اور تاریخ یہودیت سے پہلے تاریخ بنی اسرائیل پر ہماری گہری نظر ہونی چاہیے۔ پھر عیسائیت کا مطالعہ ان کے عقائد و افکار اور رسوم و اعمال کی روشنی میں بہت آسان ہو جائے گا۔

تاریخ بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد کے تمام انبیاء کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اولاد و احفاد کو بہت بڑھایا اور ان سے ایک دنیا آباد ہوئی۔ شام اور فلسطین میں بنی اسرائیل پھیلے تو عالم عرب بنو اسمٰعیل سے آباد ہوا۔ بنو اسرائیل کے جدِ اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھے جاتے ہیں جو کنعان میں رہتے تھے۔ بنو اسرائیل کا لقب انہی کے نام سے چلا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں ان کے ماموں لابن کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس وقت دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع ہونا ممنوع نہ تھا۔ لیاہ اور راخل کو باپ نے ایک ایک خدمت گزار باندی دی تھی۔ لیاہ کی باندی زلفہ اور راخل کی باندی بلہاہ تھی اور یہ دونوں باندیاں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے حرم میں داخل تھیں۔ ان چار عورتوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان بیٹوں میں سے ایک (حضرت یوسف علیہ السلام) مصر چلے گئے اور یہاں کنعان میں آپ کے گیارہ بیٹوں سے اکاون پوتے پیدا ہوئے اور چار پڑپوتے ——— دو پوتے عیر اور اونان فوت ہو گئے۔

اور جب یہ خاندان مصر پہنچا تو حضرت یعقوب علیہ السلام، ان کے گیارہ بیٹے، دو بیٹیاں، اُنچاس پوتے اور چار پڑپوتے تھے۔ یہ کل ۶۷ افراد ہوئے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام دو بیٹوں کے باپ ہو چکے تھے جن کے نام منسی اور افرائیم تھے۔ ان ۶۷ میں یہ تین ڈال کر کل ۷۰ افراد ہوئے۔ پرانے عہد نامے کی کتاب پیدائش میں ہے :-

> یعقوب کے صلب سے جو لوگ پیدا ہوئے اور اس کے ساتھ مصر میں آئے وہ اس کی بہوؤں کو چھوڑ کر شمار میں ۶۶ تھے اور مصر میں یوسف کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ پس یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے[۱]

کتاب مقدس کے نئے عہد نامے میں ہے :-

> پھر حضرت یوسف نے اپنے باپ یعقوب اور سارے کنبے کو جو پچھتر جانیں تھیں بلا بھیجا[۲]

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۴۶ ورس ۲۶ – ۲۷ [۲] اعمال باب ۷ ورس ۱۴

اس وقت ہمیں ستّر اور بہتّر کے تعارض سے بحث نہیں۔ نہ ہم یہاں تورات و انجیل کی اصلیت سے بحث کر رہے ہیں۔ یہاں صرف ایک تاریخی تعارف پیشِ نظر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد آگے کس طرح چلی :۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتے افرائیم (جو حضرت یوسف کا بیٹا تھا) کو دعائے برکت سے برگزیدہ کیا۔[1]

اپنے بیٹے یہوداہ کو بادشاہت کی برکت دی۔[2] (حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام انہی کی اولاد میں سے تھے)۔

اور آپ کے بیٹے لاوی کی نسل میں شریعت اُتری (حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون لاوی کی اولاد میں سے تھے) حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کہانت کا منصب حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد کو دیا۔[3]

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کے دو بیٹوں منسی اور افرائیم کو اپنے بیٹوں میں اور اس طرح بنو اسرائیل کے تیرہ قبیلے بنے۔ حضرت یوسف کے ہاں ان دو بیٹوں کے بعد اور نرینہ اولاد نہ ہوئی اور ان کے نام سے کوئی قبیلہ نہ بنا۔ پرانے عہد نامے میں ہے۔ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف سے کہا :۔

تیرے دو بیٹے جو میرے مصر میں آنے سے پہلے پیدا ہوئے میرے ہیں یعنی روبن اور شمعون کی طرح افرائیم اور منسی بھی میرے ہوں گے اور جو اولاد اُن کے بعد تجھ سے ہوگی وہ تیری ٹھہرے گی۔[4]

بنی اسرائیل کے ان تیرہ قبائل میں سے بنو لاوی حضرت موسےٰ کے عہد میں مذہبی رسومات کے پیشوا ٹھہرے۔ اب بنو اسرائیل کے قبائل صرف بارہ رہ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ملکی اقتدار پھر قبطیوں کے ہاتھ چلا گیا اور فراعنہ مصر تخت و تاج کے وارث ہوتے۔ یہ مصر میں بنی اسرائیل کے دورِ غلامی کا آغاز ہے۔ اُن کے قیامِ مصر کے دوران

---

[1] کتاب پیدائش باب ۴۸ ورس ۲۰۔ ۲۲۔ [2] کتاب پیدائش باب ۴۹ ورس ۱۰
[3] گنتی باب ۱۸ ورس اول [4] کتاب پیدائش باب ۴۸ ورس ۵ - ۶

اُن کے اپنے وطن فلسطین پر عمالقہ قابض ہو چکے تھے۔ یہ مصر سے نکلیں بھی تو آگے ایک اور قوم کا سامنا تھا۔ بنو اسرائیل مصر میں اپنے دورِ غلامی میں تھے کہ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

تاریخ یہود پر ایک نظر

جیسا کہ پہلے کہہ آئے ہیں بنو اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہتے ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہی لقب تھا اور اسی اولاد یعقوب سے قوم موسیٰ اُٹھی جو پہلے تمام انبیاء کو مانتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رُک گئی، حالانکہ تورات میں کہیں حضرت موسےٰ کے خاتم النبیین ہونے کا بیان نہ تھا اور نہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کبھی کہا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اُنہوں نے تو دعا کی تھی کہ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ نبوت کے کام میں شریک فرما۔

اب تاریخ میں یہود اسی قوم موسےٰ کو کہتے ہیں۔ مذاہب عالم میں یہ لوگ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی اُمت کے طور پر یا تورات کے ماننے والوں کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی انہیں قوم موسےٰ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:۔

ومن قوم موسٰی امّۃ یہدون بالحق وبہ یعدلون ○ وقطّعنٰہم اثنتی عشرۃ اسباطاً امماً ...... الاٰیۃ. (پ ۹: الاعراف ع ۲۰ آیت ۱۵۹)

ترجمہ۔ اور قوم موسےٰ میں ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلے دیتے ہیں اور تقسیم کر دیا ہم نے انہیں بارہ دادوں کی اولاد میں جماعتیں کر کے ...... الآیہ

یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو قوم موسےٰ میں سے حق پر رہے اور تورات میں جن آئندہ آنے والے پیغمبروں کی خبر دی گئی تھی انہوں نے اُن کے آنے پر ایک ایک کی تصدیق کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانا اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت کعب احبارؓ ثعلبہ بن شعبہ، اسید بن سعیہ وراجع لہ القرطبی جلد ۴ صـ۱۷۵

ان بارہ قبیلوں کے بارہ سردار تھے۔ قوم موسیٰ نے جب وادی تیہ میں پانی مانگا تو انہی قبائل کے لیے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے۔

اثنا عشری شیعوں کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ ان کی اصل یہود سے ماخوذ ہے۔ تو ہو سکتا ہے ان میں بارہ اماموں کا عقیدہ یہود کے انہی بارہ سرداروں سے پیدا ہوا ہو۔ لیکن یہ بارہ سردار تو ایک وقت میں تھے۔ یکے بعد دیگرے نہ ہوئے تھے اس لیے بارہ اماموں کا عقیدہ ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اثنا عشریوں کے بارہ امام تو یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جن پر امارت و اقتدار کا پوری زندگی میں کبھی جھونکا تک نہ آیا کہ کسی تاویل سے ان پر بارہ خلیفوں کا لفظ ہی صادق آسکے۔ جن کی خبر حدیث شریف میں دی گئی تھی۔

مصر اور فلسطین کے مابین خانہ بدوشی کی زندگی

بنو اسرائیل حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے تو نکل آئے لیکن فلسطین میں آنے کے لیے قوم عمالقہ کا سامنا تھا۔ جب انہوں نے ان سے لڑنے سے انکار کیا تو پھر ان پر کچھ عرصے کے لیے خانہ بدوشوں کی سی زندگی مسلط کر دی گئی۔ اسی دور میں حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے اور پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام بھی وفات پا گئے۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت موسےٰ کی وفات ایک قطعی اور یقینی واقعہ ہے۔ تاریخ یہود میں اس پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اہل اسلام کے ہاں بھی آپ کی وفات یقینی تاریخی وقائع میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے اور آپ نے اپنے کشف میں انہیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔[2]

---

[1] حضرت ہارون حضرت موسےٰ کی زندگی میں تو ایک دفعہ ان کے خلیفہ ہوئے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا ہارون فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ حضورؐ کے گھریلو امور میں خلیفہ ہوئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکرؓ ہوئے حضرت علیؓ نہ ہوئے۔ گویا آپ مکمل طور پر حضرت ہارون کی مطابقت میں ہے۔

[2] صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۶۸ سنن نسائی جلد ۱ ص۱۸۵

آپ کا ان کی قبر کو ذکر کرنا بتلاتا ہے کہ آپ کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور ان کا قبر میں دفن ہونا ہرگز کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا۔ معلوم نہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے کیوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا انکار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

هذا هو موسیٰ فتی الله الذی اشار الله فی کتابه الی حیاته وفرض علینا ان نؤمن انه حی فی السماء ولم یمت ولیس من المیتین۔[1]

ترجمہ: یہ وہی موسیٰ مرد خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے وہ مرا نہیں اور مردوں میں سے نہیں ہے۔

یہ ایک ضمنی بات ہے جو سامنے آگئی۔ تاہم مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہ کوئی اختلافی موضوع نہیں ہے۔ تاریخ یہود بتلاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام ان کے خلیفہ ہوئے اور حضرت یوشع کے بعد حضرت کالب ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کے بیشتر علاقے ان سے آزاد کرا لیے تھے۔ حضرت کالب کے بعد بنو اسرائیل پر ایک قاضیوں کا دور گزرا ہے۔ پرانے عہد نامے کی کتاب قضاۃ اسی دور کا تذکرہ ہے۔ پھر فلسطین میں بنو اسرائیل کی خود کنعانیوں سے ٹھن گئی اور کنعانی غالب رہے۔ اس دور میں بنو اسرائیل کے پاس صرف ایک روحانی منصب تھا اور خاندان کی ایک اونچی نسبت تھی۔ اقتدار کنعانیوں کے پاس تھا۔ یہ دور بھی بنی اسرائیل کے لیے ایک سخت تنگی اور جبر کا دور تھا۔

اس دور میں بنو اسرائیل میں حضرت سموئیل علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اسرائیلیوں نے ان سے یہ درخواست کی کہ ہم بھی ایک بادشاہت قائم کرتے ہیں۔ تا کہ اس کے جھنڈے تلے کنعانیوں سے لڑیں کنعانیوں کا سپہ سالار جالوت تھا۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے اذن سے اسرائیل کا سیاسی قائد طالوت کو مقرر کیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں اس کا نام ساؤل بتایا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی اس وقت پیدا ہو چکے تھے اور نوجوان تھے۔ آپ نے طالوت کے لشکر میں شامل ہو کر جالوت کو قتل کیا۔ طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور اقتدار پھر بنو اسرائیل کے پاس آگیا۔

---

[1] نور الحق جلد اول ص ۲۹

بادشاہت فی نفسہ عیب نہیں، بادشاہت ایک سیاسی اقتدار کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بھی چل سکتا ہے اور اس کی بغاوت میں بھی ـــــ اچھا یا بُرا ہونا اس اقتدار کے استعمال کا نام ہے۔ فقط اقتدار کوئی بُری چیز نہیں، یہ اقتدار اگر خدا کے حکم سے چلے تو اسے خلافتِ الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت داؤد علیہ السلام زمین پر اللہ رب العزت کے خلیفہ بھی تھے اور وقت کے بادشاہ بھی۔

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہا،

یاداؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔

(پ ۲۳؛ ص، آیت ۲۶)

ترجمہ: اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ سو تم لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا پورے فلسطین پر قبضہ تھا۔ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے۔ آپ حضرت داؤد کے خلیفہ بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے، پیغمبر بھی تھے اور آپ کی بادشاہت جنات اور ہواؤں پر بھی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۹۳۷ سال پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی اور جنات کو آپ کی وفات کا پتہ نہ چلا اور وہ برابر بیت المقدس کی تعمیر کرتے رہے۔ اس جگہ کا قبلہ عبادت ہونا اس سے پہلے سے چلا آرہا تھا۔ آپ نے صرف تعمیر جدید کی تھی اور یہ ایک بڑی تعمیر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا تھی:۔

ربّ اغفرلی وھب لی ملکاً لاینبغی لاحدٍ من بعدی۔ (پ ۲۳، ص آیت ۳۵)

ترجمہ: اے اللہ! میری مغفرت کر اور مجھے ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کے لیے نہ ہو۔

سو آپ کے بعد یہ شیرازہ سلطنت جاتا رہا اور اب بنو اسرائیل دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ شمالی حصے میں اسرائیل کے نام سے سلطنت قائم ہوئی جس کا مرکز حکومت سامریہ تھا اور جنوبی حصے میں یہودہ کی نسبت سے ـــــ اس یہودی سلطنت کا مرکز یروشلم تھا۔ ان دونوں میں مذہبی اور سیاسی اختلافات بھی چلے۔ یہاں تک کہ بخت نصر شاہ بابل نے ۵۸۶ قبل مسیح میں یروشلم پر حملہ کر کے اسے بالکل غارت کر ڈالا اور بہت سے یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ یہودیوں کا یہ ایک اور دورِ غلامی تھا۔

پھر یہودیوں کے حسن قسمت سے سائرس شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کی، سائرس کو فتح ہوئی اور اس نے وہاں سے یہودیوں کو آزاد کیا اور وہ پھر یروشلم آباد ہوئے اور پھر سے بیت المقدس کی تعمیر کی ۵۱۵ قبل مسیح میں بیت المقدس پھر سے آباد ہو گیا۔ اسرائیلیوں کی شمالی سلطنت پہلے سے آسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، پھر ان میں یہوداہ مکابی اٹھا اور اس نے آسوریوں کو نکال کر وہاں ایک مکابی سلطنت قائم کی، ان کا اقتدار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک کسی نہ کسی درجے میں ان قائم رہا۔

یروشلم میں یہود گو دوبارہ آباد ہو گئے لیکن ان کی سیاسی شوکت قائم نہ ہو سکی۔ ۶۳ قبل مسیح کے بعد وہاں رومی اقتدار تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہاں گو مذہبی سیادت بنو اسرائیل کی تھی لیکن اقتدار رومی سلطنت کا تھا، حضرت مسیح کے خلاف تو یہ دونوں طاقتیں جمع تھیں ——— حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد طیطوس رومی نے بیت المقدس پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا اور یہود کی رہی سہی شوکت بھی جاتی رہی۔

تاریخ بنی اسرائیل اور یہودیوں کی روحانی بیشوائی کا یہ مختصر خاکہ آپ کے سامنے ہے، اس میں کوئی جز وایسا نہیں جس میں مسیحی مورخ اور علماء اسلام میں کوئی زیادہ اختلاف ہو۔

تاریخ بنی اسرائیل علماء اسلام کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (۱۲۳۰ھ) لکھتے ہیں :-

حضرت ابراہیم اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں ——— اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے انکو بشارت فرمائی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام ان کو دوں گا ——— اور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا ——— پھر حضرت موسیٰ کے وقت میں وہ وعدہ پورا کیا ——— بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور ان کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ تم جہاد کرو ——— قوم عمالقہ سے ملک شام چھین لو ——— پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے، حضرت موسیٰ نے بارہ شخص، بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے، ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لائیں وہ خبر لائے تو اس ملک کی

بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کا قوت وزور بیان کیا ..... قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگے اور چاہا کہ پھر مصر واپس لوٹ جائیں اس تقصیر کی وجہ سے چالیس سال فتح شام کو دیر لگی۔ اس مدت جنگلوں میں بھٹکتے رہے ہیں[1]

چالیس سال گزرنے پر انہیں شام آنا نصیب ہوا۔ اپنی کوتاہیوں کی کوئی یاد اور ماضی کی کوئی ندامت ان کی پیشانیوں پر نہ تھی۔ اپنے آپ کو برابر برگزیدہ قوم سمجھتے تھے اور یہ ملا کہتے رہے کہ ہم خدا کی اولاد ہیں اور اس کے لاڈلے ہیں۔ ہمیں دوزخ کی آگ کیسے چھو سکتی ہے اور چھوئے بھی تو یہ حال چند دنوں سے زیادہ نہیں ہو گا۔ ہم ایک چُنی ہوئی قوم ہیں اور دوسری قوموں کے لیے ایک نشان راہ ہیں۔

نحن ابناء اللہ و احباءہ۔ (پ ۲ : المائدہ آیت ۱۸)

ترجمہ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے ہیں۔

وقالوا لن تمسنا النار الا ایاماً معدودۃ۔ (پ البقرہ آیت ۸۰)

ترجمہ۔ ہمیں ہرگز آگ نہ چھوئے گی۔ سو بھی تو گنتی کے دن۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت موقعے دیئے کہ کسی طرح یہ لوگ تورات کو تھام لیں مگر ان کا تمرد بڑھتا گیا اور سرکشی بھیلتی گئی۔ دو دفعہ ان پر عظیم تباہی آئی اور رومی ان پر چھا گئے۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں:۔

تورات میں کہہ دیا تھا کہ دو بار بنی اسرائیل شرارت کریں گے اس کی جزا میں دشمن ان پر غالب ہوں گے۔ اسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا پھر حق تعالیٰ نے اسی کو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو قوت زیادہ دی حضرت سلیمان کی سلطنت میں —— دوسری بار بخت نصر غالب ہوا۔ تب سے ان کی سلطنت نے شوکت نہ پکڑی[2]۔

بعض علمائے اسلام نے بخت نصر کے حملے کو جو ولادت مسیح سے ۵۸۶ سال قبل پیش آیا یروشلم کی پہلی تباہی قرار دیا ہے اور دوسرے وعدہ سے طیطوس رومی کا حملہ مراد لیا ہے جو رفع مسیح سے ستر سال بعد

---

[1] موضح القرآن جلد ا ص [2] ایضاً

واقع ہوا۔ اس سے یہودیوں کی مکمل سیاسی شکست ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج تک یہ کہیں اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکے۔ اسرائیل کی موجودہ سلطنت بھی امریکہ اور انگلستان کے سہارے قائم ہے۔ اپنے پاؤں نہ یہ سلطنت وجود میں آئی، نہ آپ سے قائم ہے۔ یروشلم کی مکمل تباہی کے بعد انہوں نے کچھ نو آبادیات کی طرف رُخ کیا۔ کچھ لوگ مدینہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔ ان کی گرتی دیوار سنبھل نہ رہی تھی اور وہ ایک مسیحا کے منتظر تھے جو انہیں رومیوں کی غلامی سے نجات دلائے اور پھر انہیں فلسطین کا مالک بنا دے۔

یہ یہودیوں کی سیاسی تاریخ کا ایک نقشہ ہے۔ اس دوران تورات پر کیا گزری اور وہ کب اور کہاں جا گم ہوئی یہ ایک مستقل داستان ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد جب تک بنو اسرائیل میں نبی آتے رہے وہ تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے اور وہ تورات پر نگہبان تھے۔

قرآن کریم میں ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدیً ونور یحکم بہ النّبیّون الّذین اسلموا للّذین ھادوا والرّبّانیّون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللّٰہ و کانوا علیہ شہداٰء۔ (پ ۶ : المائدہ آیت ۴۴: رکوع ۶)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے تورات اُتاری، اس میں ہدایت تھی اور نُور۔ نبی جو خدا کے فرمانبردار تھے اسی کے مطابق یہود میں فیصلے کرتے آئے اور مشائخ اور علماء بھی۔ کیونکہ وہ خدا کی اس کتاب پر نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی یہی تورات دستاویز شریعت تھی۔ آپ نے صرف اس کے چند احکام کو منسوخ بتلایا۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تک تورات موجود تھی۔ پھر کہیں جا کر یہ گم ہوئی ہے۔

تورات کے نام پر اب جو دستاویز بنو اسرائیل کے ہاتھ میں رہی یہ بھی کلیتہً فرضی نہیں۔ اس میں بھی کچھ نہ کچھ الٰہی احکام ضرور باقی رہے۔ ورنہ قرآن کریم یہ نہ کہتا۔

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیہا حکم اللّٰہ ثم یتولون من بعد ذلک وما اولئک بالمؤمنین۔ (پ ۶ : المائدہ آیت ۴۳ رکوع ۶)

ترجمہ۔ اور کس طرح یہ آپ کو منصف مانیں جب کہ خود ان کے پاس تورات ہے جس میں خدا کا حکم لکھا ہے پھر یہ اس سے پھر جاتے ہیں اور وہ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

افسوس کہ اس وقت تورات گو محرف ہی تاہم کسی درجہ میں تو تھی لیکن اب اس درجے پر بھی کہیں باقی نہیں رہی۔ وہ کہاں اور کب گم ہوئی؟ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ اس وقت تورات جس صورت میں ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے وہ یہ پرانا عہد نامہ ہے جو عیسائیوں کی کتاب مقدس کا پہلا حصہ گنا جاتا ہے اور اس کی پہلی پانچ کتابوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تالیف بتایا جاتا ہے۔

یہودی ایک برگزیدہ قوم کی حیثیت سے

تورات پر جو گزری وہ اپنی جگہ لیکن اس قوم کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے نسبت بے شک اُن کے لیے تاریخ میں ایک بڑا اعزاز رہا ہے اور یہ قوم اس اعتبار سے اپنے وقت میں بے شک ایک برگزیدہ قوم رہی ہے۔ ہر دور میں کوئی نہ کوئی قوم خدا کا نشانِ راہ رہی ہے۔ ایسے لوگ خدا کی زمین پر خدائی احکام کے گواہ ہوتے ہیں۔ بنو اسرائیل اپنے وقت میں خدا کی برگزیدہ قوم تھی اور دوسروں کو خدا کا نشان اور پتہ آلِ یعقوب سے ملتا تھا۔ اُن کے زوال پر بنو اسماعیل خدا کا نشان بنے۔ اور اب وہ خدا کی برگزیدہ قوم قرار پائے۔ انہیں اس لائن پر لانے کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے آخری رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے نشانِ راہ بنے اور یہ قوم (اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) دوسری تمام قوموں کے لیے الٰہی ہدایت کا نشان بنی۔

جس طرح خدا نے ایک قبلے کو دوسرے قبلے سے بدلا، اسی طرح اللہ رب العزت نے ایک قوم کو دوسری قوم سے بدلا اور اب بنو اسرائیل کی بجائے اصحابِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلۂ اقوام بنایا۔ قرآن کریم میں ہے:-

سیقول السفہآء من النّاس ماولّٰہم عن قبلتہم الّتی کانوا علیہا قل للّٰہ المشرق والمغرب یہدی من یشآء الی صراط مستقیم ۰ وکذٰلک جعلناکم امّۃ وسطًا لتکونوا شہدآء علی النّاس ویکون الرسول علیکم شہیدا ۰

(پ۲ البقرہ ع ۱۷ آیت ۱۴۳)

ترجمہ۔ احمق لوگ کہیں گے کہ لوگ جس قبلے پر پہلے تھے اب کس بات نے انہیں اس قبلے سے پھیر دیا۔ آپ کہہ دیں مشرق و مغرب سب خدا کا ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر

نگادے ۔ اور ہم نے اسی طرح اب تمہیں برگزیدہ امت کیا۔ تاکہ تم لوگوں پر (خدائی دین کے) گواہ رہو اور یہ پیغمبر تم پر (خدائی دین کا) گواہ ہو گا۔

وکذالک کے الفاظ تشبیہ پر غور فرمائیں۔ یہ قبلہ نماز اور قبلہ اقوام میں ایک لطیف تشبیہ ہے۔ جس خدا نے ایک سمت قبلہ کو دوسری سمت قبلہ سے بدلا ہے اب وہ ایک قوم کے قبلۂ اقوام ہونے کو ختم کر کے کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ کھڑا کر دے اور قبلۂ اقوام بنا دے تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔

اب آلِ یعقوب کبھی جن کے سر پر سیادت کا تاج تھا قوموں کے پیشوا نہ رہے۔ اب قوموں کے لیے سچائی کا نشان حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور اب بنو اسرائیل کی بجائے بنو اسماعیل کی روحانی قیادت کا دور ہے۔

جب بنو اسرائیل نے احکام الٰہی سے منہ موڑا اور تورات کو پس پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی پیشوائی کا تاج اُن کے سروں سے لے لیا اور اب اسے اصحاب رسول عربی کے سروں پر رکھا۔ اب پوری دنیا کے لیے آسمان ہدایت کے ستارے یہی ہیں۔

توریت کی موجودہ حیثیت

موجودہ تورات وہ تورات نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ نہ یہ وہ نسخہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت محرف صورت میں یہودیوں کے پاس موجود تھا۔ اب کتاب موسے جس شکل میں ہمیں دکھائی جاتی ہے۔ اس سے بھی کچھ تعارف ضرور ہونا چاہیے۔

کتاب مقدس یہود و نصاریٰ کا مشترک علمی سرمایہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں:-

(۱) پرانا عہد نامہ Old Testament

(۲) نیا عہد نامہ New Testament

پرانا عہد نامہ حضرت موسے علیہ السلام کی پانچ کتابوں اور حضرت موسے کے بعد آنے والے پیغمبروں کے صحائف حضرت داؤد کے زبور اور دیگر آسمانی صحائف پر مشتمل ہے۔ پرانے عہد نامہ کی پہلی پانچ کتابوں (۱) کتاب پیدائش (۲) کتاب خروج (۳) کتاب احبار (۴) کتاب گنتی اور (۵) کتاب استثناء کو حضرت موسے علیہ السلام کی تالیف بتایا جاتا ہے۔ عیسائی لوگ بھی انہیں حضرت موسے کی تالیف سمجھتے ہیں

پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:۔

موسیٰ نے لکھا ہے کہ جو شخص اس راست بازی پر عمل کرتا ہے جو شریعت سے ہے وہ اسی کی وجہ سے زندہ رہے گا۔ [ل]

یہ بات پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں میں سے کتاب الاحبار میں اس طرح لکھی ہے:۔

تم میرے آئین اور احکام ماننا جن پر اگر کوئی عمل کرے تو وہ انہی کی بدولت جیتا رہے گا۔ [ل]

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ تورات حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تالیف نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکھی لکھائی ملی تھی۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وکتبنالہ فی الالواح من کل شیٔ موعظۃ وتفصیلا لکل شیٔ فخذھا بقوۃ وأمر قومک یأخذوا باحسنھا ساوریکم دار الفاسقین ۰

(پ ۹: الاعراف ع ۱۷ آیت ۱۴۵)

ترجمہ۔ اور لکھ دی ہم نے تختیوں پر اُسے ہر طرح کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی۔ سو پکڑلو اسے مضبوطی سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ اس کے بہترین معنی لیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

علاوہ تورات کے صحائف موسےٰ کا ذکر بھی قرآن پاک (پ ۳۰ سورۃ الاعلیٰ) میں موجود ہے۔

انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کا ذکر کیا ہے:۔

اگر تم موسےٰ پر ایمان لائے تو مجھ پر بھی ایمان لائے لیکن اگر تم اُن کے صحائف پر ایمان نہ لائے تم میرے اقوال پر کیسے ایمان لاؤ گے۔ [ل]

پرانے عہد نامے کی پانچ کتابوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تالیف ماننا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ انہی میں کتاب استثناء ہے جس میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کی عمر موت کے وقت ۱۲۰ سال بتائی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ وادیٔ موآب میں دفن ہیں۔

[ل] پولوس رسول کا خط رومیوں کے نام باب ۱۰ ورس ۵۔ [ل] باب ۱۸ ورس ۵

[ل] انجیل یوحنا باب ۵ ورس ۴۶-۴۷

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ تالیف بھی حضرت موسیٰ کی ہو اور اس میں آپ کی وفات اور قبر کا بھی ذکر ہو کہ وہ کس جگہ ہے۔ کتاب استثناء میں ہے۔

پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا ...... اور بنی اسرائیل موسیٰ کے لیے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے۔[1]

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہی اس کتاب کے مصنف ہیں اور وہ خود ہی اپنی کتاب میں اپنی عمر اور قبر کا پتہ دے رہے ہیں۔ کچھ تو سوچیے: ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔

یہ اسی طرح ہے کہ کوئی مسلمان قرآن کریم سے ثابت کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں یا کسی حدیث سے دکھلائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو "میں وفات پا چکا ہوں"۔ ایسی بات کسی طرح لائق تسلیم نہ ہوگی۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ قرآن کریم حضور پر اترا، آپ پر ہی مکمل ہوا۔ آپ نے اسے صحابہ کو لکھنے کے لیے دیا اور آپ کی زندگی میں آیت تکمیل دین اتری۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔

—— اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس قرآن میں حضور کے وفات پا چکنے کی خبر ہو۔ اس میں آپ کے وفات پانے کی پیشگوئی تو ہو سکتی ہے لیکن آپ پر وفات ہو چکنے کی خبر اس میں تلاش کرنا کسی بے وقوف کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

پیش نظر رہے کہ کتاب استثناء Deuteronomy میں حضرت موسیٰ کی قبر کی نشاندہی وادئ موآب میں کی گئی ہے اور آپ کی عمر ۱۲۰ سال بتائی گئی ہے۔ یہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ کی تالیف ہرگز نہیں، یہ مدتوں بعد لکھی ہوئی ایک تحریر ہے۔ جسے مسیحی علماء نے حضرت موسیٰ کی کتاب مانا ہوا ہے۔

کتاب پیدائش ان پانچ کتابوں میں سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے باب ۳۶ کے گیارہ ورس ۳۱ تا ۴۳ پرانے عہدنامے کی کتاب تواریخ Chronicles کے باب اول کے گیارہ ورس ۴۳ تا ۵۴ میں۔ مصنف

---

[1] کتاب استثناء، باب ۳۴: ورس ۵-۸

دونوں کتابوں کے کتاب پیدائش اور تواریخ کے علیحدہ علیحدہ ہیں اور یہ گیارہ ورس دونوں میں ایک سے ہیں۔ بائبل مرتب کرنے والے سے یہاں لازماً کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح تواریخ ۲ کے آخری باب کے ورس ۲۲ اور ۲۳ کتاب عزرا کے باب اول کے پہلے تین ورس ہیں۔ مصنف ان دو کتابوں کے بھی علیحدہ علیحدہ ہیں اور دونوں اپنی طرف سے نہیں آسمانی ہدایت سے بولتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ان پہلی پانچ کتابوں کو کس طرح حضرت موسےٰ کی تالیف کہا جائے۔

پُرانے عہد نامے کی اس طرح پوری زمین متزلزل ہے۔ علاوہ ان الفاظ اور عبارات کے اس کے مضامین بولتے ہیں کہ یہ کس طرح آستانہ قدس کی آسمانی آوازیں ہو سکتی ہیں۔ مقام نبوت کو لیجئے اور پھر پُرانے عہد نامے میں نبوت کی پس پردہ اخلاقی حالت کو دیکھئے اور سوچئے کہ اس سائے میں جو روحانی معاشرہ ہوگا، وہ کس قسم کا ہوگا؟ اور آپ اب اس سے کس خیر کی توقع کر سکتے ہیں، اور اگر کوئی کہہ بھی دے تو کیسے مانا جائے۔

مقام نبوت پُرانے عہد نامے میں

پہلے نبیوں کو شروع سے خدا کا نمائندہ سمجھا گیا اور ان کے پاس آنا خدا سے ربط قائم کرنے کا ایک ذریعہ جانا جاتا ہے۔ یہودی پہلے انہیں غیب جاننے والا کہتے ہیں۔ پھر اس کی بجائے لفظ نبی صحت کے زیادہ قریب پایا گیا پُرانے عہد نامہ میں ہے۔

اگلے زمانہ میں اسرائیلیوں میں جب کوئی شخص خدا سے مشورہ کرنے جاتا تو یہ کہتا تھا کہ آؤ غیب بین Seer کے پاس چلیں، کیونکہ جس کو اب نبی کہتے ہیں اس کو پہلے غیب بین کہتے تھے۔ تب ساؤل نے اپنے نوکر سے کہا۔ تُو نے کیا خوب کہا آ ہم چلیں۔ سو وہ اس شہر کو جہاں وہ مردِ خدا تھا چلے، اور اس شہر کی طرف ٹیلے پر چڑھتے ہوئے ان کو کئی جوان لڑکیاں ملیں جو پانی بھرنے جا رہی تھیں۔ انہوں نے اُن سے پُوچھا کیا غیب بین یہاں ہے انہوں نے اُن کو جواب دیا ہاں ہے۔ [1]

نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا یا اسے Seer (ناظر) جاننا یہ یہود کی ایک تاریخ ہے۔ ان دنوں لوگ ان مردانِ خدا کے پاس غیب کی باتیں معلوم کرنے آتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نبی علم غیب رکھتے ہیں اور غیب بین

---

[1] سموئیل باب ۹ ورس ۹-۱۰

بھی ہیں۔ انگریزی بائبل میں یہاں لفظ Seer استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ حاضر و ناظر سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی کتاب کے اسی باب میں ہے:۔

ساؤل اپنے نوکر سے جو اس کے ساتھ تھا کہنے لگا ..... دیکھ اس شہر میں ایک مردِ خدا Seer ہے جس کی بڑی عزت ہوتی ہے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ وہ سب ضرور ہی پورا ہوتا ہے۔ سو ہم اُدھر چلیں شاید وہ ہم کو بتا دے کہ ہم کدھر جائیں۔[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ہاں ان دنوں کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی خبر دینے والوں کو بھی نبی کہتے تھے پیشگوئی کرنا ایک فن بن گیا تھا جس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ سموئیل نبی نے ۱۰۷۰ ق م سے ۹۷۲ ق م تک اس فن کے سکول کھول رکھے تھے۔ گویا ان کے نزدیک نبی خدا تعالیٰ سے اطلاع پانے والے کا ہی نام نہیں۔ اس کا ترجمہ غیب کی بات بتانے والا اور پیشگوئی کرنے والا بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید نئے عہد نامے کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:۔

دوسرے دن ہم روانہ ہو کر قیصریہ میں آئے اور فلپس مبشّر کے گھر جو ان ساتوں میں سے تھا اُتر کر اس کے ساتھ رہے اس کی چار کنواری بیٹیاں تھیں جو نبوت کرتی تھیں اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نام ایک نبی یہودیہ سے آیا۔[2]

نبوت کرنا کیا ہے؟ یہ کوئی فن یا ہنر ہے جسے بطور کاروبار کیا جائے ـــــ نہیں ـــــ اسلام میں نبوت ایک وہبی منصب ہے جو کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا۔ نبی محض خدا کا انتخاب ہوتے ہیں، نبوت کا کام سکھانے کے لیے اور غیب کی باتیں بتانے کے لیے کوئی مدرسہ نہیں کھولا جاتا۔ اسلام اس عقیدے کو زندقہ قرار دیتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ اس کی رسالت کہاں اُترے گی۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (پ۸ الانعام ع ۱۵)

ترجمہ۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس موقع کو کہ بھیجے وہاں اپنی رسالت۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کا تصورِ نبوت کتنا پست تھا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ یہ پیغمبروں کو معصوم نہ سمجھے۔ ان کے اسی عقیدے کا نتیجہ نکلا کہ انہیں جب ایک معصوم کی ضرورت ہوئی تو ان کے ایک طبقہ نے نبوت اور الوہیت کے درمیان خدا کے بیٹے کا ایک نیا تصور پیدا کیا۔ اگر یہود پیغمبروں کو ان کے مقام سے

---

[1] کتاب سموئیل ورس ۵-۶ [2] رسولوں کے اعمال باب ۲۱ آیت ۸-۱۰

نہ گراتے۔ نبی کا ترجمہ غیب کا جاننے والا اور حاضر و ناظر Seer نہ کرتے تو عیسائیت کو کبھی خدا کے بیٹے کی ضرورت نہ پڑتی۔ نہ واجب الوجود اور ممکن الوجود کے مابین انہیں کسی برزخ کی تلاش ہوتی۔ مخلوق کتنے ہی درجے کا کیوں نہ ہو وہ حیطہ امکان سے باہر نہیں نکلتا۔ ممکن الوجود ہی رہتا ہے۔

مقام نبوت اخلاقی پیرایہ میں

پُرانے عہد نامہ کی کتاب پیدائش میں ہے:۔

اور نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہوگیا۔[1]

یہی نہیں ذرا آگے چلیں:۔

اور لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں غار میں رہنے لگے تب پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دُنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو۔ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس

---

[1] کتاب پیدائش باب ۹ ورس ۲۰

نے ان کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں[1]

یہ بھی نہیں اور دیکھئے کتاب مقدس کے حاملین نبوت کا کیا مقام سمجھتے ہیں:۔

اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا۔ اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ الیعام کی بیٹی بنت سبع نہیں جو حتی اوریا کی جورو ہے اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بُلا لیا اور وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اور داؤد نے یواب کو کہلا بھیجا کہ حتی اوریا کو میرے پاس بھیج دے۔[2]

مسیحی علماء حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عمران کو ایک قبیلے کا بتاتے ہیں۔ حضرت عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام تھا۔ حنہ بنت فاقوذ آپ کی نانی تھی۔ عیسائیوں کے ہاں یہ حضرات حضرت یعقوب کے بیٹے یہودا کی نسل سے تھے۔ یہودا کے بیٹے کا نام سیلہ اور بہو کا نام تمر تھا۔

کتاب پیدائش میں ہے:۔

یہودا کو خبر ملی کہ تیری بہو تمر نے زنا کیا ہے اور چھنالے کا حمل بھی ہے۔ یہودا نے کہا کہ اسے نکال لاؤ کہ وہ جلائی جائے۔ جب اسے باہر نکالا تو اس نے خُسر سے کہلا بھیجا کہ میرے اس شخص کا حمل ہے جس کی یہ چیزیں ہیں۔ سو تو پہچان تو سہی یہ مہر بازو بند اور لاٹھی کس کی ہے۔[3]

پتہ چلا کہ یہ چیزیں خود یہودا کی ہیں اور اسی کا یہ حمل تھا۔ سو تمر کو کچھ نہ کہا گیا۔ اس حمل سے توام پیدا ہوئے۔ ایک ان میں سے فارص تھا۔

نبوت کے خاندان کیا اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ کتاب پیدائش کے باب ۳۵ ورس ۲۲ میں حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے روبن کا اپنی سوتیلی والدہ سے ہمبستر ہونا مذکور ہے۔ حضرت داؤد کے بیٹے امون کا اپنی بہن سے ہمبستر ہونا سموئیل ۲ کے باب ۱۳ کے ابتدائی ورسوں میں مذکور ہے۔ پھر اسی کے باب ۱۶ کے ورس ۲۲ میں حضرت داؤد

---

[1] کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس ۳۰-۳۸ [2] کتاب سموئیل باب ۱۱ آیت ۲-۶ [3] کتاب پیدائش باب ۳۸ ورس ۲۴-۲۹

کے بیٹے ابی سلوم کا اپنی سوتیلی ماؤں کی بے حرمتی کرنا مذکور ہے۔

ہم ان واقعات پر یقین نہیں کرتے۔ انہیں یہاں صرف اس لیے نقل کیا گیا ہے تاکہ ہمارے قارئین جانیں کہ یہود و نصاریٰ کے ہاں مقامِ نبوت اور خاندانِ نبوت اخلاقی پیرائے میں کیا درجہ رکھتے ہیں۔

انبیاء چُنے ہوئے لوگ اور صفوۃ خلائق ہوتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو عامہ خلائق کس طرح ان کی زندگیوں سے کوئی سبق حاصل کر سکیں گے۔

اب آیئے اس قوم کا حکومتی کردار دیکھیں کہ اگر انصاف کی کرسی اُن کے پاس ہو تو خلق خدا کہاں تک داد پا سکے گی۔

بنو اسرائیل کا حکومتی کردار

بنو اسرائیل جنہوں نے فرعون کے مظالم دیکھے یا سُنے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب انہیں حکومت ملے تو اپنی حکومت ملنے پر وہ حق پرستی اور عدل و انصاف کے جھنڈے لے کر اُٹھیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ کسے علم تھا کہ ان کی اپنی حکومتی سطح بھی فرعون کی سی ہوگی۔ ہم مسلمان حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بارے میں تصور نہیں کر سکتے کہ وہ بھی کبھی فرعونی اداؤں میں جلوہ گر ہوئے ہوں۔ لیکن افسوس کہ پُرانا عہد نامہ ان کے حکومتی کردار کا یوں پتہ دیتا ہے۔ پھر یہ کتاب بھی حضرت موسےٰ کی اپنی تالیف بتائی جاتی ہے۔ کتاب گنتی Numbers کے اکتیسویں باب میں ہے۔ بنو اسرائیل نے مدیانیوں پر حملہ کیا تو موسےٰ علیہ السلام نے ان کے بارے میں (معاذ اللہ) یہ فیصلہ صادر فرمایا:۔

> ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں اُن کو قتل ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لیے زندہ رکھو اور تم سات دن تک لشکر گاہ کے باہر ہی ڈیرہ ڈالے رہو۔[1]

ان خیموں میں کتنی عورتیں ان اسرائیلیوں کے ہاتھ لگیں اسے اس کتاب کے ورس ۳۵ میں دیکھئے:۔

> بتیس ہزار ایسی عورتیں تھیں جو مرد سے ناواقف اور اچھوتی تھیں۔[2]

بچوں کو مارنا اور بچیوں کو اپنے لیے باقی رکھنا کیا یہی فرعون کا کردار نہ تھا؟ اگر موسیٰ علیہ السلام نے

---

[1] کتاب گنتی باب ۳۱ ورس ۱۷-۱۸ [2] ایضاً ورس ۳۵

بھی اپنے مخالفین سے یہی سلوک کرنا تھا تو موسیٰ اور فرعون میں کیا فرق رہا —— حق بات یہ ہے کہ پرانا عہد نامہ ہرگز توراۃ نہیں، نہ کسی درجہ میں یہ موسوی تالیف ہے۔ نہ یہ خدا کی باتیں ہیں، ہم کیسے تسلیم کرلیں کہ کل کے مظلوم آج اس درجہ کے ظالم بن گئے تھے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ سارا کاروبار نبوت کے سایہ میں کیا جارہا تھا۔ کچھ غور کیجئے۔ کیا یہی کہنا مناسب نہیں کہ ان کتابوں کی سند authority مشکوک ہے اور ہم اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ نبوت کا کردار فرعون کی پیروی نہیں —— عدل وانصاف کا قیام ہوتا ہے۔

بنو اسرائیل کے مظالم کا ایک یہ واقعہ بھی یاد رکھیے۔ الیشع نبی نے یا ہو بن یہوسفط کو دعا دی تھی اور انبیاء زادوں کو کہا کہ اس کے سر پر تیل ڈالو اور کہو:-

اسرائیل کا خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مسح کر کے خداوند کی قوم یعنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا ہے سو تو اپنے آقا اخیاب کے گھرانے کو مار ڈالنا تاکہ میں اپنے بندوں نبیوں کے خون کا اور خداوند کے سب بندوں کے خون کا انتقام ایزبیل کے ہاتھ سے لوں لہ

اس وقت شہزادے جو ستر آدمی تھے شہر کے ان بڑے آدمیوں کے ساتھ تھے جو ان کے پالنے والے تھے۔ سو جب یہ نامہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے شہزادوں کو لے کر ان ستر کو قتل کیا اور ان کے سر ٹوکروں میں رکھ کر ان کو اس کے پاس یزرعیل میں بھیج دیا۔ تب ایک قاصد نے آ کر اسے خبر دی کہ وہ شہزادوں کے سر لائے ہیں۔ اس نے کہا کہ ان کو شہر کے پھاٹک کے مدخل پر ان کی دو ڈھیریاں لگا کر کل صبح تک رہنے دو۔ ٹہ

کتاب سلاطین ۲ کے پندرہویں باب میں ایک اور یہودی حکمران کا نمونہ حکمت دیکھیے۔ ورس ۱۶ کے تحت لکھا ہے:-

مناحم نے جو غادی کا بیٹا تھا ترضہ Tirzah سے لے کر تفسح Tiphsah کو اور ان سبھوں کو جو وہاں تھے —— مارا اور مارنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اس کے لیے پھاٹک نہیں کھولے تھے اور اس نے وہاں کی سب حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ دیئے۔ تہ

لہ کتاب سلاطین ۲ باب ۹ ورس ۷، ٹہ باب ۱۰ ورس ۶-۷-۸

یہود کے ہاں انسانی حقوق کا تحفظ کیا یہی ہے؟ کیا اسی برتے پر یہود و نصاریٰ نے اس کتاب کو کتاب مقدس کہتے ہیں. یہودیوں کو حکم تھا کہ وہ سال میں کم از کم تین دفعہ یروشلم میں اپنے آپ کو خداوند کے حضور پیش کیا کریں اور سال میں تین دفعہ اس گھر کی حاضری دیں. فرمایا :-

تیرے سب مرد سال میں تین بار خداوند خدا کے آگے جو اسرائیل کا خدا ہے حاضر ہوں.[1]

سال میں تین بار ① بے خمیری روٹی کی عید ② ہفتوں کی عید اور ③ عید خیام کے موقع پر تیرے ہاں کے سب مرد اپنے خدا کے آگے اسی جگہ حاضر ہوا کریں جسے وہ چُنے گا اور جب آئیں تو خداوند کے حضور خالی ہاتھ نہ آئیں.[2]

غور فرمائیں اگر بنو اسرائیل ان احکام شریعت پر عمل کرتے رہتے تو کیا وہ پوری دنیا میں پھیل سکتے تھے؟ ہرگز نہیں، انہیں یروشلم میں سال میں تین مرتبہ حاضری دینے کے لیے ایک محدود جغرافیائی فاصلے میں رہنا پڑتا. تاکہ ہر چار ماہ کے بعد اپنے آپ کو اپنے خدا کے حضور حاضر کر سکیں گے —— ان کا اس وقت دنیا کے کناروں تک پہنچے ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کس درجہ میں شریعت کے پابند رہے ہوں گے. گبن نے اس حوالے سے ان پر سخت تنقید کی ہے.

یہ صحیح ہے کہ یہودی عام کھانے پینے میں شریعت کا کچھ لحاظ رکھتے ہیں. خنزیر نہیں کھاتے کیونکہ پُرانے عہد نامے میں اسے حرام ٹھہرایا گیا ہے. (دیکھیے کتاب استثنا باب ۱۴ ورس ۸) یورپ میں مشینوں کا ذبیحہ جائز نہیں سمجھتے. صرف کوشر گوشت کھاتے ہیں. گوشت اور دودھ کو جمع نہیں کرتے. اسے ناجائز سمجھتے ہیں. بچوں کا ختنہ کراتے ہیں اور ان کے ربی داڑھی بھی رکھتے ہیں. لیکن انکی یہ سب احتیاط چھوٹے چھوٹے امور میں ہے اور یہ بھی بمقابلہ عیسائیوں کے جو سرے سے شریعت کے قائل نہیں.

انجیل یوحنا میں ہے :-

شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی. مگر فضل اور سچائی یسوع کی معرفت پہنچی.[3]

لیکن جہاں تک بڑے بڑے امور کا تعلق ہے یہودی ان میں ہر طرح کی خیانت اور دوسروں کا مال لے جانے کو جائز سمجھتے ہیں. حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اسی لیے کہا تھا :-

تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے

---

[1] کتاب خروج ۳۴ ورس ۲۳ [2] کتاب استثنار باب ۱۶ ورس ۱۶ [3] انجیل یوحنا باب ۱ ورس ۱۷

لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اُونٹ نگل جاتے ہو۔ [1]

یہ ان کے عمل بالتورات کا ایک عبرت انگیز نقشہ ہے ایسی بدعمل قوم شاید ہی کبھی ہوئی ہو۔

یہودیوں کی اخلاقی حالت

یہودیوں کی دینی حالت آپ نے دیکھ لی۔ ان کی علمی سند بھی آپ کے سامنے ہے۔ ان کا حکومتی کردار بھی آپ سے چھپا ہوا نہیں رہا۔ اب ذرا ان کی اخلاقی سطح کا بھی جائزہ لیجئے۔ اخلاقی انحطاط کا اس سے تاریک تر گوشہ شاید ہی ابن آدم نے کہیں دیکھا ہو۔ یہ لوگ غریبوں، کمزوروں، مزدوروں اور مسکینوں کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا اپنا خاندانی حق سمجھتے ہیں۔ کھلے بندوں کہتے تھے۔ لیس علینا فی الامیین سبیل۔ ترجمہ ہم پر اُمی لوگوں کا حق دبانے میں کچھ حرج نہیں ہے ——— غیر یہودی کو دھوکہ دینا ان کے ہاں ایک کارِ خیر سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے جان سے مار ڈالنا بھی یہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ رچرڈ برٹن اپنی کتاب Jew Eypsy and al-Islam میں لکھتا ہے:۔

"یہودی عورتوں میں عزت اور حیا اسی طرح بے وقعت ہے جیسے ان کے مردوں کے ہاں دیانتداری"

پھر اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے:۔

"یہ لوگ اتنے ہنگامہ پرور ہیں اور مال کے اتنے شیدائی کہ اگر ان کی مرغی کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو سفارتی سطح پر پہنچنے سے بھی دریغ نہ کریں گے"

ہماری ان باتوں کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان بیانات سے بھی ہوتا ہے جو آپ نے اس قوم کے بارے میں ارشاد فرمائے۔ انجیل متی Matthew کے تیسویں باب کو پڑھتے جائیے۔ ان کی اخلاقی حالت کا نقشہ آپ کے ذہن میں اُترتا جائے گا۔ یہ اس زمانے کے یہود ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور تھا۔ آج کے اسرائیل کس حد تک گرے ہوئے ہوں گے۔ یہ آپ اندازہ کر لیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی مذہبی قیادت کو اس طرح جھنجھوڑا ہے کہ ان کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

---

[1] انجیل متی باب ۲۳ ورس ۲۳

یہودیوں کی دینی قیادت حضرت عیسیٰ کی نظر میں

(۱۳) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ آسمان کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو۔ کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

(۱۴) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نمازوں کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی۔

(۱۵) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

(۲۳) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو، پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے —— اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اُونٹ کو نگل جاتے ہو۔

(۲۵) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ پیالے اور رکابی کو اُوپر سے صاف کرتے ہو، مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں ۰ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تا کہ اُوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

(۲۷) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اُوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔ اس طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو۔ مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔

(۲۹) —— اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔ اسی طرح تم گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔

(۴۳) —— اے سانپو اور افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے۔[1]

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ان بیانات میں علماء یہود کی اخلاقی اور عملی حالت کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن اس میں آپ نے کوئی —— ایسی بات نہیں کی جو بے حیائی اور گالی پر مشتمل ہو یا کسی کے خاندان پر کوئی طعن ہو۔ اپنے مخالفین کو کہیں حرامکار عورتوں کی اولاد نہیں کہا۔

اب آیئے قرآن کریم سے ان کی اخلاقی حالت کی شہادت لیں:۔

(۱) ومن الذین ھادوا سمعون للکذب سمعون لقوم اٰخرین لم یاتوك یحرفون الکلم عن مواضعه یقولون ان اوتیتم ھٰذا فخذوہ وان لم توتوہ فاحذروا ..... سمعون للکذب اکٰلون للسحت ۔

(پ ۶ : المائدہ آیت ۴۱)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں میں جو یہودی ہوئے جھوٹ کے کان رسیا ہیں سننے والے کچھ اور لوگوں کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے (یہ ان لوگوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں) بدل ڈالتے ہیں باتوں کو ان کے موضوع سے۔ کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور نہ ملے تو ان سے بچو اور جنہیں اللہ تعالیٰ گمراہی میں جانے دے تو تو اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا خدا کی طرف سے ..... سننے والے ہیں جھوٹ کو حرام کھانیوالے (سود اور رشوت)۔

جھوٹی قسمیں کھانا ان کا عام وطیرہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یوم کفارہ Yom Kipper پر کل نیدرے Kol Niddre عبادت سے قسم توڑنے کا گناہ دھل جاتا ہے۔

دھوکہ دنیا اور دوسروں کا مال ہتھیانا ان کے ہاں ہنر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک لفظ Jew (یہودی) اب انہی معنوں کا حامل ہو کر رہ گیا ہے۔ اکسفورڈ ڈکشنانز ڈکشنری میں یہودی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

---

[1] انجیل متی باب ۲۳

ترجمہ۔ یہودی دھوکہ باز کو کہتے ہیں جو اپنے لیے ہر طرح کے داؤ اور ہر طرح کی بُرائی پر اُتر آتا ہے۔

(۲) ثم انتم هؤلاء تقتلون انفسكم و تخرجون فريقا منكم من ديارهم تظهرون عليهم بالاثم والعدوان، وان ياتوكم اسارى تفدوهم وهو محرم عليكم اخراجهم۔ (پ ۱: البقرہ، آیت ۸۵ ع ۱۰)

ترجمہ۔ پھر تم وہ لوگ ہو کہ ایسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکالتے ہو اپنے ہی لوگوں کو ان کے گھروں سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے اور اگر وہ ہی آئیں تمہارے پاس قیدی ہو کر تو تم بدلہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ حرام تھا تم پر اُن کا نکالنا ہی۔ کیا تم مانتے ہو آدھی کتاب کو اور انکار کرتے ہو دوسرے حصہ کتاب کا۔ کیا سزا ہے اس کی جو کرے یہ کام تم میں سے مگر رسوائی دُنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائیں گے سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اس سے جو وہ کرتے ہیں۔

پھر ان کی امانت و دیانت کا نقشہ اس آیت میں کھینچا ہے:۔

(۳) ومنهم من ان تأمنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما، ذلك بانهم قالوا ليس علينا فى الاميين سبيل ويقولون على الله الكذب و هم يعلمون۔ (پ ۳: آل عمران آیت ۷۵، ع ۸)

ترجمہ۔ اور ان میں وہ بھی ہیں کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھے تو تجھے واپس کرنے کے نہیں جب تک کہ تو ان کے سر پہ کھڑا نہ رہے۔ یہ اس واسطے کہ ان لوگوں نے مسئلہ بنا رکھا ہے کہ ہم پر امی لوگوں کا حق لینے میں کوئی گناہ نہیں اور وہ جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ خود جانتے ہیں۔

خدا کے خوف سے خالی اس قوم کے بارے میں یہ صرف مسلمانوں کی ہی رائے نہیں۔ انگلینڈ میں لفظ Jew خود غرض انسان کے لیے بطور طعن بولا جاتا ہے۔ شیکسپیر اپنے ڈراموں میں جہاں اس نے

کسی انتہائی خود غرض. بے رحم اور بخیل آدمی کا نقشہ کھینچنا ہو تو اسے وہ Jew کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ اس کے ڈرامے مرچنٹ آف وینس میں شائی لاک Shylock ایک ایسا ہی کردار ہے جسے اس نے Jew کے طور پر پیش کیا ہے۔

گائے پرست قوم کی فکر و نظر

گائے پرست قوم دنیا میں جہاں بھی ہو خود غرضی. بخل اور سود اس کے اجزائے ترکیبی بنتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندو مہاجنوں اور ساہو کاروں کا لائحہ عمل کس سے چھپا ہوا ہے۔ گائے پرستی کے ساتھ بخل ان کی فطرت، سود ان کا کاروبار اور خود غرضی ان کا مزاج ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے عہد میں جب حضرت موسےٰ علیہ السلام طور پر گئے تو یہود زیورات میں جذب ہو کر بچھڑے کے پجاری بن گئے تھے۔

بنواسرائیل تاریخی تغیرات میں مختلف حالات اور ادوار سے گزرے، گو طلب زر، جمع مال، قومی غرور، حب جاہ و ریاست اور کمزوروں اور مسکینوں کے حقوق دبانے میں ذہنی لذت لینا ہمیشہ سے ان کا مزاج رہا ہے۔ جب یہ مصر سے نکلے تو قبطیوں کا بہت سا سونا دھوکے سے اپنے ساتھ لیتے آئے۔ اُن کے دلوں کا یہی قرار تھا۔ پھر یہ سونا ایک گائے کی شکل میں ڈھلا۔ باوجود یکہ یہ لوگ حضرت موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے لیکن سونے کی چمک سے اُن کی تمام اخلاقی کمزوریاں انہیں اس مصنوعی گائے کے آگے جھکا چکی تھیں۔ گائے ایک سونے کا مرکز تھا اور یہ لوگ عشق نذریں اس کے آگے سجدہ ریز تھے۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو ان لوگوں نے اپنا یہ ماجرا سنایا:

حُمِّلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۔

(پ ۱۶ : طٰہٰ : آیت ۸۸ ع ۴)

ترجمہ. ہم لدے چلے آئے قوم (فرعون) کے زیورات کا بھاری بوجھ لے کر پھر ہم نے اُسے ڈال دیا۔ سو ڈھالا سامری نے اور بنا نکالا اُن کے لیے بچھڑے کا دھڑ جس میں گائے کی سی آواز آنے لگی۔ کہنے لگے یہی تمہارا اور موسےٰ کا معبود ہے

واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم عجلاً جسداً لہ خوار۔

(پ ۹ ، الاعراف : ع ۱۸ ۔ آیت ۱۴۸)

ترجمہ۔ اور بنالیا قوم موسےٰ نے آپ کے طور پر جانے کے بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑے کا دھڑ کہ اس میں سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔ یہ سونا کافروں کا مال تھا۔ اس میں متبرک مٹی پڑی۔ اس آمیزش سے ایک عجیب کرشمہ بنا۔ گائے کی آواز نکلی اور بہت سے اسرائیلی اپنا ایمان چھوڑ گئے۔ ایمان چھوڑنا بایں معنی نہ تھا کہ انہیں حضرت موسےٰ پر ایمان نہ رہا۔ بلکہ بایں طور کہ موسےٰ کا خدا بھی اسی گائے کو ہی سمجھنے لگے۔

اس واقعہ کے اندر بنی اسرائیل کی قومی روح بولتی ہے کہ کس طرح وہ سونے میں کھوئے ہوئے تھے اور ان کا معبود یہی مال تھا۔ ان کی زندگی کا مرکزی نقطہ گائے ہے جو اپنے پرائے سب کے زیورات نگل چکی ہو۔ سُود۔ گائے پرست دونوں قوموں کا نقطۂ وحدت ہے۔ ہندو ساہوکاروں میں ہو یا یہود کے امریکی بنکوں میں۔

طلب زر اور مال کے لالچ میں یہ اپنے آدمیوں کو بھی قتل کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ انہوں نے ایک اپنے شخص عامیل کو مارا۔ مارنے والا اس کا اپنا رشتہ دار تھا جسے عامیل کی وراثت پہنچتی تھی۔ اس قتل پہ اس نے رپورٹ درج کرائی کہ جس پہ اس کا خون ڈالا، اس سے بھی خونبہا وصول کرے۔ طلب مال میں یہ کس قدر گھناؤنا کھیل تھا جو اس نے کھیلا۔ یہ یہود کی اخلاقی حالت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا یہاں انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا اور فرمایا۔ اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول پہ مارو۔ وہ کچھ وقت کے لیے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام خود بتائے گا۔

گائے کا یہ واقعہ بھی اس قوم کی تاریخ کا جزو ہے۔ قرآن کریم کی پہلی بڑی سورت البقرہ میں اسی قوم کا عبرت ناک تذکرہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ گائے والے کس قدر طلب مال میں کھوئے ہوئے تھے اور اس سے بدتر کسی قوم کی کیا زندگی ہو سکتی ہے۔

علماء یہود جو اپنی سوسائٹی کے قاضی بھی ہوتے تھے ان میں قانون زیادہ تر زبانی چلتا تھا۔ میں تبدیلی کی بہت گنجائش رہتی ہے۔ تحریری مواد میں تحریف کی گنجائش بہت کم ہو جاتی ہے۔ بات کو

سرے سے بدل دینا یا بات کو اپنے موقع سے بدل دینا دونوں قسم کی تحریف ان میں عام تھی اور ان کے عوام ان کے اسی کردار سے بہت پریشان تھے۔ ان کے عوام اور خواص میں انصاف کے پیمانے مختلف تھے اور انہیں ایک مسیحا کا انتظار تھا جو انہیں رومنوں اور ان یہودی پروہتوں کی غلامی سے نکالے۔

پُرانے عہد نامہ میں عقیدۂ توحید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے بلکہ ان کے آنے کے بھی مدتوں بعد کسی مذہب اور کسی امت میں تثلیث کا تصور نہ تھا۔ عیسائی اعتقاد کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ سے پہلے نہ کوئی خدا کا بیٹا آیا نہ باپ اور بیٹے میں ربط پیدا کرنے کے لیے کوئی روح القدس صادر ہوا۔ ان قرونِ سابقہ میں توحید باری کے سوا کسی دوسرے معبود کا تصور تک نہ تھا۔ ہزاروں نبی بس ایک خدا کی ہی عبادت بتاتے آئے اور عمل صالح کو ہی سب ذریعہ نجات سمجھتے رہے۔ پرانے عہد نامے کی کتاب استثناء کے چوتھے باب میں ہے۔

یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تاکہ تو جانے خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔[1]

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں صریح لفظوں میں اسی توحید کا بیان ہے جس کے مسلمان داعی اور معتقد ہیں۔ پھر اسی کتاب کے تیرہویں باب میں ہے۔

تم خداوند اپنے خدا کی پیروی کرنا اور اس کا خوف ماننا اور اس کے حکموں پر چلنا اور اس کی بات سننا۔ تم اسی کی بندگی کرنا اور اسی سے لپٹے رہنا۔[2]

اسی کی بندگی کرنا یہ عقیدہ توحید ہے اور اس کے حکموں پر چلنا، یہ عقیدہ عمل بالشریعہ ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول بھی یہ دو ہی ہیں۔ عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا اور نجات کے لیے عمل کا وسیلہ ساتھ لانا اپنے گناہوں کا بوجھ کسی بے گناہ پر نہیں لادنا۔

پھر کتاب ۱۔ سموئیل میں ہے۔

خداوند کی مانند کوئی قدوس نہیں۔ کیونکہ تیرے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔[3]

حضرت داؤد کے زبور میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں۔

---

[1] کتاب استثناء باب ۴ ورس ۳۵ [2] ایضاً باب ۱۳ ورس ۴ [3] ایضاً باب ۲ ورس ۲

یارب! معبودوں میں تجھ سا کوئی نہیں ہے[1]

یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم میں لیس کمثلہ شیء (پ ۲۵۔ آیت ۱۱) کہ اس جیسا کوئی نہیں کے الفاظ میں کہی گئی ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اعمال پر زور دیا ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ درکار ہیں برے اعمال ہو پائیں تو توبہ و استغفار سے انہیں دھوئیں۔ یہ بوجھ کسی اور پر نہ ڈالا جائے۔

دین کی جو بنیاد توریت اور زبور میں تھی۔ رسالتِ محمدی نے بھی اسی کو بنیاد بنایا۔ رسالت موسوی کی بنیاد بھی یہی تھی کہ ایمان مدارِ نجات ہے اور نیک اعمال اس کے لیے وسیلہ ہیں۔ افسوس کہ عیسائیوں نے نیا عہد نامہ داخل کر کے یہ سب پچھلی بساط الٹ دی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہ لاتے تو پچھلے ہزار ہا انبیاء کا تصورِ دین پھر سے زندہ نہ ہوتا۔

نوٹ:

یہود کا صرف ایک گروہ تھا۔ جو حضرت عزیر علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا قائل تھا اور وہ بھی صرف نصاریٰ کے مقابل اٹھے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے مدتوں بعد اس گروہ یہود نے عیسائیوں کی ضد میں یہ عقیدہ گھڑا تھا۔

یہود اپنی عملی سفلی اور اخلاقی گراوٹ طلب زر اور بخل میں تو کمینگی کی حد تک چلے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے عیسائیوں کے نئے عہد نامے تک پرانے عہد کا عقیدہ توحید کسی نہ کسی درجے میں ضرور قائم رکھا ہوا تھا۔ توحید کا وہ برملا اقرار کرتے تھے۔

اب آیئے ان کے نظام شماری (کیلنڈر) پر بھی ایک نظر کریں۔ وہ اپنے سے پہلے کسی اور قوم کے قائل نہ تھے۔ جس نے زمین پر خدا کی آواز کے تحت حرکت کی ہو۔

یہودیوں کا پیمانہ کیلنڈر

یہودی کیلنڈر دنیا کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۸۲ء تک ان کے ہاں انسانی دنیا ۵۷۴۲ سالوں سے گزری ہے۔ ان کے ہاں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ۲۱۲۲ سال ہوتے

[1] زبور باب ۸۶ ورس ۸

ہیں۔ حضرت آدم کی عمر ان کے ہاں ۹۳۰ برس ہوئی اور حضرت ابراہیم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کا زمانہ اٹھارہ صدیوں کا بتایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوئے ۱۹۸۲ سال ہو چکے ہیں۔ گویا دنیا کی عمر اس وقت ۵۹۰۵ برس کے قریب ہے۔ ان کے ہاں طوفانِ نوح حضرت آدم علیہ السلام سے ۱۶۵۶ سال بعد کا واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح سے تقریباً تین سو سال بعد پیدا ہوئے۔ نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال اور زندہ رہے۔

نوٹ

سالوں کا حساب شمسی اور قمری اعتبارات سے کچھ مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی یہود و نصاریٰ کے حساب کو محفوظ اور متواتر مانتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کی رو سے ۴۷۳۹

برس بعد مبعوث ہوئے اور شمسی حساب کی رو سے ۴۵۹۸ برس بعد"[1]

حضور کو پیدا ہوئے اب ساڑھے چودہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس مدت کو ۴۷۳۹ میں جمع کیا جائے تو حضرت آدم سے کر اب تک کل مدت چھ ہزار ایک سو نوے کے قریب بنتی ہے۔ یہودی کیلنڈر سے ۱۹۸۲ء تک انسانی دُنیا کی کل عمر چھ ہزار برس ہوتی ہے۔ شمسی اور قمری اختلافات کی گنجائش رکھی جائے تو یہ تینوں قومیں اس باب میں متفق ہیں کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو دُنیا میں آئے چھ ہزار سال ہو چکے ہیں۔ اس وقت ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ یہودی اپنے آپ کو قدیم ترین قوم سمجھتے ہیں اور اپنے کیلنڈر کا آغاز حضرت آدم کی تشریف آوری سے کرتے ہیں۔ یہیں سے اُن کے ہاں انسان کا نقطہ آغاز ہے۔

حضرت مسیح بنی اسرائیل میں حضرت مریم کے ہاں بدوں مس بشر پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح کی پیدائش ایک عام ماحول میں ہوئی اور لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ وہی مسیحا ہے جس کا انہیں انتظار تھا۔ جو اُن کی امیدوں کی دھڑکن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ حضرت مسیح کی پیدائش پوری تعیین سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ موجودہ عیسوی کیلنڈر جو حضرت مسیح کے میلاد شریف سے منسوب کیا جاتا ہے۔ بہت مدت بعد رُوم میں سولہویں صدی کے بعد رائج ہوا۔ دوسری یورپین قوموں نے اسے اس کے بھی بعد اپنایا اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا

[1] تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں صفحہ ۹۲ طبع ۲ صفحہ ۱۵۲

کہ اس کی ابتداء کیا واقعی حضرت مسیح کی پیدائش سے ہوتی ہے یا نہیں۔ روم کے پوپ گریگری نے انجیلوں کے مختلف بیانات سے اندازہ کیا ہے کہ جس سن کو آج قدم (قبل مسیح) کہا جاتا ہے اس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ۸ق م سے ۴ق م کے مابین کسی وقت ہوئی تعیین سال میں جب یہ تردد ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ دسمبر کے آخر میں پیدا ہوئے اور یہ کہ کرسمس ۲۵ دسمبر واقعی آپ کا یوم پیدائش ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ہم یہودیت کے باب کو ختم کرتے ہیں۔ ہمارا اصل موضوع مطالعہ عیسائیت ہے۔ یہودیت کا یہ تاریخی نقشہ اس لیے ضروری تھا کہ عیسائیت اپنے آپ کو یہودیت کا وارث کہتی ہے اور اپنی کتاب مقدس میں پرانے عہدنامے کو ساتھ رکھتی ہے۔ ہمیں حق پہنچتا ہے کہ عیسائیت کی بحث میں ہم اس پرانے عہدنامہ سے بھی استدلال کر سکیں۔

یہودیت کے اس تاریخی خاکہ میں ہم نے صرف ان کا ایک اجمالی نقشہ کھینچا ہے۔ جو وقائع ہم میں اور ان میں مابہ النزاع نہیں وہاں ہم نے حوالے نہیں دیئے۔ تاریخ میں جن امور میں سے عقائد و نظریات، جیسے ہوں ان میں تو واقعی پوری تحقیق و تفحص کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں کسی قوم کی تاریخ محض ایک تعارف کے درجے میں ذکر کی جائے وہاں وہ معیار نہیں ہوتا جو کسی عقیدے یا مسئلے کی اثبات و ابطال میں درکار ہوتا ہے۔ محدثین فضائل و وقائع میں نرمی سے چلتے ہیں۔ لیکن جہاں عقائد اور احکام کی بحث آئے وہاں پوری سختی سے چلتے ہیں کہ کہیں دین میں وہ چیز داخل نہ ہو جائے جو دین ہی سے نہیں۔

ہم نے اسی معیار پر یہاں نقل وقائع سے کام لیا ہے اور اگر کہیں کسی تاریخی پیرایہ میں کچھ اختلاف بھی ہے تو یہ ایسے امور ہیں جن میں خود علمائے اہل کتاب بھی آپس میں مختلف ہیں۔ سو یہ اختلاف ہمیں کسی پہلو سے مضر نہیں اور ہمارا کسی ایسی روایت کو درج کر دینا کوئی علمی عیب نہیں ہے۔ محض ایک قوم کا تعارف کرانا تھا جن سے ہمارا علمی معرکہ نہیں۔ نہ وہ دوسری قوموں کو اپنے مذہب کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا مذہب مشنری نہیں۔ سو ہمارے اصل مخاطب مسیحی قومیں ہیں آئندہ ہم ان کے بارے میں اپنا ماحصل مطالعہ گذارش کریں گے۔ یہاں یہودیوں کے عالمی تطورات اور ان کے شدت تعصب کی ایک تقریر پر ہم یہ بحث ختم کرتے ہیں۔

واللہ ولی التوفیق بیدہ ازمۃ التحقیق۔

یہود کا عالمی خاکہ اور ان کے اخلاقی مذہبی اور سیاسی دائرے

۱۹۳۰ء کی عالمی گنتی میں یہودیوں کی تعداد سولہ ملین کے قریب تھی۔ یہ مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے اور کاروباری حلقوں میں ان کی خاصی پہچان تھی۔ وہ دولت سمیٹنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے دولت سنبھالنے میں کوئی قوم یہود اور ہندوستان کے مہاجن ہنود کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور ان میں بھی آگے یہودی ہیں۔

ان میں صرف بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب علیہ السلام) نہیں، بلکہ دوسری قوموں کے لوگ بھی شامل رہے ہیں، جنہوں نے عقیدۃً اور عملاً دین تورات کو قبول کیا ان کے بارے عام شہرت یہی رہی ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں اور انہوں نے ہی انہیں سولی پر لٹکایا تھا۔ لیکن یہ خود مسیح کا خون رومیوں کے ذمہ لگاتے ہیں۔ مگر تاریخ ان کو اس الزام سے خارغ نہیں کرتی۔

عیسائیوں کا یہودیوں سے انتقامی سلوک

لندن کا ۱۲۱۰ سن عیسوی کا ایک ٹریکٹ جو جے رابٹ نے وارو ک لین لندن سے شائع کیا تھا اور اب وہ لندن کی لائبریری میں ٹریکٹ نمبر کے تحت موجود ہے۔ اس میں ہے :-

پرانے قانون کے تحت کسی یہودی کو انگلینڈ میں رہنے کا حق نہیں۔ وہ اپنے لباس پر زرد بیج Yellow badge کے بغیر یہاں چل پھر نہیں سکتا۔ کوئی Rabai (یہودی مذہبی پیشوا) کسی عیسائی کو یہودی نہ بنا سکے گا۔ کسی یہودی کو کسی عیسائی عورت کے ساتھ رہنے کا حق نہیں۔ کسی یہودی کی کسی عیسائی ملزم کے خلاف گواہی نہ سنی جائے گی۔ کوئی یہودی کسی عیسائی کے خلاف بادشاہ انگلستان کے دخل کے بغیر کوئی کارروائی نہ کر سکے گا۔[۱]

انگلستان میں کوئی یہودی عبادت گاہ Synagogue تعمیر نہ کی جا سکے گی۔ یہودی

---

[۱]

بھی اپنی دشمنی اور عناد میں کچھ پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے یہ عمل اپنایا کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دینے کا عمل جاری رکھیں۔ جہاں کہیں موقع ملتا وہ عیسائی بچوں کو اغوا کر کے انہیں سولی دے دیتے اور سمجھتے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی سولی کا تسلسل قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ عمل آخری بدھ Last Wednesday کے دن چھپ چھپا کر ہوتا ہے۔

رولف اور سیموئیل Roleph & Sammuel دو یہودیوں نے ۱۲۳۰ سن عیسوی میں بہت سے عیسائی بچوں کے اس انجام کا پتہ دیا ہے۔ جن کی تفصیلات انہوں نے ان بچوں کے لواحقین کو بھی فراہم کر دی تھیں۔ یہ اس قوم کے بغض و عناد کی انتہا ہے۔

اس تاریخی پس منظر کے باعث کنگ ایڈورڈ اول نے جو ۲۲ احکامات جاری کئے۔ ان میں چوتھا آرڈیننس یہ تھا۔

کوئی یہودی گڈ فرائیڈے Good Friday کے دن اپنے گھر یا جھونپڑی سے باہر نہ نکل سکے گا۔[1]

باہمی اچھے تعلقات کا نیا موڑ

آج عیسائیوں میں جو مذہبی رواداری کا نقشہ ہے یہ پہلے دور میں نہ تھا۔ وہ یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے ہوئے کسی درجہ میں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ولیم William پہلا شخص ہے جس نے انہیں انگلینڈ میں آ بسنے کے مواقع مہیا کئے اور پھر ولیم روفس William Rophes نے انہیں یہاں تک حوصلہ دیا کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں کھلے بندوں بحثیں ہونے لگیں اور عیسائی اسے مذہبی آزادی کے تحت برداشت کرنے لگے۔

اب یہودی برطانیہ کے باشندے ہو چکے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے جرمنوں کی تطہیر نسل کی تحریک سے یہودیوں کو جرمنی سے نکالا۔ ان کا وجود خلاف قانون قرار دیا۔ ان کے املاک بحق حکومت ضبط کر لیے ___ انگریز ہٹلر کے خلاف تھے ہٹلر کے اس عمل نے یہودیوں کو انگریزوں

کے اور قریب کر دیا۔ یہاں تک کہ یہودی نہ صرف برطانیہ کے کاروباری حلقوں میں بلکہ امریکہ کے کاروباری حلقوں اور بینکوں پر بھی چھا گئے ——— آج بین الاقوامی تجارت اور بینکوں کے نظام میں انہی کی پالیسی چلتی ہے اور عالمی مالی نظام پر انہی کی حکومت ہے۔

اسرائیل کی سلطنت کیسے قائم ہوئی؟

یہودی بین المذاہب کشمکش میں اس درجہ میں ذلت میں گھرے ہوئے تھے کہ سیاسی طور پر ان کی کہیں سلطنت نہ تھی۔ مگر مالی طور پر یہ اتنے مستحکم تھے کہ انہوں نے سیکولر یورپین ممالک میں پارلیمنٹوں میں اپنا وزن قائم کر لیا تھا اور امریکہ اور برطانیہ نے اسرائیل کے نام سے ان کی ایک مستقل سلطنت قائم کرا دی تھی۔ یہ اپنے پاؤں چل کر یہاں تک نہ آ سکتے تھے۔ مسیحی اقوام کے سہارے انہوں نے یہ اپنی سلطنت قائم کی ہے۔

قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ یہودیوں کی سلطنت دنیا میں کہیں قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ بات مولانا احمد رضا خاں نے یونہی مشہور کر دی تھی ——— اس کے برعکس قرآن کریم میں یہ بات موجود ہے کہ یہودی کسی دوسری قوم کے سہارے اس غلامی سے نکل سکتے ہیں۔

الا بحبل من اللہ وحبل من الناس۔ (پ۴ آل عمران ع۱۲ آیت ۱۱۱)

"ذلت سے نہ نکل سکیں گے مگر یہ کہ اللہ کی رسی پکڑ لیں یا انہیں کسی دوسری قوم کا سہارا ہو۔"

یہودیوں کا مذہبی اور اخلاقی لائحہ عمل

تالمود یہودی تحریروں کا ایک فقہی مجموعہ ہے۔ جسے یہودیوں کا سول اور فوجداری لاء کہنا چاہیئے۔ یہ ذخیرہ حضرت مسیح کی آمد سے تقریباً ۵۸۶ سال پہلے مرتب ہوا۔ اس کا ایک متن ہے جسے کہتے ہیں اور اس کی ایک شرح ہے جو گیمارا کہلاتی ہے۔ یہ بابل اور فلسطین کے یہودی علماء کی تقریباً ایک ہزار سال کی محنت کا حاصل ہے۔

تالمود کی رو سے بڑے گناہ چار ہیں:۔

۱۔ شرک ۲۔ جنسی بے راہروی ۳۔ قتل انسان ۴۔ بہتان

ان کے ہاں دن رات میں تین نمازیں ہیں۔ سبت کا روزہ ہے اور اپنی عبادت گاہ میں حاضری ان کا مذہبی نشان اور بچوں کا ختنہ پابندی سے کرتے ہیں۔

شرک سے بیزاری کے سبب اب بھی ان کا عقیدہ توحید قائم ہے اور عہدِ عتیق میں اس پر واضح شہادت موجود تھی۔ مگر افسوس کہ عیسائیوں نے عہدِ جدید میں اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیئے۔

آپ غور کریں توحید کا مسئلہ جو عہدِ عتیق میں کسی درجے میں پیچیدہ نہ تھا۔ اب عہدِ جدید میں کس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے۔ عیسائی عوام ہرگز ان اقانیم ثلثہ سے واقف نہیں۔ نہ یہ تعبیر کہ تین سے مل کر ایک بنتا ہے ایک عام ذہن میں کسی صفائی سے اُترتی ہے جو دین عوام و خواص کے لیے یکساں ہو۔ وہ کبھی منطقی پیچیدگیوں پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس میں فطرت کی کوئی رعایت نہ رہے گی اور عامۃ الناس مذہب کے پہلے تعارف میں ہی پادریوں کے ایک مخصوص گروہ کے دست نگر ہو کر رہ جائیں گے۔ خدا کے بارے میں تین سے ایک اور ایک میں تین کا منطقی چکر عوام کو صرف ایک گروہ کی جھولی میں ڈالنے کے لیے ہے ——— یہ مطالعہ فطرت نہیں ایک مطالعہ عیسائیت ہے۔

عیسائیت

یہ مطالعہ عیسائیت کا دوسرا باب ہے۔ پہلا باب یہودیت مطالعہ عیسائیت کے لیے اس لیے ضروری تھا کہ عیسائیت اپنے آپ کو یہودیت کا وارث کہتی ہے اور اپنے نئے عہد نامے کو پُرانے عہد نامے سے جوڑتی ہے۔ تاہم یہ بات ان کے ہاں قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے دُنیائے مذاہب ایک نئے دینی تصور سے آشنا ہوئی۔ مسیحی نظر و فکر کے مطابق آپ سے پہلے جتنے پیغمبر آئے سب پیغمبر تھے اور بشر تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ جنس و نوع میں متحد —— یہی حضرات خدا تعالیٰ کی طرف سے مہبط وحی اور مورد رسالت ہوئے وہ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے اور نہ خدا ان میں سے کسی میں اُترا تھا۔ رسالت اور بشریت میں کوئی تنافی نہیں اور اس کا یہ پیغمبر خود بھی اقرار کرتے تھے۔

قرآن کریم نے بھی ان کی یہ بات نقل کی ہے :-

قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشآء من عباده. (پ ۱۳ : ابراہیم ع ۲)

ترجمہ۔ انہیں اُن کے رسولوں نے کہا ہم تو یہی آدمی ہیں جیسے تم۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرما دے۔

یعنی اسے نبوت و رسالت کے لیے چُن لے۔ نبی اور رسول یہاں جنس بشر سے ہی چُنے جاتے ہیں اور یہ خدا کا احسان ہے جس پر چاہے کرے۔

عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس فہرست میں داخل نہیں۔ آپ حقیقت میں انسان نہ تھے۔ مسیحی مشنری آپ کے لیے خداوند یسوع مسیح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جنہوں نے ذرا فرق کیا انہوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ تاہم انہوں نے بھی آپ کو فہرست انبیاء میں جگہ نہیں دی۔ پُرانے عہد نامے میں پہلے انبیاء کا ذکر ہے۔ مختلف پیغمبروں کی کتابیں ہیں۔ لیکن حضرت مسیح کے آنے پر ایک نیا عہد باندھا گیا اور دُنیا ایک نئے تصور مذہبی سے متعارف ہوئی۔ یہ داستان آپ کو کتاب مقدس

کے عہدِ جدید میں ملے گی ـــــ گویا آپ ایک نئے رہنما تھے جن کی نوع اور ذات دیگر انبیاء سے جدی تھی۔ آپ دیگر انبیاء کی طرح کسی شریعت کے پابند نہ تھے[1] نہ آپ کسی شریعت کے داعی اور نمائندے تھے۔

عیسائیوں کے ہاں بنی نوعِ انسان کا طریقِ نجات اب وہ نہیں جو پہلے رہا اور جس کی پچھلے انبیاءؑ دعوت دیتے رہے۔ ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے مسئلہ نجات ایک دوسری صورت میں اُبھرا کہ نجات شریعت کی پیروی ہی نہیں، مسیح کے خون میں ہے جو سُولی پاکر گناہگاروں کے گناہ کا کفارہ ہوا اور گناہ کی مزدوری موت کی صورت میں موصول ہوگئی۔

نئے عہد پر آنے کا مسیحی زینہ

مسیحی مشنریوں کو اس پرانے عہد سے نئے عہد تک آنے کے لیے مختلف مرحلوں سے گزرنا ہوا۔ اُنہوں نے آغاز اس سے کیا۔ ۱۔ انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہے۔ ۲۔ پھر گناہ کی مزدوری موت ہے (توبہ نہیں)۔ ۳۔ خدا نرا پیار ہے۔ God is Love ۔ ۴۔ پیغمبروں کے لیے عصمت، زینہ نہیں وہ دوسروں کو پاک نہیں کر سکتے (عمل تزکیہ کوئی چیز نہیں)۔ ۵۔ خدا نے سب گناہگاروں کے گناہ اپنے اوپر لے لیے۔ ۶۔ اپنا بیٹا دنیا میں بھیجا اور وہ سب گناہ اس پر رکھ دیئے۔ ۷۔ یسوع مسیح ان گناہوں کو دھونے کے لیے سُولی پر چڑھا اور گناہ کی مزدوری موت عمل میں آئی ـــــ خونِ مسیح سے اس کے ماننے والوں کے گناہ بخشے گئے۔ یہ وہ زینہ ہے جس سے عیسائی نئے عہد پر آتے ہیں۔

---

[1] حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ نے دونوں باتیں کیں:۔

۱۔ میں کوئی نئی قسم کا پیغمبر نہیں ہوں۔ اس صف کا خاتم ہوں جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور

۲۔ خدا کے نام سے یہ بات بھی کہی کہ ہم نے آپ کو ایک شریعت پر قائم کیا ہے آپ اس کی پیروی کرتے رہیں:۔

قل ما کنت بدعًا من الرسل۔ (پ۲۶ : الاحقاف ع۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہا:۔

ثم جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر فاتّبعہا۔ (پ۲۵ : الجاثیہ ع۲)

مسیحی علمِ کلام کے ان مختلف مراحل کی تفصیل کہیں آگے آئے گی۔ اس وقت ہمیں یہ بتانا ہے کہ مسیحی نظر و فکر کے مطابق دنیائے مذاہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے ایک نئے مذہبی تصور سے آشنا ہوئی۔ سو عیسائیت بالکل ایک نئے فکر کی دعوت ہے۔

عیسائیت کا تاریخی تعارف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر وہ وقت آتا ہے جب آپ مقامِ دعوت پہ آتے ہیں۔ پھر انجیل مقدس کی منادی ہے اور یہودیوں اور رومیوں کی سختیاں ہیں اور پھر صلیب کا مرحلہ ہے۔ اور پھر یہ بحث کہ احادیث مسیح اناجیل اربعہ کے نام سے کب مدون ہوئیں اور کس طرح ان احادیث مسیح نے حضرت مسیح کی انجیل کی جگہ لے لی اور انجیل مسیح ایسی گم ہوئی کہ اس انجیل میں اس کا صرف ایک تذکرہ ہے اور آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے ترستی ہیں۔

ہم یہاں پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پہ بحث کریں گے اور پھر اس ماحول کا ایک خاکہ پیش ہوگا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اور بتایا جائے گا کہ اس وقت فلسطین کن کن نظریات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور مسیحیت سے دُنیا کو کیا کیا نئے افکار ملے۔

عیسائیت کے اس تاریخی مطالعہ کے بعد اس کا کچھ تنقیدی مطالعہ ہدیۂ قارئین کیا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ باوجودیکہ پُرانے اور نئے عہد ناموں میں لفظی اور معنوی ہر طرح کی تحریف ہو چکی پھر بھی ان میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر اتنے واضح طور پہ ملتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر موجودہ کتاب مقدس پر بھی کوئی شخص ایمان نہیں رکھ سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے دوسرے بنیادی عقائد مثل عقیدۂ توحید، فضلِ خداوندی اور اخروی نجات کی بھی ان اناجیل سے نشاندہی کی جائے گی اور بتایا جائے گا کہ اسلام کے یہ بنیادی عقائد کس طرح ہمیں انبیائے سابقین سے جا ملاتے ہیں —— اور اسلام اسی دین کا تسلسل ہے جس کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے۔ شریعت ہر رسول کی اپنی اپنی رہی اور یہ دور شریعتِ محمدی کا ہے۔

ہم عقیدہ توحید، رسالتِ محمدی، فضلِ خداوندی اور نجاتِ اُخروی جیسے بنیادی مسائل میں انبیائے سابقین کے ساتھ ہیں اور اسی پہلے عہد پر ہیں۔ یہی عہد تمام انبیاء کی مشترک الہامی اساس رہا ہے اور عیسائیت کی موجودہ شکل اس پُرانے دین میں ایک بدعت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک نئی راہ ہے، جو پاول نے دین کے نام پر گھڑ لی اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین

کے اس نئے تقدس سے بالکل بری اور پاک ہیں اور آپ کو اس بات سے ہرگز ہرگز عار نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے بندے کہلائیں اور اس کی عبادت کریں۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للہ. (پ النساء ع ۲۳)

ترجمہ: مسیح کو ہرگز اس سے عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور فرشتوں کو جو مقرب ہیں (اس کے)۔

یہودیت Judaism اگرچہ صرف تاریخی مناسبت سے عیسائیت کا عہد قدیم ہے تو حضرت عیسیٰ کی آمد سے عیسائیت کا عہد جدید شروع ہوتا ہے۔ کتاب مقدس اسی عہد جدید کا مجموعہ ہے یہودیت پر اس درجہ میں بات ضروری تھی کہ مطالعہ عیسائیت آسان ہوجائے ــــــ اب ہم آگے عیسائیت کے عہد جدید پر گفتگو کرتے ہیں۔ واللہ ھوالموفق للصواب

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

عیسائیت کا عہدِ جدید

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:۔

عیسائیت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل دین و مذہب نہیں۔ اس سے مراد وہ دین و مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے دنیا میں رائج ہے۔ ہمارے اعتقاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین وہی تھا جو آپ سے پہلے دیگر سب انبیاء کا رہا ہے۔ نہ ان کی نوع دوسرے پیغمبروں سے جدا تھی۔ لیکن عیسائیوں کے عقیدہ میں آپ شانِ الوہیت رکھتے تھے اور خدائی صفات سے متصف تھے یہ لوگ انہیں خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں اور یہی وہ مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے دنیا میں پھیلا دیا گیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔

> یہ وہ مذہب ہے جو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب ہے اور یہ مذہب یسوع کو خدا کا چُنا ہوا مانتا ہے۔

ان کے اعتقاد کے مطابق خدا کا یہ چناؤ شریعت کے لیے نہیں، فضل کے طور پر ہے۔ جب کہ پہلے انبیاء کا چناؤ ایک شریعت کے لیے ہوتا رہا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں فضل کا لفظ شریعت کے مقابلہ میں ہے۔ ان کا عقیدہ ہے پہلے شریعت کی راہ سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جاتی تھی۔ حضرت مسیح کی آمد سے فضل کی ایک نئی راہ کھلی۔ یہی پُرانے عہد نامے اور نئے عہد نامے میں حدِ فاصل ہے نئے عہد نامے میں ہے:۔

> شریعت تو موسےٰ کی معرفت دی گئی۔ مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی۔
> خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا اکلوتا بیٹا جو خدا کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا۔[۱]

کیا شریعت میں سچائی نہیں؟ انجیل یوحنا کے اس ورس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ مسیحی علماء ہی اس کا بہتر جواب دے سکیں گے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ مسلمان تو شریعت کا سرچشمہ بھی خدا کو مانتے ہیں اور شارعِ حقیقی صرف رب العزت کو سمجھتے ہیں۔ پیغمبر اس کے ترجمان ہوتے ہیں۔ انہیں شارع صرف

---

[۱] انجیل یوحنا باب اوّل ورس ۱۷

اس نیابت کے طور پر کہا جاتا ہے جو خدا کی طرف سے ان کے سپرد کی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل میں حضرت مریم کے ہاں بدوں مس بشر پیدا ہوئے اور آپ خدا کی قدرت کا ایک نشان تھے حضرت مریم کے والد کا نام عمران تھا اور آپ آل عمران میں سے ہیں۔ آل عمران آل ابراہیم میں سے تھے۔ سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام والدہ کی طرف سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں شمار ہوئے اور خدا کا یہ وعدہ درست رہا کہ آئندہ آسمانی راہنمائی حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے رہے گی حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام آل ابراہیم اور آل عمران سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔

ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ۰ ذریۃ بعضھا من بعض۔ (پ ۳ آل عمران ع ۴)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا آدم کو، نوح کو آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے جہانوں پر۔ یہ سب اولاد ہیں ایک دوسرے کی۔

انجیل کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نجار سے ہو چکی تھی۔ مگر ابھی وہ رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہوئے تھے کہ حضرت مریم کے ہاں بدوں مس بشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش ایک عام ماحول میں ہوئی اور لوگ حضرت مریم طاہرہ پر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ افسوس کہ بنو اسرائیل نے نہ جانا کہ یہ وہی مسیحا ہے جس کا انہیں برسوں سے انتظار تھا۔

اس کا نتیجہ یہ رہا کہ لوگ آپ کی پیدائش کا سال اور مہینہ بھی پوری طرح محفوظ نہ رکھ سکے موجودہ عیسائی کیلنڈر جو حضرت مسیح کی پیدائش سے منسوب کیا جاتا ہے، روم میں سولہویں صدی کے بعد رائج ہوا اور صدیوں بعد یہ طے کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کب ہوئی تھی۔ یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی یہ کیلنڈر اس کے بعد گیا ہے سو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتداء کیا واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ہوئی ہے۔ روم کے پوپ Pope نے انجیلوں کے مختلف بیانات سے اندازہ کر کے کہا ہے کہ جس سن کو آج کل ق م (قبل مسیح) کہا جاتا ہے اس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ۸ ق م سے ۶ ق م کے مابین کسی وقت ہوئی ——— تیس سال میں جب پتہ چلتا ہے

تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ واقعی دسمبر میں پیدا ہوئے اور یہ کہ اس دن واقعی ۲۵ تاریخ ہی تھی یہ سب تخمینے اور انداز سے کہی ہوئی باتیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد آپ کے حواریوں نے بھی کبھی آپ کی کوئی محفل میلاد قائم نہ کی، ورنہ تاریخ کا کچھ اس طرح ہی پتہ چل جاتا۔ تاریخ انبیاء میں کبھی میلاد نہ ہوتا تھا۔ کسی نبی نے اپنے سے پہلے کے کسی نبی کا میلاد کیا، ورنہ اس پر شیرینی تقسیم کی، ورنہ ان تاریخوں میں کبھی کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

اس وقت روم میں اگسٹس کی حکومت تھی فلسطین اس کے ماتحت تھا۔ یروشلم اس کا مرکز تھا اور فلسطین اس کا ایک صوبہ تھا۔ اسے یہودیہ بھی کہتے تھے۔ یہودیہ کا حاکم ہیرو دیس تھا۔ بخت نصر کے حملے پھر سائرس کے بابل فتح کرنے اور کچھ یہودیوں کے واپس فلسطین آجانے اور کچھ کے وہاں رہ جانے اور پھر سکندر اعظم کے حملے سے یہودی قوم ان دنوں منتشر تھی۔ سمیریہ اور روم کے اردگرد ان کی نو آبادیاں تھیں۔ مگر سیاسی وضع سے یہ سب سلطنت روما کے ماتحت تھے۔ یہ اس علاقے کی سیاسی پوزیشن تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ عیسائیت کی پہلی تین صدیوں میں یہی حال رہا کہ سیاسی طور پر رومی ان پر مسلط تھے اور مذہبی طور پر یہودی کاہن ان پر چھائے ہوئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش حیران کن ضرور ہے لیکن محالات میں سے نہیں۔ جو خدا حضرت آدم علیہ السلام کو بدون والدین کے پیدا کر سکتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ماں سے کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ آیت قرآنی ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم (پ۳: آل عمران ع ۵۹) میں اسی تعجب کو رفع کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو انہوں نے اللّٰہ تعالیٰ کو آپ کا باپ تجویز کر دیا اور یہ سمجھ نہ پائے کہ باپ بیٹے کا ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ پٹھان کا بیٹا پٹھان، برہمن کا بیٹا برہمن اور مغل کا بیٹا مغل ہوتا ہے تو واجب الوجود (جو جنس و نوع سے پاک اور بالذات ہے) کا بیٹا ممکن الوجود کیسے ہو سکتا ہے اور اس میں کسی عقل والے کو تردد نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم امکان میں تشریف لائے تھے اور حضرت مریم سے پہلے وہ کہیں موجود نہ تھے۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود میں باپ بیٹے کی نسبت کیسے؟ اور یہ امکان و وجوب کا اجتماع کیسا؟

قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے بانی مولوی محمد علی کی نیچری ذہنیت یہ تسلیم نہ کر پائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے ہوں۔ انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ حضرت عیسیٰ کا باپ یوسف نجار تھا جو منگنی کے بعد نکاح سے پہلے حضرت مریم سے ملا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ مولوی محمد علی حضرت عیسیٰ کے بارے میں لکھتا ہے:۔

> اگر فی الواقع حضرت مسیح بن باپ پیدا نہیں ہوئے تو اس سے مسلمانوں کے کسی عقیدہ میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ان کو بن باپ پیدا شدہ ماننا ان کے عقائد میں داخل نہیں۔ لیکن عیسائیت کی عمارت کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے اگر یہ نہ ثابت ہو سکے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے۔[1]
>
> انجیلی شہادت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت مریم کا تعلق زوجیت تو یوسف (نجار) کے ساتھ ضرور ہوا اور اس تعلق سے اولاد بھی پیدا ہوئی اور اگر ایک طرف لم یمسسنی بشر (مریم کا کہنا کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا) اس وقت کے بعد کے مس بشر سے مانع نہیں تو دوسری طرف تاریخی ثبوت کھلا کھلا موجود ہے کہ واقعی میاں بیوی کے تعلقات حضرت مریم اور آپ کے شوہر میں رہے۔[2]
>
> یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کریم حضرت عیسیٰ کی پیدائش بن باپ بیان نہیں کرتا اور لم یمسسنی بشر آئندہ مس بشر سے مانع نہیں۔[3]

مولوی محمد علی لاہوری نے اپنے اس عقیدے کو اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب مسیح موعود میں لکھا ہے۔ مرزا غلام احمد اس عقیدے پر اتنا پختہ نہیں تھا، جتنا مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی جماعت اس عقیدہ پر پختہ ہیں۔ حکیم نورالدین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا اسلامی عقیدہ

قرآن کریم جب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولدیت کا ذکر کرتا ہے۔ انہیں عیسیٰ بن مریم کہتا ہے یہ نسبت ماں کی طرف ہے باپ کی طرف نہیں۔ تاریخ بنی نوع انسان میں کبھی کسی شخص کریم کی نسبت ماں کی

---

[1] بیان القرآن جلد ا ص ۳۱۳/۳۱۴ [2] ایضاً ص ۳۱۵ [3] ایضاً ص ۳۱۵

سے پکارنا شروع کردو۔ ماں کی طرف بنسبت صرف اسی صورت میں صحیح ہے کہ باپ ہو ہی نہ ــــــ اور یہ بات جانتے ہوئے کہ حضرت آدم بلا والدین پیدا ہوئے تھے۔ یہ بات ماننا کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ پیدا ہوئے کوئی امر مستبعد نہیں۔ جلالین کے حاشیہ جمل میں ہے۔

ان من لم یقر بان اللّٰہ خلق عیسیٰ من غیر اب مع اعترافہ بخلق آدم بغیر اب و ام خارج عن طور العقلاء[1]

ترجمہ: جو شخص یہ نہ مانے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور یہ مانے کہ حضرت آدم باپ اور ماں کے بغیر پیدا ہوئے وہ شخص طور عقلاء سے خارج ہے۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فلما اخبر العباد عن وقوعہ وجب الجزم بہ والقطع بصحتہ[2]

ترجمہ: جب بندوں کو ایسا واقع ہو جانے (بلا باپ بچہ ہونے) کی خبر دی گئی ہے تو اب اس پر یقین کرنا اور اسے قطعی طور پر صحیح جاننا ضروریات میں سے ہے۔

امام رازی متکلمین میں سے ہیں، متکلمین کی اصطلاح میں واجب فرض کے معنی میں آتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح یہاں مراد نہیں یہاں یہ قطعیت کے معنی میں ہے۔ شہرہ آفاق مفسر علامہ علاؤ الدین الخازن (۷۴۱ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

انما المسیح ھو عیسیٰ بن مریم لیس لہ نسب غیر ھذا وانہ رسول اللّٰہ فمن زعم غیر ھذا فقد کفر واشرک باللّٰہ[3]

ترجمہ: مسیح وہی عیسیٰ بن مریم ہیں اس کے سوا ان کا کوئی نسب نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (اللہ کا بیٹا نہیں) جس نے اس کے خلاف عقیدہ رکھا اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور وہ کافر ہوا۔

مصر کے مشہور مفتی محمد عبدہٗ لکھتے ہیں کہ صرف کافر لوگ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا انکار کر سکتے ہیں۔ یہ کام کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔

---

[1] حاشیہ جمل علی الجلالین جلد ۱ صفحہ ۲۸۱ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۵۲ [3] تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۵۲۲

طرف نہیں کی گئی۔ نسب اصلاب سے چلتے ہیں بطن سے نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی والد ہوتا تو کہیں تو اس کی طرف آپ کی نسبت کی گئی ہوتی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وانما قال ابن مریم والخطاب لھا تنبیھا علی انه یولد من غیر اب اذ الاولاد ینسب الی الآباء ولا ینسب الی الام الا اذا فقد الاب[1]

ترجمہ: حضرت مریم کو بات کہتے ہوئے ابن مریم کا لفظ کہنا اس پر متنبہ کرنے کے لیے تھا کہ وہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے ماں کی طرف نہیں ہاں جب باپ نہ ہو (تو پھر ماں کی طرف نسبت ہو سکتی ہے)

تفسیر روح المعانی میں بھی ہے:۔

(ابن مریم) مع کون الخطاب لھا تنبیھا علی انه یولد من غیر اب ولو کان له اب لنسب الیه[2]

ترجمہ: ابن مریم کہا، حالانکہ خطاب خود انہی سے (حضرت مریم سے) ہو رہا تھا۔ یہ اس پر تنبیہ کے لیے ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ اگر آپ کا (حضرت عیسیٰ کا) کوئی باپ ہوتا تو آپ اس کی طرف منسوب کیے جاتے۔ (اس کا ابن کہلاتے)۔

اللہ تعالیٰ نے خود قانون دیا ہے کہ لوگوں کو ان کے باپوں کے نام سے بلاؤ —— اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ بھی ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں بار بار ابن مریم کہہ کر ذکر کریں قرآن کریم میں۔

ادعوھم لآبآءھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آبآءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم۔ (پ ۲۱: الاحزاب: ع ۱)

ترجمہ: بلاؤ انہیں ان کے باپوں کے نام سے یہی انصاف ہے اللہ کے ہاں —— پھر اگر تم نہ جان پاؤ ان کے باپوں کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں —— اور رفیق تمہارے۔

یعنی باپ نہ جاننے کی صورت میں بھی تم ان کو اپنا بھائی کہو، یہ نہیں کہ انہیں ماں کی نسبت

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱ ص ۵۰ [2] روح المعانی جلد ۲ ص ۱۶۲

اعلم ان الکافرین بآیات اللہ ینکرون الحمل بعیسیٰ من غیراب جموداً علی العادات وذهولاً عن کیفیۃ ابتداء خلق جمیع المخلوقات[1]

ترجمہ۔ کافر آیات اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے بدوں باپ حمل میں آنے کا انکار کرتے ہیں عادتہ (زمانہ پر (عام نظام پیدائش پر) انہوں جمود ہو چکا ہے اور وہ اس بات کو مجہول گئے کہ دنیا میں سب مخلوقات کی ابتداء کیسے ہوئی تھی۔

یہ بات اپنی جگہ پر قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ پیدا ہوئے اور آپ قدرتِ الٰہی کا ایک نشان تھے۔ خدا کا ایک کلمہ تھے جو مریم کی طرف ڈالا گیا۔ یہ عقیدہ اسلام کی متواترات میں سے ہے۔ اور اسلام میں اس کا انکار کفر ہے۔ اس بات پہ یقین لانا لازمی ہے کہ آپ واقعی بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ نہ آپ کا باپ خدا ہے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں، نہ یوسف نجار، جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔ اور لاہوری عقیدہ کے قادیانی تو سر مو اس عقیدہ سے تجاوز نہیں کرتے۔ اور یہ ان کا کفر صریح ہے۔

قادیانیوں کا عُذرِ لنگ

قادیانی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا باپ ہونے سے عیسائیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب باپ ثابت ہو گیا تو آپ کے خدا کا بیٹا ہونے کا تصور کسی درجے میں باقی نہ رہا۔ عیسائیت پہ اس سے زیادہ ضرب کاری اور کیا لگ سکتی ہے؟

اس کے جواب میں مسلمان کہتے ہیں کہ اللہ کا دین اس سے مستغنی ہے کہ اسے غیر واقعی سہارے دے کر کھڑا کیا جائے۔ حق اپنے پاؤں خود چلتا ہے۔ اسے مصنوعی پاؤں لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ باطل کو چلانے کے لیے پاؤں خود لگانے پڑتے ہیں۔ یہ کیا تک ہے کہ محض عیسائیوں کی مخالفت کے لیے وہ موقف اختیار کیا جائے جو خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

ولا یجرمنکم شنئان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ۔

(پ ۶: المائدہ ع ۲)

ترجمہ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں یہاں تک نہ لے آئے کہ تم انصاف بھیڑ دو۔ عدل اختیار

---

[1] تفسیر المنار جلد ۳ صفحہ ۳۰۸ [2] دیکھئے بیان القرآن جلد اول ۳۱۴

کرو۔ یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نسب نامہ پیدائش

مؤلفین اناجیل نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نسب نامہ ماں سے شروع کرنے کی بجائے یوسف نجار سے شروع کیا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آل عمران میں لا کر آپ کی نسبت حضرت مریم سے اور ان کے والد حضرت عمران کی طرف کی ہے اور بتایا ہے کہ آل عمران آل ابراہیم میں سے تھے۔ ذریۃ بعضھامن بعض یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے۔

انجیل متی کے پہلے باب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نسب حضرت داؤد تک ۲۸ واسطوں سے پہنچایا گیا ہے لیکن انجیل لوقا باب ۳ کے درس ۲۳ تا ۳۱ تک حضرت عیسٰی اور حضرت داؤد میں ۴۳ واسطے ذکر کیئے گئے ہیں۔ اناجیل کے اس اختلاف نے علمائے مسیحیت کو بڑی الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ان کے لیے کتاب مقدس کے ایک ایک لفظ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اب وہ بیک وقت کس طرح ان متعارض بیانات پر ایمان رکھ سکتے ہیں۔ اس الجھن سے ان کو کلیسا ہی نکال سکتا ہے اور کس کی ہمت ہے کہ اس میں ان کی کچھ مدد کرے ہم سوائے اظہار ہمدردی کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

الا ان متعارض شجروں میں یہ قدر مشترک بے شک ملتی ہے کہ کس وقت تک حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کی بات بالکل نہ چلی تھی۔ اس وقت تک یہ ایک صدائے غیر مانوس تھی۔ ورنہ ان کا نسب نامہ یوسف سے نہیں خدا سے ملایا گیا ہوتا۔ تضادات کے ساتھ انجیل پر ایمان لانا اور اس کے لفظ لفظ کو الہامی یقین کرنا ارباب دانش اور اہل علم کے لیے ایک نہایت ہی کٹھن منزل ہے۔

انجیل متی اور انجیل لوقا میں دیئے گئے نسب ناموں کے دس نام اس طرح ہیں۔

۱۔ عیسٰی ۲۔ یوسف ۳۔ یعقوب ۴۔ متھان ۵۔ الیعزر ۶۔ الیہود

۷۔ آخیم ۸۔ صادوق ۹۔ آزور ۱۰۔ الیاکیم [1]

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے حضرت داؤد تک ۲۸ نام آتے ہیں۔ اب تیسری انجیل میں دیکھئے۔

[1] انجیل متی باب اول درس ۱۷-۶

۱۔ عیسیٰ ۲۔ یوسف ۳۔ عیلی ۴۔ متتھات ۵۔ لیوی ۶۔ ملکی ۷۔ ینا
۸۔ یوسف ۹۔ متاہتیاس ۱۰۔ آموس۔ [1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت داؤد تک ۴۳ نام آتے ہیں۔

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

ہمیں عیسائی پادریوں سے گہری ہمدردی ہے جنہیں ان دونوں انجیلوں پر بیک وقت ایمان لانا پڑتا ہے اور وہ اس صدمے سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں کہ کس طرح ان متضاد بیانات پر ایمان لائیں۔

فلسطین مختلف نظریات کی آماجگاہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے وقت فلسطین کی اعتقادی حالت کیا تھی اس کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ اس وقت فلسطین متعدد مذہبی نظریات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جہاں مختلف اعتقادی گروپ موجود تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعتقادی تصادم کیا۔ اس کے بعد یہ مذاہب ان کی تعلیمات میں اس چال سے گھسے کہ عیسائیت کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری سے پہلے وہاں کون کون سے نظریے کار فرما تھے۔ انہیں ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔

(۱) یہودی ایک مستقل مذہبی فکر کے ساتھ فلسطین میں آباد تھے۔ مصر سے آئے ہوئے انہیں صدیاں ہو چکی تھیں۔ انہی لوگوں کا یہاں مذہبی اور علمی شہرہ تھا۔ جب ان پر بابل کے بادشاہ سائرس نے حملہ کیا تو وہ ان کی ایک بڑی تعداد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ان سے جو علاقے خالی ہوئے، وہاں فلسطین کے گرد و نواح کے لوگ آباد ہو گئے۔ جو یہودی بابل گئے انہیں حمورابی احکامات پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ احکامات Ten Commandments سے بہت ملتے جلتے ہیں متبادر ہوتا ہے۔ یہودیوں نے انہیں یہاں سے لے کر حضرت موسیٰ کے نام سے نسبت دے دی ہو گی۔ شاہ بابل کا یہ حملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا ہے۔ یہودیوں کا یہ دور اسیری ستر سال تک رہا۔ یہاں تک کہ سائرس نے بابل پر حملہ کیا اور یہ وہاں سے آزاد ہوئے۔ پھر بھی کئی لوگ وہاں مستقل طور پر آباد رہ گئے

---

[1] انجیل لوقا باب ۳ ورسز ۳۱ - ۲۳

اور کچھ فلسطین واپس لوٹ آئے۔

افکار و مذاہب کی اس کشمکش میں روحانی پیشوائی پھر بھی علماء یہود کے پاس تھی۔ اور وہی فصل خصومات کرتے تھے۔ ان کی اونچی خاندانی نسبت کا اب بھی عمومی اعتراف تھا اور آسمانی نوشتوں کے یہی خزن سمجھے جاتے تھے۔ سو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد پر سب سے بڑی ذمہ داری ان کی تھی کہ وہ اپنے مذہبی تسلسل میں انہیں وہ جگہ دیتے جو ان کے لیے تھی۔ ہم نے یہاں اس مخلوط ماحول کی نشاندہی کردی ہے جس میں حضرت عیسٰی بن مریم نے قدم رکھا اور قدم قدم پر ان لوگوں سے صعوبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو اپنی طرف اُٹھالیا۔

(۲) یونان کے ما فوق الفطرت تصورات، اور رومن دیو مالائی عقائد یہاں موجود تھے۔ حضرت عیسٰی کی پیدائش سے تقریباً چار سو سال پہلے سکندر اعظم نے یہاں حملہ کیا۔ اس حملے کے بعد یہاں کئی یونانی آباد ہو گئے تھے۔ وہ یہاں اپنے خیالات کا پرچار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہاں اس کے مننے بھی قائم ہو گئے۔ یونانی زبان بھی یہاں چل نکلی اور علماء یہود نے دیگر زبانوں کے ساتھ یونانی زبان کو بھی اپنی زبانوں میں شامل کر لیا۔ اس نظریۂ اعتقاد میں پرومیتھیس Prometheus نہایت نمایاں تھا۔ اس نظریہ میں وہ روح جو انتہائی کرب اور کوفت میں ہو، وہ بنی نوع انسان کی نمائندہ بن جاتی ہے اور مختلف قوالب میں وڈیروں، جاگیرداروں اور بادشاہوں کے خلاف جدو جہد کرتی ہے اس مکتب فکر میں Prometheus کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اسے ایک چٹان کے ساتھ زندہ گاڑا گیا۔ ——— حضرت عیسٰی کے سُولی چڑھنے کا تصور شاید یہیں سے لیا گیا ہو۔ دوسری صدی عیسوی کے سکالر Tertullian نے بھی یہی رائے دی ہے۔

(۳) نیو پلاٹو ازم (نو فلاطونیت) (افلاطون) کے نظریات، ایک نئے تجدد اور نئے روپ میں سامنے آئے۔ اس Neoplatonism (نوفلاطونیت) کا آغاز حضرت عیسٰی کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال پہلے ہوا۔ اس کے خدو خال یہ تھے:۔

۱۔ اس نظریہ میں برگزیدہ انسانوں، فرشتوں اور شیطانوں کا پورا تصور موجود تھا اور ان مخفی شخصیتوں کا باہمی ربط اور ان کی تشریح ہمیشہ ایک مذہبی پیشوائیت کے تحت رکھی جاتی تھی۔ اس دائرہ فکر میں ایک طبقے کی دوسرے انسانوں پر ہمیشہ کے لیے ایک بالادستی قائم تھی۔

۲۔ علم کلام Scholasticism اور تصوف Mysticism میں ایک امتزاج اور ادبی تشریحات سے معقولیت، Rationalism پر راہبانہ مشاہدات، کے سائے اس فکر میں پوری وسعت سے پھیلے ہوئے تھے۔

۳۔ حرکت (رفتار زمانہ) کی ایسی پیچیدہ توجیہہ وتشریح جو حدوث وقدم میں اسے ایک برزخ کے درجے میں لے آئے۔ اس میں زمانے کے مخلوق ہونے کا تصور دب جاتا تھا اور زمانے کے ازلی (قدیم) ہونے کا تصور (جیسا کہ ہندؤں میں ہے) غالب رہتا تھا۔

(۴) متھرازم Mithraism حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً پون صدی پہلے یہ روم کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ اس کی اصل ایران سے چلی۔ ایرانیوں کی مغربی فتوحات سے یہ نظریات یورپ میں آئے۔ دوسری صدی عیسوی تک یورپ میں یہ نظریات بہت پھیل چکے تھے۔ ان ممالک میں جوں جوں عیسائیت پھیلتی گئی، یہ نظریات دبتے گئے۔ اس عقیدے میں روٹی، پانی اور شراب، عبادت کے متبرک اجزاء سمجھے جاتے تھے اور کنواری عورتیں خدا کے نام کی آواز دیتی تھیں۔ عیسائیت پھیلی تو اس نے اس نظریہ (متھرازم) سے گہرے اثرات لیے۔ عیسائیوں میں عبادت کے وقت گھنٹیوں اور موم بتیوں کا استعمال، روٹی اور پانی کا استعمال اسی نظریہ سے لیا معلوم ہوتا ہے۔ گرجاؤں میں مسیح کے خون کے نام سے جو پانی پلاتے ہیں اور روٹی Bread جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت بتا کر کاٹتے ہیں اس میں متھرازم نہیں تو اور کس بیرونی فکر کی جھلک ہے؟ عیسائیوں میں کا عمل کیا یہیں سے ماخوذ نہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند وقائع حیات

اناجیل باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئیں۔ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کا کوئی خاص ذکر نہیں ملتا۔ تعجب ہے کہ مؤلفین انجیل نے اس تاریخی خلاء کو کیوں پُر نہیں کیا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یوسف، اور مریم آپ کو مصر لے گئے اور جب تک ہیرودیس زندہ رہا آپ وطن میں نہیں آئے۔ متی لکھتا ہے:۔

خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا۔ اُٹھ۔ بچے اور

اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا اور جب تک کہ میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا. کیونکہ ہیروڈیس اس بچے کی تلاش میں ہے تاکہ اسے ہلاک کرے. پس وہ اُٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کے ماں کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہو گیا اور ہیروڈیس کے مرنے تک وہیں رہا.[1]

حضرت عیسٰی کے دورِ زندگی کا یہ واقعہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا. وطن سے باہر دو سال گزارنا کوئی معمولی بات نہیں.. دوسری اناجیل میں اس ہجرت کا قطعاً ذکر نہیں ملتا. مرقس، لوقا اور یوحنا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا. پھر چاروں انجیلیں آپ کے لڑکپن کے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں. صرف لوقا ذکر کرتا ہے کہ آپ بارہ برس کی عمر میں یہودیوں کے ایک بڑے معبد میں گئے اور ان کے عالموں سے کچھ بات چیت ہوئی. درمیان کے دس سالوں کے بارے میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں. لوقا اس طرح لکھتا ہے :-

اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلم گئے اور جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا. . . . . اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے اسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے، اُن کی باتیں سُنتے اور ان سے سوال کرتے پایا اور جتنے اس کی سُن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے.[2]

حضرت مسیح جب خود تعلیم دینے لگے تو ان کی عمر تیس برس کے قریب تھی. لوقا لکھتا ہے :-

جب یسوع خود تعلیم دینے لگا تو قریباً تیس برس کا تھا.[3]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ برس کی عمر سے لے کر تیس برس تک کے یہ اٹھارہ سال حضرت عیسٰی نے کہاں اور کن حالات میں بسر کیئے. ان کے چشم دید گواہ کون کون ہیں اور آپ کے دورِ زندگی کے ان اہم دنوں کا مؤلفین انجیل کیوں ذکر نہیں کرتے. انجیل سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ اچانک دریائے اُردن کے کنارے وارد ہوئے. یوحنا نبی نے آپ کو بپتسمہ دیا. اس کے فوراً بعد روح القدس آپ پہ کبوتر کی شکل میں اُتری اور آپ میں حلول کر گئی. اس کے بعد آپ چلّے پہ نکلتے ہیں. شیطان آپ کے آگے پیچھے

---

[1] انجیل متی. باب ۲ درس ۱۳- ۱۵ [2] انجیل لوقا باب ۲ درس ۴۱- ۴۷ [3] انجیل لوقا باب ۳ درس ۲۳

بہت دوڑتا ہے۔ مگر آپ اس کی باتوں میں نہیں آتے اور پھر خود اُستاد بن کر نکلتے ہیں۔ یہاں سے آپ کی تعلیم کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس برس کی تھی۔ متی لکھتا ہے۔

اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اُوپر گیا اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کے روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اُوپر آتے دیکھا اور دیکھو آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ اس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اُسے بھوک لگی ۔ اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں ۔ اس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے نہ جیتا رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔ تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اُٹھالیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔ یسوع نے اس سے کہا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔ پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابلیس مقدس شہر کیوں لے گیا اور اس نے آپ کو پھر کنگرے پر کھڑا ہونے کے لیے کیوں کہا اور پھر وہ آپ کو اونچے پہاڑ پر کیوں لے آیا اور آپ اس درجہ میں بھی ابلیس کی بات کیوں مانتے رہے۔ آپ نے پہلے ہی اسے کیوں نہ کہہ دیا، اے شیطان دُور ہو۔ یہ ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں۔ ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے بچپن کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ مصر میں دو سال رہے یا ان کی بارہ سال کی عمر کا ایک واقعہ انجیل میں ملتا ہے اور پھر ہم انہیں تقریباً تیس سال کی عمر میں دریائے اردن کے کنارے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لیتے پاتے ہیں جس کے بعد روح القدس اُن پر کبوتر کی شکل میں اُترتا ہے اور پھر انہیں صحرا میں لے جاتا ہے ـــــ بس حضرت مسیح کے دورِ زندگی کی

---

[1] انجیل متی باب ۳ ورس ۱۶، ۱۷، باب ۴ ورس ۱-۸

صرف یہ باتیں ہیں جو ہمیں معلوم ہیں تیس سال عمر ہونے پر وہ تعلیم دینے لگتے ہیں۔ ان کے پاس ایک انجیل تھی جس کی وہ منادی کرتے تھے اور جب ان کی تعلیمات مسخ کر دی گئیں تو وہ انجیل گم ہو گئی۔ اس کی جگہ چار اناجیل آگئیں۔ یہیں سے موجودہ عیسائیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

مسیح کے معنی اور اس کی خبر پیشین

بنو اسرائیل کو مدت سے ایک مسیحا کا انتظار تھا جو صحف انبیاء کا وہ دولہا ہو گا۔ انگریزی میں Messiah کا ترجمہ The anointed one ہے۔ دولہا کو مجلس میں لا کر اس کے سر پر تیل ڈالتے ہیں۔ وہ اپنی محفل میں ممتاز ہوتا ہے اور سب اس کی طرف دھیان کئے ہوتے ہیں۔ پچھلے انبیاء میں یہ خبر آرہی تھی کہ صحف انبیاء کا یہ دولہا آنے والا ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے تھے وہ فاران کی چوٹی سے چمکے گا اور کچھ لوگ اس کے بیت اللحم میں منتظر تھے۔

عیسائیوں کی علمی دستاویز

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی علمی دستاویز انجیل تھی اور وہ واقعی خدا کا پیغام تھا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر خدا کی طرف سے اترا تھا۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو انجیل دی گئی تھی۔ نئے عہد نامے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے عہد میں انجیل موجود تھی اور آپ شاگردوں کو اس کی منادی کا حکم دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

> لیکن تم خبردار رہو کیونکہ لوگ تم کو عدالتوں کے حوالے کریں گے اور تم عبادت خانوں میں پیٹے جاؤ گے اور حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے میری خاطر حاضر کیے جاؤ گے تاکہ ان کے لیے گواہی ہو اور ضرور ہے کہ سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے۔[1]
>
> تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا۔[2]

---

[1] انجیل مرقس باب ۱۳ ورس ۹-۱۰ [2] مرقس باب ۱۶ ورس ۱۵-۱۶

ظاہر ہے کہ یہ انجیل متی نہ تھی۔ نہ انجیل مرقس نہ انجیل لوقا اور نہ انجیل یوحنا۔ یہ انجیل مسیح تھی جس کی آپ منادی کرتے تھے۔ اناجیل اربعہ اس وقت لکھی نہ گئی تھیں اور یہ اناجیل ہیں انجیل نہیں۔ جس کی منادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دورہ تبلیغ میں کرتے رہے۔

وہ انجیل کہاں ہے؟ آہ وہ کہیں گم ہو گئی ہے — اب عیسائیوں کے پاس کیا رہا؟ مؤلفین اناجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ واقعات ان کے شاگردوں سے پہنچے ہوں گے اور انہوں نے آپ کی تعلیمات کے کچھ اقتباس Parts اپنے لفظوں میں ان سے (شاگردوں سے) لکھے ہوں گے — ان یادداشتوں اور مختلف تحریروں سے جو اناجیل مرتب ہوئیں ان میں سے کسی انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ انجیلیں اپنے اپنے مؤلفین کی طرف منسوب ہوں گی۔ انہیں انجیل متی اور انجیل مرقس کہا جائے گا۔ یا انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کہا جائے گا۔ ان میں سے کسی کا نام انجیل مسیح یا حضرت عیسیٰ کو دی گئی آسمانی کتاب نہ ہو گا۔

مسیحی علماء کی رائے ان انجیلوں کے بارے میں

مسیحی علماء کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو انجیل تھی وہ ایک زبانی شکل میں تھی۔ جسے آپ کے شاگردوں نے آپ سے سُنا اور ہر کسی نے اس سے اپنے اپنے نوٹ تیار کر لیے۔ یہ نوٹ انہوں نے اپنے اپنے الفاظ میں لیے۔ حضرت مسیح کے الفاظ کی کسی نے پابندی نہیں کی۔ مؤلفین اناجیل نے آپ کے شاگردوں سے حضرت مسیح کے جو واقعات سُنے۔ انہیں انہوں نے اپنی یادداشتوں اور ان پُرانی تحریروں کی مدد سے اپنے الفاظ میں مرتب کیا اور اس طرح ان انجیلوں کی تالیف ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس شکل میں انہیں نہ انجیل مسیح کہا جا سکتا ہے نہ یہ کتاب خداوندی کہلا سکتی ہے جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی — ان کے ہاں ان اناجیل کا تقریباً وہی درجہ ہے جو مسلمانوں کے ہاں کتب احادیث کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں کوئی سند نہیں

سب سے پہلے مرقس نے اپنی انجیل مرتب کی۔ بقول اوکلمان O-Cluman وہ حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں سے نہ تھا۔ متی اور لوقا نے اپنی اپنی یادداشتوں اور اپنے پاس جمع شدہ تحریری اقتباسات کے ساتھ ساتھ انجیل مرقس سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ متی کو بعض عیسائی علماء شاگردوں میں سے سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود متی نے مرقس سے کچھ باتیں لی ہیں۔ اور لوقا Luke نے تو شروع میں ہی کہہ دیا ہے:

چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں ۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا اس لیے اے معزز تھیفلس Theophilus میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں۔[1]

لوقا کے اس بیان سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں :۔

(۱) لوقا نے خود حضرت عیسیٰ کو دیکھا نہ تھا جو آپ کو دیکھنے والے تھے اس نے ان سے روایات لی ہیں ۔ اور ان میں سے کسی کا نام نہیں بتایا ۔

(۲) اس وقت بہت لوگ اپنی اپنی انجیلیں تیار کر رہے تھے اور انہوں نے اس پر کمر باندھ رکھی تھی ۔

(۳) لوقا نے یہ مواد زبانی تحقیق و دریافت سے لکھا ہے اس نے شاگردوں کو دیکھنے والے کہا ہے لکھنے والے نہیں کہا ۔

انجیل متی ، انجیل مرقس اور انجیل لوقا تینوں انجیلیں ہم خیال سمجھی جاتی ہیں ۔ مسیحی علماء ان تینوں کو Synoptic انجیلیں کہتے ہیں ۔ انجیل یوحنا ان سے مختلف ہے ۔ مؤلفین اناجیل کے پاس شاگردوں کی اگر کچھ تحریریں بھی ہوں تو کیا کہا جا سکتا کہ ان کے پاس ان تحریروں کی شناخت اور تصدیق کا کوئی ذریعہ تھا ۔ مشہور مسیحی فاضل او کلمان O-Cluman نے نئے عہد نامے پر ایک کتاب لکھی ہے ۔ وہ اس میں لکھتا ہے :۔

شاگرد حضرت مسیح کی جماعت کے Spokesman تھے جنہوں نے زبانی روایات کو لکھ لیا تھا لیکن شروع کے تیس چالیس سال تک انجیل محض زبانی روایت کی شکل میں رہی تب بعد کے مصنفین نے اپنے اپنے پس منظر اور مذہبی رجحان کے مطابق لکھا اور موجود روایات اور اقوال کو آپس میں ترتیب دیا۔[2]

یہ نظریہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقیدہ کے جمہور علماء کا ہے ۔ دوسری ویٹکین کونسل Vitecan Council نے انجیل کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہم پورے افسوس سے

---

[1] انجیل لوقا باب ۱ ورس ۱-۴ [2] ملخص

کہتے ہیں کہ انجیل کی صحت کسی درجے میں سامنے نہیں آسکی اور جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ اناجیل ہیں۔ انجیل نہیں۔

آیئے ان اناجیل سے کچھ تعارف کرتے چلیں اور جانیں کہ ہر مؤلف نے اپنے فکری پس منظر کو اپنی اس تالیف میں کس طرح سمویا ہے۔ نئے عہد نامے میں یہ اناجیل متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی ترتیب سے درج ہیں۔ ان میں سب سے پہلے انجیل مرقس لکھی گئی۔

انجیل مرقس

متی نے بھی اسی سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے ہم پہلے اسے ذکر کرتے ہیں۔

اوکلمان کے نزدیک یہ انجیل مرقس نامی شاگرد کی لکھی ہوئی نہیں، یہ مرقس کوئی شاگردوں کا شاگرد معلوم ہوتا ہے جس نے اسے مرتب کیا ہے وہ پہلے انبیاء کے حوالے دیتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پُرانے عہد نامے سے اپنے تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتا۔ وہ صریح طور پر لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی معجزہ نہیں دکھلایا۔ یہ بات، واقعات سے کہاں تک ہم آہنگ ہے اسے ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا ○ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا[1]

اس میں صراحت ہے کہ اس وقت تک حضرت مسیح نے انہیں کوئی معجزہ نہ دکھلایا تھا۔ متی نے اس پر ایک اضافہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل مرقس پہلے مرتب ہوئی، متی اس واقعہ کو اس طرح نقل کرتا ہے:

اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا، اے استاد ہم تجھ

---

[1] انجیل مرقس باب ۸ ورس ۱۱-۱۳

> سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دے کر اُن سے کہا۔ اس زمانہ کے بڑے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔[1]

یہاں جس نشان کا استثناء ہے وہ بھی دنیا نہ دیکھ سکی۔ انجیلیں بتلاتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ ہفتے کی شام کو دفن کیئے گئے۔ آپ، کا جی اُٹھنا پھر سبت کے بعد ہفتہ کے پہلے دن ہوا (دیکھو انجیل متی باب ۲۸، ورس ۱) اب آپ، دیکھیں یہ تین رات، دن بنتے ہیں یا نہیں یہ کیسے پُورے ہوئے اور یہ نشان کیسے ظاہر ہوا پھر مرقس کی بات تو وہیں کی وہیں رہ گئی، اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ اب یہ نشان کہاں سے آگیا۔ مرقس لکھتا ہے:۔

> وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں .... انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں اس نے اُن سے کہا، ایسی حیران نہ ہو۔ تم یسوع ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو۔ وہ جی اُٹھا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔[2]

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح تین رات ہرگز قبر میں نہیں رہے۔ ایک رات پہلے ہی اٹھا لیے گئے اور حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مثال اُن پر پُوری نہ اُتر سکی۔

انجیل متی

نئے عہد نامے میں یہ انجیل سب سے پہلی ہے۔ متی نے اسے پُرانے عہد نامے سے مسلسل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وہ بار بار پہلے پیغمبروں کے حوالے بھی دیتا ہے۔ مثلاً اس وقت وہ پُورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا (متی باب ۲۷، ورس ۹) یہ اس لیے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پُورا ہوا۔ (متی باب ۲۱ ورس ۴) یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پُورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی۔ (متی باب ۱ ورس ۲۳) اور دیکھو موسےٰ اور ایلیاہ اس کے ساتھ باتیں

---

[1] انجیل متی باب ۱۲ ورس ۳۸ - ۴۱ [2] انجیل مرقس باب ۱۶ ورس ۱ - ۷

کرتے ہوئے انہیں دکھائی دیئے (متی باب ۱، ورس ۲۰) وہ پُرانے عہد نامے سے تسلسل قائم رکھتا ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ یہودی روح شامل ہے اور اس نے اس لیے یہ انجیل لکھی ہے کہ اس کے نزدیک حضرت مسیح ہی یہودی امیدوں کی تکمیل تھے۔ وہ اس پہ زور دیتا ہے کہ حضرت مسیح بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ہی آئے تھے۔ اس نے آپ کے بنی اسرائیل سے ہونے پر آپ کا شجرہ نسب دیا ہے اور لکھتا ہے آپ نے اپنے شاگردوں کو کہا:۔

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔[1]

میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔[2]

متی یہودی طریقوں اور عبرانی زبان سے پُورا واقف تھا۔ پھر اس نے یہ انجیل یونانی زبان میں کیوں لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی زبان بولنے والوں کو پُرانے عہد نامے کے قریب لانا چاہتا ہے۔ اور یُونانی لبادے کے پیچھے اس کی وہی یہودی روح کار فرما ہے۔ وہ یہودیوں سے صرف حضرت عیسیٰ کے موضوع پر جُدا ہوتا ہے۔ باقی اس کے سارے احساسات یہودی ہی ہیں۔ یہ انجیل شام، انطاکیہ میں لکھی گئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں بہت سے یہودی آباد تھے۔ یہ انجیل تقریباً ۸۰ عیسوی میں لکھی گئی۔ اس درجے میں پُرانے عہد نامے سے تسلسل کا حامی نہیں۔ وہ بنی اسرائیل میں محدود نہیں رہنا چاہتا۔ وہ لکھتا ہے:۔

مسیح اپنے گیارہ شاگردوں کو جب وہ کھانا کھانے بیٹھے دکھائی دیا اور فرمایا:۔
تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔[3]
اور ضرور ہے کہ پہلے سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے۔[4]

متی کی نظر سے مرقس کی انجیل اوجھل نہ تھی۔ اس لیے اسے بھی آخر میں حضرت عیسیٰ کا مشن بنی اسرائیل

---

[1] متی باب ۱۰ ورس ۶ [2] متی باب ۱۵ ورس ۲۴ [3] انجیل مرقس باب ۱۶ ورس ۱۵
[4] انجیل مرقس باب ۱۳ ورس ۱۰

میں محدود کرنے سے رکنا پڑا اور اس نے کہا۔

اور گیارہ شاگرد گلیل کے اس پہاڑ پر گئے جو یسوع نے اُن کے لیے مقرر کیا تھا

...... یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ[1]

متی نے یہ لکھ تو دیا لیکن جو کچھ وہ باب ۱۵ کے ورس ۲۴ میں کہہ آیا تھا کیا یہ اس سے معارض نہیں؟ یا یوں کہو کہ پہلے حکم وہی تھا اب یہ دوسرا حکم آگیا اور پہلا حکم منسوخ ہوا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے لیے آئے تھے۔ اب وہ حضرت عیسیٰ کی دعوت کا رخ پورے جہان کی طرف موڑتا ہے۔

مرقس اور متی کے بیانات کے اس فرق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تالیف اناجیل میں ان مؤلفین کے اپنے سیاسی ذہن کو بھی بہت دخل رہا ہے۔ لوقا سرے سے بنی اسرائیل میں سے نہیں، وہ ایک غیر یہودی عیسائی تھا اس کی روش یہودی ذہن کا پورا مقابلہ کرتی ہے مرقس سمیریوں سے (جو بنو اسرائیل میں سے نہ تھے) نفرت دلانا چاہتا ہے اور لوقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سمیریوں میں اچھے تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نئے عہد نامہ کا مطالعہ کرنے والے ان فروق کو بآسانی محسوس کر سکتے ہیں کہ کس طرح مختلف سیاسی محرکات تالیف اناجیل میں شامل رہے ہیں۔

پہرے داروں اور یہودی سرداروں کی ملی بھگت

یہودی سرداروں نے حاکم سے کہا تھا کہ یسوع نے پہلے سے کہہ رکھا ہے کہ وہ تین دن کے بعد پھر جی اُٹھے گا۔ سو حکم دیا جائے کہ تین دن تک قبر پر پہرے دار بٹھائے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد اس کی لاش لے جائیں اور کہیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے اور یہ پچھلا دھوکہ پہلے سے بھی بڑا ہو۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے قبر پر پہرہ لگ گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بقول عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ قبر میں جی اُٹھے اور وہاں سے گلیل کی طرف چل دیئے تو ان پہرے داروں نے اس کی اطلاع افسران بالا کو دینے کی بجائے ان یہودی سرداروں کو کیوں دی؟ یہ غیر یہودی پہرے دار حکومت کے مقرر کردہ تھے۔ انہوں نے یہودی

[1] متی باب ۲۸ ورس ۱۹ عیسائیوں نے آپ کے مختار کل ہونے کا عقیدہ یہیں سے لیا ہے۔ خالد محمود

بزرگوں سے کیوں رابطہ قائم کر رکھا تھا؟ یہ بات غور طلب ہے۔ متی لکھتا ہے۔

پہرے داروں میں سے بعض نے شہر میں آکر تمام ماجرا سردار کاہنوں سے بیان کیا۔ اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر کہا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اس کے شاگرد آکر اُسے چُرا لے گئے اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ پس انہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا۔[1]

فرانس کے مشہور کیتھولک پادری کینن گیزر Kennengisser جو اپنے حلقے کا معتمد عالم ہے کی رائے میں یہ انجیلیں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طبقے کی نمائندگی میں لکھی ہیں۔ اس کی رائے میں یہودی بزرگوں کا پہرے داروں کو رشوت دے کر ساتھ ملانا مزید ثبوت کا محتاج ہے (اسے کسی اور طرح ثابت نہیں کیا سکتا) ایک بات جو یونہی مشہور تھی متی نے اسے لے لیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ یہ اناجیل کتنی تحقیق اور احتیاط سے تالیف ہوئی ہوں گی۔ یہودیوں کے ہاں رشوت لے کر غلط باتیں کرنا عام تھا۔ متی نے بھی ایک عام یہودی کی سوچ کے تحت یہ بات اپنی انجیل میں لکھ دی معلوم ہوتی ہے۔

ایک نہیں بہت سے مُردے جاگ اُٹھے

متی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔

یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی اور مقدس کا پردہ اُوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اُٹھے اور اس کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔[2]

اس واقعہ کا باقی تین انجیلوں میں بالکل ذکر نہیں ہے۔ یہ واقعہ اتنی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو ناممکن ہے کہ دوسرے تذکرہ نگار اسے ذکر نہ کریں یا اسے بھول جائیں۔ یہ متی کی اپنی اختراع معلوم ہوتی ہے جسے وہ بعض پُرانے یہودی بزرگوں کی کرامت کے طور پر سامنے لانا چاہتا ہے۔

---

[1] انجیل متی باب ۲۸ ورس ۱۱ - ۱۵ [2] متی باب ۲۷ ورس ۵۰ - ۵۳

یہ صحیح ہے کہ متی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں میں سے نہ تھا لیکن مسیحی علماء جیسے اے ٹرائی کاٹ A Tricot نے اسے شاگردوں میں جگہ دی ہے۔ پرانے علماء میں سے اوریگن Origen ، ایپی فینز Epiphanes اور جیروم Jerome اسے شاگردوں میں سے سمجھتے ہیں۔

لوقا LUKE کی انجیل

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ لوقا حضرت عیسیٰ کے شاگردوں کا شاگرد تھا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا طیطوس رومی کے حملے سے ، عیسوی میں یروشلم پر جو تباہی آئی۔ یہ انجیل (انجیل لوقا) اس واقعہ کے بعد کی مرتب معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادریوں نے مل کر اناجیل کا مشترکہ عالمی ترجمہ کیا ہے۔ اسے Ecumenical Translation کہتے ہیں۔ اس ترجمے کو عیسائیوں کی ایک بڑی اکثریت کی تائید حاصل ہے۔ اس ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوقا طیطوس رومی کے حملے اور یروشلم کی تباہی کا چشم دید گواہ ہے۔

انجیل مرقس اور انجیل لوقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی دن آسمان پر جانا بیان کرتی ہیں جس دن انہوں نے گیارہ شاگردوں سے جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے بات کی تھی:۔

غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔[1]

لوقا بھی لکھتا ہے۔

جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔[2]

اب نئے عہد نامے کی کتاب رسولوں کے اعمال کو دیکھئے یہ کتاب بھی لوقا کی تالیف بتائی جاتی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوئے تو چالیس دن تک دنیا میں پھرتے رہے اور پھر آسمان پر اٹھائے گئے۔ اس میں لکھا ہے۔

اس نے دکھ سہنے کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو ان پر زندہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا اور خدا کی بادشاہی کی باتیں کہتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کہہ

---

[1] متی باب ۱۶ ورس ۱۹ [2] لوقا باب ۲۴ ورس ۵۱ - ۵۲

> کروہ ان کے دیکھتے دیکھتے اُوپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا۔ [1]

آپ اس مشکل کا اندازہ نہیں کر سکتے، جو عیسائی پادریوں کو اس مقام پر جھیلنی پڑتی ہے۔ انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسٹر کے دن ہی اُوپر اٹھا لیے گئے تھے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس دن نہیں چالیس دن مزید کے بعد آسمانوں پر اُٹھائے گئے۔ اب ان دونوں باتوں پر بیک وقت ایمان رکھنا اور اس نئے عہد نامے کو پورا الہامی اور کتاب مقدس جاننا منطقی طور پر کتنا بوجھل اور عقل و شعور سے کس قدر بوجھل پروگرام ہے جو ان پادری صاحبان کو سرانجام دینا پڑتا ہے۔ یہ دونوں تحریریں انجیل لوقا اور رسولوں کے اعمال ایک ہی مصنف کا رشحہ قلم ہیں اور دونوں میں کیسا کھلا تضاد ہے کوئی ہے جو اس مشکل سے انہیں رہائی د

مچھلیاں پکڑنے کا واقعہ

لوقا حضرت مسیح کے معجزات میں لکھتا ہے:۔

> اس نے جھیل کے کنارے دو کشتیاں لگی دیکھیں، لیکن مچھلیاں پکڑنے والے ان میں سے اُتر کر جال دھو رہے تھے...... جب کلام کر چکا تو شمعون سے کہا گہرے میں لے چل اور تم شکار کے لیے اپنے جال ڈالو۔ شمعون نے جواب میں کہا اے صاحب ہم نے رات بھر محنت کی اور کچھ ہاتھ نہ آیا، مگر تیرے کہنے سے جال ڈالتا ہوں۔ یہ کہا اور وہ مچھلیوں کا ایک بڑا غول گھیر لائے اور ان کے جال پھٹنے لگے۔ [2]

لوقا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کا لکھتا ہے۔ جب وہ گلیل کے عبادت خانوں میں منادی کر رہے تھے۔ یوحنا اپنی انجیل میں اسے حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے اور پھر جی اُٹھنے کے بعد کا واقعہ بتلاتا ہے:۔

> اور ان باتوں کے بعد یسوع نے پھر اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں پر ظاہر کیا...... شمعون پطرس نے ان سے کہا، میں مچھلی کے شکار کو جاتا ہوں، انہوں نے اس سے کہا، ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ نکل کر کشتی پہ سوار ہوئے، مگر اس

---

[1] باب اول ورس ۴، اور ورس ۹ [2] انجیل لوقا باب ۵ ورس ۲-۷

رات، کچھ نہ پکڑا اور صبح ہوتے ہی یسوع کنارے پر آکھڑا ہوا مگر شاگردوں نے نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے .... اس نے ان سے کہا کشتی کی دہنی طرف جال ڈالو تو پکڑو گے پس انہوں نے ڈالا اور مچھلیوں کی کثرت سے پھر نہ کھینچ سکے۔[1]

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کی پہلی زندگی کا تھا یا پھر جی اُٹھنے کا۔ عیسائیوں کو ان دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ ان چاروں انجیلوں کو الہامی کتابیں مانتے ہیں اور اس کے ایک ایک حصے پر ایمان لانا ان کے ہاں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ قارئین اندازہ کریں کہ عیسائیوں کو یہاں کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ انجیل لوقا کی بات درست ہوگی یا انجیل یوحنا کی ـــــ انجیل متی ورس سے اور انجیل مرقس باب ورس سے لوقا کی تائید ملتی ہے۔ مگر یہ تینوں انجیلیں ہم خیال انجیلیں Synoptic کہلاتی ہیں اور یوحنا ان تینوں سے منفرد ہے۔

انجیل یوحنا

ہم پہلے یہ بات کہہ آئے ہیں کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں مرتب نہیں ہوئی جس کی حضرت علیہ السلام منادی کرتے تھے۔ وہ گم ہو چکی ہے اور ان انجیلوں کے مصنفوں نے انہیں اپنے اپنے نقطۂ نظر سے مرتب کیا ہے۔ موضوع ترتیب، اسلوب بیان اور تاریخ کے اختلافات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں مذہبی نقطہ نظر سے بھی ان میں اختلافات ہو گیا ہے۔ ان اختلافات میں انجیل یوحنا پہلی تینوں Synoptic انجیلوں سے مختلف ہے۔ پادری او کلمان O-Cluman لکھتا ہے۔

It is indeed a unique Book different in the arrangement and choice of subject, description and speech, different in its style, geography, chronology. There are even differences in theological outlook.

یوحنا کون ہے؛ یوحنا بن زبدی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد disciple بتلایا جاتا ہے۔ آپ نے گرجاؤں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری کھانے کی تصویر میں یوحنا کو ساتھ بیٹھے دیکھا ہوگا۔

[1] انجیل یوحنا باب ۲۱ ورس ۷

انجیل کے Ecumenical Translation (مشترکہ عالمی ترجمے) کا مرتب لکھتا ہے کہ اکثر فضلاء اسے یوحنا کی تالیف نہیں مانتے۔ ان کے ہاں یہ انجیل باختلاف ادوار کئی ہاتھوں سے نکلی ہے اگر یہ صحیح ہے تو اسکی موجودہ صورت یوحنا کے کسی شاگرد کے ہاتھوں عمل میں آئی ہوگی۔

لوقا نے اپنی انجیل میں حضرت مسیح کے مچھلیوں کے شکار کے معجزہ میں وہاں یوحنا کی موجودگی کا ذکر کیا ہے :۔

کیونکہ مچھلیوں کے اس شکار سے جو انہوں نے کیا وہ اور اس کے سب ساتھی بہت
حیران ہوئے اور ویسے ہی زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحنا بھی جو شمعون کے شریک
تھے حیران ہوئے[1]

یہ اندازہ صحیح ہے کہ یہ کتاب پہلی صدی عیسوی کے آخر میں کہیں مرتب ہوئی ہوگی اور پھر اس میں اضافے بھی ہوتے رہے ہوں گے۔ خود عیسائی ناقدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ باب ۲۱ اس میں اضافہ کیا ہوا ہوا ہے۔ پادری او کلمان کھلے بندوں اس کا اقرار کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشن کی کتنی مدت تھی؟ پہلی تین انجیلیں اسے ایک سال سے کچھ اوپر ظاہر کرتی ہیں لیکن یوحنا اسے دو سال سے اوپر بتلاتا ہے۔ یہ کھلا فرق عیسائی پادریوں کو عجیب پریشانی میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ انہیں دونوں باتوں پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ ان کے نزدیک اناجیل اربعہ کا ایک ایک لفظ صحیح اور صادق Word of God ہے اور اس بات کو بھی وہ نہیں بھول سکتے کہ یہ دونوں بیان آپس میں ٹکراتے ہیں جن میں سے ایک ہی درست ہو سکتا ہے۔ او کلمان یہاں بہت ہی مضطرب نظر آتا ہے۔ ~

کس کا یقین کیجئے، کس کا یقین نہ کیجئے
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

انجیل یوحنا کو ایک طرف رکھیے جو انجیلیں ہم خیال انجیلیں سمجھی جاتی ہیں ان میں کہاں تک یہ اشتراک ہے اور کہاں کہاں ہر ایک کی اپنی راہ ہے مشترکہ عالمی ترجمے کے مرتبین نے اس کے یہ اعداد و شمار مہیا کیے ہیں۔

---

[1] انجیل لوقا باب ۵ درس ۱۰

انجیل متی اور انجیل مرقس کی مشترکہ آیات = ۱۷۸

انجیل متی اور انجیل لوقا کی مشترکہ آیات = ۲۳۰

انجیل مرقس اور انجیل لوقا کی مشترکہ آیات = ۱۰۰

انجیل یوحنا ان سب سے منفرد اور مختلف ہے اور وہ اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم اس جگہ تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قربانی کا واقعہ جو عیسائی دین میں اساسی حیثیت رکھتا ہے یوحنا نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے گویا یہ ہوا ہی نہیں یا اسے اس کی خبر نہیں۔

انجیلیں اپنی ابتداء میں کن ادوار سے گزریں

اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں عوام پر کلیسا کی گرفت ڈھیلی ہونی شروع ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے پادری لوگ بہت وسیع اختیارات کے مالک تھے کلیسا کے خلاف کوئی شخص دم نہ مار سکتا تھا لیکن یورپ میں جونہی آزادیٔ فکر کی لہر اٹھی بعض لوگوں نے اس پر بھی سوچنا شروع کیا کہ یہ انجیلیں اپنی ابتداء میں کن کن ادوار سے گزری ہیں۔ اس کے لیے بڑی بڑی کونسلیں بیٹھیں، بڑی بڑی میٹنگیں ہوئیں اور رومن کیتھولک چرچ اور پروٹسٹنٹ چرچ کے کئی پادری مشترکہ کاوشوں پر جمع ہوئے کہ کس طرح نئے عہد نامے کو تاریخی استناد مہیا کیا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ انجیل اپنی ابتدائی صورت میں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں نہیں لکھی گئی عیسائی اپنے مذہب کی اساس انجیل پر نہیں اناجیل پر رکھتے ہیں۔ یہ اناجیل ان کے مصنفین نے اپنے اپنے ذوق، رجحانات اور نظریات کے مطابق مرتب کیں۔ تاہم ان کا مشترکہ موقف یہ رہا ہے کہ یہ حضرت مسیح کی تعلیمات ہیں جنہیں وہ مختلف کہانیوں کے ساتھ اور مختلف پیرایوں میں کتاب مقدس میں جگہ دے رہے ہیں۔

ان کے ہاں مسیح کی تعلیمات اور ان کے وقائع حیات تقریباً چالیس سال تک زبانی نقل و روایت میں رہے ہیں۔ لیکن ان کے پاس ارامی زبان میں لکھے ہوئے کچھ تحریری ٹکڑے بھی تھے۔ جو انہوں نے محض اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کے لیے ساتھ رکھے ہوئے تھے، وہ بھی گم ہو گئے اور ان کی جگہ اور تحریریں تیار ہو گئیں پھر اناجیل اربعہ کے مصنفین میں سے صرف دو کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا دور پایا ہے اور ان میں بھی بیسیوں اختلافات موجود ہیں اور دوسرے دو تو بالاتفاق بہت بعد کے ہیں۔ ابھی حال میں ۱۹۷۳ء میں یروشلم کے بائبل سکول کے پروفیسر بے نائٹ اور پروفیسر بوائس مارڈ نے ان اختلافات کو Synopsis of the four Bibles میں صراحت سے تسلیم کیا ہے۔

بائبل کی ترتیب میں پرانی تحریروں اور زبانی روایات دونوں میں وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ارتقا ہوا ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اناجیل میں مرقوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال وارشادات، ان کے وقائع حیات اور ان کے مصلوب ہونے کے اور اس کے بعد کے واقعات ابتداً ہی اس طرح پر نہ تھے ـــــ جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان روایات اور پرانے تحریری مواد میں ارتقا ہوتا رہا اور بات کہیں سے کہیں تک پہنچتی رہی اول و آخر میں کیا ربط رہا۔ یہ پادری صاحبان ہی بتا سکتے ہیں۔

نئے عہد نامے میں قدیم ترین تحریر پال کے خطوط ہیں۔ یہ ان چاروں انجیلوں سے مدتوں پہلے عام ہو چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر جانے سے ایک صدی بعد تک ان انجیلوں کے بارے میں کوئی خارجی شہادت نہیں ملتی۔ کہ ان کا کسی حلقے میں کوئی تعارف پایا جاتا ہو۔ ہاں ۱۷۰ء کے قریب کہیں کہیں ان انجیلوں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ موریس بوکائیلی Maurice Bucaili لکھتا ہے:۔

It was not until circa A.D. 170 that the four gospels acquired the status of canonic literature.

موریس بوکائیلی نے اس کتاب میں قرآن کریم انجیل اور سائنس پر تقابلی بحث کی ہے

جب یہ انجیلیں مرتب ہوئیں تو اس وقت یہ اس صورت میں نہ تھیں۔ موجودہ صورتیں انہیں بہت سی منزلوں سے گزرنے کے بعد ملی ہیں۔ مزید برآں اس وقت یہی انجیلیں حضرت علیہ السلام کے اقوال و تعلیمات اور ان کے حالات و واقعات کا مخزن نہ تھیں اور بھی سینکڑوں تحریرات تھیں جو اپنی اپنی جگہ دین مسیحی کی تاریخی آواز سمجھی جاتی تھیں۔ اناجیل اربعہ کے ارتقاء میں ان تحریرات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے لیکن ازاں بعد اس تحریری مواد اور پرانے تحریری ٹکڑوں کو یکسر گم کر دیا گیا۔

انجیل لوقا کے شروع میں ہے کہ "بہت سے لوگوں نے کمر باندھی ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال و تعلیمات مرتب کریں" اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت متعدد انجیلیں لکھی جا رہی تھیں۔ محققین لکھتے ہیں کہ ان چار انجیلوں کے انتخاب میں ایک سو کے قریب انجیلیں رد ہوئیں اور صرف ان چار کو نئے عہد نامے میں

جگہ دی گئی ــــــ اس کے باوجود اس ابتدائی دور میں سب مسیحی قومیں ان چار پر جمع نہ تھیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ان میں بھی اختلاف کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور تحریرات بھی ان کے پاس تھیں۔

دوسری صدی عیسوی میں پادری مارسین Marcion نے دیگر مذہبی پیشواؤں پر زور دیا کہ وہ اپنے آپ کو یہودیوں سے کلی طور پر جُدا کریں اور پُرانے عہد نامے کو اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ وہ متی اور مرقس کی انجیلوں کو اس لیے رد کرتا تھا کہ یہ پُرانے عہد نامے سے تسلسل قائم رکھتی ہیں اور جابجا اس کے حوالے دیتی ہیں۔ وہ صرف لوقا کی انجیل اور پال کے خطوط کو صحیح تسلیم کرتا تھا اور باقی سب کا منکر تھا۔ کلیسیا نے سائینوپ کے پادری مارسین کو ملحد اور بے دین قرار دیا مسیحی پیشواؤں نے نئے عہد نامے میں کتاب رسولوں کے اعمال کا بھی اضافہ کیا۔ اور یہ صحیح ہے کہ یہ لوگ جس کتاب کو چاہتے، نئے عہد نامے میں رکھتے تھے اور جسے چاہتے نکال دیتے تھے۔ یہ نیا عہد نامہ اپنے ارتقاء میں ان تمام منازل سے گزرا ہے۔

مسیحی علماء اپنی ابتدائی صدیوں میں نئے عہد نامے کے صحیفوں میں برابر رد و بدل کرتے رہے اور چوتھی صدی عیسوی تک یہ اختلافات قائم رہے۔ اس وقت تک وہ مواد لائبریریوں میں موجود تھا جسے کلیسیا نے نئے عہد نامے کے انتخاب میں رد کر رکھا تھا۔ یروشلم کے پروفیسر Boismard کے نزدیک ان تحریرات کی بڑی تاریخی اہمیت ہے۔ یہ تحریریں زیادہ تر چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ کاغذ کا ان دنوں چنداں رواج نہ تھا۔ عالمی مشترکہ ترجمے کے مرتبین کے ہاں دو سو کے قریب ایسی پُرانی تحریریں تھیں جو چمڑے کی جھلی پر لکھی ہوئی تھیں۔ بیشتر یُونانی زبان میں تھیں اور گیارہویں صدی عیسوی تک ان کے نمونے کہیں نہ کہیں موجود رہے اور عیسائی لوگ ان کی روشنی میں ہر چند سال کے بعد کتاب مقدس میں کچھ نہ کچھ ترمیم کرتے رہے۔

ویٹیکن کونسل Vitecan council بے شک کتاب مقدس کا ہر طرح سے دفاع کرتی رہی ہے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں اناجیل کے دفاع کا ایک مستقل شعبہ قائم تھا جو بائبل کے ایک ایک نقطے کے گرد حفاظت کا حاشیہ کھینچتا رہا لیکن بیسویں صدی کی موجودہ تحقیقات نے خود انگلستان کو اس جگہ لا کھڑا کیا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے اس شعبہ کو یکسر بند کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کا وجود اب بالکل بے فائدہ ہو گیا تھا۔

یہ نئے عہد نامے اور انجیل کی مختصر تاریخ ہے۔ عیسائی دوستوں کو چاہیے کہ عصر حاضر کی ان تحقیقات میں دلچسپی لیں اور جان لیں کہ ان کے پاس موجود اناجیل وہ انجیل ہرگز نہیں ہیں جس کی منادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مختلف آبادیوں اور صحراؤں میں کرتے رہے ہیں۔ یہ اناجیل اربعہ کسی بھی متصل مرفوع سند سے حضرت

عیسیٰ علیہ السلام تک نہیں پہنچیں اور جب ان کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہی مخدوش ہے تو اسے کتاب الہٰی قرار دینا کس طرح کسی طبقے میں لائق تسلیم ہو سکے گا یہ بات عیسائی دُنیا کے سوچنے کی ہے۔ ہم اہل اسلام صرف انہی باتوں کو حضرت مسیح کی تعلیمات سمجھتے ہیں جو ہمیں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے معلوم ہوئیں۔ ان کی تحقیقات کے جملہ زمینی ذرائع مخدوش ثابت ہوئے ہیں اور اب انہیں اپنانے کی صحیح راہ یہی ہے کہ ان کے بعد آنے والے پیغمبر کے ذریعہ ان کی تصدیق کی جائے۔ تاریخ انبیاء میں حضرت خاتم النبیین ہی پہلے نبیوں کے مصدق ہیں اور اب صرف آپ کے واسطہ سے ہی ان تمام پہلے نبیوں پر ایمان رکھا جا سکتا ہے۔ حضرت خاتم النبیین کو ماننا پہلے تمام نبیوں کو ماننا ہے۔

آخری کھانے کے بارے میں انجیلوں کے مختلف بیانات

یہ مختلف بیانات اس آخری کھانے کے بارے میں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا۔

مسیحی نظریہ کی رو سے حضرت مسیح نے آخری کھانے Last Supper کے دوران اپنی قربانی Eucharist کا آغاز کیا۔ اس کا ذکر تینوں ہم خیال Synoptic انجیلیں یُوں کرتی ہیں:-

(۱) اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا...... جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا، لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ یہ میرا عہد کا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔[۱]

(۲) اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ کے ساتھ آیا اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے جو ایک میرے ساتھ کھاتا ہے وہ مجھے پکڑوائے گا...... اور وہ کھا ہی رہے تھے کہ اس نے روٹی لی اور برکت دے

---

[۱] انجیل متی باب ۲۶ ورس ۲۰ - ۲۹

کر توڑی اور ان کو دی اور کہا لو یہ میرا بدن ہے پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دیا اور ان سبھوں نے اس میں سے پیا اور اس نے ان سے کہا یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے بہایا جاتا ہے [1]

(۳) اور جب وقت ہو گیا تو وہ کھانا کھانے بیٹھا اور رسول اس کے ساتھ بیٹھے...... پھر اس نے پیالہ لے کر شکر کیا اور کہا کہ اس کو لے کر آپس میں بانٹ لو...... پھر اس نے روٹی لی شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے میری یادگاری کے لیے تم یہی کیا کرو اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے [2]

عیسائیوں کے ہاں اس آخری کھانے Last Supper سے حضرت مسیح کی کفارے کی قربانی شروع ہوتی ہے اور یہ واقعہ مسیحی عبادت میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر تعجب ہے انجیل یوحنا میں اس کا ذکر تک نہیں، نہ اس شام کے کھانے کا کوئی ذکر ہے جس کی مجلس میں حضرت مسیح نے اپنے بارہ حواریوں کو اپنا بدن کھلانے اور اپنا خون پلانے کا سبق دیا ہو۔ ہاں ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ یہودیوں کی ایک بھیڑ کی بھیڑ حضرت مسیح کے سامنے آئی اور آپ نے انہیں کہا:

تمہارے باپ دادا نے بیابان میں من کھایا اور مر گئے۔ یہ وہ روٹی ہے جو آسمان سے اُتری ہے تاکہ آدمی اس میں سے کھائے اور نہ مرے۔ اور میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری۔ اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہے گا بلکہ جو روٹی میں جہان کی زندگی کے لیے دوں گا وہ میرا گوشت ہے ۔ پس یہودی یہ کہہ کر آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ شخص اپنا گوشت ہمیں کیوں کر کھانے کو دے سکتا ہے؟ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک تم ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اس کا خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں۔ جو میرا گوشت کھاتا اور میرا خون پیتا ہے وہ مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں...... جو روٹی آسمان سے

[1] انجیل مرقس باب ۱۴ ورس ۱۷۔ ۲۴ [2] انجیل لوقا باب ۲۲ ورس ۱۴۔ ۲۱

> اُتری یہی ہے باپ دادا کی طرح نہیں کہ کھایا اور مر گئے..... اس کے شاگردوں میں سے بہتوں نے سُن کر کہا کہ یہ کلام ناگوار ہے۔[1]

حضرت مسیح نے یہ باتیں آخری کھانے پر نہیں کہیں۔ یہ کسی اور موقع کا وعظ ہے جسے حواریوں نے بہت ناپسند کیا اور بہت سے شاگرد اُٹھ کر چلے گئے اور مسیح کے ساتھ نہ رہے۔ سو اس واقعہ کو کسی طرح بھی قربانی کا آغاز نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس موقع پر کوئی روٹی کاٹی گئی نہ شاگردوں کو دی گئی نہ کوئی پیالہ آیا جسے مسیح کا خون ٹھہرا دیا گیا ہو اور پھر حواریوں نے اسے پیا ہو۔

آپ نے یہ کھانا گرفتاری سے ایک دن پہلے کھایا۔ اسی لیے اسے Eucharist عشاء ربانی کہتے ہیں۔ کھانا رات کا تھا اور بارہ حواری اس میں ساتھ تھے۔

عیسائی ہر اتوار کو گرجا میں یہ رسم بجا لاتے ہیں۔ اس موقعہ پر ایک Bread (ڈبل روٹی) لائی جاتی ہے جسے حضرت مسیح کا Flesh گوشت کہتے ہیں اور ساتھ لائے پانی کو حضرت مسیح کا خون کہہ کر بیا جاتا ہے اور امام (پادری) اس کھانے اور پینے والے کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے برکت دیتا ہے۔ روٹی اور پانی دیکھنے میں تو روٹی اور پانی ہی نظر آتے ہیں۔ مگر ان کا عقیدہ ہے کہ روح القدس کے اُترتے ہی یہ روٹی اور پانی، گوشت اور خون بن جاتے ہیں۔ عیسائی جب اسے کھاتے اور پیتے ہیں تو روح القدس ان میں اپنا اثر کرتی ہے اور اس سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اتنی اہم بات جس کے بغیر ان کی گرجا میں سنڈے سروس نہیں ہو پاتی۔ اس کا ذکر حضرت مسیح کے Eucharist کے طور پر تین ہم خیال انجیلوں میں تو ہو لیکن یہ انجیل یوحنا میں نہ ہو، یہ ہمارے لیے نہایت تعجب کی بات ہے۔ الّا یہ کہ انجیل یوحنا کی اصلیت مخدوش ہو۔

آرنیوس (۱۷۷ء) کلینٹ رومی (۲۰۰ء) اور آریجن (۲۵۴ء) انجیل یوحنا کا مؤلف یوحنا ابن زبدی کو سمجھتے ہیں بشر کہ عالمی ترجمے کے مبصرین اسے یوحنا حواری کی تالیف نہیں مانتے۔ یہ ان کی بھی کوئی اپنی تحقیق نہیں۔ اس کا انکار دوسری صدی عیسوی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔

> ایشیائے کوچک میں ایسے عیسائی بھی پائے گئے جو اس چوتھی انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہیں مانتے۔ یہ بات ۱۶۵ء کے قریب کی ہے۔

---

[1] یوحنا باب ۶ درس ۴۹-۶۱

انجیل یوحنا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مؤلف کوئی عالم ہے جو یہودی روایات پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے، لیکن یوحنا حواری کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ایک ان پڑھ آدمی تھا، لوقا لکھتا ہے:۔

جب انہوں نے پطرس اور یوحنا کی دلیری دیکھی اور معلوم کیا کہ یہ ان پڑھ اور ناواقف آدمی ہیں تو تعجب کیا پھر انہیں پہچانا کہ یہ یسوع کے ساتھ رہے ہیں[1]

آپ نے گرجاؤں میں حضرت مسیح کے کھانے Last Supper کی تصویر تو دیکھی ہو گی اس میں یوحنا حضرت مسیح کے بہت قریب بیٹھا ہے۔ انجیل یوحنا میں اس کا ذکر یوں ملتا ہے:۔

اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا، یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کا مؤلف وہ شاگرد نہیں جو اس وقت یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی تو یہاں حکایت بیان ہو رہی ہے۔ سو حکایت بیان کرنے والا کوئی اور ہے مگر انجیل یوحنا کے آخر میں یہ بھی ملتا ہے کہ اس نے ان باتوں کو لکھا ہے:۔

پطرس نے مڑ کر اس شاگرد کو پیچھے آتے دیکھا جس سے یسوع محبت رکھتا تھا اور جس نے شام کے کھانے کے وقت اس کے سینے کا سہارا لے کر پوچھا تھا کہ اے خداوند تیرا پکڑوانے والا کون ہے؟ پطرس نے اسے دیکھ کر یسوع سے کہا اے خداوند اس کا کیا حال ہو گا؟ یسوع نے اس سے کہا، اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ تو میرے پیچھے ہو لے۔ پس بھائیوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا۔ بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟

یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے —— اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لیے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔[1]

---

[1] آخری عبارت انجیل یوحنا کے باب ۲۱ کی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو انجیل کا مؤلف ہے وہی اپنے بارے میں یہ تعبیر اختیار کرتا ہے:۔
"وہ جس سے محبت کرتا تھا"

مسیحی علماء بہت پریشان ہیں کہ کس شخص کو اس کا (انجیل یوحنا کا) مؤلف قرار دیں۔ عہد حاضر کے عیسائی پادری تقریباً اس پر متفق ہیں کہ انجیل یوحنا کا مؤلف یوحنا بن زبدی حواری نہ تھا اور یہ عبارت جو ہم نے انجیل یوحنا کے آخر سے نقل کی ہے اس کے بارے میں مشہور عیسائی فاضل ولیٹ کاٹ West Cot کہتا ہے کہ یہ آخری فقرے انجیل یوحنا کے نہیں ہیں، کسی نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں۔ کئی پرانے نسخوں میں یہ دو آیتیں موجود نہیں ہیں۔ مسٹر برنٹ ہیلمن Brunt Helman لکھتا ہے:۔

انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے یہ ایک اختلاف کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس پہلے دور میں بھی انجیل کے بارے میں طرح طرح کے اختلاف اور شک کی موجود تھے۔[1]

پادری برکت اللہ بھی لکھتے ہیں۔

بس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول بن زبدی کی تصنیف ہے صحیح نہیں ہو سکتی۔[2]

تاریخ اناجیل میں یوحنا بزرگ کی آورد

اس بات میں کہ انجیل یوحنا کا مصنف کس کو کہیں اور کس کو نہ کہیں مسیحی علماء بہت پریشان ہیں۔ بعض نے اسے ایک جعلی انجیل کہا ہے اور وہ صرف پہلی تین انجیلوں کو مانتے ہیں، بعض دوسرے علماء نے کتاب مقدس کو اس بدگمانی سے بچانے کے لیے ایک مؤلف یوحنا بزرگ دریافت کیے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ بھی حضرت عیسٰی کے شاگرد تھے، مگر ان بارہ شاگردوں میں سے نہ تھے جن کے ساتھ آپ نے آخری کھانا (عشاء ربانی) کھایا ہے۔ یہ یوحنا بزرگ صدوقی گھرانے کے تھے۔ تورات کے عالم تھے اور انہوں نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو دیکھا تھا۔ اس نئی شخصیت پر فطرۃً چند سوال ابھرتے ہیں۔

---

[1] اناجیل اربعہ صفحہ ۴۳۱ [2] قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

(۱) ——— یہ یوحنا بزرگ اگر واقعی کوئی اہم شخصیت ہے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقیہ تین انجیلوں میں اس کا کہیں کوئی ذکر کیوں نہیں ملتا؟

(۲) ——— مؤلفین یوحنا حواری کا ذکر تو عام کرتے ہیں لیکن اسے یوحنا بزرگ سے کہیں جدا کر کے بیان کیا گیا ہو اس کا کہیں کوئی حوالہ نہیں ملا؟

(۳) ——— حضرت مسیح کے آسمان پر چلے جانے کے بعد شاگردوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ وہ حضرت مسیح کی جدائی کے غم سے اسی وقت فوت ہوگیا ہو اور اس کی تاریخ پھر آگے نہ چلی ہو۔

(۴) ——— مسیحی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دیر تک زندہ رہا۔

Samuel نے بھی اس کا دور پایا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی زندگی میں وہ بہت چھوٹی عمر کا ہوگا۔

مسٹر برنٹ ہیلمن لکھتا ہے۔ Brunt Helman

۹۵ عیسوی میں وہ نشتر ۸۰ سال کا ہوگا۔ اس کا پہلا خط کسی عمر رسیدہ آدمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جو دوسروں کو میرے بچو! کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ اگر انجیل یوحنا کا مصنف واقعی یہی ہے تو پھر اندازہ یہ ہے کہ یہ انجیل ۹۰ عیسوی کے مابین کسی وقت لکھی گئی ہوگی۔ [1]

اناجیل اربعہ کی ترتیب و تدوین کا یہ پس منظر اور یہ بات کہ ان کے تعارضات نے عیسائی پادریوں کو کہاں تک پریشان کر رکھا ہے۔ دینیات کے ہر طالب علم کے ذہن میں ہونی چاہئیں۔

انجیلوں کا یہ ایک تاریخی نقشہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اناجیل اربعہ یا نئے عہد نامے کا عیسائیوں کے ہاں وہ درجہ نہیں جو اہل اسلام میں قرآن کریم کا ہے۔ بلکہ وہ ان کتابوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی روایات کی شکل میں لیتے ہیں۔ جسے ان انجیلوں کے مصنفین نے اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی کاوش کے مطابق جمع کیا ہے۔ اہل اسلام میں یہ درجہ احادیث کا ہے جسے محدثین نے

[1] اناجیل اربعہ ص

اپنے اپنے ذوق علم کے مطابق ترتیب دیا۔ لیکن مسلمانوں میں ان کتب حدیث میں آگے حک و اضافہ اور ترمیم و تبدیل کی کوئی روایت قائم نہیں ہوئی۔ نہ ان کے ہاں کوئی ایسی کونسل ہے جو ان کتب احادیث پہ ہر سال نظر ثانی یا نظر ثالث یا نظر تاسع یا نظر عاشر کیا کرے۔

قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہے اور اس کلام الٰہی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ ہونا اس تواتر اور قطع و یقین سے منقول ہے کہ اب تک اہل اسلام میں قرآن پاک کی کوئی متبادل کاپی رائج نہیں ہو سکی جس طرح چار دل انجیلیں آپس میں متبادل ہیں۔ قرآن کریم کے اس نسخے کا جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ کوئی اور متبادل نسخہ دنیا میں کہیں رائج نہیں ہے۔

سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اناجیل اربعہ کا درجہ عیسائیوں کے ہاں وہ نہیں جو اہل اسلام میں قرآن کریم کا ہے۔ ان کے ہاں یہ ہماری کتب حدیث کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرد گھومتی روایات کا مجموعہ ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ مسلمانوں کی کتب حدیث میں سندیں ساتھ ساتھ ہیں اور راویوں کے حالات بھی کتب اسماء الرجال میں آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقائع حیات جو ان انجیلوں میں مذکور ہیں۔ ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک متصل ہونے کی مسیحی علماء کے پاس کوئی سند موجود نہیں اور نہ وہ کسی سلسلہ سند پر یقین رکھتے ہیں اور یہی ان کے ہاں کتاب مقدس ہے۔

اناجیل کا تاریخی تعارف ہو چکا۔ اب آیئے ذرا ان کا تنقیدی مطالعہ کریں: تاریخ مذاہب میں سب سے اہم موضوع مبدء کل کائنات کا ہوتا ہے۔ کیا کل کائنات کا مبدء ایک ذات ہے یا کئی؟ دوسرے لفظوں میں یہ دیکھئے کہ عیسائیوں کے ہاں خدا کا تصور کیا ہے۔ وہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں یا ان کے ہاں تین مل کر ایک خدا بنتا ہے۔ ہم پہلے عیسائیوں کی زبان سے ان کا اعتقاد نقل کریں گے۔ پھر نئے عہد نامے سے کہ تحریف کی سینکڑوں منزلوں سے گزرنے کے باوجود اس میں کچھ ایسے پھول بھی ہیں جن سے سچائی کی خوشبو آتی ہے۔

خدا کے بارے میں عیسائیوں کا موقف

پادری فنڈر اپنی کتاب میزان الحق میں اپنے عقیدہ تثلیث کی یہ تفصیل کرتا ہے:۔

(۱) "باپ، بیٹا اور روح القدس ایک ہی خدا ہے"۔

یہ توحید فی التثلیث ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی ذات میں کامل خدا نہیں۔ تین مل کر ایک کامل خدا ہے ——— فنڈر پھر ان میں سے ہر ایک کو کسی جہت سے مستقل بالذات بھی مانتا ہے اور کہتا ہے:۔

(۲) "ان الٰہی اقانیم ثلثہ میں سے ہر ایک ایسے وصف کے ساتھ مختص ہے جو دوسروں میں منتقل نہیں ہو سکتا"۔

(۳) "ان اقانیم ثلثہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ اگر دوسروں میں سے بالکل علیحدہ کیا جائے وہ جو نا ممکن ہے تو وہ خود اکیلا ہی خدا ہو سکے"۔

اس پریشانی سے گزرنے کے بعد فنڈر پھر کہتا ہے:۔

(۴) "ہر ایک الٰہی اقنوم دوسرے دونوں کے ساتھ ازلی وابدی اور غیر ممکن الفرق اتحاد حاصل کرکے خدا ہے"۔ [1]

وہ خدا ہی کیا جو اتحاد حاصل کرکے خدا ہو۔ حاصل کرنا خود حدوث کی علامت ہے۔ ذات قدیم کیا اور راہ حصول کیا ——— پادری صاحب الفاظ میں ایسے کھوئے گئے ہیں کہ خود بھی انہیں پتہ نہ ہوگا کہاں گھوم رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جو نہ سمجھا سکتا ہے نہ سمجھا یا جا سکتا ہے۔ اپنی بات انہیں کہنی ہے اور وہ کہتے ہیں اور کہتے چلے جاتے ہیں۔

(۵) "ہر ایک الٰہی اقنوم کی ذات وعظمت وہی ہے جو دوسرے دونوں کی ہے"۔

وہ وصف خاص جو ایک میں ہے اور دوسروں میں نہیں۔ اس میں تو پھر کوئی عظمت نہ ہوئی کیونکہ اس کے بغیر دوسرے اقنوم کی بھی وہی عظمت ہے۔ بہرحال پادری موصوف لکھتے ہیں:۔

(۶) "کتب مقدسہ میں ایک اقدس اقنوم کا مرتبہ خالق اور باپ کے القاب سے ظاہر کیا گیا ہے۔ دوسرے کا کلمۃ اللہ وابن اللہ و منجی کے القاب سے اور تیسرے کا لقب مقدس کنندہ اور اطمینان بخشندہ ہے"۔

پھر ذات وصفات کی وحدت میں تینوں کو ایک کہتا ہے۔

(۷) "چونکہ اقدس والٰہی اقانیم ثلثہ ذات میں ایک ہیں۔ لہٰذا مرضی و ارادہ و قدرت و

---

[1] میزان الحق صـ ۲۲۸

ازلیت اور دیگر صفات میں بھی ایک ہیں"
اور آخر میں ہے:۔

(۸) "باپ اُلوہیت کا سرچشمہ ہے اور ان معنوں میں بیٹے سے بڑا ہے۔ اگرچہ ذات میں دونوں ایک ہی ہیں"

قارئین کے لئے لمحہ فکریہ

یہ بات تاریخ کے کسی طالب علم سے ڈھکی چھپی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں یہ لوگ ابن اللہ اور اقانیم ثلثہ میں سے ایک کہتے ہیں۔ اسرائیلی انبیاء کے سب سے آخر میں تشریف لائے اور دنیا آپ کی تشریف آوری پر (اور وہ بھی مدتوں بعد) آپ کے ابن اللہ ہونے سے متعارف ہوئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے انبیاء خدا کا کس طرح تعارف کراتے رہے۔ جن لوگوں نے نہ حضرت مسیح کو دیکھا اور نہ روح القدس کو اترتے پایا۔ وہ اپنے دور میں خدا کا کیا تعارف کراتے ہوں گے اور مخلوق کو خالق کا کیا تصور دلاتے ہوں گے۔

اگر اس نقطہ پر ایک لاکھ اور کئی ہزار نبی جمع ہوئے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا ایک اور ایک ہی خدا ہے تو اب سلسلہ نبوت کے آخر میں کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ لوگوں کو توحید کے کھلے اور ستھرے عقیدہ سے نکال کر تثلیث کے شکل گزار راستے سے باپ، بیٹے اور روح القدس کے ایک خدا ہونے کا پتہ دیا جائے۔ اس کی بجائے کیا یہی تعبیر بہتر نہ تھی کہ خدا البشری صفات میں اُترا۔ ہندو ایسے اتروں کو اوتار کہتے تھے۔ اور یہ لوگ (عیسائی) باپ کو سرچشمہ الوہیت مانتے ہوئے مسیح کو خداوند یسوع اور ابن اللہ پکارنے لگے۔ مسیحی علماء کو خود بھی اس تبدیلی عقیدہ کا احساس تھا۔ اسی لیے وہ تاریخ مذاہب میں نئے عہد نامے سے گھسے اور پچھلے انبیاء کے عہد سے وہ یکسر باہر نکل آئے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عقیدہ توحید ہی کی تعلیم دی اور آگے اسی کی اشاعت کرنے کا امر فرمایا۔

اب آیئے آپ کو بائبل سے بتائیں کہ وہ خدا کا تصور کیا پیش کرتی ہے۔ پھر آپ فیصلہ کریں کہ پادری سچ کہتے ہیں یا بائبل یہاں سچ کہہ رہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد انجیل یوحنا کے سترہویں باب، ورس سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے مانیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں توحید و رسالت کی دینی تعلیم ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ یہاں خدائے واحد کا لفظ یسوع مسیح کے بالمقابل ہے معلوم ہوا یسوع مسیح اس واحد میں شامل نہیں۔ یسوع مسیح کے لیئے یہ الفاظ ہیں جسے تو نے بھیجا ہے عربی میں اسے رسول کہتے ہیں رسول کے معنی ہیں، بھیجا ہوا۔ حضرت مسیح نے خدا کو واحد کہا اور اپنے آپ کو رسول کہا اور دونوں کو واؤ عطف سے علیحدہ علیحدہ کیا اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ واؤ اصلاً تغایر کے لیے ہوتی ہے۔

جس طرح کسی واقعہ کے دو گواہ ہوں تو ان میں تغایر حقیقی ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح اپنے آپ کو اور اللہ رب العزت کو علیحدہ علیحدہ قرار دیتے ہیں۔ آپ یہاں کی زندگی میں کبھی اپنے آپکو خدا سے مخلوط نہیں کرتے۔ ایک مقام پر یہودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اور تمہاری توریت میں لکھا ہے کہ دو آدمیوں کی گواہی مل کر سچی ہوتی ہے۔ ایک تو خود میں اپنی گواہی دیتا ہوں اور ایک باپ جس نے مجھے بھیجا ہے۔[1]

خدا کی خدائی میں شرکت تو در کنار آپ اپنے آپ کو اس درجہ عاجز قرار دیتے ہیں کہ کوئی بات میرے قبضہ قدرت میں نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے۔ کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں۔[2]

ان بیانات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں جس میں پہلے انبیاء علیہم السلام کھڑے ہیں۔ پرانے عہد نامے میں کہیں تثلیث کا ذکر نہیں نہ اس گورکھ دھندے کی طرف اشارہ ہے جو عیسائی پادریوں نے توحید فی التثلیث کے نام سے چلا کر اپنے عوام کو بُدھو بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھولے بھالے عوام کو ان کے پیچ سے محفوظ رکھے تثلیث کے عقیدہ کو اگر پرانے عہد نامے کی روشنی میں دیکھا جائے

---

[1] انجیل یوحنا باب ۸ ورس ۱۷-۱۸ [2] انجیل یوحنا باب ۵ ورس ۳۰

تو صاف کفر نظر آتا ہے گویا یہ بات کہ سب انبیاء ایک وحدۂ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور کہاں یہ کہ پادریوں نے خدا کی ذات میں دو برابر کے اقنوم کھڑے کر دیئے اور تینوں سے مل کر ایک خدا ہوا۔ یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا ان کے حواریوں نے نہیں گھڑا۔ یہ عقیدہ چوتھی صدی عیسوی میں مسیحی علم کلام میں داخل کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی معتبر کتاب قاموس الکتاب میں ہے :

> لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود ہی نہیں۔ اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی بار تیسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ Tertulian نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہیات میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔[1]

آگے جا کر یہ بھی لکھا ہے :

> اگر اس عقیدے کو معتقدین کی توحید پرستی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کفر نظر آتا ہے اور بہت سے یہودی یہ نظریہ رکھتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خالق خدا خود اپنی مخلوق بن گیا جو پہلی نظر میں ہی متضاد معلوم ہوتا ہے۔[2]

دین فطرت وہ ہے جسے ہر شخص وہ عالم ہو یا غیر عالم، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام برابر کی سطح پر سمجھ سکے۔ آگے معرفت کے اپنے اپنے مقامات اور درجات ہیں۔ پر ابتدائی داخلے میں اس دین کی آواز یکساں ہر ذہن میں اترتی ہے۔ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور باقی سب مخلوق ہیں اور اس کے حضور عاجز اور حاجت مند۔ خدا کی ذات اس کی صفات اور اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

عیسائیوں کی وہ تشریح جو وہ تثلیث کی کرتے ہیں، اگر اسے کسی درجہ میں سمجھا بھی جا سکے اور کسی تاویل سے اسے اپنے ہاں جگہ بھی دی جا سکے تو اس سے تو مسیحی علماء بھی انکار نہ کر سکیں گے کہ یہ بات ہر سطح کے آدمی کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ یہ انتہائی پیچیدہ منطق ہے جو پہلی نظر میں کسی درجہ میں قابل قبول نہیں رہتی۔ ایک اور تین میں کھلی مغایرت ہے۔ ایک ہے تو تین نہیں، تین ہیں تو ایک نہیں۔ اور اگر کسی تاویل سے ان میں تطبیق کی جائے تو یہ بات ہر سطح کے انسان آسانی سے سمجھ لے کہ اسے کسی طرح دین فطرت نہیں کہا جا سکتا اور نہ دنیا کے تمام انسانوں کو اس کا مکلف کیا جا

[1] قاموس الکتاب صہ ۲۳۳ [2] ایضاً صہ ۲۳۵

سکتا ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تثلیث اگر تمام بنی نوع انسان کے لیے یکساں قابل قبول ہوتا تو ان کے مذہبی پیشوا خود خدا نہیں اور اپنے عوام میں واسطہ بن کر نہ بیٹھ جاتے اور لوگوں کے گناہ معاف کرنے کا حکم خود ان کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔ عیسائیوں میں یہ Trinity اس لیے آئی کہ ان کا عقیدہ توحید تثلیث کی سیاہ پلیٹ میں انتہائی طور پر الجھا ہوا تھا۔ ان کے پادری انہیں کہتے تثلیث کو صرف ہم سمجھتے ہیں۔ تم ہمیں سمجھو کہ ہم تمہارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں ـــــ افسوس کہ پادریوں نے صرف اپنی اس خام سرداری کے لیے اپنے تمام ماننے والوں کو اللہ رب العزت کے نورِ توحید سے محروم کر رکھا ہے۔ حشر کے دن عیسائی عوام کا ہاتھ انہی پادریوں کی گردنوں پر ہوگا جنہوں نے اپنے بھولے بھالے عوام کو اسلام جیسے دین فطرت سے محروم کر رکھا ہے۔ پادری جے علی بخش انجیل مرقس کی تفسیر میں صاف اقرار کرتا ہے:۔

> یسوع کی شخصیت میں الٰہی جوڑ اور انسانی کمزوری دونوں باہم وابستہ ہیں ـــــ ہم اس راز کو حل نہیں کر سکتے لیکن ہمیں اس خیال سے تسلی مل سکتی ہے کہ یہ ہمارا نجات دہندہ ہے [1]

جناب علی بخش صاحب یہی بات تو زیر بحث ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ یسوع ہمارا نجات دہندہ ہے۔ یہ بات کہیں حضرت مسیح سے ثابت بھی ہے یا نہیں۔ جو بات خود محتاج ثبوت ہو وہ اور کسی بات کا ذریعہ ثبوت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ آپ کا محض ایک خیال ہے کوئی عقیدہ نہیں جو آسمانی کتابوں سے ثابت ہو اور اگر بائبل میں آپ کو کہیں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو یہ وہم ڈالتے ہوں تو کتاب مقدس کی واضح آیات توحید کی روشنی میں ان متشابہات سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔

پادری علی بخش پہلے حضرت علیؓ کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے اسی بنا پر آپ کے والد نے آپ کا نام علی بخش رکھا۔ یہ اپنی تمام مشکلات میں حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے، یا علی مشکل کشا کی منادی کرتے اور جب بپتسمہ لیا تو اپنا وہی عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وابستہ کر لیا اور اب آپ انہیں نجات دہندہ سمجھنے لگے ہیں۔

---

[1] تفسیر مرقس صد ۲۳۲

حضرت مسیح اگر آپ کے نجات دہندہ ہوتے تو آپ کو اپنی حاجات خدا سے مانگنے کی تلقین نہ کرتے اور یہ نہ کہتے میں اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ انجیل متی میں حضرت مسیح کے اس ارشاد پر غور کرو اگر یہ بات آپ کے دل میں اُترے تو آؤ حضرت خاتم النبیین کے حلقے میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ حضرت مسیح کی یہ ہدایت آج اگر کہیں موجود ہے تو وہ صرف مسلمانوں کے پاس ہے جن کے ہاں ایاک نعبد وایاک نستعین کہے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا وہ حکم یہ ہے۔

جب تو دُعا مانگے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دُعا مانگ ——— اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب، ہماری سُنی جائے گی۔ پس ان کی مانند نہ بنو۔ کیونکہ تمہارا باپ، تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو۔ پس تم اس طرح دُعا مانگا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔[۱]

حضرت مسیح کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ:۔

(۱) مشکل کشائی اور حاجت روائی ان کے ہاتھ میں نہ تھی وہ لوگوں کو اللہ رب العزت، کے آگے جھکانے اور وہی سے مانگنے کی تعلیم دیتے تھے۔

(۲) اللہ رب العزت کو جس طرح وہ اپنا باپ کہتے تھے آپ اسے سب بنی نوع انسان کا باپ بھی مانتے تھے تو لفظ باپ کہنے سے کوئی خدا کا بیٹا نہیں ہو جاتا۔

(۳) جس سے دُعا کی جا رہی ہے اسے آسمانوں میں مانا گیا ہے نہ کہ وہ جو گلیل کی آبادیوں میں خدا کے نام کی آواز دیتا تھا۔

(۴) خدانے رب العزت، کے بارے میں کہا وہ پوشیدگی میں ہے تمہاری آنکھیں اسے اس زمین پر نہیں پا سکتیں لیکن وہ تمہیں دیکھتا ہے۔

(۵) مانگنا تیرا کام ہے بدلہ اس کے ہاتھ میں ہے وہ تیری اس دعا کو قبول کرے گا۔

---

[۱] انجیل متی باب ۶، آیات ۶ سے ۹ تک

حضرت مسیح کی اس تعلیم کے بعد ان کی اپنی حیثیت ایک نبی اور رسول کے سوا کچھ نہیں رہتی. وہ خدا کے ساتھ کسی بات میں بھی شریک نہیں ٹھہرائے جا سکتے.

حضرت مسیح نے ایک دفعہ ایک سامری عورت کو ایک غیب کی بات بتائی جو بالکل صحیح تھی. اس عورت نے آپ کو کہا:۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے۔[1]

آپ نے اس عورت کی تردید نہ فرمائی۔ یہ نہ کہا کہ میں تو خدا ہوں نبی نہیں —— آپ کی خاموشی ایک سند ہے. آپ اپنے کو خدا کا بھیجا ہوا (رسول) کہتے تھے. بھیجنے والا خدا ہے جسے منوانے کے لیے اور اس کی معرفت دلانے کے لیے دنیا میں رسول آتے ہیں۔

ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔[2]

خدا کے علم میں کوئی اس کا شریک نہیں

علم خدا کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ہے. حضرت مسیح اگر خدا کے ساتھ شریک فی الذات ہوتے تو ان سے ہونے والے واقعات کا کوئی پہلو پردے میں نہ ہوتا —— قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں. انجیل متی میں ہے۔

اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا. نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ۔[3]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کے لیے اگر کہیں بیٹے کا لفظ ملے تو وہ صرف پیار کے لہجے پر محمول کیا جائے. خدا کی ذات میں اس کا کوئی شریک نہیں. اگر آپ (حضرت عیسیٰ بن مریم) اللہ رب العزت کے ساتھ شریک فی الذات ہوتے تو اپنے سے نیک ہونے کی نفی نہ کرتے اور اس عنوان سے وہ خدا وحدہٗ لاشریک کی توحید کا کبھی اعلان نہ کرتے۔

یسوع نے اس سے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔[4]

۱۔ انجیل یوحنا باب ۴ ورس ۱۹ ۲۔ ایضاً باب ۱۷ ورس ۳ ۳۔ انجیل متی باب ۲۴ ورس ۱۰ ۴۔ انجیل مرقس باب ۱۰ ورس ۱۸

پھر انجیل کی رو سے حضرت مسیح کا سولی چڑھ کر خدائے رب العزت سے یہ گذارش کرنا ان کے بندہ اور رسول ہونے کی خبر دیتا ہے یا ان کے خدا کے ساتھ شریک فی الذات ہونے کی؟۔ ہم اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں:۔

ایلی ایلی لما سبقتنی اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا[1]

پیغمبر خدا نہیں ہوتے جب ان سے ایسے کام ظاہر ہوں جن سے دوسرے انسان عاجز ہوں تو ان کے ان کاموں کو معجزہ کہتے ہیں۔ معجزہ کسی پیغمبر کی اپنی طاقت نہیں ہوتا۔ اس کے خدا کی طرف سے ہونے کا ایک نشان ہوتا ہے اس میں حقیقت میں خدا کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت مسیح سے اگر کچھ معجزات ظاہر ہوئے تو آپ یقیناً ایک انسان تھے اور اللہ کے نبی — اور ان معجزات کو دکھانے والا خدائے رب العزت تھا۔ نئے عہد نامے میں پطرس کی یہ تقریر حضرت مسیح علیہ السلام کے ایسے افعال کو معجزات ٹھہراتی ہے:۔

اے اسرائیلو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے ان کی معرفت میں دکھائے[2]

عیسائیت کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور رسالت سے متعلق یہ مباحث کافی ہیں۔

عیسائی پادریوں کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے متشابہ الفاظ سے عقائد میں تمسک کرنا نہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ عقائد کی اساس محکمات پر ہوتی ہے متشابہات پر نہیں۔ علماء اسلام نے ان کلمات کے استعمال اور ان کے معنی مراد پر پوری تفصیل سے بحث کی ہے۔ ہم توحید و تثلیث کی بحث کو یہاں ختم کرتے ہیں۔ ان کا دوسرا اہم مسئلہ حضرت عیسیٰ کے مسیا (مسیحا) ہونے کا ہے۔

اب ہم اس پر مختصر گفتگو کریں گے۔ کہ Messiah اس برات کا دولہا اور صف انبیاء کا امام ہے اس کا معنی ہے۔ The anointed one,

---

[1] انجیل متی باب ۲۷ ورس ۴۶ [2] رسولوں کے اعمال باب ۲ ورس ۲۲

تمام انبیاء کا دُولہا اور صفِ انبیاء کا امام

عیسائیوں کے ہاں حضرت مسیح کے بارے میں ایک یہ تصور بھی پایا جاتا ہے کہ آپ دوسرے انبیاء سے فوقانی ہیں۔ بایں طور کہ آپ سے کوئی گناہ صادر نہیں اور دوسرے انبیاء سے گناہوں کا صُدور ہوا گو وہ خطیات اور زلات (لغزشوں) کے درجوں میں ہوں اور گو وہ نبوت ملنے سے پہلے کے ہوں (جیسے کہ آدم علیہ السلام کا شجرِ ممنوع چکھنا) سو نبیوں سے اوپر اور باپ (خدا) کے نیچے ایک اور منصب چاہیے جو تمام انبیاء کا دولہا اور صفِ انبیاء کا امام ہو۔ مسایا Messiah بات کے اس دولہے کو کہتے ہیں جس کے سر پر تیل ڈالا جائے اور یسوع مسیح بے شک تمام انبیاء کا دولہا اور صفِ انبیاء کا امام ہے۔ عیسائی اس اختصاص سے بھی آپ کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے ہیں۔

ہم مسلمان اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ نمبروں میں کوئی تمام انبیاء کا دولہا اور صفِ انبیاء کا امام ہو۔ خدا کا یہاں افضل کسی پر ہو اور عالم ارواح میں تمام انبیاء سے اس کی روحانی قیادت کا میثاق لیا گیا ہو۔ لیکن ہم یہ عہدہ حضرت خاتم النبیین کا سمجھتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں۔ آپ حضرت خاتم النبیین کے مبشر تھے اور آپ اپنے ظہورِ ثانی میں آپ کے مصدق بھی ہوں گے۔

رہا عیسائیوں کا یہ دعوےٰ کہ حضرت عیسیٰ دوسرے انبیاء سے فوقانی ہیں اور آپ سے کبھی پیدائشی طور سے گناہ نہیں ہوا۔ بائبل کی روشنی میں اسے تسلیم کرنا خاصا مشکل ہے۔ گو ہم اہل اسلام تمام انبیاء کرام کو بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معصوم جانتے اور مانتے ہیں۔

انجیل مرقس میں ہے کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نیک کہا۔ آپ نے اس سے روکا یہ اس کے ایسا کہنے کی تردید کی تھی:۔

> اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جارہا تھا تو ایک شخص اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھا اے نیک استاد! میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ یسوع نے اس سے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔[1]

---

[1] انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷-۱۸

عیسائی ایک خدا کے سوا کسی کو خدا سے بالا نہیں مانتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو عورت سے پیدا ہوا وہ پاک اور مبرا نہیں ٹھہر سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گو بن باپ پیدا ہوئے۔ لیکن اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ایک عورت نے آپ کو جنم دیا۔ پرانے عہد نامے کی کتاب ایوب میں ہے:۔

پس خدا کے حضور کیوں کر صادق سمجھا جائے اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیونکر پاک ٹھہرے [1]

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ اس اصول کی روشنی میں گناہ سے کس طرح پاک اور مبرا ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

پال جس نے عیسائیت کو اصل دینِ مسیح سے نکال کر موجودہ شکل دی ہے وہ اس بابت میں کیا کہتا ہے؟ اسے نئے عہد نامے میں اس کے اس خط میں پڑھیں جو اس نے رومیوں کے نام لکھا:۔

جو کام شریعت جسم کے سبب کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خدا نے کیا یعنی اس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلود جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کے لیے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا۔ تاکہ شریعت کا تقاضا ہم میں پورا ہو [2]

یہاں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کو گناہ آلود جسم کہا گیا ہے۔ وہ جسم کن کن گناہوں میں آلودہ ہوا۔ پال نے ان کی نشاندہی نہیں کی۔ لیکن اس کی عبارت بتلا رہی ہے کہ انسانی جسم میں ہونا ہی ایک گناہ کا اقرار ہے۔ اب کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں انسانی جسم میں نہ ظاہر ہوئے؟ اور جب عیسائی کہتے ہیں ابن آدم پیدائشی طور پر گنہگار ہے تو کیا حضرت عیسیٰ اس صف سے باہر رہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ جس تصور سے حضرت مسیح کو تمام انبیاء کا دولہا اور صفِ انبیاء کا امام بنا رہے تھے۔ وہ تصور اب بکھر ختم ہو جاتا ہے پھر آپ کو نجات دہندہ Saviour کہنا کس طرح درست ہو سکے گا۔ یہ آپ خود سوچیں۔

بقول مسیحی حضرات جو خود پیدائشی طور پر گناہگار ہو وہ دوسرے گناہگاروں کو نجات کیسے لے کر دے سکے گا۔

یہاں تک ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کے ساتھ شریک فی الذات نہ ہونے کی بحث کر رہے

---

[1] کتاب ایوب باب ۲۵، ۴ [2] رومیوں کے نام باب ۸، ورس ۳-۴

تھے۔ جب آپ لائقِ عبادت نہ رہے تو تثلیث کا تصور بکھر جاتا رہا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا ایک ہی خدا ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی اس کا شریک نہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ نجات

تثلیث Trinity کے بعد عیسائیوں کا دوسرا امتیازی عقیدہ ایک عجیب و غریب راہ نجات ہے ہم اہلِ اسلام اسی عقیدۂ نجات پر ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے تمام انبیاء دعوت دیتے رہے اور اس باب میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلٰوۃ والسلام کوئی نئے نبی نہ تھے آپ انہی کی راہ پر چلے جو پہلے اس راہ نجات کے علمبردار رہے اور وہ راہ نجات توبہ و استغفار تھی۔ ابن آدم سے جو تقصیر بھی صادر ہو جس کا اسے حق نہیں تو اس سے پیچھے ہٹنا اس کی توبہ ہے اور پچھلے کئے کی پردہ پوشی ہو یہ اس کا استغفار ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہو کر مصلوب ہوئے اور آپ اپنے خون سے اپنے پر ایمان لانے والوں کے گناہ دھو گئے۔ نجات کا یہ نیا عہد ہے جو ان کے ہاں باندھا گیا اسے یہ عقیدہ کفارہ کا نام دیتے ہیں۔

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے شجر ممنوعہ پر جانے کا گناہ سرزد ہوا اور وہ ان کی تمام اولاد پر آیا۔ ان کے ہاں گناہ کی مزدوری موت ہے۔ سو یہ گناہ اولاد آدم سے بدوں موت کے اُتر ہی نہ سکتا تھا۔ خدا جو اپنی مخلوق کے لیے بڑا پیار ہے وہ اپنے بندوں پر مہربان ہوا اور اس نے ان سے موت کی سزا اٹھانے کے لیے اپنے بیٹے کو اس سزا کے لیے بھیج دیا جس نے دوسروں کی خاطر دکھ سہے اور وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ یہ وہ راہ نجات ہے جس کے گرد مسیحی علم کلام کی چکی بڑی تیزی سے گھوم رہی ہے۔

سو مسیحی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے تصور سے ایک نئی راہ نجات سے آشنا ہوئی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے پہلی امتوں کا عقیدہ نجات وہ تھا جس کی ان کے پیغمبروں نے انہیں تعلیم دی تھی۔ وہ راہ توبہ و استغفار اور خدا کے فضل عام کا اعتقاد تھا۔

عقیدہ شفاعت اور عقیدہ کفّارہ

عیسائی پادری مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے مسلمانوں کے عقیدہ شفاعت اور اپنے عقیدہ کفارہ کو ایک دوسرے کے بہت قریب بتلاتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو دونوں میں بہت فرق ہے عقیدہ کفارہ کو عقیدہ شفاعت پر کسی طرح قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) — عقیدہ شفاعت میں گناہگار سے گناہ اترتے ہیں لیکن وہ کسی اور پر لادے نہیں جاسکتے اور ان کے بدلے کسی کو سزا نہیں ملتی عقیدہ کفارہ میں گناہگاروں کے گناہ ان سے اترتے ہیں مگر وہ کسی دوسرے پر لادے جاتے ہیں اور وہ ان کی سزا پاتا ہے۔

(۲) — گناہگاروں سے گناہوں کا اُترنا خدا کا فضل و کرم ہے مگر ان کا کسی دوسرے بے گناہ پر لادنا ظلم ہے جس کا خدا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) — گناہ ایک نجاست ہے اور اس کا اترنا طہارت ہے طہارت نجاست کے بعد ہوتی ہے گناہ کا وجود و صدور اسی حد تک ہے جب تک یہ دُنیا قائم ہے قیامت کے بعد دار العمل نہیں دار الجزاء ہے عمل کمانے کی دُنیا اس وقت ختم ہو چکی ہوگی۔ مسلمانوں کا عقیدہ شفاعت اس وقت حضرت خاتم النبیین کی سفارش ہے جب لوگ گناہ کر چکے ہوں گے عقیدہ کفارہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے ان عیسائیوں کے گناہ بھی اُترتے ہیں جو اس واقعہ صلیب کے بعد پیدا ہوئے، یہ طہارت قبل نجاست یا نجاست بعد الطہارت کا تصور بالکل غیر فطری ہے اور عقیدہ شفاعت میں ہرگز یہ مغلطہ نہیں۔

(۴) — شفاعت بھی سب کے لیے نہیں، انہی کے لیے ہوگی جن کے لیے اذنِ الٰہی ہوگا۔ سو اس ڈر سے مسلمانوں میں جذبہ عمل سرد نہیں پڑتا، عقیدہ کفارہ کے ساتھ ہم ایسی کوئی شرط نہیں دیکھتے جس سے انسان اچھے عملوں کی طرف راغب ہو اور بُرے عملوں کو اپنے لیے آفت سمجھے۔

(۵) — شفاعت، وہی کر سکے گا جس کو خدا کی طرف سے پہلے سے کہہ دیا گیا ہو کہ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ (گو وہ صرف خلاف اولیٰ اعمال ہوں یا تصوری زلات) معاف کیے جاچکے کیونکہ جو خود پاک نہ ہو چکا ہو وہ دوسروں کو کیسے پاک کرے گا اور عقیدہ کفارہ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام سُولی پا کر بھی خدا تعالیٰ پر شکوہ کر رہے ہیں کہ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا — کیا یہ کہنا خلاف اولیٰ نہیں؟ —

عیسائیوں کو چاہیئے کہ وہ عقیدہ کفارہ ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خلاف، اولیٰ سے پاک اور مبرّا ٹھہرائیں۔

اسلام میں عقیدہ کفارہ اور قربانی

اسلام میں انسان پیدائشی طور پر گناہگار نہیں جو کہ وہ بھرے کسی کے گناہ کسی پر لادے نہیں جاتے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لا تزر وازرة وزر اخرىٰ۔ (پ ۱۵: اسرائیل ع)

من یعمل مثقال ذرة شرا یره۔ (پ ۳۰: الزلزال)

کتاب مقدس میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔

حضرت حزقیل نے اپنے مخاطبین کو اس بات سے سختی سے روکا کہ باپ دادا کے گناہ اولاد پر نہیں لائے جاتے۔ اس میں آپ یہ بات سمجھا گئے کہ آئندہ اگر کوئی کہے کہ حضرت آدم کا گناہ ان کی تمام اولاد پر آیا تو بات پچھلے تمام انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہوگی۔ کسی کے گناہ کی مزدوری کوئی اور نہ دے گا۔

اور خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا کہ تم اسرائیل کے ملک کے حق میں یہ مثل کیوں کہتے ہو کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے ..... وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو وہی مرے گی۔[۱]

ہاں اس میں شک نہیں کہ انسان کے اپنے نیک اعمال بعض اوقات اس کے بُرے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ ان نیک اعمال سے ان کے بُرے اعمال ختم ہوتے ہیں نہ کہ اس پہ پھر کسی صورت میں عود کرتے ہیں اور نہ وہ کسی بے گناہ پہ پڑتے ہیں۔

ایک شخص نے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ توڑا۔ اس کا اسے کفارہ دینا پڑے گا۔ ایک شخص نے اپنی قسم توڑی اسے اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کفارہ میں اور عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے —— رہا مسئلہ قربانی کا تو اس میں بھی اسلام کی فکر عیسائیوں کی فکر سے بالکل مختلف ہے

---

[۱] حزقیل باب ۱۸ ورسز ۱، ۲ اور ۴

اسلام میں قربانی کی حقیقت

ہر مذہب اور دین خدا کے قرب کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ مذہب کا تصور ہی ذاتِ واجب کے اقرار اور اس کی رضا حاصل کرنے کی پیاس کا نام ہے۔ انسان ذاتِ واجب کا قرب، حاصل کرنے کے لیے جو محنت لگائے وہ اس کی قربانی ہے جس کا مطلوب اس ذاتِ واجب کو پالینا ہے قربانی اس کے قرب میں لے جانے والے اعمال کو ہی کہتے ہیں۔

اللہ ربِ العزت نے قرآن کریم میں فرمایا سجدہ کرتا جا اور میرے قرب میں بڑھتا جا۔ (پ ۳۰، سورۃ العلق) سو اقتراب کی راہ اس کی عبادت بجالانا، اپنی عاجزی اور بندگی کا اقرار کرنا اور اپنی راحت کو اس پر لُٹا دینے کا قصد ہے جس سے خوش قسمت لوگ ہی گزرتے ہیں۔

جس طرح عبادات بدنی ہیں اور مالی بھی ہیں۔ انسان خدا کی راہ میں اپنا بدن بھی لگائے اور مال بھی ——— قربانی بدنی بھی ہے اور مالی بھی ——— بدن پر اللہ کی راہ میں ریاضت ڈالو یا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو ہر دو عمل قربانی ہیں اور حقیقت میں مذہب اس اقتراب کا نام ہے سجدے اور رکوع، روزے اور طواف سب اسی تلاشِ قرب کی کڑیاں ہیں۔

قربانی کی حقیقت

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ قربانی کی حقیقت، ذاتِ واجب کی رضا جوئی میں اپنے اوپر مشقت ڈالنا ہے۔ اللہ رب العزت نے کارخانۂ کائنات کو یہ تکریم بخشی ہے کہ ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو رہا ہے لہلہاتے کھیت اور پھلوں سے لدے درخت اگر انسان کے کام آجائیں تو یہ اپنا مقصدِ وجود پورا کر گئے اور کھڑے کھڑے خشک ہو جائیں تو یہ ضیاع ہے۔ مال کا ضائع ہونا کسی کو پسند نہیں

بھیڑیں اور بکریاں انسان کے کام آجائیں تو یہ اپنا مقصدِ وجود پورا کر گئیں اور لاوارث چلتی پھریں تو خود انسان کے لیے ایک مصیبت اور اپنے آپ کے لیے بھی ایک بوجھ بن جائیں۔ سو حیوانات

اس لیے ہیں کہ اپنے سے برتر ذات (انسان) کے کام آئیں۔ جمادات، نباتات، اور حیوانات سب، انسان کے کام کے لیے ہیں اور انسان کے لائق بھی ہے کہ ہمہ تن بندہ ہو کر خدا کے کام آئے اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اسے جان دینی پڑے دے مال دینا پڑے تو مال دے۔

قربانی کی بُنیاد

قربانی کی بنیاد دو چیزیں ہیں:۔

① —— قربانی دینے والے کی اپنی نیت، کہ میرے اس عمل کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور مجھے اپنا قرب بخشے۔

② —— ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو کر ہر ادنیٰ ہے ہی اس لیے کہ اپنے اعلیٰ کے کام آجائے۔ یہاں سجدہ ریزیاں اقتراب کی منزل پانے کے لیے ہیں۔ سو سجدہ میں کہا جاتا ہے سبحان ربی الاعلیٰ۔ بندہ یہاں ذاتِ اعلیٰ پر اپنے آپ کو فدا کر رہا ہے۔ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو رہا ہے۔

کبھی یہ قربانی مالی قربانی کی شکل بھی اختیار کر جاتی ہے۔ انسان اپنا مال زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں ہو یا ہدایا اور عطیات کی صورت میں ذاتِ واجب پر لٹاتا ہے اور کبھی اس مال سے مالی اور جانی دونوں قربانیاں اللہ کے حضور گزرانی جاتی ہیں۔ مال سے جانور خریدو اور پھر اسے اس نیت سے خدا کے نام پر ذبح کرو "اے اللہ! اسے میری جان کا فدیہ بنا اور اسے قبول فرما۔"

اس جانور نے ویسے بھی تو ذبح ہونا تھا۔ اب اس بندے کی جان کا فدیہ ہو کر ذبح ہو گیا! یہ اس بندے کی جان کا فدیہ تبھی ہو گا کہ بندہ اپنے آپ کو خدا کے حضور سر مٹنے کے مقام پر لے آئے۔ کہ "اے اللہ! میں تیرے حضور ذبح ہونے کے لیے تیار ہوں۔ یہ تیری عنایت ہے کہ اب اس انسانی جان کی بجائے تو اس جانور کا ذبح ہونا قبول فرمالے۔ سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی جان کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ اس اصل کی بجائے اس کا بدل قبول فرمالیا —— انسان کے اس ارادے اور نیت سے جانور کی قربانی نہ صرف ایک مالی عبادت بنی بلکہ جانی عبادت کی بھی صورت اختیار کر گئی اور قربانی دینے والے کی اپنی جان کا بھی فدیہ ہو گئی۔

اسلام میں جہاد کے موقع پر انسانی جانیں اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی جانیں

فدیہ کے طور پر یہ نیت کر کے اگر جہاد میں اپنی جان دینی پڑے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ نہایت ہی نیاز مندی سے اللہ کے حضور گزرانے جاتے ہیں اور یہ سب اعمال قربانی کہلاتے ہیں۔ اس قربانی سے انسان کے اپنے گناہ جھڑتے ہیں اور یہ اراقۃ دم سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں ــــــ یہ اس طرح نہیں کہ اپنے گناہ اس جانور پر لاد دیئے گئے (اس نے تو ویسے بھی ذبح ہونا تھا) بلکہ اس مالی قربانی اور اپنی جانی قربانی کے قصد سے اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے اور یہ قربانی اس طرح اس کے گناہوں کا کفارہ بنی۔ یہ نہیں کہ جانور کا خون یونہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ

قربانی کا مسیحی تصور مسلمانوں کے قربانی کے تصور سے بالکل جدا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بنے۔ اس میں ان کے ہاں (ان عیسائیوں کی) اپنی نیت کا کوئی دخل نہیں۔ حضرت مسیح کی قربانی ان گناہگاروں نے پیش نہیں کی نہ حضرت مسیح نے (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح) خود اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ حضرت مسیح کو سولی چڑھنا پڑا۔ جب اس میں ان کی امت کے اپنے ارادہ اور نیت کا کوئی دخل نہیں تو یہ خونِ ناحق ان کے گناہوں کا کفارہ کیسے بن گیا؟ قربانی کسی کی ہوئی اور گناہ کسی کے جھڑ رہے ہیں معلوم نہیں یہ کون سی قسم کفارہ ہے اور اس میں کون سا فلسفۂ زندگی ہے۔

ثانیاً قربانی کی بنیاد یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو ــــــ یہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر قربان مانا جا رہا ہے۔ خداوند یسوع مسیح اپنے بندوں پہ قربان ہو کر سولی چڑھ رہا ہے یا پیغمبر خدا حضرت عیسیٰ بن مریم خود اپنے امتیوں پہ قربان ہو رہے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ قربانی اعلیٰ کی ادنیٰ کے لیے ہے ادنیٰ کی اعلیٰ کے لیے نہیں ہے اور یہ بات قربانی کے اصول کے خلاف ہے۔

اسلام میں جانور کی قربانی اس لیے انسان کے گناہوں کا کفارہ بنی تھی کہ ان انسانوں نے بعزمِ جہاد جانور کو بطورِ بدل ذبح ہونے کے لیے پیش کیا (اصل قربانی ان کی اپنی جان کی ہی تھی) مگر عیسائیوں میں تو جہاد نہیں۔ ان کے ہاں کوئی جانی قربانی کیسے دوسروں کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتی ہے۔

کتابِ مقدس میں صرف مالی قربانی انسان کے گناہوں کا فدیہ قرار دی گئی ہے اور نئے عہد نامے نے اس اصول کو منسوخ نہیں کیا۔ امثالِ سلیمان میں ہے:۔

آدمی کی جان کا فدیہ اس کا مال اور اسباب ہے۔ ورس ۸ دانشمند کا قانون حیات کا چشمہ ہے تاکہ وہ موت کے پھندوں سے چھٹکارا پائے۔ ورس ۱۴[۱]

عیسائیوں کا ایک سوال

گناہوں کی معافی کے لیے نیت اس وقت درکار ہے جب گناہ اپنے ہوں۔ یہاں ابن آدم حضرت آدم کے شجر ممنوعہ پر جانے کے باعث پیدائشی طور پر گناہگار ٹھہرا۔ سو حضرت مسیح کا سولی چڑھنا اس پیدائشی گناہ کو دھونے کے لیے ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے سولی چڑھ کر اس گناہ کو دھویا ہے؟

جواب

عیسائیوں کے نزدیک اس پیدائشی گناہ کی سزا عورت کو یہ دی گئی تھی کہ وہ بچے کی پیدائش کے وقت ایک تکلیف کے گزرے ــــــ تو اگر حضرت مسیح سولی چڑھ کر اس گناہ کو دھو گئے تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ اب عورتیں دردِ زہ سے بچہ نہ جنیں خصوصاً وہ عورتیں جو عیسائی ہیں اور حضرت مسیح کے سولی کے کفارہ پر ایمان رکھتی ہیں۔ وہ کیوں اب تک اسی تکلیف سے دوچار ہوتی ہیں۔ تورات کی کتاب پیدائش میں ہے جنت کے اس گناہ کے باعث عورت کو یہ سزا دی گئی:۔

میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی[۲]

اور مرد کو یہ سزا ملی:۔

تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک زمین میں پھر نہ جائے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے[۳]

---

[۱] امثال باب ۱۳ [۲] ایضاً باب ۳ ورس ۱۶ [۳] ایضاً ورس ۱۹

اب کیا عیسائی مرد اپنے پسینے کی محنت سے روٹی نہیں کماتے؟ اگر یہ محنت سے روزی کمانا اس گناہ کی سزا تھی تو یہ عمل باوجود مسیح کے سولی چڑھنے کی اب تک کیوں باقی ہے؟

حضرت مسیح کی قربانی کا آغاز

عیسائیوں کے ہاں حضرت مسیح نے قربانی کا آغاز اپنے آخری کھانے عشاء ربانی Last Supper سے کیا۔ اس آخری کھانے کا ذکر تینوں ہمخیال انجیلوں میں ملتا ہے۔ اُن کے ہاں قربانی Eucharist اس سے شروع ہوئی کہ روٹی مسیح کا گوشت اور شراب مسیح کا خون قرار دیئے گئے اور سب حواریوں نے قربانی کا (حضرت مسیح کا) گوشت کھایا اور حضرت مسیح کا خون لکھا۔ متی لکھتا ہے:۔

اور جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا۔ وہ بہت ہی دلگیر ہوئے .... جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت چاہ کر توڑی اور شاگردوں کو دیکھ کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور انہیں دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پی لو۔ کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہ کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا۔ اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں۔ پھر وہ گیت گا کر باہر زیتون کے پہاڑ پر گئے۔[1]

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری کھانا تھا یہ عید فسح کا دن تھا جو یہودی تہوار تھا یعنی یہودی روایات کو ساتھ رکھ کر آگے چلتا ہے۔ یہ آخری کھانا عیسائیوں کے ہاں ان کا نظام عبادت ہے۔ سو عیسائی اعتقاد کے مطابق عمل کفارہ حضرت مسیح کے سولی چڑھنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا مشہور انگریز مصنف اے ٹرائی کاٹ، A Tricot نے نئے عہد نامے کی ایک مختصر ڈکشنری لکھی

---

[1] انجیل متی باب ۲۶، ورس ۲۰ - ۳۰

ہے۔ اس میں وہ عیسائی اصطلاحات کا مذہبی مفہوم لکھتا ہے اس میں وہ Eucharist کے تحت لکھتا ہے:۔

"آخری کھانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا اس کے دوران آپ نے قربانی Eucharist کا آغاز کیا"

عیسائی عقیدہ میں اس قربانی کی تکمیل حضرت مسیح کے سولی پر جان دینے سے ہوئی جب وہ باپ سے کہہ رہے تھے میرے خدا میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

عیسائی اب اسی یاد میں گرجا میں ڈبل روٹی کاٹتے ہیں۔ اسے زندگی کی روٹی کہا جاتا ہے روٹی کے ساتھ یہ پانی پیتے ہیں جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں جو شخص حضرت عیسیٰ کا گوشت کھائے اور ان کا خون پیئے حقیقتِ عیسوی اس کے اندر اتر جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کی زندگی پالیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے یا شاعری؟ اس وقت کتنے عیسائی ہوں گے جن کے اندر حقیقتِ عیسوی اُتری ہوئی ہے اور ان کے گرد و پیش کے عیسائی لوگ انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا مظہر سمجھتے ہیں۔ عام عیسائیوں کو جانے دیجئے خود ان کے Priests پادریوں اور Nuns درویش خواتین کو ہی دیکھئے ان میں کتنے ایسے انسان ملیں گے جو ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہوں۔

اسلام صرف ان کو ہمیشہ کی زندگی پائے ہوئے کہتا ہے جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ اور ان کی زندگی کا بھی ہمیں یہاں شعور حاصل نہیں ہوتا۔

سوا س پہلو سے عیسائیوں کا یہ عشائے ربانی کا عمل ایک ڈرامہ دکھائی دیتا ہے نہ کہیں حضرت مسیح کا گوشت اور خون ان کے پاس ہوتا ہے اور نہ وہ ان کے اندر اتر رہا ہوتا ہے۔ اور نہ اس روٹی اور پانی کے ان کے اندر جانے سے ان کے دل کی دنیا بدلتی ہے، وہ سوسائٹی میں اسی طرح کے عام انسان ہوتے ہیں جنہیں ہم اپنے اردگرد عام چلتا پھرتا دیکھتے ہیں

عیسائیوں کا طریقِ عبادت

دورِ اوّل میں عیسائی اپنے آپ کو یہودیوں سے الگ نہ کرتے تھے۔ ان کا محدث متی پرانے عہدنامے سے وابستگی رکھتے ہوئے اپنی انجیل میں لکھتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یہودی ہیکلوں میں جاکر انہی کی طرح عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح تورات کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں اس کی تکمیل کے لیے آتے تھے۔

علمائے یہود نے انہیں ملحد قرار دیا اور اپنے عبادت خانوں میں ان کے داخلے پر پابندی لگادی اور پھر یہ دور تاریکی میں چلا گیا۔ سو نہیں کہا جاسکتا کہ پھر عیسائیوں نے اپنے علیحدہ عبادت خانے کب بنائے اور صلیب کب عبادت خانوں میں لٹکائی گئی۔ یہ تاریخ کا موضوع ہے دین کا نہیں اسے ہم یہیں چھوڑتے ہیں۔

اس وقت ان کا طریقِ عبادت یہ ہے:۔

(۱) پادری کے آنے پر عبادت ایک گیت سے شروع ہوتی ہے جسے یہ سام Psalm کہتے ہیں۔

(۲) اس کے بعد انجیل سے کچھ منتخب حصے پڑھے جاتے ہیں۔

(۳) اس تلاوت کے دوران وقفے وقفے سے کچھ اور نظمیں پڑھی جاتی ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کا بیان ہوتا ہے۔ Hymns and Psalms

(۴) تلاوت کے بعد عقیدے کا بیان ہوتا ہے اور اس میں کبھی وعظ بھی کہا جاتا ہے۔

(۵) پھر حاضرین کی طرف سے کلیسا کو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۶) اس کے بعد عشاء ربانی کی باری آتی ہے۔ Last Supper

ایک خاص قسم کی میز پر جسے قربان گاہ کہتے ہیں ایک صاف ستھرا کپڑا بچھا دیا جاتا ہے اور اس پر پاک روٹی اور شراب رکھ دی جاتی ہے۔ روٹی پر ایک مہر لگاتے ہیں اور شراب میں کچھ پانی ملا دیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ دعائیں ہوتی ہیں۔ پھر بڑی ختم کی دعا Lords Prayer پڑھی جاتی ہے اور وہ مبارک روٹی کاٹتے ہیں۔ اس روٹی کا ایک ٹکڑا شراب کے برتن میں ڈالا جاتا ہے پھر

وہ عبادت ہوتی ہے جسے یہ خدا کا برّا Agnus Deis کہتے ہیں اور پھر امن کا بوسہ دیا جاتا ہے اور اس کے بعد پادری اور سب حاضرین اس پانی کو جس میں متبرک روٹی ملائی گئی تھی کھاتے ہیں اور ان سب کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ مسیح کا گوشت کھا رہے ہیں اور اس کا خون پی رہے ہیں۔

وہ دم اور منتر کیا ہے جس سے پانی مسیح کا خون بن جاتا ہے

ایک کیتھولک نوجوان کارڈینل جیاسنٹو اشیلی Cardinal Giacents Ashillie نے پوپ سے کہا، ہمیں بھی وہ منتر بتاؤ جس سے روٹی مسیح کا گوشت اور پانی مسیح کا خون بن جاتے ہیں تو اس نے یہ الفاظ بتائے :۔

HOC EST CORPUS MEUM

جب یہ الفاظ پڑھے جائیں تو اُس کے بعد یہ صدا لگائی جاتی ہے۔ Surcum Corda جس کا معنی ہے (اپنے دلوں کو اٹھاؤ) پھر ساتھ ہی جواب دیا جاتا ہے "ہم اپنے دل آقا کی طرف لوٹاتے ہیں۔" پھر شکرانے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

پھر ایک مختصر سی حمد پر یہ عبادت ختم ہو جاتی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہوتے ہیں:

مقدس مقدس مقدس آقا خدا انسانوں کا خالق

یہ ترتیب عبادت اور اس کے ارکان و اعمال کا اگر آپ ان کی صحاح اربعہ (انجیل متی۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا اور انجیل یوحنا) میں پتہ لگانا چاہیں تو شاید ہی ان کے عمل عبادت میں کوئی تواتر ملے۔ تاہم ہمیں اس وقت یہ کہنا نہیں کہ ان کا مذہب خود ان کی کتابوں سے اس طرح نہیں ملتا، جس طرح یہ اب اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ ان کا یہ عقیدہ کہ ہر عیسائی ہر اتوار کو گرجا میں آکر مسیح کا گوشت کھائے اور اس کا خون پیئے۔ ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس وقت ہم صرف ان کے مطالعہ سے گزر رہے ہیں اور ان پر اپنا تنقید کا حق باقی رکھتے ہیں۔

ہمیں اناجیل کے اس قسم کے مختلف اور منتشر بیانات سے سروکار نہیں لیکن ایک بات جو ہم پرانے عہد نامے میں پاتے ہیں اور پھر نئے عہد نامے میں بھی اس کی قوی شہادت اور تائید ملتی ہے وہ یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ صحاح اربعہ حواریوں کی حدیث کی کتابیں ہیں۔ اور ان کے محدثین متی۔ مرقس۔ لوقا اور

یوحنا نے جمع کی ہیں وہ کتاب اصلی (انجیل عیسوی) جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی نہیں ہیں اور ان میں بھی قطع و برید کا عمل صدیوں سے جاری ہے۔ پھر بھی یہ حضرت خاتم النبیین کی نبوت کا اعجاز ہے کہ اسے تسلیم کئے بغیر ان موجودہ اناجیل پر بھی کوئی شخص دیانۃً ایمان نہیں رکھ سکتا اور بائبل پر ایمان رکھنے کی واحد صورت یہی ہے کہ عیسائی حضرات بدل و جان حضرت خاتم النبیین کو وہ عہد کا رسول مان لیں جس کی خبریں تورات و انجیل میں صدیوں سے چلی آرہی ہیں۔ اس پر ہم آگے بحث کریں گے۔

یہ عشاء ربانی حقیقت ہے یا شاعری؟ مذہب ہے یا افسانہ؟ یہ اس وقت موضوع سخن نہیں۔ آپ جو نام چاہیں اس دعوت کو دیں۔ ہم یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس عشاء ربانی میں قربانی کا کون سا پہلو مضمر ہے۔ حضرت مسیح کا خون جو ابھی صلیب پر نہیں بہا، وہ ان حواریوں کے پیٹ میں پہلے کیسے اتر گیا اور اب تک اس روٹی اور پانی کو حضرت مسیح کا گوشت اور خون قرار دینے میں کون سی سنجیدگی اور معقولیت شامل ہے۔ یہ وہ صورتِ عمل ہے جسے عیسائی عبادت سمجھتے ہیں اور اس کے لیے ہر اتوار جمع ہوتے ہیں۔ عقیدہ ان کا جیسا کہ پال نے اسے ترتیب دیا، یہ ہے:-

مسیح کتابِ مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لیے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتابِ مقدس کے بموجب جی اٹھا[1]

تیسرے دن جی اٹھا اور اپنے عنصری جسد سے آسمان پہ چلا گیا اور قیامت سے پہلے ایک دن پھر آئے گا اور زندوں اور مردوں کا محاسبہ کرے گا ـــــ اس دوران تمہاری عبادت یہی ہے کہ گرجا میں جاکر زندگی کی روٹی جو پادری کاٹے مسیح کا گوشت سمجھ کر کھاؤ اور پانی مسیح کا خون سمجھ کر پیو اور سمجھو کہ اس طرح مسیح تمہارے اندر اتر گیا اور تم اس کے ہو گئے۔

تاہم رومن کیتھولک مذہب کے مطابق پوپ کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے عیسائی عقیدے یا عمل کی نئی تشریح کرے پھر اس کی پابندی تمام کیتھولک عیسائیوں پر لازم ہے

لکھتا ہے:-

عیسائیت شروع سے ہی ناقابلِ فہم رہی ہے لوگ الجھن میں پڑ جاتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ کے خواب کی سی حالت میں کہے گئے الفاظ کی توضیح کرنا یا انہیں سمجھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔[2]

---

[1] کرنتھیوں کے نام باب ۱۵ ورس ۳-۴ ؎

عیسائی اپنے رُوحانی تصور میں کہاں کھڑے ہیں؟

عیسائیوں کی اتوار کی عبادت، Sunday Service کا نقشہ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ آخری عمل جس میں وہ روٹی کاٹتے ہیں اور اسے مسیح کا گوشت Flesh قرار دیتے ہیں اور پانی جسے مسیح کا خون Blood کہتے ہیں اور پھر دونوں کو ملا کر سب حاضرین پیتے ہیں، کیا بتلاتا ہے اور ان کے کس عقیدے کی خبر دیتا ہے اسے بھی ساتھ ہی جانتے چلیں۔

عیسائی اس سے یہ عقیدہ لیتے ہیں کہ اب مسیح کا گوشت اور خون ان کے اندر اُتر گیا ہے اور ان میں بھی اب مسیحیت جاگ اٹھے گی۔ مسیح اب ان کے اندر بسا ہوا ہے اور ان کی روح سے مل گیا ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ روح القدس Holy Spirit حضرت مسیح پہ کبوتر کی شکل میں اُترا تھا۔ ان کے ہاں مسیح کے وسیلہ سے روح القدس اب ہر ایک مسیحی میں اُترا ہوا ہے۔ اس تصور سے پھر ہر عیسائی اپنے آپ کو مقدس سمجھتا ہے کہ اس میں روح القدس بسا ہوا ہے اور اب وہ پاک ہو چکا ہے۔

پال کا وہ خط جو اس نے کرنتھیوں کے نام لکھا وہ نئے عہد نامہ میں موجود ہے۔ اس میں وہ یہی بات کہتا ہے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس (پاک کیا ہوا) ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے[1]

عیسائیوں کا محدث لوقا اپنی کتاب رسولوں کے اعمال میں حواریوں پہ روح القدس کا براہ راست اُترنا یوں بیان کرتا ہے۔

جب عید پنتیکست کا دن آیا تو وہ سب ایک جگہ جمع تھے کہ یکایک آسمان سے ایسی آواز آئی جیسے زور کی آندھی کا سناٹا ہوتا ہے اور اس سے سارا گھر جہاں وہ بیٹھے تھے گونج گیا اور انہیں آگ کے شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائی دیں

---

[1] باب ۶ ورس ۱۹

اور ان میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح روح نے انہیں بولنے کی طاقت بخشی۔[1]

حواریوں کو جس طرح روح القدس نے یہ طاقت بخشی عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ اب ہر ایک مسیحی میں حضرت عیسیٰ کے گوشت اور ان کے وسیلہ سے حضرت مسیح اُترے ہوئے ہیں یہ ان کا خون اسی لیے پیتے ہیں کہ ان کے اندر حضرت مسیح اُتر جائیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ عیسائیوں کا اپنے بارے میں یہ روحانی تصور درست ہے یا نادرست۔ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسیحی اعتقاد کیا ہے اور عیسائی اپنے روحانی تصور میں کہاں کھڑے ہیں ـــــ تاہم یہاں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب ہر مسیح میں مسیح کا گوشت اور خون بسا ہوا ہے اور ان میں (حضرت مسیح میں) روح القدس اُترا ہوا تھا تو اب ہر مسیحی روح القدس کے اس فیض سے کیوں فیضیاب نہیں ـــــ یہ بات کہنی اس لیے ضروری ہے کہ کوئی نادان کہیں آئندہ آنے والے کی آمد کو روح القدس کا اُترنا گمان نہ کر بیٹھے۔ اسے پتہ رہے کہ روح القدس تو شروع سے ہر مسیحی میں بسا ہوا ہے اور اس میں اُترا ہوا ہے۔ اب یہ جو کسی کی آمد کا انتظار ہے، یہ تو روح القدس نہیں بلکہ کوئی اور مددگار ہے جسے فارقلیط کہیں یا محمد کہیں، لیکن اس پیش گوئی کا مصداق روح القدس کو کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پھر روح القدس کا اُترنا اگر کسی روحانی کیفیت کا نام ہے تو پھر اس سے کسی انسانی آمد کی خلا نہیں پُر کی جا سکتی۔ مندرجہ ذیل پیشگوئی کے الفاظ کسی انسان کی آمد پتہ دیتے ہیں یا یہ کسی روحانی کیفیت کا بیان ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے فرمایا تھا:۔

> لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا ..... وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔[2]

---

[1] نیا عہد نامہ رسولوں کے اعمال باب ۲ [2] انجیل یوحنا باب ۱۶ ورسز ۷-۸ اور ۱۳-۱۴

اب آپ ہی فرمائیں یہ کسی انسان کی آمد کی خبر دی جارہی ہے یا یہ کسی روحانی کیفیت کے اُترنے کا پتہ دیا جارہا ہے <u>ہیں اور وہ کے تقابلی</u> الفاظ قابل غور ہیں یہ کسی ایک جنس کا پتہ دیتے ہیں مسیح کے جسدِ خاکی کا روح القدس سے تقابل کسی پہلو سے درست نہیں بیٹھتا ــــ عیسائی خود کہتے ہیں کہ روح القدس صرف حواریوں پر اُترا اور ظاہر ہے کہ آنے والا تو پوری دُنیا کو قصور وار ٹھہرائے گا۔ سو یہ اگر کوئی انسان نہ ہوگا تو ساری دنیا کو کس طرح مخاطب کرے گا۔ یہ تو کسی ایسے فرد کی آمد کا بیان ہے جو نیک و بد اور مومن و کافر سب کو مخاطب کرے اور ظاہر ہے کہ یہ روح القدس نہیں ہو سکتا جو صرف نیکوں پر (حواریوں پر) اُترا ــــ پھر آخری ورسز میں یہ بھی ہے کہ وہ باتیں کرے گا۔ اب آپ ہی سوچیں کیا روح القدس کو بھی کبھی حیوانِ ناطق کہا گیا ہے یا حیوانِ ناطق صرف انسان کو کہتے ہیں پھر حضرت مسیح نے یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا خبریں کون دیتا ہے شخصیتیں یا کیفیتیں؟ اور مسیحی علمِ کلام میں تو نبی کہتے ہی اسے ہیں جو آئندہ کی خبریں دے ــــ یہ سب نشان بتلا رہے ہیں کہ یہ کسی آنے والے نبی کی خبر دی گئی ہے نہ کہ یہاں کسی روحانی کیفیت کا اُترنا بیان ہو رہا ہے۔

لیکن افسوس کہ عیسائیوں نے ورس ۱۳ کے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی طرف سے ایک <u>یعنی</u> داخل کر دیا۔ کہاں تیسرے لفظ کے بعد ــــ اصل عبارت یہ تھی:۔

لیکن جب وہ آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔

یہاں تیسرے لفظ کے بعد یعنی سچائی کا روح کے لفظ بڑھا دیئے گئے ہیں لفظ یعنی خود بتلاتا ہے کہ یہ الحاقی الفاظ ہیں جو اپنی طرف سے تشریحاً داخل کیے گئے ہیں یہ سمجھنے والے کا اپنا ادراج ہے۔ یہ حضرت مسیح کے الفاظ نہیں ہیں۔ عیسائی جب ان پیشگوئیوں سے عاجز آجاتے ہیں تو وہ اسی طرح ان میں اپنے الفاظ داخل کر کے بات کا رُخ دوسری طرف کر دیتے ہیں۔

یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عنداللہ

اپنے موضوع کی طرف لوٹیے

ہاں بات عیسائیوں کے بدن میں مسیح کے خون کے اُترنے کی ہو رہی تھی وہ مسیح کے گوشت

اور خون کو اپنے بدن میں داخل کر کے اس قربانی میں حصہ دار بنتے ہیں جو حضرت مسیح نے اپنے بدن کو سولی پر لا کر دی ——— اور یہ بھی دعوے کرتے ہیں کہ روح القدس ان میں اُترا ہوا ہے۔

وہ پُرانا قصہ کہ روح القدس کس طرح حواریوں پہ اُترا اور وہ غیر زبانیں بولنے لگے وہ تو ہم نے دیکھا نہیں۔ ہم تو انہی عیسائیوں کو دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں سڑکوں اور دفتروں میں نہیں تو گرجوں میں جا کر دیکھ لو۔ وہ لوگ تو ان کا مذہبی گروہ ہیں۔ کیا آپ نے کبھی انہیں بھی غیر زبانیں بولتے دیکھا یا انہیں بھی دوسری زبانیں اسی طرح سیکھنی پڑتی ہیں۔ جس طرح ہم دوسرے مذاہب کے لوگ سیکھتے ہیں اور ان میں بھی نیک و بد اور قصوروار و بے قصور لوگ اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح دوسری قوموں میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

پادری لوگ جو خود اتوار کے دن گرجے میں زندگی کی روٹی کاٹتے ہیں اور اپنے سب مقتدیوں کو مسیح کا خون پلاتے ہیں۔ کیا وہ خود کبھی کسی گھناؤنے جرم میں نہیں پکڑے گئے اور کیا ان میں سے کوئی کبھی کسی عدالت میں مجرم نہیں ٹھہرایا گیا؟ تو کیا وہ پادری یہ سب گناہ اسی حالت میں کرتے رہے کہ مسیح کا گوشت اور خون بھی ان کے اندر رسا ہوا تھا اور روح القدس بھی ان میں اُترا ہوا تھا؟ اور یہ دوسرے عیسائی بھی اس روحانی پاکیزگی سے گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں؟ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ روح القدس صرف حواریوں پر نہیں اُترا ان کے ماننے والوں پر بھی اُترا ہوا ہے اور اب وہ سب پاکیزہ انسان بن چکے ہیں۔ ہمیں کسی طرح سمجھ نہیں آتا کہ ایسی بات تو کوئی سکھ بھی نہیں کہہ سکتا جو پادری کہتے ہیں۔ مگر وہی سکھ جو ان پادریوں سے بپتسمہ لے چکا ہو ——— پادری ولکف اے سنگھ اپنے رسالہ فارقلیط میں لکھتا ہے:

یہ وعدہ (روح القدس کے اُترنے سے مقدس ہونے کا) نہ صرف حواریین کے سلسلہ میں پورا ہوا بلکہ متابعین کے لیے بھی آغازِ مسیحیت سے ہر سچا ایماندار اس کی گواہی دیتا آیا ہے (کہ اس میں روح القدس اُترا ہوا ہے) اور آج بھی بے شمار لوگ اس کے زندہ ثبوت ہیں۔[1]

اب آپ ہی ان کے اس دعوے کو واقعات کے آئینہ میں تلاش کریں ہم تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے ہیں۔

---

[1] فارقلیط ص۳۸

کتابِ مقدس میں حضرت خاتم النبیینؐ کی خبر

حضور خاتم النبیینؐ کی نبوت کا اعجاز ہے کہ موجودہ کتاب مقدس گو تحریف کے کئی ادوار سے گزری ہے تاہم اس میں حضرت خاتم النبیینؐ کی بعثت کی خبر پھر بھی واضح طور پر موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے خدا کے نام سے اس آنے والے کی خبر دی تھی :۔

میں ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔[۱]

بنو اسرائیل کے بھائی کون ہیں ؟ بنو اسمٰعیل ——— جو فاران پہاڑ کے ارد گرد آباد تھے اور یہ کون سا اسمٰعیلی نبی ہے جس کی یہاں خبر دی جارہی ہے۔ اس پر ہم سردست بحث نہیں کرتے یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف فرمائی ان کے کاربعثت اور ان کے آسمانوں پر اٹھائے جانے تک اس پیشگوئی کا مصداق یہاں ظاہر نہ ہوا تھا اور ابھی سب کو اس کا انتظار تھا۔ آئیے ہیکل میں پطرس کا وعظ سنیں جو موجودہ بائیبل میں موجود ہے :۔

ضرور ہے کہ وہ (حضرت مسیح) آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کر دی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا، وہ امت میں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔[۲]

موسیٰ نے جو کہا وہ بھی کتاب استثناء میں موجود ہے :۔

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو۔[۳]

---

[۱] کتاب استثناء باب ۱۸ ورس ۱۸-۲۲ [۲] رسول کے اعمال باب ۳ ورس ۲۱-۲۲

[۳] کتاب استثناء باب ۱۸ ورس ۱۵

پطرس کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ حضرت مسیح کے آسمان تک جانے تک وہ نبی مبعوث نہ ہوا تھا اور اس کا انتظار تھا اور بنی اسرائیل کو بتایا گیا کہ حضرت مسیح دوبارہ زمین پر نہ آئیں گے جب تک وہ نبی مبعوث نہ ہولے جس کی خبر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے دی تھی۔

وہ عہد کا نبی بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے آئے گا

بنو اسرائیل تو ایک بڑی قوم ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام سے خوب پھیلی۔ یہ ان کے بھائی کون ہیں جن میں وہ نبی موعود بہ آئے گا؛ یہ بنو اسماعیل ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی بڑی قوم ہوئے کہ انہیں بنو اسرائیل کے مقابل ایک قوم کہا جائے؟ ہاں ــــ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیدائش میں ہے:۔

تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا[1]

اس کتاب کے اس باب میں آگے یہ ورس بھی پڑھ لیجئے:۔

اور وہ فاران کے بیابان میں رہا[2]

سو جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام پر وادئ سینا میں اللہ رب العزت کا جلوہ پڑا اور شعیر (کوہ ساعیر) میں یہی تجلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جلوہ ریز ہوئی۔ خدا کا وہی جلال فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا اور یہی ہے وہ جس کی حضرت موسےٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ حضرت خاتم النبیین جب مدینہ منورہ سے دوبارہ مکہ آئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار پاک النفوس کا لشکر جرار تھا اور آپ ایک شریعت لے کر آئے جس میں جہاد کی بھی تعلیم تھی۔ آتشیں شریعت میں اسی کی خبر دی گئی تھی۔

آتشیں شریعت لے کر آنے والے کی خبر

اب کتاب مقدس کے پرانے عہد نامے میں دیکھئے:۔

---

[1] کتاب پیدائش باب ۲۱ ورس ۱۷ـ۱۸ [2] ایضاً ورس ۲۱

اور یہ وہ برکت ہے جو موسٰے مردِ خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔[1]

قرآن میں بھی ان تین پیغمبروں کی خبر یکجا موجود ہے اور اس میں عہد عیسوی کے قرب کے باعث زیتون کو مقدم ذکر کیا ہے جس کے سائے میں حضرت عیسٰی علیہ السلام ٹھہرے تھے:۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝

(پ۳۰، سورۃ التین)

ترجمہ۔ قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینا کی۔ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں:۔

طور سینین یا طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسٰے علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ ہمکلامی بخشا اور امن والا شہر مکہ معظمہ ہے جہاں سارے عالم کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ کی سب سے بڑی اور آخری امانت قرآن کریم اول اسی شہر میں اتاری گئی۔ تورات کے آخر میں ہے:۔

"اللہ طورِ سینا سے آیا اور ساعیر سے چمکا (جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے) اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا"، فاران مکہ کے پہاڑ ہیں۔[2]

یہ تورات کی اس پیشگوئی کا بیان ہے جو حضرت موسٰے علیہ السلام نے خدا کے نام سے کی تھی۔ نئے عہد نامے سے پطرس کا وعظ ہم نے صرف اس کی وضاحت کے لیے نقل کیا ہے تورات میں اس سلسلے میں اور پیشگوئیاں بھی موجود ہیں۔ مگر یہاں ہم اس ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔ نئے عہد نامے سے بھی ہم صرف ایک خبر پر اکتفا کریں گے جس سے ہمارا یہ دعوے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ موجودہ تورات و انجیل میں باوجودیکہ ان میں ہزاروں تحریفیں ہوئیں۔ حضرت خاتم النبیین

---

[1] کتاب استثناء باب ۳۳ ورس ۱-۲ [2] تفسیر عثمانی صفحہ ۷۸۰

کے آنے کی خبر اب بھی بکمال وضاحت موجود ہے اور حضور کو اللہ کا نبی اور رسول مانے بغیر آج کوئی شخص موجودہ بائبل پر ایمان صادق نہیں رکھ سکتا۔ وکفیٰ باللہ شہیداً۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی جب اس آنے والے کی خبر دی تو ان کا دل حضرت خاتم النبیینؐ کی محبت سے معمور تھا:

> میرا محبوب سُرخ و سفید ہے دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے اس کا سر ایسا ہے جیسے چوکھا سونا اور اس کی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور کوّے کی سی کالی ہیں اس کی آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں جو لب دریا دودھ میں نہا کر تمکنت کے ساتھ بیٹھے ہیں اور اس کے رخسارے پھول کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاریوں کی مانند ہیں...... اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے۔[1]

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بیان میں دس ہزار قدوسیوں کو کوہ فاران (مکہ) سے وابستہ بتلایا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس آنے والے کو دس ہزار کا آقا بتلایا اور اس کے ذکر میں بلسان کی کیاریوں کا ذکر کیا ہے۔ بلسان کا پودا کہاں ملتا ہے۔ یہ حاجیوں سے پوچھیے۔ روغن بلسان خالص کہاں سے ملتا ہے اور کیا یہ مکہ کا تحفہ نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل یروشلم کو اس کے قبول کی بھی دعوت دے دی ہے۔

ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ خبر محض دس ہزار کی مناسبت سے ذکر کی ہے۔ ہمیں یہاں اس کا شکوہ نہیں کہ اب عیسائیوں نے یہاں سے دس ہزار کا لفظ نکال کر لاکھوں کا لفظ کیسل لگا دیا ہے۔ یہ رہ جائیں اور ان کا عقیدہ تحفظ صحف سماوی ہمیں تو صرف یہ بتلاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فاران کے پہاڑ پر سے آنے والے کی خبر دی اس کے ساتھی دس ہزار بتلائے اور یہ واقعی حضرت خاتم النبیینؐ کے ساتھی تھے جن کے ساتھ آپ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوتے تھے کیا یہ پیشگوئیاں آپ پر پوری اترتی ہیں یا نہیں؟

پادری فنڈر نے میزان الحق میں اور پادری برکت اللہ نے اپنی کتاب ''محمد عربی'' میں اعتراف

---

[1] غزل الغزلات باب ۵، ورس ۱۰-۱۶

کیا ہے کہ فتح مکہ کے وقت حضرت خاتم النبیین کے ساتھ واقعی دس ہزار صحابہ تھے۔ اب موجودہ بائبل میں دس ہزار کے الفاظ کو لاکھوں سے بدلنا عیسائیوں کی اس پریشانی کا غماز ہے۔ جو انہیں موسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت سے درپیش آتی ہے۔

پروٹسٹنٹ بائبل کے ۱۸۸۰ء کے مطبوعہ نسخے میں آپ کو دس ہزار کے الفاظ آج بھی ملیں گے کوہ فاران کہاں ہے۔ اس کی ہم کتاب ''پیدائش'' کے حوالہ سے نشاندہی کر چکے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ہاجرہ نے سکونت فرمائی تھی۔ اور رہی حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کا نیا وطن تھا۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس آنے والے کی خبر دی تھی وہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے تک دنیا میں نہ آیا تھا اور پطرس حواری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دیگر شاگردوں کو بتایا تھا کہ حضرت مسیح اس وقت تک آسمانوں میں ہی رہیں گے جب تک وہ نبی نہ آجائے جس کی حضرت موسیٰ نے خبر دی تھی۔

کتاب ''استثنا'' میں اس بات کی کھلی صراحت موجود ہے کہ وہ (نبی موعود بہ) نوعاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کا نبی ہوگا خدا کی مخلوق ہوگا جس کے منہ میں اللہ اپنا کلام ڈالے گا اور وہ فاران میں جلوہ گر ہوگا ـــــ بنو اسرائیل میں نہیں بلکہ ان کے بھائیوں میں (بنو اسماعیل میں) ہوگا۔ دس ہزار کے ساتھ نکلنا اس کا شان ہوگا اور فاران اس کا مقام ہوگا۔ تورات کی یہ پیشگوئی اپنے مفہوم میں اتنی واضح ہے کہ حضرت خاتم النبیین پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص اپنی دیانت کو قائم رکھتے ہوئے موجودہ کتاب مقدس پر ایمان رکھنے کا دعوےٰ نہیں رکھ سکتا اور یہ حضرت خاتم النبیین کی نبوت کا ایک اعجاز ہے۔

ب لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہاں جہاں
اک طلوع آفتاب کوہ و دمن سحر سحر

حضرت خاتم النبیین دس ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ نکلے تو اب آپ کا پرچم مکہ میں بھی لہرا گیا ـــــ فتح مکہ نے اب ان یہودیوں کی بھی کمر توڑ دی جو مدینہ منورہ میں دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ چھوڑ کر خیبر چلے گئے۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ انہیں وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ شام سے بھاگ کر یہاں آئے تھے تو اُن کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تمہیں یہاں سے ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑے گا۔ اب ان کی اپنی حکومت اور قوت تو خود حضورؐ کے وقت میں ہی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب انہیں کلیتۃً خیبر خالی کرنا پڑا تو ان کی رہی سہی شوکت بھی جاتی رہی۔

فتح خیبر ان کی قوت اور شوکت کا آخری دن تھا اور یہ اس کا نشان تھا کہ اب وہ سلامتی کا شہزادہ آگیا ہے جو تمام قوموں کو ایک کرے گا۔ نسلی امتیازات ختم کرے گا اور بلا امتیاز نسل و رنگ قومیں اس کی مطیع ہوں گی اور یہ پیش گوئی تورات میں چلی آرہی تھی اور آپؐ اس کا مصداق ٹھہرے۔

آنے والے شیلوہ کی بشارت

تورات کی کتاب پیدائش میں ہے:۔

اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بُلایا اور کہا اپنے کو جمع کرو تاکہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پہ بیتے گی تمہیں خبر دوں ۰ اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھا کرو اور سنو۔ اپنے باپ اسرائیل کی سنو۔[1]

یہ بات کہ تم پہ کیا بیتے گی کوئی اچھی خبر نہیں۔ یہ ان کے ہاتھوں سے قوت و شوکت نکلنے کی ایک خبر ہے اور ساتھ ہی اس آنے والے کی خبر ہے جو ان میں سے (بنی اسرائیل میں سے) نہ ہو گا اور وہ تمام قوموں کو ایک کرے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے کہا:۔

یہودا سے ریاست کا عصا جُدا نہ ہو گا اور نہ اس کی نسل سے حکومت جاتی رہے جب تک کہ شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی[2]

وہ آنے والا شیلوہ اگر بنی اسرائیل میں سے ہو تو اس کی بشارت کا حاصل یہ ہو گا:۔

بنی اسرائیل کی سلطنت برابر رہے گی یہاں تک کہ ان میں شیلوہ ہو۔ اس کے پیدا ہونے پر تو اسرائیل کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور اُنکی سلطنت جاتی رہے گی۔

---

[1] باب ۴۹ ورس ۱-۲ [2] کتاب پیدائش باب ۴۹ ورسز ۱۰-۱۱

اس صورت میں یہ شیوہ ان کے لیے کوئی مبارک ہستی نہیں۔ یہ ان کے تنزل کا ایک نشان ہوگا ـــــ مگر اس بشارت کا اگلا جملہ اس مفہوم کی تردید کر رہا ہے کہ "قومیں اس کی مطیع ہوں گی"۔ ـــــ سو یہ کسی ایسے منحوس کی آمد کی خبر نہیں جو اقتدار سے محروم ہوگا بلکہ یہ وہ ہوگا کہ قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔

اب اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہی ہو تو یہ تسلسل اقتدار کی ایک خبر ہے انتقال اقتدار کی نہیں اور اگر وہ آنے والا بنو اسرائیل میں سے نہ ہو تو پھر بے شک یہ انتقالِ اقتدار کی ایک خبر ہے اور ایک آنے والے سلامتی کے شہزادے کا یہاں پتہ دیا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس پیشگوئی میں اسرائیلی سلطنت کے صرف یروشلم سے ختم ہونے کی خبر نہیں یہوداہ کی نسل سے مطلقاً ریاست کے جدا ہونے کی خبر ہے ـــــ یہودی یروشلم میں گو اپنی سلطنت پہلے ختم کر بیٹھے تھے اور ان کی جگہ رومی برسرِ اقتدار تھے مگر مدینہ میں بنو نضیر بنو قریظہ اور بنو قینقاع کا اپنا اقتدار تھا اور پھر خیبر میں ان کے اپنے قلعے تھے اور بیس ہزار کے قریب ان کی اپنی فوج بھی تھی۔ ان کا قلعہ قموص مسلمانوں نے بیس دن کے محاصرے سے فتح کیا تھا اس سے آپ ان کی شوکت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

فتح خیبر کا دن یہوداہ کی نسل سے قوت و شوکت نکلنے کا آخری دن تھا۔ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی کہ یہوداہ کی نسل سے حکومت کا عصا نہ نکلے گا جب تک وہ امن و سلامتی کا شہزادہ نہ آئے۔ اس کا نشان یہ بتلایا گیا کہ قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔

عیسائی پادری اس پیشگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب قوموں کے لیے نہ تھے۔ صرف بنی اسرائیل کی گم کردہ بھیڑوں کو راہ دکھانے آئے تھے۔ پھر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح کے وقت میں سیاسی اقتدار رومیوں کے پاس اور مذہبی اقتدار یہودیوں کے پاس تھا۔ رومیوں اور یہودیوں کی ملی بھگت نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ہتھکڑیوں میں جکڑا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں ـــــ اقتدار اور بادشاہی تو ان کو ایک دن کے لیے بھی نہ ملی۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا تھا کہ حکومت کا عصا آلِ یعقوب کے ہاتھوں سے نکل کر حضرت مسیح کے ہاتھ میں آگیا ـــــ ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اقتدار بنو اسرائیل کے ہاتھوں سے نکل

کر بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں آگیا اب قبلہ بیت المقدس نہیں مکہ کا کعبہ ابراہیمی ہوگیا۔

بعض پادری کہہ دیتے ہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ حضرت مسیح کو ان کی آمدِ ثانی پہ ملے گا ——— ہم عرض کرتے ہیں۔ اس وقت اقتدارِ اعلیٰ حضرت مہدی کے پاس ہوگا اور وہ بنو اسماعیل میں سے ہوں گے حضرت عیسٰی علیہ السلام ان کے دور میں نازل ہوں گے اور ان کے دور میں ہی وفات پائیں گے۔ حضرت مسیح کی وفات پہ ان کی کوئی خلافت نہ ہوگی۔ اقتدار حسبِ سابق حضرت مہدی کے ہاتھ میں ہی رہے گا۔

جس دن (فتح خیبر کے دن) بنو اسرائیل کی حکومت ان سے جدا ہوئی حضور خاتم النبیین نے اسی دن گدھے کا گوشت حرام فرمایا۔ اب اسلام میں یہ اسی طرح حرام ہے جیسے شراب۔ اور تورات میں اس شیلوہ کی بشارت کے متصل بعد گدھے کا ذکر بھی ہے۔

سلامتی کا شہزادہ کون ہے

امن کا شہزادہ کون ہو سکتا ہے اور قوموں کو جمع کرنے کے تمغہ اعزاز کے لائق کون ہے؟ اس کے لیے ان دو عبارتوں پر غور فرمائیں۔

(۱) پادری برکت اللہ صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتا ہے:۔

آپ نے عرب کے مختلف قبیلوں کو جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے ایک جماعت میں منظم کر دیا اور دشتِ عرب میں ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس نے عرب میں شرک اور کفر کا خاتمہ کر دیا اور اب دورِ حاضرہ میں دیہ دین ا مختلف ممالک میں پھیل گیا ہے۔[۱]

(۲) حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں:۔

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پہ صلح کرانے آیا ہوں ——— صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔[۲]

کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پہ صلح کرانے آیا ہوں؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔[۳]

---

۱ محمد عربی ص ۹ ۲ انجیل متی باب ۱۰ ورس ۳۴ ۳ انجیل لوقا باب ۱۲ ورس ۵۱

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مذکورہ پیشگوئی میں جس آنے والے کی خبر دی گئی تھی اس کا نشان یہ دیا گیا ہے کہ قومیں اس کی مطیع ہوں گی اور ظاہر ہے کہ سلامتی کا یہ شہزادہ حضور خاتم النبیین ہی ہیں جس نے قوموں کو جوڑا۔

مدتوں عیسائیوں نے اس نام کو مبہم رکھنے کی کوشش کی۔ جب آپس میں بات کرتے تو اسی خاص نبی کے بارے میں مبہم سی بات کرتے اور دوسرے نبیوں کا ذکر کرتے تو کھل کر ان کا نام لیتے — اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدتوں عیسائی حلقوں میں یہی احساس رہا کہ اس شیلوہ کی پیشگوئی کا مصداق معین کرنا خاصا مشکل کام ہے اور وہ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ اس کا مصداق حضور خاتم النبیین ہیں وہ اس کا کھلا اقرار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

پادری G.T. Manley لکھتا ہے۔

شیلوہ — یہود اسے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیلوہ نہ آئے یہ مشکل عبارت ہے لیکن مدتِ مدید اور عرصہ بعید سے اسے مسیح کی طرف اشارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ متن کے بارے میں مختلف خیالات ہیں۔[1]

پادری صاحب نے یہاں تسلیم کیا ہے کہ اس عبارت کی حضرت مسیح پر دلالت ایک اشارے سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہ ان الجھے ہوئے ذہنوں کی ایک صدائے بازگشت ہے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ یہوداکی نسل سے باہر صرف حضرت خاتم النبیین ہی آئے ہیں جن کے سر پر بنو اسرائیل کے بعد سیادت کا تاج آیا اور قومیں ان کی مطیع ہوئیں۔

سوال : ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اہل کتاب حضرت خاتم النبیین کے متعلق ہمیشہ ابہام سے کام لیتے آئے ہیں۔ عیسائی پادری اس کا ہم سے حوالہ طلب کرتے ہیں؟

جواب : چوتھی انجیل کی اس عبارت پر غور فرمائیں اور پھر خود فیصلہ کریں :۔

اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ

[1] ہماری کتب مقدسہ صد ۳۶۲

اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اور انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟[۱]

اس میں نقطہ وہ نبی پر غور کریں جب پہلے وہ نبیوں کا نام صراحت سے لیا ہے۔ ا۔ مسیح اور ۲۔ الیاس —— تو اب یہ تیسرا نام محمد لینے میں کیا حجاب تھا —— کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ اور اس نام کا اظہار عیسائیوں کے مفاد میں نہیں ہے۔

تاہم ہمیں اس کا ملال نہیں۔ کیونکہ اسی انجیل میں یہ شہادت ابھی موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر جانے سے پہلے اپنے شاگردوں کو یوں تسلی دی۔ اور اس آنے والے کی اس طرح خبر دی:۔

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں[۲]

پھر فرمایا:۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔[۳]

ایک اور جگہ یہ ہے:۔

جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا اور وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ سے ہی حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ سے ہی حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔[۴]

---

[۱] انجیل یوحنا باب اول ورسز ۱۹-۲۲ [۲] ایضاً باب ۱۴۔ ورس ۳۰ [۳] باب ۱۶ ورس ۷، ۸ [۴] ایضاً ورسز ۱۳-۱۵۔

یہ عبارات بتا رہی ہیں کہ یہ کسی رسول کے آنے کی خبر دی جا رہی ہے صرف کسی روح کے اُترنے کی نہیں، یہ کسی ایسے رسول کی آمد کی خبر ہے جو شریعت Law پیش کرے گا اور مجرموں کو قصور وار ٹھہرائے گا۔ عدالتیں قائم کرے گا۔ دُنیا اس کے لیے ایک یونٹ Unit ہو گی اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔

افسوس کہ عیسائیوں نے نبوت کے اس پُرانے تصور کو یکسر ختم کر کے اس خبر کا مصداق حضرت روح القدس کو بنا دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے جہاں اور جب بھی کسی آنے والے کی خبر دی گئی اس سے مراد رسولوں کے آنے کی خبر دی گئی ہوتی تھی اور رسول ہمیشہ انسانوں میں سے ہوتے تھے یا فرشتوں میں سے —— ارواح مدبرہ کا اعتقاد پہلے کسی کا نہ تھا۔

اللہ یصطفی من الملٰٓئکۃ رسلًا ومن الناس۔ (پ۱۷: الحج آیت ۷۵)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے ہی (اپنے) رسول چنتا ہے

ہم نے یہاں صرف نمونے کے طور پر چند مسائل اور بشارتیں نقل کی ہیں: تاکہ طلبہ کو مضمون اُٹھانا آسان رہے —— ان ابواب کی پوری تفصیل اور ان پر کئے گئے تمام اعتراضات کے جوابات کا پورا حل آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔

یہ مقدمہ بھی کوئی نئی تحقیق نہیں، اسی کتاب کا ایک اجمال ہے۔ اس کتاب کو لکھے اب ڈیڑھ سو سال ہو رہے ہیں۔ اس کی ترتیب اور مضامین کی تقریب اس وقت کے حالات کے مطابق ہے انہیں ان حالات سے مطابق کرنے کے لیے احقر نے یہ سطور قلم بند کی ہیں —— تاکہ کتاب ہذا کے مضامین قارئین کے لیے سہل الوصول اور قریب الحصول ہو جائیں۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

قارئین اگر کسی جگہ کسی قسم کا ابہام پائیں یا تعارض محسوس کریں تو راقم الحروف کو مطلع کر کے شکر گزاری کا موقع دیں۔ ھٰذا ما تیسر لی واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ حال وارد پاکستان سنہ ۱۹۹۰ء

مُطالعۂ عیسائیت

ردِّ عیسائیت پر لکھی گئی اُردو زبان میں پہلی کتاب

کِتابُ الاِستِفسار

تالیف

مناظرِ اسلام حضرت مولانا سیّد آلِ حسن مُہانی (م ۱۲۸۷ھ)

دارُالمعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزار ہزار شکر ہے خدا ندیکتا اور بے ہمتا کا کہ اس نے اخوانِ بنی اسرائیل سے مثل حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے ایسے شخص کو خلعت رسالت عنایت کر کے مبعوث کیا کہ اس نے دردمندوں کی تسلی اور بے دردوں کی حکومت کے ساتھ سرزنش کی۔ اس لیے کہ اسی کے نام عالم کی سرداری کا حکم نکلا تھا اور اسی کی بات نہ ماننے پر تشریعی مواخذہ کا وعدہ تھا اور اکناف عالم میں صرف اسی کی بدولت خدا کی وہ ثنا خوانی جو کبھی آگے نہ پھیلی تھی یعنی بے شائبہ ثنویت اور تثلیث وغیرہ پھیل گئی اور اسی کے طفیل سے خداوند یکتا اور بے ہمتا نے ہمیں سارے عالم سے ممتاز اور سرفراز کیا اس حیات ابدی کے ساتھ جس کی تلقین عیسیٰ بن مریمؑ کرتے رہتے تھے یعنی کہ تمام عالم میں صرف ہمیں لوگوں کا یہ ایمان ہے کہ حضرت مبدأ کل کائنات بہر حال یکتا اور بے ہمتا ہے اور عیسیٰ مسیح اس کا برگزیدہ بھیجا ہوا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو دولت انگلشیہ کے کسی قانون سے دین کے مباحثے کی ممانعت نہیں پائی جاتی ہے اور پادری لوگ رسالے لکھ لکھ کر بانٹا کرتے ہیں اور اہل علم مسلمانوں کو جواب لکھنے کی تاکیدیں کیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب لکھی گئی۔ اس طرح پر کہ تالیف کرنے والا اپنے طور پر بعضی باتیں بیان کرتا ہے اس ارادے سے کہ عیسائی لوگ اس کا جواب کیا دیتے ہیں اور جواب دیتا ہے ان کے اعتراضوں کا اس ارادے سے کہ اس کا جواب الجواب ان کے پاس کیا ہے اور وہ مشتمل ہے اٹھارہ استفساروں پر اس لیے اُس کا نام استفسار ہے۔ مگر قبل شروع مطلب کے ایک مقدمہ لکھنا ضرور ہے۔

مقدمہ ہمارے اور عیسائیوں کی اصل نزاع صرف چند مسئلوں پر ہے۔

پہلا مسئلہ تثلیث کا ہے ہم کہتے ہیں کہ تثلیث باطل ہے اور اعتقاد اُس کا موجب

خلود فی النار کا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ حق ہے اور نجات اُخروی منحصر اسی اعتقاد پر ہے۔

دوسرا مسئلہ تصدیق نبوت جناب مصطفوی کا اہم ہے۔ کہ نجات اُخروی منحصر اسی اعتقاد پر ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ لوازم نبوت اُن میں نہ تھے۔

تیسرا مسئلہ تحریف کا اہم ہے کہ بے شک توریت اور اناجیل میں تحریف واقع ہوتی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ بات ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ سو اس کتاب میں بالاصالۃ گفتگو انہیں تین مسئلوں سے ہے اور ضمناً اور بھی باتیں ہیں۔ ازاں جملہ پہلے چاروں استفسار محض تثلیث کی گفتگو میں ہیں اور پانچویں استفسار سے گیارہویں استفسار کے آخر تک بالاصالۃ تحریف کی گفتگو ہے۔ اور ضمناً اور بھی فائدے ہیں اور باقی استفسارات بالاصالۃ نبوت مصطفوی کی گفتگو میں ہیں اور ضمناً تحریف کا ثبوت ہے۔

پہلا استفسار ایک برہان عقلی کی رو سے تثلیث کا مسئلہ باطل ٹھہرتا ہے۔ سو اگر وہ برہان مسلم نہیں ہے تو اور ملت والوں کی غیر خدا پرستی کیوں عقلاً باطل ہے اور کیا وجہ کہ ہر ایک چیز پر احتمال خدا ہونے کا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا استفسار مسئلہ تثلیث کی تقریر جو جمہور عیسائی کرتے ہیں اس پر ایسے شبہے وارد ہوتے ہیں کہ اُٹھ نہیں سکتے۔

تیسرا استفسار خود حضرت عیسیٰ کے ارشاد سے تثلیث غلط اور صرف توحید ثابت ٹھہرتی ہے

چوتھا استفسار حضرت عیسیٰ کا خدا سے مجسم ہونا اور بدوں کی نجات کے لیے ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہنا جیسا کہ عیسائیوں کا خلاصہ ایمان ہے عقلاً باطل ہے۔

پانچواں استفسار حضرت موسےٰ کی طرف جو کتاب منسوب ہے اس میں مخلوط ہونا خدا کے کلام کے ساتھ بشر کے کلام کا بالاتفاق ثابت اور مذ بالبداہۃ ظاہر ہے۔ مگر جو عیسائی کہتے ہیں حضرت موسیٰ نے وہ باتیں اس میں درج کی ہیں سو یہ قطع نظر عدم ثبوت کے بعض وجوہ سے خلاف واقع معلوم ہوتی ہے۔

چھٹا استفسار خدا کے کلام کے ساتھ اور کسی کے کلام کا ملنا بہ وقت نہ ہونے علامت

فارقلیط کے ساری کتاب اللہ کو اس اعتبار سے جو کلام الٰہی کے لیے ہے ساقط کرتا ہے

ساتواں استفسار توریت میں بعضی روایتیں ایسی ملی ہیں کہ اس سے ساری شریعت باسرجملہ کا اعتبار جاتا ہے۔

آٹھواں استفسار توریت میں بعضے احکام ظاہر یہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی شریعت سے وہ احکام ماضی مبتدل ہو گئے۔

نواں استفسار خود انبیائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی گواہی اور ایک جماعت علمائے مسیحی حامیانِ بائبل کی بھی گواہی سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل میں نقصان اور فساد اور تبدیل اور تحریف ہوتی رہی ہے اور حضرت عیسیٰ کی اصل انجیل یعنی عبرانی زبان والی عالم سے مفقود ہے۔

دسواں استفسار بعضی بعضی جگہ اختلاف ترجموں کے نسخوں کی جہت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل بائبل یعنی عبرانی اور یونانی میں ہمیشہ کمی بیشی، تغیر و تبدل۔ اعلام اور مفردات اور جملوں کی ہوتی رہی ہے اور اس کے ضمن میں حضرت ہاجرہ کی منقبت مذکور ہے اور جو انجیل سے نسخ احکام توریت کا امتناع عیسائی لوگ نکالتے ہیں اور اس کا بھی استفسار میں بطلان ظاہر کیا گیا ہے۔

گیارہواں استفسار روایاتِ مخلوطہ اناجیل کی تالیف ایسی ہوئی ہے جیسے ہمارے یہاں شواہد النبوت وغیرہ کی نہ کہ مثل قرآن کے یعنی نہ صحابہ عیسوی جمع ہوئے اور نہ سارا کلام اس میں رسالت کا ہے اور نہ بقوت عصمت روح القدس لکھی گئی ہے اور نہ اس کی روایتوں کے اسناد کا پتہ لگتا ہے اور بہت روایتوں میں اختلاف بھی ہے۔

بارہواں استفسار سمعیات تحریری ہوں یا تقریری ان کا ثبوت عقلی منحصر ہے۔ بیان اسناد اور ان کی کثرت اور صحت کے جاننے پر اور بائبل کے رسالوں کی عالم میں کسی عالِم کے پاس سند نہیں ہے خصوصاً اوائل قرون کی یعنی ان انبیاء کے عہدوں سے جن کی طرف وہ کتابیں منسوب ہیں اس زمانہ تک کی جس زمانہ میں وہ کتابیں پھیل پڑیں۔ مثلاً توریت کی عزرا نبی کے عہد سے بطلیموس کے عہد تک اور عہد جدید کی حواریوں کے عہد سے قسطنطین اوّل کے زمانے تک کی سندیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔

تیرھواں باب اکثر پیشگوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہیں کہ ہم اگر

خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ویسی باتیں از قسم معجزات شمار کرتے تو عیسائی لوگ بڑے ہنستے کرتے۔

چودہواں استفسار سچے مسیح اور جھوٹے مسیح بڑے بڑے معجزے دکھلانے والے میں کیا فرق ہے اور اسی تیرہویں اور چودہویں استفسار کے ضمن میں ختم رسالت کا جو شبہ حضرت عیسٰیؑ کی نسبت بعض لفظوں سے ان کتابوں کے پیدا کیا ہوتا ہے اس کو رفع کیا ہے۔

پندرہواں استفسار جس ضابطہ عقلیہ کی رُو سے سمعیات کا ثبوت ہوا کرتا ہے اس کے موافق صرف حضرت خاتم النبیین کے معجزات ثابت ہیں اور کسی پیغمبر کے نہیں ثابت۔ اس طرح کہ بدوں تصدیق مصطفوی کے کوئی سبیل ان کے ماننے کی ہو۔

سولہواں استفسار باوجود بائبل کی خرابیوں کے جس قوت کے ساتھ حضرت خاتم النبیین کی خبر توریت اور انجیل سے نکلتی ہے اس طرح حضرت عیسٰیؑ کی خبر توریت سے نہیں نکلتی۔

سترہواں استفسار جو حضرت خاتم النبیین پر عیسائی لوگ کرتے ہیں وہی اعتراض یا مثل اس کے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسٰیؑ وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کی طرف عائد ہوتا ہے اور میزان الحق کے باب اول اور سوم اور رسالہ تحقیق دین حق کے پہلے حصہ کا جواب اس استفسار میں جہاں کہیں پادری صاحبوں نے گستاخانہ تقریر لکھی ہے اس کا جواب بھی ویسے ہی الزاماً دیا گیا ہے۔

اٹھارہواں استفسار جو شرف بدیہی الثبوت ملت اسلامیہ کے لیے ہے اور کسی ملت کے لیے نہیں ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ بائبل نام ہے مجموع دو مجموعوں کا۔ ایک مجموعہ وہ کہ مسلّم اور مفترض التسلیم کافہ فرق یہود اور عیسائیوں کا ہے اس کا نام عہد عتیق یا عہد قدیم لکھا کرتے ہیں اور دوسرا مجموعہ وہ کہ صرف کافہ فرق مختلفہ عیسائیوں کا مسلّم اور مفترض التسلیم ہے اور یہودی اسے نہیں مانتے اور بائبل کے رسالوں کی فہرست یہ ہے۔

اوّل کتاب موسیٰ کہ اس میں پانچ کتابیں ہیں۔

(۱) کتاب پیدائش اسے سفر الخلیقہ اور کتاب الخلائق اور فرنگ میں جینیسس Genesis اور عبرانی میں بُرائسیک کہتے ہیں۔

(۲) کتاب خروج۔ اسے سفرالخروج اور فرنگ میں اکسوڈس EXODUS اور عبرانی میں شموت کہتے ہیں۔

(۳) کتاب احبار۔ اسے سفرالاوین اور کتاب قوانین اور فرنگ میں لوٹکس Liviticus اور عبرانی میں ویقرہ

(۴) کتاب اشمار۔ اسے سفرالعدد اور فرنگ میں نمبرس Numbers اور عبرانی میں تدبیر

(۵) کتاب تحار۔ اسے سفرالاستثنا اور تثنیۃ الاشتراع اور فرنگ میں Denteronomy ڈیوٹرانمی اور عبرانی میں دبریم کہتے ہیں۔ ان کے نام اور زبان کے سوائے عربی اور فارسی کے میں نے اس واسطے لکھے کہ بروقت افادہ اور استفادہ کے اکثر عیسائی لوگ وہ نام عربی اور فارسی والا نہیں پہچانتے اور مجموع کتب خمسہ کو پینٹیٹوک کہتے ہیں اور باقی رسالوں کے نام صرف وہی نام جو بعضے ترجموں میں لکھے ہیں لکھتا ہوں۔

(۶) کتاب یوشع (۷) کتاب القضاۃ (۸) کتاب راعوث (۹) کتاب اول صموئیل (۱۰) کتاب دوم صموئیل (۱۱) کتاب اول ملوک (۱۲) کتاب دوم ملوک (۱۳) کتاب اول اخبار الایام (۱۴) کتاب دوم اخبار الایام (۱۵) کتاب اول عزرا (۱۶) کتاب دوم عزرا۔ کہ اس کو کتاب نحمیاہ بھی کہتے ہیں (۱۷) کتاب استیر (۱۸) کتاب ایوب (۱۹) زبور (۲۰) امثال سلیمان (۲۱) کتاب جامعہ (۲۲) نشید الانشاد (۲۳) کتاب اشعیا (۲۴) کتاب ارمیا (۲۵) کتاب ارمیا (۲۶) کتاب حزقیل (۲۷) کتاب دانیال (۲۸) کتاب ہوشع (۲۹) کتاب یوئیل (۳۰) کتاب عاموس (۳۱) کتاب عوبدیا۔ (۳۲) کتاب یونان (۳۳) کتاب میخا (۳۴) کتاب ناحوم (۳۵) کتاب حبقوق (۳۶) کتاب صفونیا۔ (۳۷) کتاب حجی (۳۸) کتاب ذکریا (۳۹) کتاب ملاخیا۔

یہودی لوگ کہتے ہیں کہ ملاخیا کے بعد کوئی اب تک نبی نہیں ہوا مگر ایک ہونے والا ہے جس کے ہم منتظر ہیں اس مجموعہ کو توریت کہتے ہیں بطور تسمیۃ الکل باسم الجزء یہ مجموعہ بجز ایک رسالے کے کہ وہ اصل اور زبان میں ہے اور باقی سب کے سب عبری میں ہیں اور یہودیوں میں متداول اور یونانی ترجمہ بھی اس مجموعہ کا طلیمس کے وقت کا ہے۔

(۴۰) پہلی انجیل (۴۱) دوسری انجیل (۴۲) تیسری انجیل (۴۳) چوتھی انجیل (۴۴) اعمال حواریاں

نامہ ہائے پولوس (۴۶) نامہ بنام رومیہ (۴۷) نامہ پہلا بنام قورنیثوس (۴۷) نامہ دوسرا ان کے نام کا (۴۸) بنام اہل غلاطیہ (۴۹) بنام اہل افسس (۵۰) بنام فیلیپین (۵۱) بنام کولوصایین (۵۲) نامہ اولیٰ بنام تسالونیکیین (۵۳) نامہ ثانیہ انہی کے نام (۵۴) نامہ اولیٰ بنام تیموثاوس (۵۵) نامہ ثانیہ ان کے نام کا (۵۶) بنام تیطوس (۵۷) بنام فیلیمون (۵۸) بنام عبرانیین (۵۹) نامہ یعقوب حواری (۶۰) نامہ اولیٰ پطرس حواری (۶۱) نامہ ثانیہ اس کا (۶۲) نامہ اولیٰ یوحنا حواری (۶۳) نامہ ثانیہ اس کا (۶۴) نامہ ثالثہ اس کا (۶۵) نامہ یہودا حواری (۶۶) مشاہدات یوحنا۔

ان میں سے اناجیل یعنی اقوال عیسوی اور اکثر نامے عبری میں تھے کہ اب ان کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ بلکہ صرف ان کا ترجمہ یونانی اصل قرار پایا ہے اور ان کتابوں اور انبیاؤں کے ناموں کی تصحیح اور صحت کا مشتاق ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ اس لیے کہ تخفظ بعض حروف بلحاظ ترتیب جو منہ میں آوے کہا جائز ہے۔ چنانچہ ان کے تراجم متداولہ اور السنہ مختلفہ کی روسے ہم ایسے ہی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ جس کے قلم اور زبان میں آتا ہے سو کہتا ہے اور لکھتا ہے۔ نہیں معلوم اصل میں کیا نام تھے اور جس کو ہم لوگ باب یا فصل کہتے ہیں۔ انگریز لوگ اسے چیپٹر Chapter کہتے ہیں۔ اور جس طرح ہم قرآنی جملوں کو آیت کہتے ہیں یہ اسے ورس Verse کہتے ہیں۔

اور یہ بات جاننا چاہیے کہ مجموعہ اسفار خمسہ جو منسوب بحضرت موسےؑ ہے سب عیسائی متفق ہیں کہ سب کا سب وہ نہیں ہے جو حضرت موسےؑ کو تختیوں پر لکھا ہوا بارگاہ خداوندی سے عنایت ہوا تھا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بجز ان تختیوں کے اور کوئی کتاب بہیئت مجموعی بارگاہ خداوندی سے حضرت موسےؑ کو عنایت نہیں ہوئے اور اس پر اتفاق ہے کہ سر تا سر اس میں صرف کلام اللہ نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ یہ سب جو ہے سو کس کا کلام ہے عیسائیوں کا بلا سند اور بلا دلیل دعویٰ ہے کہ سارا مجموعہ تالیف کیا ہوا حضرت موسےؑ کا ہے۔ مگر بعض بعض جملے اس کے اور کسی کے ملائے ہوئے ہیں۔ اور بظن غالب یہ کہتے ہیں کہ وہ جملے عزرانبی کے ملائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح یوشع کی کتاب کی نسبت بھی کہتے ہیں اور باقی رسائل تدریت کے جو ہیں ان میں سے بعضوں کو کسی نبی کی طرف منسوب ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ کتاب القضات اور اخبار الایام اور کتاب راعوث اور

بعضوں کو جو منسوب کرتے ہیں ان میں سے بعضے کے بعض ابواب کو بالیقین کہتے ہیں کہ ان کی تالیف نہیں ہے جن کی طرف کتاب منسوب ہے جیسے بعض ابواب صموئیل کی کتابوں سے اور بعضے ابواب زبور کے اور بعض کتاب سلیمان کا اور بعضوں کو بالیقین کہتے ہیں کہ انہیں کی تالیف ہے جن کی طرف منسوب ہے جیسے اشعیا اور ارمیاہ اور زکریا کی کتاب اور اکثر ابواب زبور کے۔

بالجملہ عیسائیوں کے اعتقاد کا کلیہ ان کتابوں کی نسبت یہ ہے کہ جو کتاب اور جس کتاب کے جو ابواب اور جس باب کے جو جملے ایسے ہیں کہ وہ کتاب جس کی طرف منسوب ہے وہ ان کے ہو سکتے ہیں گو کہ بتاویل ہو اسے تو بالیقین کہتے ہیں کہ انہیں کے ہیں اور جو ایسا کلام نہیں ہے اس کو بدرجہ لاچاری اور کسی کا سوائے منسوب الیہ کے بتاتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ سمعیات میں واجب الاعتقاد وہی بات ہوتی ہے جس کا ہونا شخص منسوب الیہ سے ثابت ہو سنداً نہ کہ صرف احتمالاً۔ خصوصاً جب کہ اس میں غلط بعضی جگہ یقیناً معلوم ہو۔

اس صورت میں دانشمند عاقبت اندیش کے لیے اس بات کے واسطے کہ ان کتابوں کے مضامین در صورتیکہ معارض قرآن شریف کے ہوں تو مخل صحت نبوت حضرت خاتم النبیین نہیں ہو سکتے۔ صرف عیسائیوں کا اقرار مذکور کہ بائبل کی شرحوں میں مصرح ہے کفایت کرتا ہے چہ جائیکہ حال ان رسالوں کی خرابیوں کا ویسا ثابت ہو جیسا ہم اس کتاب میں لکھیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ کی کتاب ایسی ہے جیسے کوئی مثلاً تفسیر حسینی کا ترجمہ اردو کر ڈالے اس طرح کہ قرآن کی عبارت نہ لکھے بلکہ اس کا بھی ترجمہ خلط کر کے لکھے اور اور کتابیں ایسی ہیں جیسے ہمارے یہاں معارج النبوت یا معراج نامہ یا مولد نامہ یا قیامت نامہ کہ قرآن اور حدیث کی لفظیں لے کر یہ کتابیں بنائی گئی ہیں کہ بعضی ان میں سے بلا تنقید روایت اور بلا تحقیق تفسیر لکھی گئیں ہیں بلکہ بعضی ان میں بائبل کے رسالوں میں سے ایسے ہیں جیسے حاتم کی ہفت سیر کہ نہیں معلوم کس نے لکھی یا شاہنامہ اور سکندر نامہ۔

اور اکثر کلام زبور اور اشعیا وغیرہ کتابوں کا ایسا ہے جیسے کسی کے منامات یا مجاذیب کی بڑ کہ تعبیر اور تاویل دور از کار کی محتاج ہے اور اسی طرح مشاہدات یوحنا بھی ہیں اور اناجیل تو ایسی ہیں جیسے بزرگوں کے ملفوظ ہوتے ہیں۔ جن میں ان کا نسب نامہ اور سلسلہ اور نشست

برخاست کے قصے لکھے جاتے ہیں. اس بات میں تو عیسائیوں کو بھی اختلاف نہیں ہے. مگر اس کے ضمن میں جو کلام عیسوی منقول ہے وہ اگرچہ بلفظہٖ عبری زبان میں نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ وہ کلام الٰہی کا ترجمہ ہو.

اور جاننا چاہیئے کہ کتاب موسٰے میں کوئی جملہ جو قال اللہ یا قال ہونے کے تحت میں مندرج ہے اس طرح پر کہ اس جگہ اِدراج کا احتمال از روئے عبارت کے نہیں ہو تا منافی قرآن شریف کے کسی جملہ کے نہیں مگر ایک بات یعنی کہ جابجا بعض احکام مختصہ شریعتِ موسویہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے رسم اَبدی ہے. سو اللہ کی عنایت سے اس کی غلطی انجیلوں سے ثابت ہو گئی یعنی حضرت عیسٰی ہی ان باتوں کی تبدیلی کر گئے. اور انجیلوں میں اقاویل عیسوی میں سے بھی کوئی ایسا جملہ کہ ادراج کا احتمال اس جگہ نہ ہو منافی جملہ قرآنیہ نہیں ہے اور جو ہے سو ایسا ہے کہ جس طرح کی تاویل بعضی انجیل کے جملوں کی اپنے اُصول موضوعہ کی صحت کے لیے عیسائی کرتے ہیں اس سے کم تاویل میں وہ جملہ قرآن کے موافق ہو سکتا ہے.

اور جاننا چاہیئے کہ جس طرح ملتِ اسلامیہ میں اصولاً اور فروعاً مذاہب مختلفہ بہت سے ہو گئے ہیں اس سے زیادہ اختلاف اصولاً اور فروعاً اصل ملتِ عیسائیہ میں آگے سے ہے اور اب بھی ہوتا جاتا ہے. مگر چونکہ بالفعل کے عیسائی لوگ اس تفرق مذاہب کی نظر سے کچھ اعتراض ملتِ اسلامیہ پر نہیں کرتے. اس لیے ہم بھی ان کے تفرق کا کچھ تعرض نہیں کرتے. بلکہ وہ جو اصول جمہوری ان کے اصول متواترہ اسلامیہ کے خلاف ہیں انہیں کے سبب اس کتاب میں گفتگو ہے.

اور جاننا چاہیئے کہ اس کتاب میں اصل مطلب بہت تھوڑا ہے مگر مبادی ان مطالب کے بہت لکھے گئے ہیں. تو جس کو شوق اصل مطلب کے سمجھنے کا ہو تو اسے چاہیئے کہ مبادی کے بغور سمجھنے سے گھبرائے نہیں. ورنہ اس کا لطف کچھ معلوم نہ ہو گا اور اس کتاب میں یہ بھی ہر کسی کو اختیار ہے کہ ہر قسم کے استفسارات کے رسائل چاہے جُدا بنالے. مثلاً تثلیث کا علیحدہ اور تحریف کا علیحدہ اور نبوتِ مصطفوی کے ثبوت کا علیحدہ. اور جواب اعتراضات کا رسالہ علیحدہ کر لے اور اگر کہیں غلطی باب اور درس کے پتے دینے میں ہوئی ہو تو اسے درست کر دے اور بارگاہِ خداوندی میں اس کتاب کی قبولیت کی دعا کرے وما توفیقی الا باللہ ھو حسبی ونعم الوکیل.

پہلا استفسار

ہمارا اور عیسائیوں کا اتفاق ہے اس بات میں کہ خدا اور معبود اور مبدءِ کل کائنات وہی ہے جس کا ہونا ضرور اور واجب ہے اور سب سے بے نیاز ہے۔ آگے ہم یہ کہتے ہیں کہ اذروئے ایک برہان عقلی کے کہ مبنی ہے فلاسفہ حقہ کے اصول پر اور اسے ہم یہاں بیان نہیں کرتے اس واسطے کہ دقیق ہے۔ اگر آپ لوگ پوچھیں گے تو بیان بھی کر دیں گے۔ ثابت ہوتا ہے کہ جو مبدء کل کائنات ہے اس کی یہ شانیں ہیں۔

(۱) —— وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جب تک محدود نہ ہو اور اس کی حد بست نہ ہولے تب تک اسے نہ کہہ سکیں کہ ہے۔ مثلاً انسان کہ جب تک جوہر مقید بجسم اور جسم مقید بحیوان اور حیوان مقید بناطق اور ناطق مقید با وضاع اور اشکال مخصوصہ نہ ہولے تب تک یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی انسان موجود ہے اور مثلاً جسم کہ جب ہوگا تب محدود بحدود متناہیہ ہوگا اور جب تک محدود نہ ہوگا تو پایا ہی نہ جائے گا۔ سو حضرت مبدء کل ایسے حدود اور قیود سے منزہ ہے۔

(۲) —— اور وہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے ہوتے دوسرا بھی کہہ سکے کہ میں بھی ہوں اور وہ کسی مرتبے میں ٹھٹک کے رہ جائے اور ورے یا پرے اس کے کوئی دوسرا ہو۔

(۳) —— اور وہ ایسا نہیں ہے کہ جو چیز مرتبہ ظہور میں آوے وہ اس سے فی الجملہ بھی بے نیاز ہو سکے بلکہ ضرور ہے کہ ہر چیز ہر آن ہمیشہ اس کی نیاز مند ہو اور اگر فرض کیا جائے کہ کبھی کوئی چیز نیاز مند نہ بھی ہو تو ضرور ہے کہ وہ چیز ہووے نہیں یعنی اسے یہ کہہ نہ سکیں کہ موجود ہے۔

ہرگاہ یہ ثابت ہو چکا تو مبدء کل کائنات نہ آدمی ہو سکتا ہے اور نہ جانور، نہ درخت، نہ پتھر اور نہ زمین اور نہ سمندر نہ ہوا نہ آگ نہ آسمان نہ اس کا کوئی تارا۔ اس لیے کہ ہر ایک ایک حد رکھتا ہے کہ اس حد سے وہ باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ مثلاً انسان کہ سینکڑوں مراتب حیوانیت

کے اس سے خالی ہیں مثلاً زمین کہ پانی سے ورے ہے اور پانی کے مرتبہ میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ اور مجموعہ ان سب چیزوں کا متناہی ہے اور از روئے برہان تطبیق کے (کہ اسے بھی ہم یہاں بیان نہیں کرتے) اس مجموعہ کی عدم تناہی باطل ہے اور مبدء کل چاہیئے کہ ایسا ہو کہ کوئی مرتبہ نفس الامری الیسا نہ نکل سکے جہاں وہ نہ ہو اور ورے اس کے ٹھٹھک جائے۔ چنانچہ حضرت اشعیا نبی کے زبان پر فرمایا کہ میں اول ہوں اور میں آخر ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں ہے یعنی جو موجود ہے اس کے موجود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ میرے ارادے کی شان ہے اور اسی لیے کتاب استثناء کے چوتھے باب میں پندرہ ۱۵ ہویں درس سے انیسویں ۱۹ تک خدا کا حکم حضرت موسیٰ بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں کہ اب سے تم خبردار رہو کہ خدا نے آگ میں سے تمہارے ساتھ باتیں کیں اور تم نے کوئی شکل نہیں دیکھی نہ ہو کہ تم خراب جاؤ اور عبادت کے لیے کوئی شکل والی چیز مقرر کرو یعنی شکل والی چیز متناہی ہوتی ہے اور معبود وہ ہے جو مبدء کل ہے۔ سو وہ ایسی چیز ہو ہی نہیں سکتا جو متناہی ہو اور اسی کتاب استثناء کے باب تیرہویں کے آغاز میں واقع ہے کہ جو کوئی نبوت کا دعوےٰ کر کے نئی چیز یعنی حادث کو معبود کہے اسے جھوٹا جانیو بلکہ مار ڈالیو اگرچہ بڑے بڑے معجزات دکھلاوے۔ مطلب یہ کہ جو چیز مرتبہ ظہور میں آتی ہے اس کا ظہور میں آنا نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ محدود اور متناہی ہو اور جو ایسا ہو سو مبدء کل نہیں ہو سکتا تو اس کو معبود نہ قرار دینا چاہیئے۔

الغرض اگر یہ تقریر ہماری درست ہے تو حضرت عیسیٰ مبدء کل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ اپنے مرتبہ ظہور میں وہ شخص اور محدود ہیں اور اگر محدود اور شخص ہونا ان کا نہ تسلیم کیا جائے تو ان کے موجود ہونے کے کچھ معنی نہ ہوں گے اور جب وہ محدود اور متعین ہوئے تو مبدء کل کائنات نہیں ہو سکتے۔ اور اگر یہ تقریر درست نہیں ہے تو کسی دلیل سے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ ہر ولایت کا یا ہر ایک نوع موجودات کا بلکہ ہر ایک شخص کا خدا علیحدہ ہو اور کیا وجہ کہ ہر ایک چیز پر احتمال خدا ہونے کا نہ ہو سکے۔ اور کیا سبب کہ مریم کا بیٹا خدا ہو اور کوشلیا کا بیٹا یعنی رام چندر اور دیو کی کا بیٹا یعنی کنہیا خدا نہ ہو جنہیں ہندو لوگ اسی طرح خدا ٹھہراتے ہیں جس طرح تم حضرت عیسیٰ کو اور کیا وجہ کہ بشن اور مہادیو اور برہما خدا نہ ہوں کہ ہر ایک ان میں سے بطور ہنود کے مظہر اتم صفت

کاملہ کا ہے اور کیا وجہ ہے نفوس کو کبیہ اور عقول عشرہ جنہیں مجوسی لوگ مفوض الاختیار در باب ایجاد اور افنائے موجودات جانتے ہیں خدا نہ ہو سکیں اور کبھی کسی مرتبہ میں عاجز دکھائی دینا تمہارے اصول کے موافق منافی شان اُلوہیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ بھی یہودیوں کے ہاتھوں میں عاجز ہی دکھائی دیئے اور کھانے پینے کے برابر محتاج رہے اور بن باپ ہونا اگر موجب اُلوہیت کا ہو تو چاہیے کہ آدم خدا ہو۔ بلکہ ہندوؤں کے اکابر میں بہتیرے بن باپ اور بہتیرے بن ماں پیدا ہوتے ہیں چاہیے کہ وہ بھی خدا ہوں اور حضرت عیسیٰ کا بن باپ ہونا تو عقلاً مشتبہ[1] ہے۔ اس لیے کہ حضرت مریم یوسف کے نکاح میں تھیں۔ چنانچہ اس زمانے کے معاصرین لوگ یعنی یہود جو کچھ کہتے ہیں سو ظاہر ہے اور مُردہ زندہ کرنا حضرت عیسیٰ کا اگر ثابت بھی ہو تو اس طرح ان کے شاگردوں کا بھی مُردہ زندہ کرنا اور الیاس کا بھی مُردہ زندہ کرنا ثابت ہے۔

دوسرا استفسار

ہم نے بعض اہلِ علم عیسائیوں سے سُنا ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو ان کے جسم اور نفس ناطقہ کی جہت سے جو ہر آدمی کے لیے ہوتا ہے خدا نہیں جانتے ہیں بلکہ بنظر ایک اور حقیقت کے کہ جان و تن سے اس کا مرتبہ اُوپر ہے حضرت عیسیٰ کو خدا جانتے ہیں کہ وہ حقیقت حضرت عیسیٰ کے لیے تھی اور کے لیے نہیں ہے۔ یہاں مجھے کئی شبہے ہیں۔

پہلا شبہ۔ اس طرح کی بات ہم ہر چیز کے لیے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ یقیناً کہتے ہیں کہ جسم و جان سے پرے حقیقت کے ہونے کے معنی یہی ہیں کہ مابہ التحقیق یعنی موجود ہونے کی جڑ ہو۔ سو اس طرح کی حقیقت ہر چیز کے لیے وہی حضرت حق جل و علا وارجع ہے جیسا کہ ہمارے پہلے استفسار سے مستنبط ہوتا ہے کچھ حضرت عیسیٰ کی ذات خاص پر اس کا حصر نہیں ہے۔ چنانچہ پولوس حواری اپنے نامہ موسومہ افسیون کے باب چہارم کے ورس ششم میں لکھتا ہے نسخہ ۱۸۳۹ء "ایک ہی خدا ہے جو تم سبھوں کا باپ ہے اور سبھوں کے اوپر اور سبھوں کے درمیان اور سبھوں میں ہے"۔ اور پادری فنڈر صاحب نے مفتاح الاسرار کے باب دوم کے دوسری فصل میں اس مضمون کا اظہار

---

[1] مگر نقلاً یہ مشتبہ نہیں یہ قطعیات میں سے ہے کہ حضرت مریم نے بدوں مسِ بشر حضرت عیسیٰ کو جنم دیا۔

فی الجملہ اقرار کیا ہے۔ اس طرح کہ سارے موجودات خدا کے خیالوں کا اظہار اور بیان ہے جو عالم کی پیدائش میں ظاہر اور مجسم ہو کر مرے ہوئے ہیں۔

اور اسی فصل میں جو کلام صوفیانہ انہوں نے نقل کیا اور اسے مسلم رکھا تو اس سے بھی یہی بات لازم آتی ہے۔ یعنی ہر چیز کی حقیقت وہی حضرت حق جل وعلا ہے کچھ حضرت مریم کے صاحبزادے کی خصوصیت نہیں۔ چنانچہ ہمارے قرآن شریف میں ہے کہ اصل بات کو خاک میں ملایا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ خدا وہی عیسیٰ ہے یعنی جس کا ظہور ہر چیز میں تھا اسے منحصر ایک چیز میں سمجھے۔

دوسرا شبہ اس عیسائی والی تقریر پر یہ ہے کہ اگر اس حقیقت کی راہ سے جو جسم و جان سے پرے ہے حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہو اس مرتبے میں تعدد شخصی کہاں ہے اور جب تعدد باطل ٹھہرا تو تثلیث کہاں سے آوے گی۔ حالانکہ عیسائی لوگ تثلیث قائم کر کے ہر ثالث کو خدا کہتے ہیں چنانچہ عیسائیوں کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق روح القدس غیر مخلوق باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا۔

اور اگر کوئی عیسائی کہے کہ تثلیث باعتبار تعدد اعتباری کے ہے نہ باعتبار تعدد شخصی کے سو یہ غلط ہے دو وجہ سے۔

اول یہ کہ حضرت مبدء کل کے نسبت اگر تعدد اعتباری باعتبار اس کے تعدد صفات کے لیجئے تو صفات غیر محصورہ کا تعدد نکلے گا نہ کہ تین کا۔

دوسرے یہ کہ ساری دینی کتابیں عیسائیوں کی اس مضمون سے مالا مال ہیں کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور دونوں سے روح القدس ہوا۔

چنانچہ کتاب نماز اور عقائد وغیرہ جو فارسی زبان میں ترجمہ ہو کر ۱۸۴۰ سنہ عیسوی میں کلکتے میں چھپی اس کے عقائد مقدس اتھاناسیس میں لکھا ہے۔ پسر فقط از پدر است و متولد است و روح القدس از پدر است و از پسر است و مستخرج است۔ پس ایک چیز سے ایک کا پیدا ہونا صریح دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اقانیم ثلثہ میں تعدد ویسا نہیں ہے جیسا ذات اور صفات میں ہے اور جب ایسا نہ ٹھہرا بلکہ ایک سے دوسرے کا نکلنا ثابت ہوا تو تینوں کے مرتبہ کی مساوات باطل ٹھہری اس لیے کہ بدیہی ہے کہ جو نکلا وہ موخر ہے اور جس سے نکلا وہ مقدم ہے رتبۃً اور ذاتاً۔

بالجملہ ان دو باتوں کا معتاقائل ہونا یعنی بیٹے کو صادر اور باپ کو مصدر قرار دینا اور دونوں کو مرتبے میں مساوی جاننا اجتماع النقیضین کا قائل ہونا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ جو تین ٹھہرا کر ہر تیسرے کو خدا کہتے ہیں اصل بات کو خاک میں ملاتے ہیں اور اگر صادریت اور مصدریت کے اعتبار سے قطع نظر کیا جائے تو تعدد شخصی نہ نکلے گا اور جب تعدد شخصی نہ نکلا تو تثلیث بھی نہ نکلے گی اور جو مرتبہ صادریت سے اوپر مصدریت کا ہے اس کی نسبت ہر چیز برابر ہے۔ کچھ حضرت عیسیٰ کی خصوصیت نہیں، سارا عالم اسی کا ظہور ہے۔

ہاں اتنی بات البتہ مسلّم ہے کہ ہر چند جو چیز موجود ہے اس کے موجود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ حضرت وجود واجب کے ارادے کی شان اور وہ اس کی طرف منسوب ہے گو کہ وہ نسبت معلوم نہیں ہو سکتی۔ معہذا کوئی برہان عقلی اس بات کے امتناع پر نہیں قائم ہے کہ بعضے موجودات میں حضرت وجود واجب کی شان ارادی کا ظہور اقدم اور اقویٰ ہو اور اس موجود کی نسبت اس کی طرف بہ نظر اور موجودات کی نسبتوں کے اشرف اور اعلیٰ ہو جیسے مثلاً نفس ناطقہ کو بدون اس کے کہ جزو بدن ہو، سارے بدن سے علاقہ ہوتا ہے مگر وہ علاقہ جو اس کا دل و دماغ کے ساتھ ہے اقویٰ اور اعلیٰ ہے بمقابلہ اس علاقہ سے جو پاؤں کے ساتھ ہے اس لیے کہ پاؤں کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے بشر بشریت سے نہیں باہر ہوتا ہے بخلاف دل و دماغ کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے بشر بشر نہیں رہتا۔ اسی طرح عقلاً جائز ہے کہ اس ہوا کے ساتھ جو بقول صاحب توریت عدن میں صبح کے وقت ایک بار چلی اور آدم نے اس میں سے خطاب پر عتاب سنا اور اس نور کے ساتھ جو ہمرنگ آتش وادی ایمن میں حضرت موسےٰ کو ایک درخت پر نظر آیا اور اس ابر کے ساتھ جو خیمہ مقدس موسوی پر گھر جاتا تھا اور اسی طرح اس جسم اقدس کے ساتھ جو مریم کے پیٹ سے ظاہر ہوا اور اس بدن اطہر کے ساتھ جو حضرت آمنہ کے بطن سے جلوہ گر ہوا۔ حضرت مبدء کل کی نسبت ایسی اقویٰ اور اشرف ہو کہ اور موجودات کے ساتھ نہ ہو۔ پس یہ کچھ خصوصیت حضرت عیسیٰ کی اس میں نہیں ہے اور نہ حضرت عیسیٰ کی نسبت ایسا ہونا عقلاً محال ہے بلکہ نقلاً اس کا ماننا چاہیے بشرط تصدیق حضرت خاتم النبیین کے ورنہ اب کوئی دلیل حضرت عیسیٰ کے ساتھ اس نسبت ہونے کی ثابت نہ ہو سکے گی۔

تیسرا استفسار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات جو مؤلفین اناجیل نے نقل کیے ہیں گواہی دیتے ہیں اس بات کی کہ وہ از روئے تعدد شخصی اور تعین وجودی میں صرف عبداللہ اور رسول اللہ تھے نہ کہ اللہ اور ابن اللہ اور ابن اللہ ان معنوں کر کے جو عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ اور کوئی شخص ویسا نہیں ہو سکتا۔

ازاں جملہ جو یوحنا کی انجیل کے بیسویں (۲۰) باب کے سترہویں (۱۷) ورس میں ہے نسخہ ۱۸۳۹ء میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس جاؤں گا۔"

ازاں جملہ اسی انجیل کے پانچویں باب کے بتیسویں (۳۲) ورس میں ہے نسخہ ۱۸۱۴ء میں آپ سے کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ اور انیسویں (۱۹) ورس میں ہے نسخہ ۱۸۱۴ء جو کچھ باپ کرتا ہے وہی کچھ میں کرتا ہوں۔

ان دونوں جملوں کے ملانے سے یہ مطلب نکلا کہ معجزات میرے افعال نہیں ہیں میرے حدود شخصیہ سے باہر ہیں۔ یہ صرف خدا کے افعال ہیں۔ جیسا قرآن میں حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کی نسبت فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے انیسویں (۱۹) باب کے سولہویں ورس میں ہے ۱۸۱۴ء ایک نے آکر اس سے کہا کہ اے اچھے اُستاد میں کون سا اچھا کام کروں تاکہ حیاتِ ابدی پاؤں۔ اس نے کہا مجھے اچھا کیوں کہتا ہے اچھا کوئی نہیں ہے مگر ایک جو خدا ہے اور اگر تو حیات میں داخل ہوا چاہے تو حکموں کو حفظ کر سب نسخے اس کے موافق ہیں۔

دیکھئے اچھے تو بہت لوگ ہوتے ہیں خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام مگر شاید کہنے والے کی غرض یہ ہوگی کہ تم کامل مطلق ہو جیسا کہتے ہیں کہ بے عیب یعنی بے نقصان ذات خدا کی ہے اس پر آپ نے اسے رد کیا کہ ان معنوں کر کے ایسا کوئی نہیں بجز واحد حقیقی کے اور یہ نہیں کہا کہ تین شخص ان معنوں کر کے اچھے ہیں۔ دیکھو یہاں سے تثلیث کیسے باطل ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ مرتبہ تعدد شخصی میں مساوات

کی نفی کی اور کامل مطلق صرف ایک ہی کو فرمایا۔ چنانچہ اسی لیے نسخہ ۱۸۳۶ء والے نے کچھ خدا کا خوف نہ کیا اور ورس ہفتدہم کو بدل ڈالا یعنی لکھا اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے کیوں نیکی کا سوال کرتا ہے نیکی یہی ہے کہ اگر تو اس زندگی میں داخل ہونا چاہے تو حکموں پر عمل کر۔ دیکھو بطلان تثلیث کے مطلب کو بالکل اُڑا دیا۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے چودہویں باب کے اٹھائیسویں [۲۸] ورس میں ہے ۱۸۱۴ء "باپ مجھ سے بزرگ ہے" دیکھو حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ مرتبہ صادر کا مصدر کے مرتبے سے کم ہے نہ کہ مساوی۔

ازاں جملہ ساری انجیلوں میں مکرر حضرت عیسیٰ کا قول یوں منقول ہے کہ میرا باپ آسمان پر ہے اور تمہارا باپ آسمان پہ ہے۔

یہ بات فی البدیہہ نفی کرتی ہے اس بات کو کہ خدا نے خود ہی مریم کے پیٹ میں جسم پکڑ کے ظہور کیا ہو اور گواہی دیتی ہے اس بات کی کہ مبدء کل کا مرتبہ بلند ہے اور ظہور اور صدور ظاہری کے مرتبے میں کوئی مبدء کل نہیں ہے۔

ازاں جملہ دوسری انجیل کے تیرہویں [۱۳] باب میں حضرت عیسیٰ نے زمانے کے آخر ہونے کی علامات بیان کر کے فرمایا۔ ورس ۳۲ نسخہ ۱۸۱۴ء۔ اس دن اور اس گھڑی کی بابت[۱] سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں اور نہ بیٹا کوئی نہیں جانتا کہ وقت کب ہے۔

دیکھیے جس طرح ایک بار حضرت عیسیٰ نے اپنے تعین شخصی کی نظر سے اپنا عجز بیان کیا ویسا ہی یہاں اپنے تعین شخصی کی جہت سے اپنا جہل بیان کیا اور صفت علم اور قدرت تو باطن سے علاقہ رکھتی ہے جسم سے کچھ کام نہیں۔ بس معلوم ہوا کہ قطع نظر جسمیت کے باطن عیسوی کو بھی خدائی کا مرتبہ نہیں ہے۔ چنانکہ ہماری برہان عقلی موعود اسی بات کو ثابت کرتی ہے کہ ہر شخص ناقص ہے گرکہ ایک شخص بہ نسبت دوسرے شخص کے کامل ہو اور اگر تعین شخصی سے قطع نظر کیا جائے تو وہاں

---

[۱] قرآن کریم میں بھی ہے کہ ساعت قیامت کو ایک خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (پ النازعات آیت ۴۴) پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچتا ہے الیٰ ربک منتہٰھا۔ خود حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ آپ پوچھنے والے سے اسے زیادہ نہیں جانتے۔

اثنینیت اور دوئی بھی نہیں چہ جائیکہ تثلیث۔ جیسا کہ مولوی روم فرماتے ہیں ؎

چونکہ بے رنگی اسیر رنگ شد ۔ موسئے و فرعون اندر جنگ شد

گر بہ بے رنگی رسی کاں داشتی ۔ موسئے و فرعون دارند آشتی

از انجملہ دوسری انجیل کے بارہویں باب میں جہاں حضرت عیسیٰ نے اولین احکام شریعت کی تصریح کی، وہاں فرمایا۔ ورس ۲۹ نسخہ عربیہ ۱۸۶۷ء "الربّ الھنا ربٌّ واحدٌ" یعنی وہ پروردگار معبود ہمارا سب کا ایک ہی ہے۔ دیکھو یہ نہیں فرمایا کہ و ثلثۃ ایضًا۔ یعنی اور تین بھی ہیں۔

مگر نسخہ عربیہ ۱۸۸۱ء والے نے یہاں تھوڑی سی تبدیلی کر دی یعنی اس جملہ کا ترجمہ یُوں کیا۔ الربّ الٰھک الٰہٌ واحد۔ متکلم کی ضمیر کو خطاب کی ضمیر سے بدل ڈالا کر بڑا مطلب عظیم الشان فوت ہو جانے سے ضمیر متکلم کی دلالت کرتی تھی اس بات پر کہ حضرت عیسیٰ خود معبود نہیں ہیں بلکہ معبود اور ہے جو سب کا معبود ہے اور ضمیر خطاب سے وہ بات جاتی رہی۔ مگر الحمد للہ ابھی تک وہ نسخے مطابق اسی پہلے نسخے کے ہیں۔

از انجملہ چوتھی انجیل کے سترہویں باب میں جہاں حضرت عیسیٰ نے حیاتِ ابدی کی شرح کی وہاں فرماتے ہیں۔ ورس ۳ ۱۸۷۰ء "حیاتِ ابدی یہ ہے کہ وہ تجھے اکیلا سچا خدا اور عیسیٰ مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔"

اور آگے چل کر ورس ۲۳ میں اس جاننے کی تفسیر یُوں فرمائی "تاکہ دنیا جانے کہ تُو نے مجھے بھیجا ہے۔" دیکھو اکیلے کے لفظ کو کس طرح تثلیث کی نفی کرتا ہے یعنی کہتے ہیں کہ خدائی کے مرتبے میں صرف وحدت ہے وہاں ثنویت بھی نہیں چہ جائیکہ تثلیث اور اپنی نسبت جاننے کے معنی بھی کہے کہ مجھے بھیجا ہوا جانیں نہ یہ کہ مجھے خدا بھی جانیں اور نہ یہ کہ خدائے مجسم سمجھیں۔ یا یہ سمجھیں کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا ہے۔

از انجملہ اسی باب کا چھٹا اور ساتواں ورس ہے نسخہ ۱۸۳۹ء "میں نے تیرا نام ان لوگوں پر جنہیں تو نے دُنیا میں مجھے دیا ظاہر کیا ہے۔"

الیٰ قولہ "اب انہوں نے جانا ہے کہ سب کچھ جو تُو نے مجھے دیا تیری طرف سے ہے۔" دیکھو یہ نہیں فرماتے کہ میں نے اپنا نام جسم پکڑ کر جن میں ظاہر ہوا ہوں۔ ان پر ظاہر کیا

اور انہوں نے یہ جانا کہ یہ سب کام میرے ہیں۔ بلکہ اقرار اپنے تعین شخصی کی جُدائی کا حضرت مبدء کی نسبت ظاہر کر کے فرماتے ہیں کہ تعین شخصی کی راہ سے میں بالکل محتاج ہوں اور کچھ میرا نہیں ہے پس اگر تعین شخصی سے قطع نظر کیا جائے تو عیسیٰ عیسیٰ نہیں ہیں بلکہ کوئی کچھ نہیں ہے سوائے خدا کے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے تیئسویں[۲۳] باب کے نویں اور دسویں ورس میں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۴ء۔ ۹۔

"زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہیو کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے"۔ ۱۰۔ "اور نہ تم مرشد کہلاؤ کیونکہ تمہارا مرشد ایک ہی ہے جو مسیح ہے"۔ دیکھو باپ کے لفظ کے ساتھ فرمایا کہ ایک ہی ہے یعنی حضرت مبدء کل جس مرتبے میں ہے وہاں دوئی کی گنجائش نہیں ہے چہ جائیکہ تثلیث کی اور مرتبہ تعینات میں عیسیٰ مسیح مرشد ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ منجملہ احکام شریعت کے سب سے جو بڑا اور پہلا حکم ہے اور حیاتِ ابدی جس کا نام ہے وہ سوائے محمدیوں کے اور کسی کے لیے عالم میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہندو اور پارسی اور چینی بہت سے تعنیات کی نسبت مبدء کل ہونے کا دھیان کرنا کمال عبادت جانتے ہیں اور حضرت عیسٰی سے بھی منکر ہیں اور عیسائی لوگ حضرت عیسٰی اور روح القدس کو مبدء کل دھیان کرتے ہیں اور یہودی لوگ عیسٰی مسیح کو اس کا بھیجا ہوا اور مرشد نہیں جانتے ہیں، بلکہ ضال اور مضل کہتے ہیں بخلاف محمدیوں کے کہ صرف بدولت حضرت خاتم النّبیین کے معبود اور مبدءِ کل ایک ہی کو جانتے ہیں اور مرتبہ تعنیات میں سے کسی کو مبدء کل دھیان نہیں کرتے اور تعین شخصی کی راہ سے مسیح کو خدا کا رسول اور دنیا کا مرشد جانتے ہیں نہ کہ ضال و مضل یا معبود اور مبدءِ کل بس اگر خدا نے چاہا تو ہمارا خاتمہ بھی اسی بات پر ہو گا اور حیاتِ اَبدیہ اور عیسائیت حقیقیہ ہمارے لیے ہی ہو گی۔ اور اس طرح کی باتیں انجیلوں میں بھری پڑی ہیں، کہاں تک میں ان کو بیان کروں۔

اگر اس مقام پر عیسائی لوگ کہیں یہ تم نے جو ورس متضمن توحید کے بیان کیے سو مسلم مگر انجیلوں میں اور ورس بھی ہیں کہ دلالت کرتے ہیں حضرت عیسٰی کی اُلوہیت پر اور بعضے روح القدس کی الوہیت پر۔ اسی واسطے واجب تعالیٰ ایک بھی ہے اور تین بھی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بالفرض اگر اور ورس ایسے ہیں تو توحید کے ورسوں سے تعارض ہوا۔ اس صورت میں از روئے قواعد عقلیہ کے

احدالامرین سے چارہ نہیں یا بموجب اذا تعارضا تساقطا کے دونوں طرح کے ورسوں کو ساقط کیجئے اور جدھر عقل رہبری کرے اُدھر چلیئے۔ یا ان میں سے جو عقلاً ضروری ہو اسے اصل قرار دیجئے اور جو عقلاً ناجائز ہو اس کی تاویل کیجئے۔ اور بندہ یہ کہتا ہے کہ جن ورسوں سے آپ لوگ الوہیت عیسویہ نکالتے ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا اوّلاً تو اپنے حقیقی معنوں کی راہ سے الوہیت عیسویہ پر دلالت ہی نہیں کرتے۔ صرف آپ کا استنباط ہے اور آپ کا استنباط بمقابلہ نصوص ظاہرہ انجیلیہ اور براہین باہرہ عقلیہ کے کسی طرح قابل جواز نہیں۔ یا ثانیاً اس کی تفسیر خود ہی حضرت عیسیٰ نے خلاف ظاہر الفاظ فرما دی ہے۔ پس اس تفسیر کے ہوتے ہوتے تمہارے معنوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ یا ثالثاً وہ ورس ایسے ہیں کہ ان کے حقیقی معنوں کے راہ سے تمہیں بھی اس کی تاویل کرنی ضروری ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تاویل کی ضرورت پڑی تو موافق نصوص عیسویہ اور دلائل عقلیہ کے جو توحید پر دلالت کرتے ہیں تاویل کرنا چاہئیے نہ کہ خلاف اس کے۔ اب لازم ہوا مجھے کہ ان ورسوں کو جنہیں الوہیت عیسویہ کے لیے عیسائی لوگ دلیل لاتے ہیں۔ بیان اور ان کے استدلال کو رفع کروں اور جب استدلال ان کا بابت الوہیت عیسویہ کے رفع ہو گیا تو تثلیث باطل ہو گئی اور حاجت ابطال الوہیت روح القدس کی نہ رہی۔

سو اوّلاً جاننا چاہیئے کہ اس بات میں ظاہر مفتاح الاسرار کے برابر جو پادری فنڈر صاحب نے ۱۸۳۲ء میں تصنیف کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ پس جن ورسوں کا انہوں نے پتہ دیا ہے ان میں سے جو اُن کے طور پر افادۂ مطلب میں بہت قوی اور محکم ہیں انہیں میں انجیلوں سے نقل کرتا ہوں۔ ثانیاً یہ جاننا چاہیئے کہ فنڈر صاحب نے اس کتاب کی پہلی فصل میں وہ جملے نقل کیے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی نسبت ابن اللہ کا لفظ آیا ہے کہ اس کو بھی عیسائی لوگ مفید الوہیت عیسویہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ انجیلوں میں اور توریت میں بھی بہتیرے آدمیوں کی بہ نسبت ابن اللہ کا لفظ واقع ہے۔ چنانچہ خود فنڈر صاحب نے اس بحث کے آخر میں لکھا ہے کہ ہر دیندار آدمی خدا کا بیٹا کہلاتا ہے۔ پس استنباط الوہیت عیسویہ ابن اللہ کے لفظ سے باطل ہو گئی۔ اس سے تعرض کرنا کچھ ضروری نہیں۔ باقی رہے اور جملے ان میں سے جو اُن کے نزدیک افادہ الوہیت عیسویہ میں قوی تر ہیں انہیں بیان کرتا ہوں۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے آٹھویں باب کا ورس ۲۳ نسخہ ۱۸۳۹ء " اس نے انہیں کہا کہ تم نیچے سے ہو میں اوپر سے ہوں۔ تم اس دنیا کے ہو میں اس دنیا کا نہیں ہوں " بنظر ظاہر عبارت کے یہ خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ جس زمین پر اور بنی اسرائیل تھے اسی زمین پر حضرت عیسیٰ بھی تھے پس عیسائیوں کو ضروری ہوا کہ اس کی تاویل کریں۔ سو انہوں نے یہ تاویل لی کہ میں خدا ہوں اور تم بندے ہو تاکہ ایک مرتبے میں نہ ہونا صحیح ہو۔ اور ہماری تاویل یہ ہے کہ نیچے اور اوپر سے مراد نہیں ہے مگر بلندی اور پستی مرتبے کی تو مطلب حضرت عیسیٰ کا یہ ہے کہ میں نبی ہوں تم نبی نہیں ہو۔ میں دنیادار نہیں ہوں تم دنیادار ہو اور جتنے سچے زاہد لوگ ہیں ان کی نسبت سبھی محاوروں میں یہی کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا آدمی نہیں ہے اور دُنیادار کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ دُنیا کا آدمی ہے یہاں سے خدائی کسی طرح نہیں بوجھی جاتی۔

ازاں جملہ ورس ۵۸ اسی باب کا ۱۸۳۹ء " ابراہیم کے ہونے سے میں آگے ہوں " حضرت ابراہیم سے حضرت عیسیٰ کا تقدم بجمیع الوجوہ اگر مراد ہو تو صریح غلط ہے۔ اس لیے کہ بنظر ظہور دنیوی کے ابراہیم سے عیسیٰ مؤخر تھے۔ پس ضرور ہوا کہ بعض وجوہ کا تقدم مراد ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تقدم بالشرف مراد ہے اور تقدم بالشرف سے الوہیت نہیں ثابت ہوتی۔ غایۃ الامر یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی تعریف کی کہ میں ابراہیم سے اچھا ہوں۔ اور عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ تقدم بالزماں مراد ہے باعتبار باطن حضرت عیسیٰ کے اور تقدم زمانی باعتبار باطن عیسوی کے نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ وہ اللہ ہوں۔ اب دیکھئے کس کی تاویل مطابق عقل کے ہے اور کس کی خلاف عقل۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے گیارہویں باب کے ستائیسویں ۲۷ ورس میں ہے ۱۸۳۹ء " سب چیزیں میرے باپ نے میرے حوالے کی ہیں " اور اسی انجیل کے اٹھائیسویں ۲۸ باب کے اٹھارہویں ۱۸ ورس میں ہے ۱۸۳۹ء " آسمان اور زمین پر سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے " اور چوتھی انجیل کے پانچویں باب کے بائیسویں ورس میں ہے ۱۸۳۹ء " باپ کسی پر عدالت نہیں کرتا بلکہ ساری حکومت بیٹے کو دی " ایسے جملوں سے حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور خدائی ثابت کرنا وہی اجتماع نقیضین کا قائل اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ اس لیے کہ اگر سارے اختیارات اور سب چیزوں اور حکومتوں کے ملنے سے خدائی بوجھی جائے تو خدا ہونا ثابت نہ ہوا۔ بلکہ یہ ثابت ہوا کہ خدا نے اُن کو

خدا بنایا۔ اس طرح تو حضرت عیسٰی نے حواریوں کو بھی خدا بنایا ہے۔ چنانچہ چوتھی انجیل کے اٹھارہویں باب میں فرماتے ہیں۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۲۲ "اور وہ بزرگی جو تو نے مجھے دی ہے میں نے انہیں دی تاکہ وہ اس طرح سے کہ ہم ایک ہیں ایک ہوں" ورس ۲۳ "میں ان میں تو مجھ میں تاکہ ان کا ایک ہونا پورا ہو جائے" اب چاہیئے حواری لوگ ویسے ہی ہوں جیسے حضرت عیسٰی تھے پس ضرور ہوا کہ اس کی کچھ تاویل کی جائے۔ سو ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ملائکہ قضا و قدر کو تمشیت امور عالم میں باذن اللہ دخل ہوتا ہے اسی طرح جائز ہے کہ حضرت عیسٰی کے لیے بھی ہوا ہو اور ان کے طفیل سے بعض حواریوں کو بھی پس یہاں سے خدائی کسی طرح نہیں بوجھی جاتی۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے اٹھائیسویں باب کے بیسویں[۲۰] ورس میں ہے ۱۸۳۹ء "زمانے کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" اگر ساتھ ہونا بجمیع الوجوہ مراد ہے تو غلط ہے اس لیے کہ حواریین دنیا میں رہے اور حضرت عیسٰی یہاں سے رحلت فرما گئے۔ علاوہ اس کے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ بطور ابدیت کے رہنا مستلزم ہے کہ وہ دوسری چیز بھی اَبدی ہو۔ اس صورت میں حواری لوگ بھی چاہیئے کہ اَبدی ہوں۔ جس طرح کہ حضرت عیسٰی ابدی تھے اور اگر معیت سے مراد معیت روحانی ہے یہ تو ہمارا عین عقیدہ ہے کہ ارواح سب ابدی ہیں اور جس روح کامل کو جس روح سے علاقہ محبت ہے وہ اس کے حال پر متوجہ رہتی ہے اور اگر غور کیجیے تو ورس مذکور سے یہ بوجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی مارے نہیں گئے بلکہ آخر زمانے یعنی تاقیامت جیتے رہیں گے اور مخاطبین سے مراد تمام آدمی ہیں۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے اٹھارہویں باب کے بیسویں ورس ۱۸۳۹ء "جس جگہ دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں" یہ بھی از روئے ظاہر لفظ کے خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ ہم عیسائیوں کو گرجے میں حضرت عیسٰی کے نام پر مجتمع دیکھتے ہیں اور ان میں حضرت عیسٰی نہیں ہوتے۔ پس ضروری ہوا کہ ان کی توجہ باطنی مراد ہو۔ ایسا عقیدہ ہمارا تو ہر ولی کے ساتھ ہے چہ جائیکہ نبی کے ساتھ۔ یعنی جو شخص جس ولی سے دھیان لگاتا ہے اس ولی کی توجہ باطنی اس کی طرف[۱] ہو جاتی

---

[۱] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر وقت حسًا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہے اور ایک کی طرف متوجہ ہونا بسبب کمال نزاہت روحانی کے مانع دوسری طرف کی توجہ کے نہیں ہوتی پس خدائی یہاں سے کیونکر بوجھی گئی۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے چودھویں باب کے نویں ورس میں ہے ۱۸۳۹ء "جس نے مجھے دیکھا ہے باپ کو دیکھا ہے" یہ بھی ظاہری لفظوں کی رو سے بالکل منافی اصول کلیہ نصاریٰ اور بدیہی البطلان ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا مگر لباس جسمانی میں اور جسمیت کی راہ سے بھی خدا کہو گے تو عقلاً فی البداہت باطل اور نقلاً بالکل خلاف انجیل کے ہو جائے گا۔ پس ضروری ہوا کہ عیسائی لوگ بھی اس کی تاویل کریں۔ اور ہماری تاویل یہ ہے کہ یہ فرمانا حضرت عیسیٰ کا اس طرح کا ہے جس طرح پہلی انجیل کے پچیسویں[۲۵] باب میں ورس ۴۲ سے لے کر ۴۵ تک فرمایا کہ "جس نے جو معاملہ کسی اچھے بندہ خدا کے ساتھ کیا اس نے وہ خدا کے ساتھ کیا" اور اسی انجیل کے دسویں باب کے چالیسویں ورس میں حضرت عیسیٰ اپنے شاگردوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ "جو تمہاری مہمانی کرتا ہے وہ بھیجنے والے کی مہمانی کرتا ہے" مطلب یہ کہ خاصان خدا سے کوئی معاملہ کرنا عین خدا سے معاملہ کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت قرآن میں فرمایا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم[لہ] اور مولوی روم فرماتے ہیں۔ ؎

گر تو خواہی ہم نشینی با خدا ۔۔۔ رو نشین تو در حضور اولیاء

اور اگر استدلال عیسائیوں کا صحیح فرض کیا جائے تو جتنے خاصان خدا اور حواریین ہیں سبھی ایسے ہوں جیسے حضرت عیسیٰ اس لیے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے چودھویں[۱۴] باب کے گیارہویں ورس میں ہے ۱۸۳۹ء "میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے" اپنے ظاہری معنوں کی راہ سے یہ جملہ خلاف اصول عیسائیوں کے ہے اس لیے کہ اس کے ظاہری معنی یوں ہیں کہ اللہ ظرف اور حضرت عیسیٰ مظروف اور حضرت عیسیٰ ظرف اور اللہ مظروف۔ سو اوّلاً تضاد دیکھئے کہ ظرف بھی کہتے ہیں اور مظروف بھی۔ اور ثانیاً یہ کہ نسبت ظرفیت اور مظروفیت کی مادیات میں ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ کی نسبت حضرت عیسیٰ کے

لہ پ ۲۶: الفتح ع ۱

ساتھ ایسی نہیں ہے جیسی پانی کو کنویں کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس عیسائیوں کو اس کی تاویل کرنا چاہیے اور ہمارے نزدیک یہ فرمانا ویسے ہی ہے جیسے اس باب کے بیسویں[۲۰] ورس میں فرماتے ہیں ۱۸۳۶ء "میں باپ میں اور تم مجھ میں اور میں تم میں" دیکھیے اگر عیسائیوں کا استدلال صحیح ہو تو چاہیے حوارین بھی ویسے ہی خدا ہوں جیسے حضرت عیسٰی تھے۔ اور ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ تجلی الٰہی جس طرح وادیٔ ایمن کے درخت پہ حضرت موسیٰ کی نسبت ایک آگ میں ہوئی تھی شاید ویسی ہی حضرت عیسٰی میں بھی تھی اور حضرت عیسٰی خدا میں فنا تھے اور یہی حال تھا حواریوں کا۔ کہ حضرت عیسٰی میں وہ فنا تھے۔ پس جس تجلی نے حضرت عیسٰی میں ظہور کیا اسی تجلی نے حواریوں کو بھی گھیر لیا ہوگا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے بائیسویں باب کے ورس اکتالیس[۴۱] سے لگا کر پینتالیس[۴۵] تک لکھا ہے ۱۸۳۶ء "جس وقت فروسی جمع ہوئے تھے یسوع نے ان سے پوچھا کہ مسیح کے حق میں تمہارا کیا گمان ہے وہ کس کا بیٹا ہے۔ وہ بولے کہ داؤد کا۔ اس نے انہیں کہا۔ پس داؤد روح القدس کی رو سے کیوں کر اسے خداوند کہتا ہے۔

الیٰ قولہ اگر داؤد اسے خداوند کہتا ہے تو وہ اس کا بیٹا کیوں کر ہوا۔ دیکھیے یہاں حضرت عیسٰی اپنے سے داؤد کے بیٹے ہونے کی نسبت کو نفی محض کرتے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہاں مسیح بیٹا بھی ہے اس کا اور اس کا خدا بھی۔ اور نفی محض بیٹے ہونے کی بالکل جھوٹ ہے اس لیے کہ آنحضرت نے خود اپنے تئیں بیسیوں جگہ ابن آدم کر کے تعبیر کیا ہے اور پہلی انجیل کے سرے پر حضرت عیسٰی کو ابن داؤد لکھا۔ اور اسی انجیل کے اکیسویں باب کے نویں ورس میں بھی آپ کو فرزند داؤد لکھا ہے پس ضرور ہوا کہ عیسائی لوگ اس کی تاویل کریں۔ اور ہماری تاویل یہ ہے کہ فروسیوں نے آپ کو جو ابن داؤد کہا تو بایں معنی کہا ہوگا کہ جس طرح اور سینکڑوں بنی اسرائیل داؤد کی اولاد میں ہیں ویسے ہی تم بھی ہو۔ تم میں کچھ فوقیت نہیں ہے۔ اس پر حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میں ممتاز ہوں اس واسطے کہ میں ایسا ہوں کہ مجھے داؤد نے خدا کہا ہے۔ حضرت داؤد کا صالحین کی نسبت خدا کہنا ثابت ہے۔ چنانچہ آگے ہم بیان کریں گے۔ پس از روئے استشہاد محاورہ داؤدی کے ثابت ہوا کہ حضرت داؤد نے حضرت عیسٰی کو بزرگ کہا ہے نہ کہ خدا۔ ان معنوں کو جو عیسائیوں کے عقیدہ

میں ہے۔

علاوہ بریں چوتھی انجیل کے باب اول کا اٹھتیسواں [۳۸] ورس ہے ۱۸۱۱ء "فقال له ربی الذی تاویله یامعلم" ۱۸۳۹ء۔ انہوں نے اسے کہا اے ربی یعنی استاد۔ دیکھو حضرت عیسیٰ کو رب کہا اور مراد لیا (استاد) اسی طرح خداوند کہا اور مراد لیا بزرگ۔ آقاؤں اور اُستادوں اور بزرگوں کو خداوند کہتے ہیں اور جب کہ حضرت داؤد صالحین اُمت کو خدا کہتے تھے تو حضرت عیسیٰ کی فضیلت بھی حضرت داؤد پر ثابت نہ ہوئی اور لطف یہ ہے کہ جس قولِ داؤدی کو مؤلف انجیل نے حضرت عیسیٰ کے اس قول میں غلط کر دیا ہے جس کو میں نے الیٰ قوله کر کے چھوڑ دیا۔ وہ زبور ۱۱۰ میں واقع ہے اور اس کے ترجمہ ۱۸۳۹ء میں مخدوم کا لفظ واقع ہے نہ کہ خداوند کا پس اس لفظ کا اعتبار نہ رہا اور معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے صرف یہی فرمایا ہوگا کہ تم مجھے بزرگ نہیں جانتے۔ حالانکہ داؤد مجھے اپنا مخدوم کہتا تھا۔ پس صرف افضلیت ثابت ہوئی نہ کہ خدائی اور روحِ عیسوی بھی مانند اور روحوں کے آگے ہی سے ہے۔ روح کے اگلے زمانے میں ہونے سے خدائی اس کی نہیں ثابت ہوتی ہے۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے دسویں باب کے تیسویں [۳۰] ورس میں ہے کہ "میں اور باپ ایک ہوں" اس جملہ سے زیادہ کوئی جملہ مفسر حضرت عیسیٰ کے اقاویل میں سے مفید مطلب عیسائیوں کے نہیں ہے۔ حالانکہ اگر غور کیجیئے تو از روئے ظاہر الفاظ کے یہ بھی عیسائیوں کے اصول کے خلاف ہے۔

ظاہراً یہ بوجھا جاتا ہے کہ بجمیع الوجوہ ایک ہیں۔ حالانکہ باعتبار جسمیت حضرت عیسیٰ کسی کے نزدیک خدا نہیں۔ پس عیسائیوں کو بھی تاویل کی حاجت ہوئی۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ہونا وہی ہے جیسے حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کی نسبت فرمایا کہ جس طرح سے ہم ایک ہیں وہ بھی ایک ہوں۔ چنانکہ اُوپر گذرا۔ علاوہ بریں اس کی تفسیر خود ہی حضرت عیسیٰ نے اسی بحث میں فرمائی ہے یعنی کہ اس کلمے پر جب یہودیوں نے بے ادبی کر کے حضرت عیسیٰ سے کہا کہ تو کفر بولتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ باب مذکور ورس ۳۴، ۳۵ نسخہ ۱۸۳۹ء "کیا تمہاری شرع میں یہ لکھا ہوا نہیں کہ تم خدا ہو اس نے تو انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا" یہ اشارہ ہے

زبور ہشتاد و دوم[۸۲] کے ورس ششم کی طرف اور وہ یہ ہے ۱۸۲۵ء ''تم سب خدا ہو ہر ایک تم میں سے خدا کا فرزند ہے'' مطلب یہ کہ جن معنوں کر کے اگلے انبیاء خصوصاً حضرت داؤد نے صالحین امت کو خدا کہا انہیں معنوں پر میں نے بھی اپنے تئیں کہا نہ کہ ان معنوں پر جو عیسائی کہتے ہیں اور اس مقام پر ۱۸۱۱ء والا نسخہ موافق اسی نسخہ زبور کے ہے۔ مگر یہ کہ وہ زبور ہشتاد و یکم[۸۱] میں اس ورس کو لایا ہے اور ۱۸۳۹ء والے نے یہاں تحریف کی یعنی یوں لکھا ''من گفتم شما ملائکہ ہستید وہمگی شما چوں فرزندان باری تعالیٰ'' دیکھو اللہ کے لفظ کو ملائکہ سے بدل ڈالا اور یہ تبدیل کم علمی یا سہو کے راہ سے نہیں ہوئی۔

الغرض اقوال مذکورہ عیسوی میں سے کوئی مفید الوہیت عیسویہ حسب مراد عیسائیوں کے نہیں ہے اور ان قولوں سے بڑھ کر انجیلوں میں کچھ اس بات کے لیے مجھے نظر نہیں آیا ورنہ صاحب مفتاح الاسرار نے لکھا۔ اب رہے بعض اقوال مؤلفین اناجیل کے۔ سو وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ نہیں معلوم کہ وہ کون لوگ اور کیسے آدمی تھے معہذا ان کے اقوال میں سے جن کو عیسائی لوگ بہت مفید مطلب اپنے سمجھتے ہیں ان کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسے اقوال عیسوی کا حال میں نے بیان کیا مثلاً چوتھی انجیل والا پہلے باب کے پہلے ورس میں اپنا عندیہ لکھتا ہے ''کلام خدا تھا اور چودھویں ورس میں اپنا عندیہ لکھتا ہے کہ ''کلام مجسم ہوا''۔ اس کا نتیجہ عیسائی لوگ نکالتے ہیں کہ ''خدا مجسم ہوا''۔ اب ذرا غور سے دیکھیے کہ تینوں جملوں میں سے ہر ایک جملہ اپنے ظاہری معنوں کی راہ سے عیسائیوں کے اصول پر بھی واجب التاویل ہے۔ اس لیے کہ پہلے جملے کو دیکھیے کلام عبارت ہے لفظوں سے جو باستعانت کام و زبان ہوائی جسم رکھتے ہیں اور ایک دم بھی ان کو استقرار نہیں ہے۔ بلکہ منہ سے نکلے اور فنا ہو گئے۔ سو ایسی چیز بالاتفاق خدا نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے جملے کو دیکھیے کہ کلام درحقیقت جسمانی چیز ہے اس کا پھر مجسم ہونا یعنی چہ مگر یہ کہ جسم مرئی ہوا۔ سو ظاہر ہے کہ ہوا جسم مرئی نہیں ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ پانی ہو جائے یا مٹی اور پتھر وغیرہ نہ یہ کہ آدمی۔ اور بالفرض اگر ہوا سے آدمی بن گیا تو اس میں خدائی کہاں سے ثابت ہوئی۔ اور تیسرا جملہ وہ تو بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ کو باعتبار جسمیت کے کوئی خدا نہیں کہتا۔

پس بہر صورت عیسائیوں کو اس کی تاویل کی حاجت ہوئی اور ہماری تاویل یہ ہے کہ جملہ

اُولیٰ میں کلام سے مراد ما بہ التکلم یعنی وہ چیز ہے جس کی جہت سے متکلم کو متکلم کہتے ہیں اور جس کی جہت سے تکلم کی صفت متحقق ہوتی ہے۔ سو انسان میں عوارض انسانیہ سے ہوتی ہے اور خدا میں عین صفت اس کی جس طرح اور صفات اس کے ہیں اور کلام مجسم ہوا۔ اس کے معنی یہ کہ محض حکم ازلی خدا نے ظہور کیا اس طرح پر کہ مجسم چیز ظاہر ہوئی اور یہی حال ہے ہر چیز کا۔ مگر اہل تفحص پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جو چیز بلا اسباب معہودہ ظہور میں آتی ہے اس کو بولا کرتے ہیں کہ یہ قدرت خدا کی ہے اس کے معنی یہ نہیں ہوتے ہیں کہ یہ چیز وہ صفت ہے خدا کی جس کو قدرت کہتے ہیں۔ اور چونکہ خدا میں قدرت عین اس کی ذات ہے تو وہ چیز بھی عین ذات خدا ہے پس ہرگاہ حضرت عیسیٰ بے باپ پیدا ہوئے۔ ان کی نسبت کہا کہ یہ محض حکم خدا اور صرف کلمۃ اللہ یعنی کن کا ظہور ہے۔

ازاں جملہ پولوس نے اپنے نامہ اولیٰ موسومہ تیمتھیس کے باب سوم درس شانزدہم[۱۶] میں اپنا عندیہ حضرت عیسیٰ کی نسبت لکھا ہے ۱۸۳۹ء "خدا جسم میں ظاہر ہوا" ہر چند پولوس کا سخن قابل حجت نہیں۔ اس لیے کہ وہ حواریوں میں نہیں ہیں۔ معہذا یہ جملہ بھی باعتبار ظاہر الفاظ کے عیسائیوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ظاہری معنی اس کے یہی ہیں کہ جسم عیسوی ظرف، اور خدا مظروف جیسے آبخورہ اور پانی یا لگن اور تیل اور یہ کسی کا مذہب نہیں ہے۔ پس اس میں بھی تاویل کی حاجت ہوئی اور ہماری تاویل یہ ہے کہ جس طرح اس ہوا اور ابر اور آگ سے جس کا ذکر توریت میں ہے تجلی الٰہی کو علاقہ تھا ویسا ہی علاقہ تجلی الٰہی کو جسم عیسوی سے ہے۔

ازاں جملہ پولوس نے اپنے نامہ موسومہ رومیوں کے باب نہم درس پنجم میں حضرت عیسیٰ کی نسبت اپنا عندیہ لکھا ہے ۱۸۱۶ء ترجمہ مارٹین صاحب "او خدا فوق ہمہ ہا است"، یعنی وہ خدا برتر ہے سب سے۔ اس کے معنی تو وہی ہیں جو حضرت عیسیٰ نے یہودیوں سے اپنے دعوے کی تفسیر میں فرمایا جس کا ذکر اُوپر ہو چکا۔ مگر ۱۸۱۴ء والے نے یہاں تھوڑی سی تحریف کر دی ہے یعنی لکھا ہے کہ "وہ سب کا اللہ تعالیٰ ہے"، الحاصل حسب مراد عیسائیوں کے حواریوں کے قول سے بھی کوئی بات نہیں نکلتی اور بہت بڑی صنعت اس بات کی کہ اناجیل سے الوہیت عیسویہ نہیں ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ بعض بڑے بڑے جلیل القدر ذی علم انگریز جو انہیں اناجیل کو مانتے ہیں اور اسلام سے علاقہ

نہیں رکھتے حضرت عیسیٰ کی الوہیت سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تثلیث کا مسئلہ صرف اجتہادی ہے منصوصات عیسویہ سے نہیں ہے۔ سو ایسا اجتہاد جو خلاف براہین عقلیہ اور نصوص عیسویہ ہو ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور بالفرض اگر انجیلوں میں صاف، ویسا ہوتا بھی تو عقلاً اس کی تاویل کرنا چاہیے تھی۔ مثلاً جس طرح توریت میں کئی جگہ بہ نسبت سرزمین کنعان کے لکھا ہے کہ وہاں دودھ اور شہد کی ندیاں بہتی ہیں سو جب اہل کتاب نے دیکھا کہ یہ تو خلاف واقع ہے اور آنکھیں اس کو نہیں دیکھتی ہیں تو اس کی انہوں نے تاویل کی۔ پس جو بات عقلاً محال ہو اور اس کی کسی طرح پائے جانے کی خبر توریت یا انجیل میں ہو تو وہ بطریق اولیٰ واجب التاویل ہے۔

مگر اس بحث میں اکثر پادری عوام کو مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ بہتیری باتیں آدمی کی عقل میں نہیں آتی ہیں۔ حالانکہ اس کے معتقد ہوتے ہیں اور واقع میں وہ ہوتی بھی ہیں۔ اس لیے یہاں اتنا اور بھی سمجھ لیجیے کہ ہم لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ فلانی بات عقل میں نہیں آتی اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی صنعت سے ناواقف ہونے کی جہت سے ایسا کہتے ہیں۔ جیسا کہتے ہیں کہ شیشہ بنانا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسری یہ ہے کہ اصل حقیقت طاقت، ادراک بشری سے باہر ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ پانی یا ہوا کی ماہیت ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اسی دوسری قسم میں داخل ہے کنہ ذات باری تعالیٰ اور صفات ثبوتیہ اس کے یعنی علیم و قدیر ہونا اس کا۔ نہ کہ صفات سلبیہ یعنی اس کا عاجز نہ ہونا، جاہل نہ ہونا اور ناقص نہ ہونا۔ اس لیے کہ اس کو ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ جو عاجز یا جاہل یا ناقص ہوگا وہ واجب تعالیٰ نہ ہوگا ان دونوں قسموں کو ہم لوگ محال نہیں کہتے ہیں۔ تیسری یہ کہ کہتے ہیں کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آدمی لاٹھی کے اشارے سے سمندر کو ہٹا کر سوکھی زمین پر سڑک نکال دے۔ اس کا نام محال عادی ہے۔ خرق عادت اسی محال کے توڑنے کا نام ہے۔ چوتھی یہ کہ جیسے کہتے ہیں کہ اجتماع نقیضین یعنی مثلاً وجود اور لاوجود نفس الامر میں متحقق نہیں ہو سکتے یا زاویہ قائمہ نوّے درجے سے کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا نام محال عقلی ہے پس یہ کہنا ہمارا کہ جو چیز خدا سے صادر ہو کر منصۂ ظہور میں آوے محال ہے کہ قدیم بالذات ہو، انہیں چوتھے معنی پر ہے۔ اگر ایسے محال کے ماننے پر نجات منحصر ہو تو آپ سے اور کسی سوال کا جواب نہیں چاہتا ہوں۔ صرف اتنی بات مجھے لکھ دیجیے کہ محال عقلی چوتھے معنی والا ماننا ہماری شریعت میں درست ہے۔ بلکہ ضرور اس لیے کہ ہرگاہ محال عقلی ماننا آپ کی شریعت میں جائز ہوگا تو کسی مذہب کی کسی بات پر

آپ کو اعتراض کی جگہ نہ رہے گی چہ جائیکہ اسلام پر چنانچہ اس کی تفصیل ستر ہویں استفسار میں ہے۔

چوتھا استفسار

پولوس حواری اِدّعائیؔ کے خطوط اور تمہارے عقائد کی کتابوں اور نماز کے لفظوں سے ایک جملہ حاصل ہوتا ہے اس کے معنی مجھے بتا دیجئے وہ جملہ یہ ہے (معاذ اللہ) کہ عیسیٰ خدا ہے اور اپنے بندوں کی نجات کے لیے ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔ یہاں اشکال ہے کہ جس مرتبے میں وہ حقیقت ہے جو جڑ ہے ساری سارے موجودات کی کہ اسی حقیقت کی راہ سے تمہارے نزدیک عیسیٰ خدا ہے اس مرتبے میں تعدد اور تفرقہ عبد و معبود اور رحمت و لعنت اور دوزخ و بہشت کا کیونکر ہو سکتا ہے اور مرتبہ صادریت میں کہ حدوث، ذاتی کو مستلزم ہے، قدم ذاتی اور بے نیازی کے کیا معنی اور اس مرتبے میں نجات والے کا ملعون اور دوزخی ہونا کیسا — یہ اگر درست ہو تو نبی اور کافر میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔

پانچواں استفسار

حضرت موسےٰ کی طرف جو کتاب منسوب ہے اس میں مخلوط ہونا بشر کے کلام کا خدا کے کلام کے ساتھ باتفاقِ کافہ عیسائیوں کے ثابت ہے۔ مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ خود حضرت موسیٰ نے وہ باتیں اس میں درج کی ہیں۔ سو یہ بات قطع نظر عدم ثبوت کے بعض وجہ سے خلاف، واقع معلوم ہوتی ہے۔ بایں تقریر کہ منجملہ رسائل مرتبہ بائبل زبور اور نحمیا اور ارمیا اور حزقیل کے نام کی کتابوں کے ہر ایک پڑھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا لکھنے والا اپنی باتیں آپ لکھتا ہے اور جیسا دستور مسلمانوں میں قدیمًا بلکہ جدیدًا ہے ویسا ہی اُس زمانے میں بھی دستور تھا جس زمانے کے لوگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے حال و قال کی کتاب لکھتا ہے تو اس طرح سے لکھتا ہے کہ پڑھنے والا اس کتاب کو صاف سمجھ جاتا ہے کہ مصنف نے اپنا حال و قال آپ لکھا ہے پس جو حرف شناس ہو چکا ہے پڑھ دیکھے کہ جو کتاب موسےٰ کی طرف منسوب ہے اس کا لکھنے والا وہ شخص نہیں

ہے جس کی باتیں اور جس کا حال وقال اس میں لکھا ہے. اس لیے کہ سوائے پیدائش کی کتاب کے کوئی حکم اور کوئی بات، خدا اور موسےٰ نے کہی ایسی نہیں ہے کہ جس کے سرے پر قال اللہ اور قال موسیٰ نہ ہو جو باتیں قال اللہ اور قال موسےٰ کے تحت سے باہر واقع ہیں از روئے بداہۃ عقل کے اور بھی بقیاس زبور اور نحمیا اور ارمیا وغیرہ کے نام کی کتابوں کے نہ وہ قال موسےٰ کے نیچے مندرج ہو سکتی ہیں اور نہ قال اللہ کے نیچے میرے اس دعوے کے گواہ خود وہی کتابیں ہیں اور جو کوئی خلاف، ظاہر کرکے حکم دے یعنی ان باتوں کو کہے کہ موسیٰ کی لکھی ہوئی ہیں اس کو چاہیئے کہ کوئی دلیل اور سند پیش کرے.

اب میں مثال کے طور پر چند جملے جابجا کے اس کتاب سے نقل کرتا ہوں. دیکھو نہ وہ قال اللہ کے نیچے داخل ہیں اور نہ قال موسےٰ کے نیچے ..

(۱) ——— کتاب خروج باب ہفتم ورس ہفتم ''موسےٰ اسی برس اور ہارون تراسی برس کا تھا جب فرعون کے ساتھ انہوں نے باتیں کیں''

(۲) ——— باب شانزدہم[۱۶] ورس سی و پنجم[۳۵] ''کنعان میں پہنچنے تک من کھاتے رہے'' حالانکہ حضرت موسیٰ بالاتفاق از روئے اسی کتاب کے کنعان میں پہنچنے سے پہلے مر چکے تھے.

(۳) ——— باب سی و چہارم[۳۴] ورس سی و چہارم[۳۴] و سی و پنجم[۳۵] ''جب موسےٰ یہواہ کے آگے جاتا کہ اس سے کلام کرے تو نقاب اٹھا دیتا تھا یہاں تک کہ وہاں سے باہر آتا اور جب آتا تو جو کچھ اس نے حکم کیا ہوتا سو وہ بنی اسرائیل سے کہتا اور بنی اسرائیل نے موسےٰ کا چہرہ دیکھا کہ اس کا چمڑا چمک رہا تھا اور موسےٰ نے منہ پر نقاب ڈالا جب تک کہ خدا سے باتیں کرنے گیا''

(۴) ——— کتاب احبار باب چوبیسواں[۲۴] ورس دہم تا دوازدہم ''اس وقت ایک شخص کہ ماں اس کی اسرائیلی اور باپ اس کا مصری تھا نکل کے اسرائیلوں میں گیا اور اس پسر زن اسرائیلی نے یہواہ کے نام کو لعنت کی اور گالی دی اور اس کی ماں کا نام سلومیت تھا اسے موسےٰ کے پاس لائے اور وہ قید کیا گیا، تاکہ ان سے ظاہر کرے کہ یہواہ انہیں کیا حکم کرتا ہے. پھر یہواہ نے موسےٰ کو خطاب کرکے فرمایا''

⑤ —— کتاب عدد باب ۲۶ چھبیسواں ورس ۵۹ "عمران کی عورت کا نام یوکبد لیوی کی لڑکی کہ لیوی سے مصر میں پیدا ہوئی تھی کہ اس نے عمران سے ہارون اور موسےٰ اور مریم ان کی بہن کو جنا۔"

⑥ —— باب ۳۲ بتیسواں ورس ۴۱ "منسّا کا بیٹا یائیر نکلا اور اس نے اس نواحی کو لے لیا اور اس نواحی کا نام یائیر کا گاؤں رکھا۔" اور از روئے بائبل کے بالاتفاق ثابت تھا کہ یائیر بعد حضرت موسےٰ کے تھا۔

⑦ —— کتاب استثنا، باب پہلا ورس ۱ تا ۵ "یہ وہ باتیں ہیں جو موسےٰ نے اردن کے اسی پار بیابان کے میدان میں سوف کے مقابل فاران اور توفل اور لابان اور حصیرت اور ذی ذہب کے درمیان بنی اسرائیل کو کہیں اور حوریب سے رقیم برنیع تک جبل سعیر کی راہ سے گیارہ دن کی راہ ہے اور ایسا ہوا کہ چالیسویں سال کے گیارہویں مہینے کی پہلی تاریخ وہ سب باتیں جو یہواہ نے موسیٰ کو فرمائی تھیں کہ بنی اسرائیل کو کہے موسےٰ نے ان کو کہیں بعد اس کے کہ اس نے اموریوں کے بادشاہ سیحون کو جو حشبان میں رہتا تھا اور بسنیہ کے بادشاہ عوج کو جو عشتاروت اور اذرعات میں رہتا تھا قتل کیا۔ تب اردن کے اسی پار موآب کے میدان میں موسےٰ نے دل لگا کے شریعت کو بیان کرنا شروع کیا۔"

⑧ —— باب سوم ورس ۱۴ "منسّا کے بیٹے یائیر نے ارجوب کی ساری مملکت جسوریوں اور معکاتیوں کے نواح تک لے لی اور اس نے جاوت یائیر باسبان نام رکھا جو اس کا نام تھا وہی نام آج تک ہے۔"

⑨ —— باب ۳۱ اکتیسویں ورس ۹ تا ۱۱ "موسےٰ نے اس شریعت کو لکھا اور لاوی کا ہنوں کے جو بنی لاوی کے صندوق کو اٹھاتے اور بنی اسرائیل کے سارے مشائخوں کے حوالے کیا اور موسیٰ نے انہیں یہ کہہ کے فرمایا کہ ہر ایک سات برس کے آخر میں مخلصی دینے کے معین وقت میں خیموں کے عہد میں جب سارے بنی اسرائیل یہواہ کے آگے اس جگہ جسے وہ پسند کرے حاضر ہوں تو اس شریعت کو پڑھ کے سارے بنی اسرائیل کو سنایا کر۔"

⑩ —— باب مذکور ورس ۲۴ تا ۲۶ "اور ایسا ہوا کہ جب موسےٰ اس شریعت کی باتوں کو

لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو شہادت کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو یہواہ اپنے خدا کے عہد کے پہلو میں رکھو تاکہ یہ تم پر گواہ رہے۔

(۱۱) ——— استثناء کا سارا چونتیسواں[۳۴] باب، جس کے بیچ میں ہے کہ "یہواہ کا بندہ موسیٰ یہواہ کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مرگیا اور اسی مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا گیا، پر آج کے دن تک کسی نے اس کی قبر نہ پہچانی" اس کو عیسائی لوگ بھی کہتے ہیں کہ پیچھے سے موسیٰ کی کتاب میں لاحق کردی گئی۔ مگر میں نے ایک بڑے عالم یہودی سے سُنا کہ یہ بھی خدا کا کلام ہے جو موسیٰ نے لکھا۔ اور یوشع کی کتاب کا حال اس سے بھی زیادہ خراب ہے یعنی اس میں قال اللہ بہت کم ہے اور بالکل حضرت یوشع کے زمانے کے وقائع لکھے ہوئے ہیں اور بہت جگہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت دنوں کے بعد حضرت یوشع کے تصنیف کی گئی۔

یوشع کی کتاب کے چوتھے باب کے شروع سے نویں ورس تک یہ روایت لکھی ہے کہ "جب یوشع نے بنی اسرائیل کو لے کر نہر اردن سے پار اُترنے کا قصد کیا وہ نہر پھٹ گئی اور زمین نکل آئی۔ یوشع نے اس جگہ پتھر گاڑے چنانچہ وہ پتھر آج تک موجود ہیں۔

اور پانچویں باب کے ورس نہم و دہم میں ہے "یہواہ نے یوشع سے فرمایا کہ آج میں نے تمہارے سب کے اوپر سے مصریوں کے عار و ننگ کو اُتارا۔ اس لیے اس جگہ کا نام قلف یا جلجال یا غلغال آج تک ہے۔"

اور ساتویں باب کے آخر میں ہے "یوشع نے زارح بیٹے عاکان کو اس سے ایذائیں پانے کے سبب سے اس کو لوٹ کر اس کو گرفتار کیا اور بنی اسرائیل نے اسے پتھراؤ کر کے مار ڈالا اور جلادیا۔ پھر انہوں نے ان پتھروں کا ڈھیر لگایا جو آج تک موجود ہے۔ پھر یہواہ نے اس حرکت کے سبب سے اپنا قہر بنی اسرائیل پر سے اُٹھالیا۔ اس واسطے اس جگہ کا نام آج تک وادی عاخور ہے۔

اور آٹھویں باب میں ورس ۲۵ سے تا ۲۹ "یوشع نے تمام قوم عی کو کہ سب زن و مرد بارہ ہزار تھے مار کے جلا کے خاک برده کردیا سو وہ آج کے دن تک ویران ہے اور اس نے عی کے بادشاہ کو پھانسی دے کر شام تک لٹکا رکھا اور بعد غروب آفتاب کے اُتروا کر اس پر پتھروں کا ڈھیر کردیا سو آج کے دن تک ہے۔"

اور دسویں باب میں ہے کہ یوشع نے پانچ بادشاہوں کو قتل کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس پر پتھر رکھے اور ورس ۲۷ میں ہے کہ " وہ پتھر آج تک ہے"

اور چودھویں باب کے اواخر میں ہے کہ " یوشع نے مرز بوم حبیرون کا کالب کو دیا اسی جہت سے آج کے دن تک وہ کالب کی میراث ہے"

اور اس کتاب کے چھٹے باب کا ورس ۲۶ یوں ہے ۱۸۳۹ء " یہو شوع بہمان روز ایشان را سوگند داد و گفت از حضور خداوند ملعون باد ہر کسی کہ بر خیزد و ایں شہر یریحو را تعمیرش کند بنیادش در نخست زادہ خود خواہد نہاد و در ہائے آں را در فرزند خود برپا خواہد کرد" ۱۸۲۵ء اس کے قریب ہے مگر ۱۸۱۱ء والے نے درس مذکور کے بعد اتنا اور بڑھا دیا " کذلک فعل اوان الذی فی بیت اسرائیل الاوہ ان بکرہ اسسہا و بموت الذی سلم آخر اولادہ نصب الوابہا یعنی ایسا ہی کیا۔ اودان نے خاندان بنی اسرائیل میں سے اودان اس کا پلوٹھا بیٹا اس نے اس کی نیو ڈالی اور بمرگ اس شخص کے جو سلم ہے پچھلا بیٹا اس کا اس نے اس کے دروازے نصب کیے۔

دیکھو یہ روایتیں خود یوشع نے نہیں لکھیں۔ اور اس سے دوپہر کے آفتاب کی طرح روشن ہو گئی یہ بات، کہ بائبل کے رسالے جن انبیاؤں کی طرف ان کا منسوب ہونا مشہور ہے سب اور سرتاسر انہیں کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ پیچھے سے اور روایتیں اس میں ملائی گئی ہیں۔ اور صمویل کی کتابوں میں صمویل کے مرنے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس کے بعد یہ ماجرے گزرے اور راعوث کی کتاب، ایک چھوٹا سا رسالہ ایک عورت کے قصے کا ہے نہ اس میں خدا کا کلام ہے اور نہ کسی نبی کی کوئی بات ہے، پھر کیا وجہ کہ یہ سب رسالے عہد عتیق کے اور ہر ہر جملہ کتاب موسے کا واجب التسلیم ہو۔ فقط

چھٹا استفسار

یہ بات آپ کے اور موسائیوں کے اصول میں داخل ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل سوائے اس بات کے جو دوسرے سے کرنے کو کہتے یا پیشینگوئی کرتے تھے اور کسی بات میں معاذ اللہ بعد نبوت کے بھی عمداً گناہ کبیرہ کرنے سے محفوظ نہیں تھے چہ جائیکہ معصوم ہوں اور یہ بھی مسلم اور ظاہر ہے کہ سوائے پیشینگوئی

اور اس پر اور گواہی کے سینکڑوں باتیں بطور واقعہ نویسی کے موسےٰ کی کتاب اور اناجیل میں بھری ہوئی ہیں۔ ہرگاہ یہ بات ٹھہر چکی تو مجھ کو بطور کلیہ کے یا تفصیل وار بتا دیجیے کہ فلاں کتاب میں ایسے ورس جو ہیں سو خدا کا کلام ہے اور اس کے سوا کوئی ورس اس قابل نہیں ہے۔ کہ رُتبے میں خدا کے کلام کے برابر ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک یہ التباس رفع نہ ہو لے اور ایسی تمیز ان میں آشکارا نہ ہو تب تک ساری کتاب کے مرتبے کو خدا کے کلام کے مرتبے کے برابر نہیں جان سکتے۔ چنانچہ اسی واسطے ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ جو روایت پیغمبر خدا سے کوئی نقل کرے اور اس میں ادراج[1] یعنی کوئی کلمہ ایسا ہو جس پر شبہ جاتا ہو کہ روایت کرنے والے نے اپنی سمجھ کے موافق اس کو بڑھا دیا ہے۔ اس روایت کو بمقابلہ دوسری روایت کے جو ایسی نہیں معتبر نہیں کرتے۔

اور قطع نظر مسئلہ عصمت انبیاء کے یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ انبیاء لوگ بعضی باتیں بطور بشریت کے بھی کہا کرتے ہیں جیسے کھانا پانی یا مشورہ کرنا جیسا حضرت موسےٰ اپنے سُسر سے کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب خروج کے اٹھارہویں باب میں اس مشورے کا بیان ہے۔ پس ان کے ہر طرح کے کلام کو خدا کے کلام کے ساتھ مخلوط کر کے لکھنا اس طرح کہ تمیز باقی نہ رہے بالبداہتہ ساری کتاب کو اس اعتبار سے جو خدا کے کلام کے لیے لازم ہے ساقط کرتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے ہمارے پیغمبر خدا کے خلفاء نے جو اوراق منتشر لکھوائے ہوئے آنحضرت کے مشتمل کلام اللہ پر تھے ان کو اور حافظوں کو جنہوں نے بلا واسطہ پیغمبر خدا سے قرآن سُنا تھا جمع کر کے اور جو آپ سے قرآن شریف کو بلا واسطہ سُنا تھا سب کو مطابق کر کے لکھا اس میں آنحضرت کا اور کوئی کلام نہیں لکھا۔ اور اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ پیدائش کی کتاب کے باب چھتالیسویں[۴۶] کے ستائیسویں[۲۷] ورس میں ہے کہ "وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے ستر جی تھے"۔ جتنے نسخے میرے پاس ہیں سب میں یہی ہے۔ آئندہ کی میں نہیں جانتا۔

اور اعمال کے ساتویں باب کے چودہویں ورس میں ہے "تب یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو اور اپنے سب کنبے کو بلا لیا سب پچھتر آدمی تھے"۔ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے آیندہ

---

[1] حضرت امام زہری حدیث روایت کرتے کبھی ادراج کر جاتے تھے شرح حدیث کی غرض سے نہ کسی نیت فاسد سے۔

کی میں نہیں جانتا۔ دیکھو دہائی سے اوپر پانچ کی کمی بیشی نبوت کے کلام میں نہیں ہو سکتی۔ یہ نہیں ہوئے مگر اس جہت سے کہ روایت مذکورہ بطور بشریت کے لکھی گئی اور ایسی اور باتیں بھی عہد عتیق اور جدید کی ہیں بایک دیگر مختلف ہیں سب کا انتخاب کرنا پڑا اور دس رہے اور ملوک اور قضاۃ اور اخبار الایام کی کتابیں تو ایسی ہیں جیسے شاہنامہ وغیرہ۔ اس کا تو کچھ اعتبار نہیں۔ اس کے حال سے تعرض کرنا بے فائدہ ہے۔

ساتواں استفسار

خروج کی کتاب کے بتیسویں[۳۲] باب میں حضرت ہارون کی نسبت لکھا ہے معاذ اللہ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے لیے سونے کا بچھڑا ڈھال کر معبود قرار دیا اور آپس میں کہا کہ بنی اسرائیل کو یہی مصر سے نکال لایا ہے اور اس پر نذریں چڑھانے کے لیے منادی کی اور سب نے منادی کے موافق حاضر ہو کر نذریں چڑھائیں اور ہارون نے ان کو سب کو ننگا کروایا ایسا کہ دشمنوں کے سامنے بڑی ہنسی ہوئی اور اس بات کی یہواہ نے حضرت موسیٰ کو خبر دی اور ہارون موردِ غضب الٰہی ہوئے۔ یہ روایت سچ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں سچ ہے تو وہی بات ہماری صادق آئی کہ توریت کے مؤلف نے روایتیں واہی تباہی خدا اور موسیٰ کے کلام کے ساتھ مخلوط کر کے لکھ دی ہیں اور اگر سچ ہے تو ان انبیاؤں کے ذاتی حرکات اور سکنات میں عصمت تمہارے اصول پر تو بھی ہی نہیں۔ رہی رہنمائی کی بات جب اس میں بھی عصمت نہ رہی تو شریعت کا بھور ہو گیا اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے تئیں اگر معبود قرار دیا ہو گا تو اسی طرح دیا ہو گا۔

اور پیدائش ستائیسویں[۲۷] باب میں لکھا ہے کہ حضرت اسحاق نے اپنی نابینائی کے زمانے میں اپنے بڑے بیٹے عیص کو بلایا کہ اس کے حق میں برکت کی دعا کرے۔ اس پر حضرت یعقوب نے عیص کے کپڑے پہن کر باپ سے جا کر کہا کہ میں عیص حاضر ہوں اور دو تین بار کہا کہ میں عیص ہوں حضرت اسحاق نے اپنی دانست میں دعائے برکت عیص کے لیے خدا سے کی اور وہ دعا حضرت یعقوب کے لیے ہو گئی۔ یہ روایت سچ ہے یا نہیں۔ اگر سچ نہیں ہے تو وہی اختلاط واہی تباہی

روایتوں کا موسیٰ کی کتاب میں ثابت ہوا اور اگر سچ ہے تو معلوم ہوا کہ خدا کے سامنے بھی جعلسازی چل جایا کرتی ہے اور انبیائے بنی اسرائیل کے معاملے سب ایسے ہی جھوٹے اور جعلسازی کے طور پر بھتے یعنی مثلاً حضرت عیسےٰ نے خدا سے زبانی کہا ہوگا کہ مجھے تو معجزے کی طاقت دے۔ میں سب کو تیری راہ بتاؤں گا۔ اور جب معجزے کی طاقت مل چکی تو خدا سے دغا کیا اور سب سے کہنے لگے کہ میں بھی ایک خدا ہوں۔

اور پیدائش کے بتیسویں[۳۲] باب میں چوبیسویں ورس سے تیسویں ورس تک لکھا ہے کہ "ایک شخص رات بھر حضرت یعقوب سے کشتی لڑتا رہا جب وہ یعقوب کو مغلوب نہ کر سکا تو چپکے سے یعقوب کی ران پر ہاتھ لے جا کر ٹانگ کی نس چڑھا دی کہ وہ مغلوب ہو گیا۔ اس کے بعد یعقوب نے اس شخص سے برکت مانگی اس نے برکت دی اور کہا آج سے تیرا نام اسرائیل ہوگا اور یعقوب نے اس مقام کا نام فنائیل رکھا کہ میں نے خدا کو رُو برو دیکھا اور میری جان بچ گئی" اور اسی کتاب کے پینتیسویں[۳۵] باب کے نویں اور دسویں ورس میں لکھا ہے کہ خدا یعقوب کو پھر دکھائی دیا اور اس کا نام اسرائیل رکھا" پس ان دونوں مقاموں کے ملانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کشتی گیر خدا تھا۔

چنانچہ پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب "مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۳۷ء" کے باب اول کے تیسری فصل میں اس قصے کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ "یعقوب سے کشتی کرنے والا عیسیٰ مسیح تھا" بالجملہ یہ حکایت اگر سچ نہیں ہے تو وہی روایاتِ واہیہ کا الحاق ثابت ہوا اور اگر سچ ہے تو معلوم ہوا کہ خدا کا آدمی بن کر آنا موقوف اس پر نہیں ہے کہ بندوں کی نجات کے لیے آوے جیسا تمہارا عقیدہ ہے۔ بلکہ معاذ اللہ یُوں بھی اللہ صاحب آدمی بن کر گلیوں میں پھرا کرتے ہیں۔ پس ہر آدمی پر احتمال ہو سکتا ہے کہ خدا ہو اور دعوے خدائی کا کرنا یا نہ کرنا اور معجزہ ظاہر کرنا یا نہ کرنا یہ اس کا اختیار ہے۔ ذرا انصاف کیجیے کہ ہندوؤں کی کتاب مہابھارت پر پادری لوگوں کا ہنسنا بے جا ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ اس میں کوئی روایت ایسی کہ عقلاً مضحکہ ہو ان حکایتوں سے بڑھ کر نہیں ہے۔

آٹھواں استفسار

توریت میں بعض احکام کی نسبت لکھا ہے کہ یہ اَبدی ہیں. مثلاً کتاب پیدائش کے سترہویں [۱۷] باب کے نویں ورس سے چودھویں ورس تک یوں لکھا ہے. نسخہ ۱۸۴۵ء "پھر یہواہ نے ابراہیم سے کہا کہ تو جو ہے تو میرے عہد کو قائم رکھ اور تیرے بعد تیری اولاد پشت بہ پشت. سو میرا عہد جو تیرے ساتھ اور تیرے بعد تیری نسل کے ساتھ جسے تم قائم رکھو گے. یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزندِ نرینہ ختنہ کروائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کٹواؤ اور وہ میرے اور تمہارے بیچ عہد کی علامت ہوگی.

الیٰ قولہ. لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جاوے اور میرا عہد تمہارے جسموں میں عہد ابدی ہوگا اور وہ فرزندِ نرینہ جو نامختون ہو جس کے بدن کی کھلڑی کٹی نہ ہو اپنی قوم سے کٹ جائے کہ اس نے میرا عہد توڑا"

نسخہ ۱۶۲۵ء اور ۱۸۱۱ء اسی کے موافق ہے. دیکھو تین جگہ بدن کا لفظ واقع ہے. اور فارسی ۱۸۳۹ء والے نے بدن کا مضمون کئی جگہ سے کاٹ ڈالا ہے.

اور تیسری انجیل کے دوسرے باب کے اکیسویں ورس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بھی ختنہ ہوا تھا. معہذا پولوس کے خط موسومہ غلاطیہ (گلیتوں کے نام) کے پانچویں باب کے دوسرے ورس میں یہ ہے ۱۸۱۴ء میں کہ "پولوس ہوں تم سے کہتا ہوں اگر تم مختون ہوئے تو مسیح سے تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا"

اور اعمال کے پندرہویں باب کے چوبیسویں ورس میں ہے ۱۸۳۹ء "جب کہ ہم نے سُنا کہ بعضوں نے ہم میں سے نکل کے تمہیں باتیں کہہ کے گھبرا دیا اور یہ کہہ کے تمہارے دلوں کو بے قرار کر دیا کہ ختنہ کرواؤ اور شریعت پر چلو. باوجودیکہ ہم نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا"

الیٰ قولہ. ورس ۲۸ کہ "روح القدس اور ہم کو اچھا لگا کہ سوا چند باتوں کے تم پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں" ۲۹ کہ "تم بتوں کے لیے ذبح ہوئی چیزوں سے اور لہو اور گلا گھونٹا ہوا جانور کے کھانے

سے اور زناکاری سے پرہیز کرو۔ والسلام" دیکھو یا معاذ اللہ توریت کا وہ کلام غلط لکھا گیا، یا یہ پولوس کا کلام غلط ہے۔

اور کتاب خروج باب ۱۲ ورس ۱۴ ۱۸۲۵ء "اور تم یہواہ کے لیے اس دن میں عید کی مدامت کیجیو اور تم اپنی سب قرنوں میں اس عید کو ابد تک عادت کیجیو۔"

باب ۲۷ ورس ۲۱ ۱۸۳۹ء "در مسکن مجمع بیرون حجابے کہ پیش روئے عہدنامہ می باشد اہرون با اولاد خود از شام تا صبح در حضور خداوند بدرستی آں بپردازد۔ ایشاں را پشت بہ پشت در حق بنی اسرائیل آئین ابدی باشد۔"

باب ۲۸ خلاصہ ورس ۴۲، ۴۳ ۱۸۲۵ء "اور تو اُن کے لیے پاجامے کتان کے بنا کہ وہ زانو تک ہوں اور چاہیے کہ ہارون اور اس کے بیٹے داخل ہونے کے وقت جماعت کے خیمے میں اسے پہنے ہوں۔ یہ رسم اس کے اور اس کے پیچھے اس کی نسل کے لیے ہمیشہ کو ہو۔"

باب بست و نہم ورس نہم ۱۸۳۹ء "مگر اہرون و پسرانش را بہ بند و کلاہ ہا بپوشان و منصب کہانت بآئین ابدی ایشان را باشد۔"

باب مذکور ورس ۲۸ "ایں حصہ اہرون و اولادش از طرف بنی اسرائیل بآئین ابدی باشد۔"

باب سی ام ورس ۲۱ "بدیں طور دست و پا ہائے خود بشویند تا نمیرند و برائے شان و برا و اولادش را پشت بہ پشت آئینی ابدی باشد۔"

کتاب احبار باب ششم ورس ۲۲ "ہر کاہن ممسوح کہ اولادش جانشین وی شود آں را بگذراند آئین ابدی است۔"

باب ہفتم ورس ۳۴ "سینہ جنبانیدنی و شانہ برداشتنی را از بنی اسرائیل گرفتہ ام و بآئین ابدی بہ اہرون و اولادش بخشیدہ ام۔"

باب دہم ورس ۸، ۹ "پس خداوند تعالیٰ اہرون را مخاطب فرمودہ۔ گفت تو و پسران تو وقتیکہ در خیمہ مجمع داخل شوید نہ می خورید نہ مسکری، مبادا کہ بمیرند ایں آئین است ابدی۔"

باب شانزدہم ورس ۲۹ "و ایں قانون ابدی برائے شما باشد کہ در روز دہم ماہ ہفتم خود

رامغموم سازند ہیچ کار نپردازند "

باب بست وسیوم ورس ۴۱ " عید را در رسالے ہفت روز برائے خداوند مرعی دارند آئین ابدی است۔ طبقہ بعد طبقہ آں را در ماہ ہفتم عزیز دارید "

باب بست وچہارم ورس ۳ " بیرون حجاب عہدنامہ در خیمہ مجمع اہرون از شام تا صبح بحضور خداوند ہموارہ بدرستی آں بپردازد ایں آئین ابدی ست برائے شما طبقہ بعد طبقہ "

دیکھو آئین ابدی کا لفظ بالبداہۃ مقتضی ہے اس امر کو کہ وہ احکام میعادی نہیں تھے معہذا پولوس لکھتا ہے کہ نامہ موسومہ افسی کے باب دوم میں ورس ۱۰ سنہ ۱۸۲۹ء " اپنا جسم دے کے دشمنی کو یعنی شریعت کے عملی حکموں کو دور کیا تاکہ وہ صلح کر کے دونوں سے آپ میں ایک نیا مخلوق بناوے "

نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء میں بجائے نصف اوّل اس ورس کے یعنی اپنا کے لفظ سے دور کیا تک یوں ہے ابطل شریعۃ الوصایا بمعتقداتہ یعنی شریعت کو اپنے اعتقاد کی رُو سے ناکارہ اور نکما کر دیا۔ اور پولوس کا نامہ جو عبرانیوں کے نام ہے اس کے آٹھویں باب میں ورس ہفتم سے دہم تک یوں ہے۔ نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۶ء " فلو کان العہد الاوّل غیر معترض علیہ لم یوجد للثانی موضع لانہ قد اعترض وقال لہم ان الرب یقول ان الایام آتیۃ اعنی ایام التی اعاہد فیہا اہل بیت بنی اسرائیل واہل بیت یہود اعہدا جدیدا لا یوافق العہد الذی عاہدت بہ آبائہم الیٰ قولہ فہذا ہو العہد الذی اعاہد بہ بعد ہذہ الایام اہل بیت اسرائیل "

نسخہ اردو سنہ ۱۸۳۹ء کہ " اگر وہ پہلا عہدنامہ بے عیب ہوتا تو دوسرے کی جگہ کی تلاش ہوتی سو وہ ان کا عیب بتا کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو وہ دن آتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے گھرانے اور یہودا کے گھرانے کے لیے ایک نیا عہدنامہ ٹھہراؤں گا اور یہ اس عہدنامے کے مانند نہ ہوگا جیسے میں نے ان کے باپ دادوں کے ساتھ الیٰ قولہ کیا۔ بلکہ یہ وہ عہدنامہ ہے جسے میں اسرائیل کے گھرانے کو ان دنوں کے بعد دوں گا " دیکھو بالاتفاق عہد قدیم سے توارات مراد ہے جو منسوخ ہوئی اور اس کی جگہ عہد جدید یعنی انجیل رکھی گئی۔ اور یہاں سے یہ بھی صاف ظاہر ہوا کہ شریعت عیسویہ صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے آگے کام آوے گی۔

نامہ پولس بنام فلسیان باب دوم ورس ۱۶ نسخہ ۱۸۱۶ء "ہیچ کس شمارا در بارہ خوراکی یا آشامیدنی یا در خصوص عیدہا یا ہلال سبتہا مجرم نسازد کہ آنہا اظلال اشیائے آئندہ بودہ اند کہ حقیقت آنہا مسیح است۔" غرض کہ ان ورسوں اور یہی اس طرح کے اور ورسوں سے اور تمہارے بعضے علماء کے اقرار اور کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام توریت کے سب میعادی تھے کہ حضرت عیسیٰ نے انہیں موقوف کر دیا۔ پس دو حال سے خالی نہیں یا وہاں اَبدی کا لفظ غلط ہے یا پولس کا ان کی موقوفی بیان کرنا غلط ہے۔ فقط

نواں استفسار

ارمیا نبی کی کتاب کے پانچویں باب کے گیارہویں ورس نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء میں یُوں ہے "بیت اسرائیل عصانی عصیانا و بیت یہودا کذب لی تھم" یعنی خدا فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل نے میری نافرمانی کی اور یہودیوں نے خدا پر جھوٹ باندھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گناہ کرنے پر گنہگار کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تُو نے خدا پر تہمت لگائی۔ ہاں اگر شریعت میں جھوٹا مسئلہ یا جھوٹی روایت داخل کر دے تو البتہ کہیں گے کہ تُو نے خدا پر جھوٹ باندھا پس معلوم ہوا کہ ارمیا نبی کے وقت تک بھی یہودیوں نے جھوٹی باتیں خدا کی شریعت میں داخل کر دی تھیں۔ حالانکہ اب عیسائی لوگ اس بات سے بہت انکار کرتے ہیں۔

چنانچہ ۱۸۳۹ء میں جو ترجمہ فارسی میں ہوا اس میں اس جگہ پر یُوں ہے "خاندان اسرائیل و خاندان یہودا با من بنہایت بے وفائی کردند۔" دیکھو کہاں جھوٹی باتیں باد علائے نبوت کرنا اور کہاں بے وفائی کرنا۔ کتنا فرق ہو گیا۔ تحریف اسی کا نام ہے۔

اور اسی کتاب کے چھٹے باب کے تیرہویں ورس میں ہے نسخہ ۱۸۱۱ء "من صغیرھم الی کبیرھم جمیعا اکملوا الاثم و من الکاھن الی النبی جمیعھم صنعوا کذبا۔" یعنی بنی اسرائیل نے چھوٹے سے بڑے تک سب نے گناہ کئے اور امام سے نبی تک سب نے جھوٹی باتیں بنائیں۔ دیکھو یہ ورس باشارۃ النص گواہی دیتا ہے کہ خدا کی شریعت میں جھوٹی باتیں ملائی

گیئیں، ورنہ کاہن اور نبیوں کے ذکر کی کیا وجہ۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سب۔ گمراہی پر متفق ہو گئے تھے اور اس کتاب۔ کے باب بست و سوم[۲۳] میں ہے نسخہ ۱۸۲۱ء ورس ۳۰ "اینک من مخالف آن پیغمبرانم کہ زبان خود را دراز می کنند و میگویند کہ او گفتہ است۔" دیکھو یہ بعینہٖ وہی مضمون ہے جو قرآن شریف میں جابجا وارد ہے کہ اہل کتاب خدا کی باتوں کو چھپاتے ہیں اور اپنی بنائی باتوں کو کہتے ہیں کہ یہ خدا نے کہا ہے۔

اور آگے چل کر اس باب۔ کے چھتیسویں[۳۶] ورس میں یوں ہے "کلمات خداوند حی خداوند افواج خدائے مارا تغییر نمودند" دیکھئے یہ جملہ کیسی گواہی دیتا ہے تحریف کی اس مقام میں نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء والے کو دیکھئے کہ اس نے کیا تحریف کی داد دی ہے کہ بالکل مضمون بدل ڈالا۔

اور اشعیا کی کتاب کے چوبیسویں باب کے پانچویں ورس میں ہے۔ نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء "انہم تعدوا ناموس الرب وبدلوا اوامر العہد الابدی۔ یعنی بنی اسرائیل نے خدا کی شریعت سے تجاوز کر کے توریت کی باتیں بدل ڈالیں۔ اور ظاہر ہے کہ مطلق مسلمان گنہگار یا عیسائی گنہگار کو یہ کہنا نہیں صحیح ہے کہ تو نے قرآن کے احکام یا انجیل کے احکام بدل ڈالے۔ ہاں جب کوئی مسلمان یا عیسائی قرآن یا انجیل کی آیتوں کو اپنی اصلی وضع سے پھیر کر اپنے مطلب کے موافق لکھے اس وقت البتہ کہیں گے کہ تو نے قرآن یا انجیل کے احکام کو بدل ڈالا۔ دیکھو یحرفون الکلم عن مواضعہ۔ یعنی خدا کے انبیاء کی باتوں کو اصل وضع سے ٹیڑھا کر دیتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں یا کچھ اور۔ قرآن اسی بات کی تصدیق کرتا ہے یا کچھ اور کی۔

اور پہلی انجیل کے پندرھویں باب کے تیسرے ورس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا خطاب موسائیوں کی نسبت یوں نقل کیا۔ نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء "ابطلتم کلام اللّٰہ لاجل سننکم۔ یعنی حضرت عیسٰی فرماتے ہیں کہ اے موسائی مذہب کے علماء۔ تم نے خراب کر ڈالا اور ناکارہ کر دیا خدا کی کتاب کو واسطے رونق دینے اپنے طریقوں کے۔ دیکھو تم لوگ اور ہم بھی ہر گنہگار عیسائی یا گنہگار محمدی کو یہ نہیں کہتے ہیں کہ تو نے انجیل یا قرآن کو خراب کر کے ناکارہ کر دیا ہے۔ اور اگر کوئی ہر طرح کے گنہگار کو ایسا کہے تو اس نے جھوٹ کہا۔ ہاں اگر کوئی شخص قرآن کی عربی تفسیر لکھے اور قرآن کے لفظوں کو تفسیر کے لفظوں سے ممتاز نہ کرے اور اس کے ساتھ اپنے مطلب کے مطابق لفظ ملا دے

تو البتہ کہیں گے کہ تُو نے کلام اللہ کو خراب کر ڈالا۔

اور پولوس کے نامہ موسومہ ططیس کے پہلے باب کے گیارہویں اور چودھویں ورس میں یہودیوں کی نسبت ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "وزبان آنہارا باید بست، کہ ایشاں خانہ ہارا بالکلیہ واژگوں میگردانند و بجہت قلیل نفعے چیزہائے ناشائستہ را تعلیم می مانند" ۱۴ "و برافسانہ ہائے یہود و احکام آنہا اعتبار نہ نمایند کہ راستی را انحراف می دہند" دیکھو راستی کو انحراف دینا مصداق ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ کا و بجہت قلیل نفعے کا مضمون مصداق ہے لیشتروا بہ ثمنا قلیلاً کا۔ یہاں تک توریت میں تحریف کرنے کی گواہیاں لکھی گئیں۔

آگے انجیل کے حق میں سُنیئے۔ پولوس کے نامہ موسومہ غلاطیہ کے پہلے باب کا ورس چھٹا اور ساتواں نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء "انی اعجب من انکم سرعتم بالانتقال عمن استدعاکم بنعمۃ المسیح الیٰ انجیل اٰخر وھو لیس بانجیل بل ان معکم نفر من الذین یزعجونکم و یریدون ان یحرفوا انجیل المسیح۔" نسخہ ۱۸۲۶ء "میں حیران ہوں کہ تم اس کے جس نے تمہیں فضل مسیح میں بُلایا چھوڑ کر دوسری انجیل کے ہو گئے سو وہ دوسری انجیل نہیں۔ پھر بعضے تمہیں گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل کو اُلٹنا چاہتے ہیں۔" دیکھو نئی انجیل بیان کرنا اور حقیقی انجیل کی تحریف کے فکر میں ہونا قرن اوّل مسیحی سے شروع ہوا ہے۔

اور پطرس حواری حقیقی نے جو حضرت عیسیٰ کے خلیفہ تھے اپنے دوسرے خط کے دوسرے باب کے آغاز میں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۱ "چنانچہ پیغمبران کاذب در قوم بودند درمیان شما معلمان کاذب نیز خواہند بود کہ بدعت ہائے مہلک را در خفا داخل خواہند نمود۔ بمرتبہ کہ آن مخدومیکہ آنہارا خریدہ انکار خواہند نمود و ہلاک ناگہانی بر خود قرار خواہند داد۔ ۲۔ و بسیارے در امور مہلکہ ایشاں را پیروی خواہند نمود کہ بسبب ایشاں نسبت براہ راست لعنت کردہ خواہد شد۔ ۳۔ و از راہ طمع با فسانہ ہائے فریبندہ شمارا مایہ نفع خود خواہند پنداشت۔"

نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء "قد کان مع القوم نبیّون کذّابون و سیحدث فیکم

لہ نئے ایڈیشن میں اس کا ترجمہ یہ ہے اور مسیح کی خوشخبری کو بگاڑنا چاہتے ہیں انجیل کے لفظ سے گریز معنی خیز ہے۔

ایضاً معلمون کذابون یدخلون الطرق المھلکة بالخفیة ویکون الرب الذی افتداھم و یجلبون علیٰ انفسھم الھلاک المستعجل ،، یعنی بنی اسرائیل میں مقرر جھوٹ بولنے والے بادعائے نبوت ہوتے ہیں اور قریب ہے کہ پیدا ہوں تم میں بھی جھوٹے تعلیم دینے والے کہ خفیہ داخل کریں گے دین میں ہلاک کرنے والی راہیں اور جس خداوند نے ان کو فدیہ دے کر چھڑایا ہے اس کے منکر ہوں گے اور اپنی جانوں پر جلدی خرابیاں لاویں گے۔

یہاں کئی باتیں دیکھنا چاہیئیں. ایک یہ کہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جھوٹے دعوے کرنے والے نبوت کے ہوتے ہیں اور آگے چل کے ہونے والوں کو ان کے مقابلے میں صرف معلم کہا مدعی نبوت نہیں کہا. دوسرے یہ کہ فرمایا کہ راہیں جو داخل کریں گے سو بسبیل اخفا داخل کریں گے یعنی ظاہر ہیں وہ راہیں دینِ عیسوی سے علیحدہ نہ ہوں گی بلکہ اسی میں مخلوط ہوں گی. تیسرے یہ کہ فرمایا داخل کریں گے۔ سو ظاہر ہے زبانی بیان کرنے کو داخل کرنا نہیں بولتے. اس سے معلوم ہوا کہ داخل کرنے سے مراد یہ ہے کہ دینی کتابوں میں لکھیں گے۔ چوتھے یہ فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ خداوند نے ان کو فدیہ دے کر چھڑایا ہے اور بالاتفاق ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہیں مگر عیسائی لوگ. دیکھو سب کے سب یہ چاروں باتیں مسلمانوں کے پہلے طبقے والوں پر صادق نہیں آتیں۔ اس واسطے کہ سیدالعرب صاحب نبوت تھے اور ایسے نہ تھے کہ صاحب دعوئے نبوت کے مقابلے میں صرف معلم کہلاتے اور وہ اور ان کے اصحاب ان میں سے جن کے لیے حضرت عیسیٰ نے اپنے آپ کو فدیہ کیا نہ تھے یعنی نصرانی نہیں تھے اور انہوں نے نئی راہ ظاہر کی تو کچھ نصرانیت میں ملی ہوئی نہیں تھی بلکہ علیحدہ اس دین سے تھی اور نہ ان عیسائیوں پر صادق آتی ہے جو پہلے طبقے میں مسلمان ہوئے تھے. اس واسطے کہ اسلام کی راہ ان کی نکالی ہوئی نہیں اور یہ راہ جدید ان کی نصرانیت میں ملی ہوئی نہ تھی جو خفیہ کا اطلاق اس پر صحیح ہو بلکہ علیحدہ تھی اور علیحدگی اس کی علانیہ تھی اور یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتی اس لیے کہ ان کے واسطے حضرت عیسیٰ فدیہ نہیں ہوئے۔
اب صاف ثابت ہو گیا کہ یہ خبر نہیں ہے مگر عیسائیوں کے حق میں کہ ان میں بھی دینی کتابوں کے اندر خراب کرنے والی باتیں خفیہ داخل کرنے والے پیدا ہوں گے اور جب عیسائی لوگ ٹھہرے تو اس جملے کے معنی کہ عیسیٰ سے انکار کریں گے کچھ نہیں ہیں سوائے اس کے کہ جو ان کی اصل حقیقت

تھی اس سے انکار کریں گے یعنی ان کو محض بندہ نہ جانیں گے۔

بالجملہ ان سب بیانوں سے ثابت ہو گیا کہ اہل کتاب کیا موسائی کیا عیسائی خدا اور اس کے سچے پیغمبروں کے پیغاموں میں واہی تباہی روایتیں آگے پیچھے اور بیچ میں ملا دیتے آئے ہیں اس طرح کہ تمیز مشکل ہو گئی۔ آمدم بر بیان اصل انجیل۔ یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ عبری نژاد تھے اور بنی اسرائیل سارے سب کے سب عبری زبان رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ پہلی بار جو آئے تو صرف اسرائیلیوں کے لیے آئے تو موافق اپنے زاد و بوم کے عبری زبان بولتے تھے اور خدا کی باتیں بھی عبری میں کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل نام اس کا خود دلالت اسی بات پر کرتا ہے اور بعضے بعضے فقرے اب بھی عبری ہیں۔ سو اس عبری کلام عیسوی کا اب کہیں پتہ نہیں ملتا اور خود عیسائیوں سے ہم نے سنا کہ اصل عبری انجیل جو حضرت عیسےٰ کا بلفظہ کلام تھا اس کا کچھ سراغ عالم میں پیدا نہیں اور اب مدت سے یہی یونانی ترجمہ اس کا اصل قرار پایا ہے۔ اور جو متی انجیل کے آخر کے جملے سے یہ ظاہر ہے کہ اصل انجیل اور ہی شخص کی لکھی ہوئی تھی اور یہ انجیل یونانی میں اور ہی شخص نے لکھی چنانچہ اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کریں گے۔

الغرض آگے جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب پچھلے زمانے کا حال سنیئے:-

آٹھویں اربانوس صاحب کلیسائے روم قدیم نے جب بائبل کو سنہ ۱۶۲۵ء مسیحی میں عربی اور لاطینی میں بہت سے علمائے مسیحی حقانی زبان دان جمع کر کر لکھوایا۔ اس پر اس نے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ بائبل کی صنفت میں جس کا جی چاہے اس کو پڑھ لے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ اصل کتابوں میں بائبل کے کیا عبرانی یعنی عہد قدیم کی کتابیں اور کیا یونانی یعنی اناجیل کچھ کچھ نقصان اور فساد اور خرابیاں واقع ہوئی ہیں۔ ہر گاہ حمایت کرنے والا اس کتاب کا تھوڑے سے نقصان اور فساد کا اقرار کرتا ہے تو واقع میں نہ معلوم کتنا تھا جس کو وہ تھوڑا لکھتا ہے۔ میں اس مقدمے کو بجنسہ ترجمہ کر کے لکھتا ہوں اور اپنی طرف سے کوئی لفظ کم و بیش نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے اصل کتاب سے کہ بعضے عیسائیوں کے پاس ہوتی ہے ملا کر دیکھ لے اور جو اس مقدمے کی عبارت میں غلطی صرفی اور نحوی اور تعقیدات لفظی اور معنوی بہت ہے۔ اس جہت سے بعضی جگہ ترجمہ صرف اٹکل سے کیا گیا۔

مقدّمه

فاما ذلك الكلام الذے انزله الله سبحانه فكتبته اوّلًا انبياء
والرسل بلغاتهم كلوا احدٍ منهم بلغة بلدته او قومه ثم
من بعدهم نقل الى السنةٍ مختلفة ليعرف جميع الامم ما اوحى
به الله لخلاصهم اجمعين وان كان فے نسخة المقبولة
اختلاف الكلمات كاختلاف اللغات لكثرة المعانى التى لكل واحدة
من الكلمات فى اصلها لاكن لكلهن حكمٌ واحدٌ فيما يلى الحقيقة
وليس فيه شئٌ مضاد لها فخاصّةً فى هذه النسخة العامة
المعروفة التى يستعملها الكنيسة المقدسة الرسولة الجامعة
الرومانية فانها لا فى المعانى فقط بل وفى اكثر الالفاظ يوافق
المتن الاصلى اے العبرانى واليونانى ومع ذلك كله لعلك تجد
شيئًا ناقصًا مفسودًا فى بعض نسخ الكتاب المذكورة اما عند
الروم واما عند غيرهم من الطوائف من سهو الكاتبين او من
قلة اجتهاد المترجمين وكذلك فى اصل العبرانى واليونانى
ايضًا يكون نقص يسير او غلط صغير وتكاد يوجد كتاب من
الكتب وانكان هو صحيحًا كاملا الا وفيه غلط او نقص لا
كن لا يقول احد بالحق لاجل ذلك انه مطلقًا كتاب مفسود
او مرفوض اما نسخ الكتب المقدسه هى كثيرة كحسب
كثرة اللغات والشعوب فكانت قديمًا النسخة العربية
ايضًا مشهورة تامةً فے الفاظ صادقة فى المعاني رهر فى نواحى
الشرق دين المسيح ولم يكن بعد انقلبت الامر من شدة الاحزاب

والهراطقة في ملك البلدان لاكن من بعد ما نقص هناك العلم
والايمان خسرت ايضاً النسخة المذكورة وبقيت منها مصاحف
قليلة فقط وفيها غلطات كثيرة ونقصانات غزيرة ذلك من
قلة النساخ والعلماء ومن كثرة الخشومة والجهالة فهذا السبب
دعا الأب المكرم المشهور في التقى والجودة المعتبر في العلم
والحكمة سركيس الهاروني من بيت الرزي مطران الشام ليحسن
الى طائفته ويقوم باحتياجها على حسب قدرته بما قد كان
رغبوا بعض البطاركة والاساقفة من بلاد الشرق الى قدس
سيدنا البابا اربانوس الثامن مستاذنين له في امره باصلاح
النسخة العربية وبطبعها في رومية العظمى لمنفعة كنائسهم
ورعاياهم فاذن البابا المذكور بطلبتهم فولى هذا الامر
السادة المكرمين المتعالين الكردينالية المتوكلين على المجمع
المقدس في انتشار الايمان المسيحي بامامهم فاوصوا المطران
سركيس المقدم ذكره بجمع في داره كثيراً من العلماء
اللاهوتيين قسيسين ورهباناً وعلماء أربين في معلمي اللسان
العبراني واليوناني والعبري وغيرها ليصلح معهم
النسخة العربية فبدوا يفعلون ذلك لغاية الاجتهاد في
سنة ١٦٢٥ الف وستمائة وخمسة وعشرين بميلاد المسيح
بعون الله تعالى وتوفيقه فاختاروا من كل واحد في
المصاحف العربية ما وجدوا فيه اصح واصلح وموافق
المصدر العبراني واليوناني وجبروا الناقص واصلحوا
الفاسد على مثل المصدر المذكور والنقل العام الذي عند
الكنيسة الرومانية فكذلك ردوا على قدر طاقتهم الكتب

المقدسة الى الطائفة العربيّة المشهورة وغيرها من الطوائف المستعمل عندهم اللسان العربي كما كانت لهم في الزمان القديم اما في هذا الامر الكبير كل سعي الناس وهمهم خفيف قليل فلذلك امر المجمع المقدس ان يطبع في هذا النقل المتن اللاطيني العام قبالة المتن العربي حتى يكون لكل واحدٍ قانوناً اميناً يعرف به ويصلح كلما بقي من العربي من نقص او غلط لم يدره المترجمون والمصلحون.

ثم اعلم ايها القاري الحبيب انا في اصلاحنا هذا لم نلحق دائماً المتن المحصلي كلمةً بكلمةٍ بل اقتدينا عادة الترجمة السابقين مرات كثيرة حفظنا الحكم فقط وتغافلنا عن ترتيب الالفاظ وعددها وحيث كان اختلاف بين الحكم العربي واللاطيني بغير مضرة الحق لم نزل لغيره بشيء بل القينا تاويل الاولين كرامةً لهم وقد صارت لاهل الشرق العادة فيه من زمان طويل فكان التغير يكون لهم مكروها ثم ان المتن الاصلي ايضاً قبول في خطه ذلك الحكم بالسواء وبين الحكمين اختلاف فقط بلا متضادة وفي كليهما تصديق الامور ثم معروض عليك انا في اسماء التي تختص بها الناس او المواضع وقفنا على اثار الخط العبراني وحروفه الآن العادة في اللسان العربي تارةً منعنا عن ذلك كقولك ابراهيم عوض ابرهيم وسليمان عوض سلومنا ويروشلم عوض يورشليم ومثل ذلك فاما اسماء الاحجار والاشجار وسائر النباتات والحيوانات وما

تشابه بذلك ان كان فى اللفظ شك او ريب فى معناه و المترجمون فى تاويلها مختلفون فتركتها بلا تغير فى المتن العربي ثم انك فى هذا النقل تجد شيئاً من الكلام غير موافق قوانين اللغة بل مضاداً لها كالجنس المذكر بدل المؤنث والعدد المفرد بدل الجمع والجمع بدل المثنى والرفع مكان الجر والنصب فى الاسم والجزم فى الفعل سبباً لهذا كله سذاجة كلام المسيحين فصار لهم نوع تلك اللغة مخصوصاً و لاكن ليس فى اللسان العربي فقط بل و فى اللاطينى واليوناني والعبرانى تغافلت الانبياء والرسل و الآباء الاولون عن قياس الكلام لانه لم يرد روح القدس ان تقيد اتساع الكلمة الالهية بالحدود المضيقة التى حدتها الفرائض النحوية فقدم لنا الاسرار السماوية بغير فصاحة وبلاغة بكلمات يسيره مستسهلة لبلد تختص قوة البشر وجبلتهم بعمل خلاصهم العجيب النظم وبدخول العالم فى دين المسيح۔

ترجمہ۔ یہ کلام کہ نازل کیا اس کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے سو لکھا اس کو پہلے انبیاء اور پیغمبروں نے اپنی بولیوں میں اور ہر ایک نے ان میں سے لکھا اپنے شہر اور اپنی قوم کی بولی میں بعد ان کے وہ کلام نقل کیا گیا مختلف زبانوں میں۔ تاکہ سب اہتیں دریافت کریں جو خدا نے ان سب کی نجات کے لیے وحی بھیجی۔ اور اگرچہ نسخہ مقبولہ میں اختلاف کلمات مثل اختلاف لغات کے ہے بسبب کثرت معنول کے جو ہر کلمہ کے اصل میں ہیں لیکن ان سب کا ایک ہی حکم ہے حقیقت سے ملتا ہوا اور نہیں ہے اس میں کوئی بات خلاف اس کے۔ خصوصاً اس نسخہ عامہ مشہورہ میں جسے استعمال میں کہتے ہیں ارباب کلیسائے رسولیہ جماعت رومانیہ

اور یہ حال نہیں ہے صرف باعتبار معنوں کے بلکہ اکثر لفظوں میں بھی موافق اصل متن یعنی عبرانی اور یونانی کے ہے اور بایں ہمہ تو نہ پاوے گا بعضا کلام ناقص اور خراب اور بعضے نسخوں میں اس کتاب کے کیا اہل رُوم کے پاس اور کیا اوروں کے پاس منجملہ اور گروہوں کے کاتبوں کی سہو اور مترجموں کی کم محنتی سے اور ایسا ہی اصل کتاب عبرانی اور یونانی میں بھی۔ تھوڑا سا نقصان اور غلطیاں تھوڑی سی ہیں اور نزدیک نہیں ہے کہ پائی جائے کوئی کتاب کتابوں میں سے اگرچہ خوب صحیح ہو۔ مگر یہ کہ اس میں کچھ غلطیاں یا نقصان ہو اس جہت سے یہ کوئی نہ کہے گا کہ وہ کتاب بالکل خراب اور متروک ہوگئی اور اب اس طرح کی کتبِ مقدسہ بہت ہیں موافق کثرت زبانوں اور فرقوں کے۔ سو قدیم الایام سے نسخہ عربیہ مشہور لفظوں سے پُورا اور معنوں سے درست۔ وقتی کہ نواحی مشرق میں چمکا دین مسیحی اور ہنوز انقلابِ امور بسبب شدت لڑائیوں کے نہیں ہوا تھا ان شہروں میں لیکن جب کہ علم اور ایمان وہاں ناقص ہوگیا تو کم ہوگیا نسخہ مذکورہ بھی اور تھوڑے نسخے اس کے باقی رہے فقط اور اس میں بہت غلطیاں اور بہت نقصانات ہیں یہ بسبب قلت لکھنے والوں اور عالموں اور کثرتِ غشومت اور جہالت کے ہوا پس یہ امر باعث ہوا پاپا بزرگ کو کہ تعوبلے اور جودت طبع میں مشہور اور علم و حکمت میں معتبر ہے گرن سرکیس ہارونی خاندان رزمطران شام تاکہ احسان کرے اپنے گروہ پہ اور مستعد ہو ان کی حاجت روائی پر موافق اپنی طاقت کے اس جہت سے کہ رغبت کی تھی بعضے بطارقہ اور اساقفہ نے بلادِ مشرقیہ سے حضرت سیدنا پاپا اربانوس ثامن کی طرف اور اس سے وہ چاہتے تھے حکم کرنے کو واسطے اصلاح اس نسخہ عربیہ کے اور اس کے چھاپنے کے بڑی رومیہ میں کنیسوں اور ان کی رعایا کے فائدے کے لیے سو اجازت دی اس پاپا نے طالبوں کو اور اس کام کا متولی کیا بزرگ سردار

ان بلند مرتبہ کر دینا یہ کہ جو متوکل تھے مجمع متوکل یہ واسطے رواج دینے دینِ مسیحی کے سوا انہوں نے کہا مطران سرکیس مقدم الذکر سے برائے جمع کرنے کو اپنے گھر میں بہت سے علماء لاہوتین، قسیسین اور رہبان اور علماء نبیین اور معلمین عبرانی اور یونانی اور عربی وغیرہ کے تئیں تاکہ ان کے ساتھ مل کر اصلاح دے نسخہ عربیہ کو. سو وہ یہ کام کرنے لگے بہت کوشش سے ۱۶۲۵ء میں میلاد مسیح سے بعون اللہ تعالیٰ توفیقہ. پس پسند کر لیے انہوں نے ہر ایک سے کتب عربیہ میں جو کہ اس میں بہت صحیح اور درست اور موافق صیغون عبرانی اور یونانی کے تھے اور پورا کیا ناقص کو اور درست کیا فاسد کو موافق انہیں صیغوں اور نقل مشہور کے جو کنیسہ رومانیہ میں ہے اور پھیر دیا انہوں نے جہاں تک ہو سکا کتب مقدسہ کو کہ وہ عربیہ مشہورہ وغیرہ کی طرف جن کے یہاں عربی مستعمل تھی جیسا کہ زمانِ سابق میں اُن کے لیے تھا اور اس بڑے کام میں کوشش آدمیوں کی اور ہمت ان کی ہلکی اور ضعیف ہے. اس لیے اس گروہِ مقدس نے حکم کیا یہ کہ چھاپا جائے اس کتاب میں متن لاطینی مشہور مقابل میں عربی کے. تاکہ ہو ہر ایک کے لیے قاعدہ مضبوط کہ اس سے پہچانا جائے اور اصلاح کر دی جائے اس کی جو باقی ہے عربی میں نقصان اور غلطی کہ نہیں دھیان کیا اس کو مترجمین اور اصلاح دینے والوں نے.

پس جان اے پڑھنے والے وہ سب کہ ہم لوگ اس اصلاح میں برابری نہیں رکھتے آئے ہیں. ہر مقام میں متن اصلی کو لفظ بلفظ بلکہ ہم نے تقلید کی اگلے مترجموں کی سو بہت جگہ ہم نے حکم کو لگا نا رکھا اور ترتیب الفاظ اور اس کی تعداد سے تغافل کیا اور جہاں کہیں کچھ اختلاف تھا حکم عربی اور لاطینی میں بغیر مضرت حق مناسب نہ دیکھا ہم نے کہ اس کو بدلیں بلکہ باقی رکھا اگلوں کی تاویل کو ان کی بزرگی کے لحاظ سے. ہو گئے تھے اہل مشرق

مدت سے معتاد اس کے۔ سو وہ تغییر انہیں کو روہ معلوم ہوتی اور پھر متن اصلی بھی قبول ہے اپنے خط میں اور یہ حکم برابر ہے اور دونوں حکموں میں اختلاف ہے فقط بلا تضاد اور دونوں میں تصدیق امور کی ہے۔ پھر عرض کیا جاتا ہے کہ ہم نے آدمیوں اور مواضع کے ناموں کو موقوف رکھا۔ خط عبرانی اور اس کے حرفوں کی وضع پر۔ مگر عادت نے زبان عربی کے کبھی ہم کو باز رکھا اس بات سے مثل کہنے تیرے کے ابراہیم عوض ابرہم اور سلیمان عوض سلومنا اور یروشلم عوض یورشلیم اور مثل اس کے اور نام پتھروں اور درختوں اور تمام گھاسوں اور جانوروں اور جو مثل اس کے ہیں اگر لفظ میں شک ہے یا اس کے معنوں میں تردد ہے اور مترجم لوگ اس کی تاویل میں مختلف ہیں سو ہم نے چھوڑا اس کو بلا تغییر متن عربی کے پھر مقرر تو پاوے گا اس نقل میں بعضا کلام خلاف لغت کے بلکہ ضد اس کے مذکر بدلے مؤنث کے اور مفرد بدلے جمع کے اور جمع بدلے تثنیہ کے اور رفع جر کی جگہ میں اور نصب اسم میں اور جزم فعل میں اور زیادتی حروف کی عوض حرکات کے اور مثل اس کے۔ سو سبب ان سب اختلافات کا کلام مسیحیوں کا ہے پس ہو گئی ہے اس طرح کی بولی مخصوص ان کے لیے اور یہ بات صرف عربی میں نہیں ہے۔ بلکہ لاطینی اور یونانی اور عبرانی میں بھی ہے تغافل کیا انبیاء اور پیغمبروں نے اور اگلے پوپوں نے قواعد قیاسیہ کلام سے اس واسطے کہ نہیں چاہتا ہے روح القدس یہ کہ بند کرے وسعت کلمۃ الالٰہیہ کو حدود مضیقہ میں کہ محدود کیا ان کو ضروریات نحویہ نے۔ سو روح القدس نے اسرار سماویہ ہمارے لیے پیش کیے بغیر فصاحت اور بغیر بلاغت کے بیچ آسان کلمات میں تاکہ مخصوص نہ ہو جاوے یہ قوت بشری اور جبلت اس کی اپنے نجات کے باب میں نظم عجیب کے ساتھ اور واسطے داخل ہونے کے دین مسیحی میں۔"

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بائبل کے ترجمے جو مشہور ہوئے ہیں اس میں کچھ کچھ نقصان اور فساد لکھنے والوں کی سہو اور ترجمہ کرنے والوں کی کم محنتی سے ہوا ہے اور ایسا ہی اصل عبرانی اور یونانی یعنی اصل توریت اور اصل انجیل میں بھی کچھ کچھ نقصان اور غلطیاں ہیں اور عربی ترجمہ جو قدیم سے چلا آتا ہے اس میں بہت سی غلطیاں ہو گئی ہیں۔ اس لیے پوپ سرکیس ہارونی نے باتجارت بڑے پوپ اربانوس ثامن کے بہت سے علمائے مسیحی عبرانی اور یونانی اور عبرانی زبان والوں کو جمع کر کے اس نسخے کی اصلاح کی اور جبر نقصان کیا اور اس سر ایک نسخے میں مذکر کے بدلے مؤنث اور مفرد کے بدلے جمع وغیرہ اختلاف واقع ہیں۔ بلکہ بعضے جگہ خلاف اصل لغت اور ضد اس کے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسیحی لوگوں کو اس طرح کی بولی کی عادت ہو گئی ہے۔ اور اختلافات مذکورہ صرف ترجمہ عربیہ میں نہیں ہیں۔ بلکہ اصل عبرانی اور یونانی یعنی اصل توریت اور انجیل کا بھی یہی حال ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ اگلے پیغمبروں اور پولوس نے اس بات سے عمداً چشم پوشی کی۔ اس لیے کہ روح القدس نہیں چاہتا ہے کہ خدا کا کلام بندوں کے مقرر کیے ہوئے نحوی قاعدوں کا مقید ہو فقط

ذرا انصاف کیجئے کہ جب تثنیہ بدلے جمع اور جمع بدلے مفرد کے اور رفع عوض نصب کے اور نصب عوض جر کے اور لفظ خلاف اپنے لغت کے ہو گیا تو مطلب صحیح کا ظاہر ہونا منجملہ محالات ہے۔ اس صورت میں بھلا ایسی کتابوں کا قرآن شریف کے ساتھ معارضہ کرنے کا کیا ارتبہ ہا اور دیکھئے کہ حامیان بائبل کے اقرار سے صاف ثابت ہو گیا کہ بائبل کے نسخوں میں کیا اصل کیا ترجمہ سب میں خرابیاں ہوتی رہی ہیں اور یہ لوگ اس کا جبر نقصان کرتے رہے ہیں اور ان سب خرابیوں کے وہ لوگ تین عذر کرتے ہیں۔ ایک بہ نسبت صرف ترجموں کے۔ اور دوسرے بہ نسبت فساد اصل اور ترجموں دونوں کے۔ سو صرف ترجموں کے فساد کے بہ نسبت یہ عذر ہے کہ مترجموں کی کم محنتی سے ایسا ہوا۔ حالانکہ باوجود ان دانشمندیوں کے جس کے اہل فرنگ اپنے لیے فقیر کے وقت سے مدعی ہیں کہ سارے جہان کے علوم پر انہوں نے آگاہی حاصل کی اور ہر ہر فن کی جزئیات دریافت کئے اور لکھے اور مشہور کئے اور سلاطین اور امراء ان کی ان باتوں میں کروڑوں روپے خرچ کرتے رہے ہیں۔

معہذا بائبل کے ترجمہ کرنے کا سلیقہ بسبب کم محنتی کے ان کو نہ آیا نہایت بعید از قیاس ہے بلکہ اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عبرانی اور یونانی نسخوں میں نقصان اور غلطیاں واقع ہوئی ہیں کہ مترجموں کو اس کی مطاوعت کرنی ضرور ہوتی ہے اور نہیں معلوم کتنی بہت سی غلطیاں ہیں کہ حامیان بائبل بلاچاری اس میں سے تھوڑے کا اقرار کرتے ہیں. اور یہ ظاہر ہے کہ امتداد مدت سے اکثر کتابوں میں ایسی خرابیاں واقع ہوجاتی ہیں کہ اگر خدا اس کی نگہبانی کا ضامن نہ ہو. چنانچہ ٹرنر مکان صاحب نے شاہنامے کا حال اس کے مطبوعہ نسخے پر بطور مقدمہ مذکور کے لکھا ہے اور باقی دو عذروں سے ایک یہ ہے کہ سہو کاتبین سے ایسا ہو. سو ہر عاقل جانتا ہے کہ کاتبوں کی غلطی ایسی نہیں ہوتی جن کی درستی کے لیے اتنا بڑا اہتمام عظیم الشان کرنا پڑے کہ بیسیوں کے علاوہ سینکڑوں نسخے اکٹھے کئے جاویں. اور دوسرا عذر کیا خوب ہے کہ روح القدس کو پابندی قواعدِ نحویہ کی نہیں ہے.

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہرگاہ ان لوگوں نے دیکھا کہ عذر سہو کاتب اور سہو مترجم ہر جگہ پیش نہیں کیا جا سکتا تو یہ عذر کیا کہ روح القدس کی مرضی کے موافق انبیائے بنی اسرائیل خدا کا کلام یوں غلط ملط ظاہر کرتے رہے ہیں اور ایسا عذر ظاہر کرنے والے اتنا نہیں سمجھتے کہ کلام کا مطلب سمجھنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس کے مفردات صحیح ہوں اور ترکیب اس کی درست ہو اور جب کہ الفاظ خلاف اپنی لغت کے بلکہ ضد اس کی ہوئے اور ترکیب کا یہ عالم ہو کہ مرفوع کو منصوب اور منصوب کو مجرور کر ڈالا ہو تو معنی کاہے کو سمجھے جائیں گے اور اس کے سمجھنے کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق ہے جیسے کسی سے کوئی کہے کہ دریا کا پانی اوپچ ڈالو یا ریت کے سب دانے گن ڈالو. اور دیکھئے کہ غلطیاں کریں آپ اور تھوپیں انبیاء اور روح القدس کے سر پر.

اس جگہ سے ہمارے اس دعوے کی یعنی یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ. تمہارے اقرار سے کیسی ڈگری ہوگئی اور تمہارے عذرات کچھ پیش نہ گئے اور اگر کوئی وجہ ثبوت ان عذراتِ ثلثہ کے لیے ہو تو بیان کیجئے اور سمجھ لیجئے کہ ان عذروں کے واقعی ہونے کے وجوب پر یا ان کے مرتفع ہونے کی امتناع پر جب جب تک برہانِ عقلی قائم نہ ہوگی تب تک صرف تمہارے کہنے سے وہ عذرات قرآن شریف کے مقابلے میں دانشمند عاقبت اندیش کے نزدیک التفات کے قابل نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ معارضہ کے لائق ہوں.

دسواں استفسار

اور بانوس ثامن اور سر کیس ہارونی اور جماعتِ کثیر علمائے مسیحی کے محضر سے معلوم ہوا، کہ سینکڑوں برس سے نقصان اور خرابیاں بائبل کی اصل اور ترجموں میں ہوتی چلی آتی ہیں اور اب جو ہم صرف ان ترجموں کو جو ۱۶۲۵ء عیسوی کے بعد مسیحی علماء نے کئے ہیں اور ہر دفعہ اور ہر زبان کے ترجمے پر لکھتے ہیں کہ اصل عبرانی اور یونانی سے ترجمہ کیا ہے ملاتے ہیں تو پھر وہی بات پاتے ہیں اور وہی نقصان اور خرابیاں آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ہر چند میرے اس دعوے کی کماینبغی تصدیق موقوف ہے اس بات پر کہ دفعات مختلفہ اور السنہ مختلفہ کے ترجمے ملاکر لفظ بلفظ مقابلہ کئے جائیں۔ سو اتنی محنت کس سے ہو سکتی ہے مگر کیف ما اتفق ان تراجم موجودہ کے بعضے مقامات کے لانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بہت سا اختلاف پایا گیا کہ ان سب کو اگر لکھوں تو کتاب بڑھ جائے۔ اس لیے مشتی نمونہ چند جملے توریت اور انجیل کے جس میں سہو کاتب یا سہو مترجم کا احتمال نہیں ہو سکتا اس استفسار میں بالاصالۃ لکھتا ہوں اور ضمناً اس طرح کے اختلاف کا ذکر اور استفساروں میں بھی ہے اور اگر سب نسخے موجودہ ملاکر لکھے جاویں تو کیا خوب تماشا ہو اور اس کے ساتھ اگر اور اقوام فرنگ اور یہودیوں کے نسخے بھی یک جا کئے جائیں تو نہیں معلوم کیا کچھ اختلاف ظاہر ہو اور جو کچھ اختلاف ان نسخوں میں باعتبار غلطی نحوی اور تعقیدات لفظی و معنوی کے ہے اس کا کچھ عدو پایاں نہیں۔ مگر اتنا اس مقام پر اور سمجھ لیجئے کہ مثلاً حافظ کا شعر ہے۔

روشن از پرتو رویت نظری نیست کہ نیست
منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

اگر بعض تذکرے والے کہتے ہوں کہ حافظ شیرازی ردیف کے پہلے لفظ کو بصیغۂ نفی پڑھتے تھے اور بعضے تذکرے والے کہتے ہوں کہ حافظ صاحب اس کو بصیغہ اثبات بطور استفہام انکاری کے پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرتا ہو تو ہم ایسے اختلاف کو اختلاف

نہیں کہتے ہیں۔ اس لیے کہ صاحبِ کلام کو اختیار ہے کہ اپنے کلام کو جس طرز پر چاہے ادا کرے ہاں جس صورت میں یہ ثابت ہو جائے کہ حافظ شیرازی نے صرف ایک ہی طرح پڑھا ہے تو البتہ دوسری طرح کو ہم کہیں گے کہ یہ کسی کی تحریف ہے اور اگر ایک تذکرے والے دوسرے کی تکذیب کرتے ہوں تو بموجب قاعدہ اذا تعارضا تساقطا کے ہم کہیں گے کہ حافظ صاحب کا کسی طرح پر کہنا کچھ نہیں ثابت۔

آمدم برسرِ مطلب کتاب پیدائش باب اوّل ورس دوم نسخہ ۱۶۲۵ء روح اللہ یرف علی المیاہ۔ نسخہ ۱۸۲۵ء "پانیوں کی سطح پر خدا کی روح پر پھیلائے ہوئی تھی"، نسخہ فارسیہ ۱۸۳۹ء "روح خدا بر روئے آب جنبش می نمود"۔ نسخہ ۱۸۱۱ء "ریاح اللہ تھب علی وجہ المیاہ۔ یعنی ہوائیں خدا کی پانی پر چلتی ہیں"۔ کہاں روح مفرد کہاں ریح کی جمع ریاح۔ ورس ۲۷ نسخہ ۱۶۲۵ء خلق اللہ الانسان کصورتہ کصورۃ اللہ خلقہ۔ اردو اور فارسی اس کے موافق۔ نسخہ ۱۸۱۱ء فخلق اللہ آدم بصورتہ بصورۃ شرفہا اللہ مسلطاً خلقہ۔ دیکھو شرفہا اللہ مسلطاً کا جملہ کسی نسخے میں نہیں ہے۔ اور کاتب یا مترجم کی سہو پر محمول کرنا دن کو رات کہنا ہے۔ باب دوم ورس ہشتم ۱۶۲۵ء غرس الرب الفردوس النعیم من البدی۔ یعنی نعمت کا باغ لگایا آبادی سے باہر۔ نسخہ ۱۸۱۱ء غرس اللہ جنانا فی عدن شرقیا۔ باغ لگایا خدا نے عدن میں پورب طرف۔ دیکھو کتنا فرق ہے۔ ورس ۲۱ ۱۶۲۵ء فالقی الرب الالٰہ علی آدم سبات النوم فرقدا۔ یعنی خدا نے ڈال دی آدم پر نیند کہ وہ سو گیا۔ نسخہ ۱۸۱۱ء فاوقع اللہ سباتاً علی آدم فنام لیلا یحس۔ یعنی خدا نے ڈال دی آدم پر نیند وہ سو گیا تاکہ وہ احساس نہ کرے۔ دیکھو لیلا یحس کی کمی بیشی۔ باب سوم ورس پنجم نسخہ ۱۶۲۵ء تکونان کالالٰہۃ۔ یعنی ہو جاؤ گے تم دونوں مانند خداؤں کے۔ نسخہ ۱۸۱۱ء تکونان کالالٰہۃ۔ یعنی ہو جاؤ گے تم دونوں مانند خداؤں کے۔ نسخہ ۱۸۱۱ء میں تکونان کالملائکۃ یعنی ہو جاؤ گے تم دونوں مانند فرشتوں کے۔ ظاہر ہے کہ صاحبِ ترجمہ یا کاتب کی سہو سے ایسی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اصل نسخوں میں ایسا ہی اختلاف ہوگا۔ یا کاتب یا مترجم نے عمداً ایسا کیا۔

جاننا چاہیئے کہ بالفرض ۱۶۲۵ء کے نسخے میں اگر سو جگہ خدا کا نام ایسے مقاموں میں واقع

ہوگا تو سنہ ۱۸۱۱ء کے نسخے میں پچاس ساٹھ جگہ خدا کے نام کے بدلے فرشتے کا لفظ ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰی کے حق میں جہاں کہیں انہوں نے خدا کا لفظ لکھا ہے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے اور دیکھو کہ وہ جملہ آدم اور حوا کے خطاب میں درباب منع کرنے کے شجرۂ معہود کے پھل کھانے سے واقع ہے کہ اس کے کھانے سے حضرت آدم کا موردِ عتاب ہونا لکھا ہے اور اس جگہ کہا کہ اس کے کھانے سے خدا کی مانند ہو جاؤ گے۔ یہ عجیب مضمون ہے۔

باب ششم ورس دوم سنہ ۱۶۲۵ء "خراٰی بنو اللّٰہ بنات النّاس انھن حسنات اتّخذوا لھم نسآءً" نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء "خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت ہیں تو ان سبھوں میں سے جس نے پسند کیا اس نے اس سے بیاہ کیا" دیکھو یہ جملہ یعنی (ان سبھوں میں سے جس نے جسے پسند کیا) کیسا کم یا زیادہ ہو گیا ہے اور نسخہ فارسیہ اسی اردو کے موافق ہے۔

نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء "رای بنو الاشراف بنات العامۃ حسناً فاتخذوا لھم نسآءً" یعنی اشراف کے بیٹوں نے عوام کی بیٹیاں خوب صورت دیکھیں ان کو اپنی جورواں بنائیں" دیکھو اللہ کے لفظ کا مبادلہ سہواً نہیں ہو سکتا ہے اور نہ مترجم کی ناواقفیتِ لغت پر محمول کر سکتا ہے۔

ورس ششم نسخہ سنہ ۱۶۲۵ء "فندم اللّٰہ علی عملہ الانسان علی الارض فتاسف بقلبہ داخلاً" سنہ ۱۸۲۵ء "تب یہواہ انسان کو زمین پہ پیدا کرنے سے پچھتایا اور دلگیر ہوا"۔ نسخہ فارسیہ اسی کے موافق ہے۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء "کرہ اللّٰہ خلقہ ولد ادم علی الارض وکرہ ماجاء من معصیتھم۔ اور کہاں نادم اور پچھتایا اور پشیمان شد کہ یہ صریح کفر ہے۔ اس واسطے کہ اس مضمون کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰی کو خدا بھیج کر اگر پچھتایا ہو تو ان کے ماننے والوں کو بڑی مشکل پڑے گی۔ اور کرہ ماجاء من معصیتھم کا جملہ زیادہ ہو گیا یا کم، ایسی زیادتی یا کمی کاتب یا مترجم کی سہو سے نہیں ہو سکتی۔

باب نہم ورس سوم سنہ ۱۶۲۵ء "کلما یتحرّک وھو حیًّا یکون لکم ماکولاً کالبقل الاخضر۔ جو چیز زمین پر چلتی ہے اور جیتی ہے تمہارے کھانے کے لیے ہے ہری ترکاری کے مانند سب چیزیں تم کو عنایت کیں"۔ فارسی بھی اسی کے موافق ہے۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء "کل دبیب طاھر احیٰی یکون لکم ماکلاً کخضر العشب۔ دیکھو طاہر کے لفظ کی کمی بیشی سے خدا کے حکم

میں زمین آسمان کا فرق پڑ گیا۔

باب شانزدہم[۱۶] ورس دوازدہم[۱۲] نسخہ ۱۶۲۵ء هذا سيكون انسانًا وحشيًا يده ضد الجميع ويد الجميع ضده۔ اردو فارسی اس کے موافق نسخہ عربیہ ۱۸۱۱ء یده فی الکل وید الکل فیه۔ یہ حضرت اسماعیل کا حال ہے جو خدا نے بلا واسطہ حضرت ہاجرہ سے کہا۔ دیکھو کہاں یہ مضمون کہ ہاتھ اس کا سب کے برخلاف اور سب کا ہاتھ اس کے برخلاف۔ اور کہاں یہ کہ اس کا ہاتھ سب میں اور سب کا ہاتھ اس میں۔ پہلا جملہ مخالفت پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا موافقت پر۔

ورس سیزدہم[۱۳] اردو ۱۸۲۵ء "تب اس نے یعنی حضرت ہاجرہ نے اس یہواہ کا نام جو اس کے ساتھ ہمکلام ہوا تھا یوں کہا کہ اے یہواہ! تو مجھ پر نظر کرنے والا ہے۔ اور اس نے کہا کہ یہاں میں نے اپنے دیکھنے والے کا پیچھا دیکھا" سب نسخے اسی کے موافق ہیں۔ مگر نسخہ ۱۸۱۱ء والے نے یہاں غضب کیا کہ بجائے رأيت يقينا ههنا قفا ناظري کے نسخہ ۱۶۲۵ء میں یہ لکھا ہے کہ رأيت ههنا رحمتك بعد رؤيتي الشقاء یعنی میں نے اس جگہ تیری مہربانی دیکھی بعد رنج دیکھنے کے۔ دیکھو قفا ناظري کی جگہ رحمتك بدل دیا اور بعد رؤيتي الشقاء کا جملہ زیادہ ہو گیا ہے یا کم ہو گیا تھا۔

جاننا چاہیے کہ ورس سیزدہم سے ظاہر ہے کہ الله تعالیٰ خود حضرت ہاجرہ سے ہمکلام ہوا تھا جیسا کہ موسےٰ اور ابراہیم سے ہمکلام ہوا تھا۔ معہذا اس باب میں ورس ہفتم سے لگا کر ورس یازدہم تک جہاں ذکر تجلی الٰہی اور تکلم خداوندی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت ہے وہاں خدا کے لفظ کی جگہ فرشتے کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔ مگر وہ تیرہواں ورس چونکہ اس میں خدا کی رویت کھلی کھلی مذکور تھی اس واسطے اور نسخے والوں کو یہاں غفلت ہو گئی۔ مگر ۱۸۱۱ء والے کو کچھ تنبہ ہوا کہ اس نے یہاں بھی قفا ناظري کی جگہ رحمتك لکھا۔

اور ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ حضرت ہاجرہ پر خدا کی تجلی ہوئی۔ اس مقام پر یہ ہے کہ عیسائیوں کے اصول میں داخل ہے کہ خدا کا منہ کسی نے نہیں دیکھا سوائے اس کے بیٹے کے اور ابراہیم اور موسےٰ نے جو دیکھا تو پیٹھ دیکھی مگر فرشتے کے منہ دیکھنے کو ممتنع نہیں جانتے پس

اگر صرف فرشتہ حضرت ہاجرہ کو نظر پڑتا اور خدا نہ متجلی ہوتا تو رایت قفا ناظری کا لفظ یعنی اپنے دیکھنے والے کی پیٹھ میں نے دیکھی، یہاں نہ ہوتا۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ ورس ہفتم سے لگا کر یازدہم تک جس کسی کے متجلی ہونے کا ذکر ہاجرہ کی نسبت ہے وہ خدا ہی ہے نہ کہ فرشتہ۔

ف سب موسائی اور عیسائی لوگ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخی کیا کرتے ہیں کہ وہ حضرت ہاجرہ کی اولاد سے ہیں اور ان کا مرتبہ حضرت سارا کے برابر نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ دیکھو حضرت ہاجرہ کا مرتبہ تو ابراہیم اور موسےٰ کے برابر ہے کہ خداوند تعالیٰ جس طرح اُن پر متجلی ہو کر ہم کلام ہوا اسی طرح حضرت ہاجرہ پر بھی۔ بھلا حضرت سارا کی فضیلت اس طرح کی توریت سے نکال تو دو۔

اور یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بے نکاحی لونڈی تھیں۔ حالانکہ پیدائش کے سولہویں باب کے ورس سیوم نسخہ ۱۸۳۹ء میں یُوں ہے "سارا ہاجرہ مصری را بابرام در نکاح آورد"

اور کنیزک ہونے کو یزد جرد کی بیٹی بھی کنیزک ہو سکتی ہے اور ایک ٹرھئی کی بیٹی بھی۔ حالانکہ فرق دونوں کے مرتبے میں جو ہے سو ظاہر ہے۔ اوّل تو حضرت ہاجرہ کو کنیزک لکھنا تمہارا کاہے کو قابل اعتبار کے ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا قوم رذیل سے ہونا ابھی تک توریت کے ان نسخوں میں نہیں لکھا گیا۔ آیندہ یا اور نسخوں کی مجھے خبر نہیں ہے۔

اور گریبان میں ذرا سر ڈال کے دیکھو کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰ کے نسب نامہ مادری میں دو جگہ تم زنا ثابت کرتے ہو۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "تامار جو یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی بہو تھی اس سے یہودا نے زنا کیا اور اس زنا سے فارص پیدا ہوا۔ اور تمہیں کہتے ہو کہ نسب مریم کا اس کی طرف پہنچتا ہے۔ اور صموئیل کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد نے جو اوریا کی زوجہ سے معاذ اللہ زنا کیا اس زنا سے معاذ اللہ سلیمان پیدا ہوئے اور سلیمان بھی بقول تمہارے حضرت مریم کے سلسلہ نسبی میں داخل ہیں اور حضرت عیسیٰ کے مجازی باپ کو ٹرھئی بتاتے ہو اور پھر حضرت ہاجرہ پر ہنستے ہو۔ یہ وہی حضرت عیسیٰ کی بات پوری ہوئی کہ اپنی آنکھ کا

شہتیر نہیں دیکھتے ہو اور بیگانی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہو۔

باب بستم ورس دوازدہم[۱۲] سنہ ۱۶۲۵ء وھی ایضاً انھا اختی بالحقیقة ابنة ابی ولیس ابنته اُمّی۔ اردو اور فارسی اس کے موافق ہے۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء ھی قریبتی من ابی لا من امی دیکھو پہلا نسخہ کہتا ہے کہ سارا حضرت ابراہیم کی علاتی بہن تھیں اور دوسرا نسخہ کہتا ہے کہ سارا حضرت ابراہیم کے پدری خاندان میں ہیں نہ کہ مادری خاندان سے۔

ف پہلے نسخے کے موافق اور دو نسخوں میں بھی ہے۔ ظاہراً وہی اصل نسخہ معلوم ہوتا ہے پس متبنٰی کی زوجہ سے نکاح کرنے پر کیوں طعن کرتے ہو۔ اس کی ممانعت نہ عقلاً ہے اور نہ توریت اور انجیل میں ہے۔

باب بست پنجم ورس ہجدہم[۱۸] نسخہ سنہ ۱۶۲۵ء منتھی اخوته جمیعھم سکن۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء اقام بحضرت جمیع اخواتھم۔ یعنی اسماعیل نے اپنے بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کی۔" نسخہ سنہ ۱۸۳۹ء "در نظر ہمہ برادران خود انتقال نمود"۔ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء "اپنے سارے بھائیوں کے حضور مرگیا۔" دیکھو کہاں بود و باش اختیار کرنا اور کہاں مرجانا۔ سہواً ایسی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔

باب پنجاہم ورس نوزدہم[۱۹] نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء لا تخافوا انّی اخاف اللہ۔ یعنی حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ تم مت ڈرو ہرآئینہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں خدا سے اپنی بخشش کے لیے ڈرتا ہوں میں تمہیں کیوں نہ بخشوں گا۔ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء "مت ڈرو کیا میں خدا کی جگہ ہوں" نسخہ سنہ ۱۸۳۹ء اسی کے موافق ہے۔ دیکھو کتنا تفاوت ہے۔

کتاب خروج باب چہارم ورس شانزدہم[۱۶] سنہ ۱۸۱۲ء انت له تکون استاذاً۔ سنہ ۱۸۲۵ء "تو اس کے لیے خدا کی جگہ ہوگا" دیکھو استاد کو خدا کہا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کے لیے بھی خدا کا لفظ اُستاد کی جگہ نکالا ہے۔ ورس ۲۴ نسخہ سنہ ۱۶۲۵ء فلما کان فی الطریق فتلقاه الرّب۔ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء اور سنہ ۱۸۲۶ء اس کے موافق ہے۔ یعنی جس وقت حضرت موسیٰ راہ میں تھے خدا نے ان سے ملاقات کی۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء فلما کان فی الطریق فاجاء ولده ملاك اللہ۔ یعنی جس وقت موسےٰ راہ میں تھے ان کے بیٹے کے پاس خدا کا فرشتہ آیا۔ دیکھو سہواً ایسا تفاوت نہیں ہوا کرتا ہے۔

باب ششم ورس بستم نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء فاتخذ عمرام یوخابد عمّته زوجة له

فولدت له هارون وموسیٰ. نسخہ ۱۸۲۵ء عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوخابد سے بیاہ کیا الخ نسخہ ۱۸۳۹ء بھی اس کے موافق ہے نسخہ ۱۲۲۵ء فتزوج عمران یوخابد ابنة عمه. یعنی عمران نے یوخابد اپنے چچا کی بیٹی سے بیاہ کیا۔ دیکھو کہاں پھوپھی اور کہاں چچا کی بیٹی۔ سہو سے ایسا تفاوت نہیں پڑتا۔

باب ہفتم ورس نخستین نسخہ ۱۲۲۵ء قد جعلتك الهاً لفرعون یعنی خدا فرماتا ہے موسیٰ سے کہ میں نے تجھے فرعون کے لیے معبود قرار دیا۔ نسخہ ۱۸۱۱ء قد جعلتك استاذا لفرعون یعنی میں نے تجھے فرعون کے لیے استاد قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ اسی طرح عیسیٰ کو انجیل والوں نے معبود کہا ہوگا اور جیسی تصریح موسےٰ کے لیے معبود ہونے کی اس جگہ ہے ایسی تصریح کسی کتاب میں حضرت عیسیٰ کے لیے خدا کے قول کے نیچے نہیں مندرج ہے۔

باب دہم ورس دہم نسخہ دہم ۱۸۱۱ء قال لهما كذلك يكون الله معكم كما اطلقكم واطفالكم. یعنی فرعون نے حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل کے چھٹی مانگنے پر کہا، اسی طرح خدا تمہارا تمہارے ساتھ رہے جو میں تم کو اور تمہارے لڑکوں کو چھٹی دوں. نسخہ ۱۸۳۹ء ”ایشاں راگفت معاذ اللہ کہ شمارا معہ اطفال رخصت دہم“ کہاں معاذ اللہ اور کہاں یکون اللہ معکم۔

باب بستم ورس ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ نسخہ ۱۲۲۶ء ”لا تشهد على قريبك شهادة زور ولا تشته بيت قريبك. یعنی اپنے نزدیک والے پر جھوٹی گواہی مت دے اور اپنے نزدیک والے کے گھر کا لالچ مت کر۔“ دیکھو نزدیکی والے میں تین احتمال ہیں، برادری والا، ہمسائے والا، ساتھ والا۔ نسخہ ۱۸۱۱ء لا تشهد على اخيك شهادة زور ولا تشته بيت صاحبك. دیکھو یہاں برادر کا لفظ ہے قرابت والا ہو یا دین کا بھائی ہو اور صاحب کا لفظ کہا کہ اس میں برادری والا، یا دین والا بھائی اگر ساتھ نہ ہو تو داخل نہیں ہو سکتا۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ”در بر ہمسایہ خود دروغ گواہی مدہ وانہ خانۂ ہمسایہ خود طمع مدار“ نسخہ ۱۸۲۵ء اسی کے موافق اس میں برادری والا جو ہمسایہ نہ ہو داخل نہیں ہو سکتا۔

ف یہ ایک جملہ ہے منجملہ احکام عشرہ کے جنہیں عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو تختی پہ لکھ کر یہی خدا نے دیا تھا۔ پس اصل لفظ نقل نہ کرنا اور صرف اس کا ترجمہ ایک طرح کا

اپنے عندیہ کے موافق لکھ کر کہنا کہ یہی مطلب خدا کا ہے کیسا فساد لایا۔

اور احکام عشرہ یہ ہیں۔ باب مذکور ورس ۳۔ میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہو۔ ۴۔ اور اپنے لیے تراش کر مورتیں اور کسی چیز کی صورت نہ بنائیو۔ ۵۔ تو ان کے آگے خم مت ہو نہ ان کی بندگی کیجیو۔ الیٰ قولہ۔ ۷۔ تو یہواہ اپنے خدا کا نام جھوٹ پر نہ کیجیو۔ ۸۔ اور سبت کو مقدس جانیو۔ ۹۔ تو چھ دن تک محنت اور اپنے سب کام کیجیو لیکن ساتواں دن تیرے یہواہ کا ہے اس میں کوئی کچھ کام نہ کرے۔ الیٰ قولہ۔ ۱۲۔ اور اپنے باپ اور ماں کو عزت دے تا تیری عمر دراز ہو۔ ۱۳۔ تو خون مت کر۔ تو زنا مت کر، تو چوری مت کر، تو اپنے ہمسائے پر جھوٹی گواہی مت دے۔ ۱۴۔ تو اپنے ہمسائے کے گھر کا لالچ مت کر، تو اپنے ہمسایہ کی جورو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور گدھے اور اس کی کسی چیز کا لالچ مت کر فقط۔ لونڈی و غلام کے لفظ سے ظاہر ہے کہ استرقاق ہمیشہ سے جائز چلا آتا ہے۔ سو مسلمانوں پر طعن کرنے کے لیے بعضے نسخوں میں عبد اور جاریہ کی جگہ خادم اور خادمہ بنا دیا گیا ہے۔

باب بست و یکم ورس دوازدہم[۲۱] نسخہ ۱۶۲۵ء "دان ضرب رجلا صاحبہ ومات موتا یموت" یعنی اگر مارا کسی نے کسی کو اور وہ وہ مر گیا تو وہ بھی مرے گا۔ دیکھو اربانوس شامن نے بہت سے عربی دان مسیحی جمع کر کے یہ ترجمہ کیا۔ معہذا اور تینوں نسخوں میں یہ ہے کہ وہ مار ڈالا جائے۔ یہ بھی قال اللہ کے نیچے مندرج ہے۔ کہاں یموت کا لفظ اور کہاں تقتل۔ پہلے لفظ سے شبہ جاتا ہے کہ قصاص نہ کیا جائے اس واسطے کہ وہ بھی ایک روز مرے گا۔ اس فقرے پر نہیں موقوف۔ اکثر جگہ جہاں تقتل کا حکم ہے وہاں نسخہ ۱۶۲۵ء میں یموت کا لفظ ہے۔

ورس سی و دوم نسخہ ۱۶۲۵ء "یعطی ثلثین استارا من الفضۃ" نسخہ ۱۸۱۱ء "ثلثین مثقالا من الفضۃ" نسخہ ۱۸۲۵ء "مثقال کے وزن کے تیس روپے دے" نسخہ ۱۸۳۹ء "سی[۳۰] مثقال سیمین میدہد" دیکھو کہاں استار، کہاں مثقال۔ استار چار مثقال سے کچھ زیادہ کے وزن کا نام ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ ایسا تفاوت وزنوں کا ان نسخوں میں بہت جگہ ہے۔

باب سی و سوم ورس سیزدہم[۱۳] نسخہ ۱۶۲۵ء "ارنی وجھک" یہ حضرت موسے کا سوال ہے

خداوند تعالیٰ سے کہ اپنے تئیں تو مجھے دکھلا۔ نسخہ ۱۸۱۱ء عرفنی طرق مرضاتك یعنی کہ اپنی رضامندی کی راہیں دکھلا۔ نسخہ ۱۸۲۵ء اور نسخہ ۱۸۳۹ء اسی کے موافق ہے۔ دیکھو قدیم نسخہ قرآن شریف کے موافق ہے اور نئے نسخے قرآن کے خلاف ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو مضمون بائبل کا قرآن کے خلاف ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ دیکھو تبدیل و تحریف اسی کا نام ہے۔

کتاب الاحبار باب بست و پنجم ۲۵ ورس سی و ہفتم نسخہ ۱۸۱۱ء "لاتدفع الیه ورقك وطعامك بربا" نسخہ ۱۸۳۵ء "تو اُسے سُودی روپے قرض مت دے اور اسے نفع کے لیے کھانا مت کھلا"۔ نسخہ ۱۶۲۵ء لا تقرضه فضتك بربًا ولا تاخذ منه مما استلف منك من الطعام" یعنی تو اسے سُودی روپیہ قرض مت دے اور جو کھانا تجھ سے قرض لیا ہے اسے مت پھیر لے" دیکھو یہ خدا کا حکم ہے اس میں کیا فرق پڑ گیا۔

کتاب استثنار باب دوازدہم ورس پانزدہم نسخہ ۱۸۲۵ء "گوشت کھایا کر خواہ پاک ہو خواہ ناپاک"۔ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے۔ نسخہ ۱۶۲۵ء کل اما ان کان غیر طاهران یکون فیه عیب او کان ضعیفا واما ان کان طاهرا وهو الکامل بغیر عیب یعنی گوشت کھا خواہ ناپاک ہو اس طرح پر کہ کچھ عیب اس میں ہو یا ضعیف ہو خواہ پاک ہو اس طرح پر کہ وہ پورا ہو اور کچھ عیب اس میں نہ ہو۔ دیکھو خدا کے حکم میں کیسی کمی بیشی ڈال دی اور ظاہر ہے کہ سہوا کاتب سے ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ مترجم کی غفلت سے۔ اور یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بائبل میں صرف مفردات کی کمی بیشی نہیں ہوئی بلکہ جملے کے جملے کم و زیادہ ہو گئے ہیں۔

باب مذکور ورس سی ام نسخہ ۱۸۲۵ء "نہ ہو کہ تو ان کے معبودوں کے حال کی تفتیش کرے نسخہ ۱۶۲۵ء وانظران تسئل من سنتهم یعنی خبردار ہو اس سے کہ تو تفتیش کرنے لگے ان کے طریقوں سے"۔ دیکھو کہاں سُنن یعنی طریقے اور کہاں معبود۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ کے حق میں خدا کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔

باب ہفدہم ورس ہشتم نسخہ ۱۶۲۵ء وان عز علیك ورایت انك عاجز من الفصل من بین الدم والدم والحکم والحکم والبرص والبرص۔ ہر چند کہ اس مقام کی عبارت عربی نسخوں میں خبط ہے مگر اتنا معلوم ہوا کہ اس نسخے میں یہاں تین لفظیں ہیں۔ دم یعنی خون، حکم یعنی

فیصلہ، برص یعنی سفید داغ. نسخہ ۱۸۱۱ء واذا اخفی عنك امر من الاحکام بین دم الی دم و دین الی دین وحکم بلاء الی بلاء. اس میں برص کی جگہ بلا ہے. حالانکہ بلا عام ہے اور برص خاص ہے. عام وخاص کا آپس میں بدلا ان چاروں نسخوں میں بہت جگہ واقع ہے. اس سے ثابت ہوا کہ اگر نبی کی جگہ آدمی کا لفظ لکھیں تو کچھ بعید نہیں. ۱۸۲۵ء جس وقت تو کسی قضیے کے فیصلے میں عاجز ہو کوئی قضیہ کیوں نہ ہو خون کے قصاص کا اور مدعی کے دعوے کا اور مارنے کی سزا کا، اس میں برص اور بلا کی جگہ مارنے کی سزا ہے. ۱۸۳۹ء "اگر امرے از امور منازعت در بلادِ تو در تمیز خون یا دعوے یا زخم واقع گردد" کہاں مارنے کی سزا کہاں زخم. دیکھو اب تک تغیر وتبدل بائبل کے لفظوں میں ہوتی چلی جاتی ہے۔

باب بستم ورس یازدہم نسخہ ۱۶۲۵ء "یکونوا لك عبیدًا یعطوك الجزیة. نسخہ ۱۸۱۱ء یکونون لك ذمة ویخدمونك. نسخہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۳۹ء اسی کے مطابق کہاں ذمی اور کہاں جزیہ، اور کہاں خدمت. پہلے نسخہ سے مسئلہ استرقاق اور جزیہ کا ہماری شریعت کے موافق ظاہر ہے اور دوسرے نسخوں میں یہ بات بدل گئی اور کیسا مطلب ہمارا فوت ہو گیا.

باب بست ویکم ورس بستم نسخہ ۱۸۳۹ء "نشا باز است"، نسخہ ۱۸۲۶ء "بڑا کیفی ہے"، نسخہ ۱۸۲۵ء "مفرط فی الحرام" یعنی حرام کام بہت کرتا ہے. دیکھو کہاں نشہ باز اور کیفی اور کہاں بڑا حرام کار. پہلے نسخوں سے نشے کی مذمت نکلتی ہے اور نسخہ ۱۸۱۱ء والے سے وہ مطلب جاتا رہا. اس سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت لوط یا حضرت عیسیٰ کی طرف شراب پینے کی نسبت بھی ایسی ہی غلط ہے.

باب بست سیوم ورس ہیژدہم [18] نسخہ ۱۶۲۵ء نجس الواحد والآخر. اوپر ذکر ہے مہر البغی اور ثمن الکلب کا. اسی کو فرمایا کہ خرچی اور کتے کی قیمت کا پیسا دونوں نجس ہیں. نسخہ ۱۸۱۱ء ربك یکرھھما. یعنی تیرا پروردگار ان دونوں کو مکروہ جانتا ہے. دیکھو رب کا لفظ زیادہ یا کم ہو گیا ہے اور کہاں نجس ہونا اور کہاں خدا کو مکروہ معلوم ہونا. خدا کو ہر معصیت مکروہ معلوم ہوتی ہے اور نجس ہونے کا حکم اور بھی ہے۔

باب سی وسیوم [33] ورس ششم نسخہ ۱۸۳۹ء "آیا او پدر تو نیست"، نسخہ ۱۸۱۱ء الیس ھو

منشئک یعنی کیا وہ تیرا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ دیکھو یہ حضرت موسےؑ نے اللہ کی تعریف میں فرمایا ہے۔ سو کہاں باپ اور کہاں خالق۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کو حضرت عیسٰی باپ کہتے تھے انہیں معنوں پر کہتے تھے اور اگر یہاں مترجم سے غلطی ہوئی ہے تو وہاں بھی غلطی ہے۔

درس نہم نسخہ ۱۸۱۱ء "آل یعقوب مفضلہ و صاحبہ۔ یعنی بنی اسرائیل خدا کی بندگی دیئے ہوئے اور اس کے مخصوص لوگوں میں ہیں" نسخہ ۱۸۲۵ء "یعقوب اس کی میراث کی قیمت ہے" دیکھو کہاں وہ کہاں یہ۔ ایسی تبدیلی سہو کے راہ سے نہیں ہو سکتی۔

درس ہفتدہم نسخہ ۱۸۱۱ء معبودات لم یعرفوہا حدثات جاءت من قریب ولم یعباء بہا خیارکم یعنی وہ معبود کہ وہ انہیں نہیں جانتے نئے زمانے کے کہ تمہارے اچھے انہیں بے حقیقت جانتے تھے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء "وہ معبود جو تھوڑی مدت سے ظاہر ہوئے ہیں جن سے تیرے باپ دادے نہیں ڈرتے تھے۔ دیکھو کہاں اچھے لوگ اور کہاں باپ دادے جو یہاں اور یہاں بہت ایسی جگہوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حادث معبود نہیں ہو سکتا۔ اس میں حضرت عیسٰی کی خدائی جاتی تھی۔ اس لیے کہ اکثر ایسے مقاموں میں بُت اور مورت کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی درس میں دیکھو کہ بُت کا لفظ دونوں نسخوں میں کہیں نہیں ہے اور نسخہ ۱۸۳۹ء میں یوں لکھا گیا "معبود اینکہ آنہا واقف نبودند بتہائے نو کہ دریں ایام پیدا شدند" دیکھو بتہائے نو کا لفظ اب بڑھا ہے۔ یہاں سے صاف ثابت ہو گیا کہ اور جہاں کہیں حادث کے معبود ٹھہرانے کی ممانعت ہے وہاں بُت اور مورت کا لفظ صرف واسطے رفع بطلان الوہیت عیسویہ کے بنا دیا گیا ہے۔ انتہٰی

دیکھیے جب موسےؑ کی کتاب کا جو ملتِ اسرائیلیہ کی بنیاد ہے یہ حال ہو تو اور کتاب کے حال سے تعرض کرنا کچھ ضروری نہیں۔ جس کا جی چاہے دفعات مختلفہ کے ترجمے ملا کر دیکھ لے چنانچہ داؤد کی کتاب کا یہ حال ہے کہ نسخہ ۱۸۱۱ء میں ایک سو اکاون (۱۵۱) زبور ہے اور نسخہ ۱۸۲۵ء اور نسخہ ۱۸۳۹ء میں آخر والی زبور بالکل ندارد ہے اور نسخہ ۱۸۲۵ء میں زبور ہشتاد و دوم کا بیسواں درس یہ ہے "یشی کے بیٹے داؤد کی یہ دعائیں تمام ہوئیں" اور نسخہ ۱۸۱۱ء میں کہ اس نے زبور مزبور کو ہفتاد و یکم میں ملایا ہے وہ درس ندارد ہے۔ دیکھو درس بستم مزبور دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ

مابعد اس کا کلام داؤد کا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک ثقہ آدمی مجھ سے کہتا تھا کہ اسکاٹ نامی پادری نے جو اس کی شرح لکھی ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ زبور ہفتاد و سیوم تصنیف آصف برخیا کی ہے سو اس فقرے کے گر جانے سے غیر کے کلام کے ملانے کا الزام اُٹھ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سارا سبھی کلام حضرت داؤد کا ہے۔

اور اس طرح کا اختلاف زبور میں بہت ہے کہ ایک نسخے میں بعضے ورس کسی زبور میں لکھے ہیں اور دوسرے نسخے والے نے انہیں ورسوں کو اور ہی زبور میں لکھ دیا ہے۔

ایک نسخہ اس کا عربی ترجمے کا جو مازنی سنخوری کی طرف منسوب ہے ان ترجموں سے ملا کر دیکھا گیا تو سوائے بعض فقرات اوائل زبور اور چند فقروں متفرق جابجا کے مطلق مناسبت ان کے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ اور ہی کسی کتاب کا ترجمہ اور یہ ترجمے کسی اور ہی کتاب کے ہیں۔

اور سلیمان کی کتاب کے پچیسویں باب کا آغاز یوں ہے ”آداب سلیمان بن داؤد المستعجم تلخیصها التی استکتبها اصدقاء حذقیا ملك یهودا۔ یعنی یہ آداب سلیمان کے ہیں جسے ملخص کر کے لکھا ہے حذقیا بادشاہ کے دوستوں نے“ اور رسائل تواریخ سے جسے اخبار الایام کی کتاب کہتے ہیں ثابت ہے کہ عہد سلیمان سے دو سو اٹھائیس برس کے بعد حذقیا کو سلطنت پہنچی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ آداب سلیمان کی کتاب جو بائبل میں ہے سو حضرت سلیمان کی اور ان کے عہد کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔

اور اسی کتاب کے باب سیؔ ام کا آغاز یوں ہے نسخہ ۱۸۲۶ء ”یاقیح کے بیٹے آجور کے الہام کا کلام جو اس نے ایتیال اور یوقال سے کہا“ نسخہ ۱۸۳۹ء ”ایں است کلام آجور بن یقیہ یعنی مقالات کہ او برائے ایتیَل بلکہ برائے ایتیئل واد کال بر زبان آوردہ“ دیکھو یہ جملہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ مابعد اس کے جو کلام ہے وہ حضرت سلیمان کا نہیں ہے سو واسطے رفع الزام الحاق کے سنہ ۱۸۱۱ء والے نے اس جملے کو اپنے نسخے سے حذف کر دیا ہے۔ یہاں سے بھی وہی بات بخوبی ثابت ہوئی کہ بائبل کے رسالے جس کی طرف منسوب ہیں یہ ضروری نہیں کہ اسی کے یا اس کے ہمعصر لوگوں کے تالیف ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف اسی کا کلام اسی میں ہو۔ اور اشعیا کی کتاب کا باب سی و ششم اور سی و ہفتم علانیہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اشعیا کا کلام نہیں ہے۔

تضاداتِ انجیل

اب انجیلوں کے کئی فقرے لکھتا ہوں:۔

انجیل اوّل باب ششم ورس ہفتم عربی نسخہ ۱۸۱۶ء "فاذا اصلّیتم لاتلغوا کالعوام۔" یعنی نماز میں لغویات عوام کی طرح نہ بولا کرو یا لغو حرکت نہ کیا کرو۔" نسخہ ۱۸۱۱ء "واذا اصلّیتم لا تکثروا الکلام کالوثنیین۔ یعنی نماز میں بہت باتیں نہ کیا کرو مانند بُت پرستوں کے۔" دیکھو کہاں عوام کہاں بُت پرست۔ اسی طرح اگر نبی کے لفظ کی جگہ آدمی کا لفظ یا آدمی کی جگہ غلام کا لفظ کاتبوں نے لکھا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے اور ایسا اختلاف خاص وعام کا ان نسخوں میں بھی بہت جگہ ہے اور پہلے نسخے سے لغو حرکت کی بھی ممانعت نماز میں بُوجھی جاتی ہے اور دوسرے نسخے سے نہیں بوجھی جاتی۔

ورس یازدہم نسخہ ۱۸۱۶ء "هب لنا کفافنا من الخبز۔ یعنی گزران کے موافق ہمیں روٹی دے۔" نسخہ ۱۸۱۱ء "خبزنا الذی للغد اتنا الیوم۔" دیکھو کتنا فرق ہے۔ پہلی بات زہد پر دلالت کرتی ہے اور دوسری بات کمال حرص پر۔ اگر ایسی ہی اور کسی کی مدح کی جگہ مذمت اور مذمت کی جگہ مدح لکھیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

باب نوزدہم ورس ہفدہم نسخہ ۱۸۱۶ء "تو مجھے کیوں اچھا کہتا ہے اچھا تو کوئی نہیں مگر ایک جو خدا ہے اور اگر تو چاہتا ہے کہ زمین میں داخل ہو تو احکام نگاہ رکھ۔" سب نسخے اسی کے موافق ہیں مگر نسخہ ۱۸۳۹ء اس میں یُوں ہے۔ ورس ہفدہم "اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے کیوں نیکی کا سوال کرتا ہے۔ نیکی تو یہی ہے کہ اگر تو اس زندگی میں داخل ہوا چاہے تو حکموں پر عمل کر۔" دیکھو کیسی تحریف کی اور تثلیث کے بطلان کو کیسا مٹایا۔ مگر اور نسخوں اور نسخہ ۱۸۳۹ء کے باقی انجیلوں میں ہنوز تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ چند روز میں ان انجیلوں میں بھی اسی طرح وہ مضمون بدل ڈالا جائے گا اور اگلے نسخے جاتے رہیں گے۔ پس عیسائی لوگ کہیں گے کہ مؤلفین اناجیل نے یُوں لکھا ہے۔

انجیل چہارم باب ہفتم ورس چہلم وچہل یکم۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "بدرستیکہ ایں ہماں پیغمبر است وبعضے گفتند کہ ایں مسیح است۔" نسخہ ۱۸۱۴ء "بہتوں نے کہا کہ حق ہے یہ وہ نبی ہے اور وں نے

کہا کہ یہ مسیح ہے۔" نسخہ ۱۸۲۶ء موافق اس کے نسخہ ۱۸۱۶ء "ھذا الرجل نبی وقال الآخرون ھذا ھو المسیح"۔ یہاں کئی باتیں سمجھنے کے قابل ہیں۔ ایک لفظ کے تفاوت سے زمین اور آسمان کا فرق ہو گیا یعنی "ہماں نبی" وہ نبی کہ اس کا ترجمہ عربی میں ھذا ھو النبی ہوتا کہ یہ صاف دلالت کرتا ہے اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک سوائے یحییٰ اور مسیح علیہما السلام کے اور بھی کوئی پیغمبر موعود اور واجب الانتظار تھا۔ یہ مضمون عربی نسخے سے بالکل جاتا رہا ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ جو محل اخفا کا نہ ہو تو وہاں بے خاص پتے کے مبہم یُوں نہیں آپس میں کہتے ہیں کہ یہ وہ بات ہے یا یہ وہ شخص ہے۔ یقین ہے کہ یہاں کوئی علامت خاص یا نام اس نبی موعود کا ہو گا۔ ۲۔ اس زمانے کے جو یہودی ایسے تھے کہ حضرت عیسیٰ کی پیغمبری کی تصدیق انہیں ہو چکی تھی۔ انہوں نے بھی بخصوصیات شخصیہ آنحضرت کو نہ پہچانا بلکہ شبہ کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی عادت یُوں جاری نہیں ہے کہ تکلیفات شرعی میں کہ محل امتحان کا ہے شخص موعود کے خصوصیات شخصیہ ایسے کہہ دیا کرے کہ جس میں اس کلام کے ماننے والے کو ذرا بھی شبہے کی جگہ باقی نہ رہے۔ انتہی

انجیل کی اور تغیر و تبدیلی اور کمی بیشی تھوڑی سی آگے چل کر بیان کریں گے۔ بطور مشتے نمونہ یہ بہت ہے۔ مگر ایک تماشا یہیں اور دیکھئے۔ پہلی انجیل کے پانچویں باب کے سترہویں سے انیسویں ورس کے آخر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ منقول ہے۔ اس کے ترجمے عجیب ڈھب کے ہیں۔ ایک طرح کے لفظوں سے ایک مطلب نکلتا ہے اور دوسری طرح کے لفظوں سے دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میرے پاس اتنے نسخے ہیں۔ ۱۔ نسخہ ۱۶۷۱ء کلیسائے روم کا۔ ۲۔ نسخہ ۱۸۱۱ء انگلینڈ کا۔ ۳۔ نسخہ ۱۸۱۶ء کا جو انگریزوں نے ہندوستان میں کیا۔ ۴۔ فارسی نسخہ ۱۸۱۲ء مارٹین صاحب کا جو ۱۸۲۶ء میں پھر چھاپا گیا۔ ۵۔ اردو نسخہ ۱۸۱۴ء کا جو کہ انگریزوں نے ہندوستان میں کیا۔ ۶۔ اردو نسخہ ۱۸۳۹ء جو حال میں امریکائی پادری صاحبوں سے مجھے ملا۔ انہیں ترجموں کی لفظیں اگر ایک دوسرے سے بدل ڈالیں اور اس کا ترجمہ اپنے طور پر کریں اور اپنی طرف سے کوئی مضمون نہ ملاویں تو حضرت عیسیٰؑ کا مقولہ یہ ٹھہرتا ہے۔ "یہ گمان مت کرو کہ میں توریت کے منسوخ کرنے کے لیے آیا ہوں کوئی حرف اور کوئی شوشہ توریت کا منحرف نہیں ہو سکتا جب تک زمین اور آسمان مٹ نہ لیوے اور جو کوئی ذرا سی بات بھی توریت کی موقوف

کرے گا وہ ملکوت السمٰوات میں حقیر اور ذلیل گنا جائے گا اور جو کوئی اس کو سکھاوے گا اور عمل کرے گا ملکوت السمٰوات میں بزرگ شمار کیا جائے گا" اور اگر انہیں نسخوں میں سے ایک نسخے کی بعضی لفظیں نکال کر ان کی جگہ دوسرے نسخے سے اسی جگہ کی لفظیں رکھ دیں اور اس کا ترجمہ اپنے طور پر کریں اور کوئی مضمون اپنی طرف سے نہ ملا دیں۔ اور ایک نسخے کی تقدیم و تاخیر کو چھوڑ کر دوسرے نسخے کی تقدیم و تاخیر مرعی رکھیں تو حضرت عیسٰیؑ کا مقولہ یہ ٹھہرتا ہے "یہ خیال مت کرو کہ میں خدا کی راہ مٹانے کے واسطے آیا ہوں بلکہ اس واسطے آیا ہوں کہ پیغمبروں کی خبروں کی تکمیل ہو جائے اور سچ کہتا ہوں کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر نبیوں نے جو خبر دی ہے اس میں سے ذرا سی بات بھی نہیں ٹل سکتی۔ یہاں تک کہ ظہور میں آوے اور جو کوئی ذرا سی بات بھی راہ خدا کی نہ مانے گا ملکوت السمٰوات میں ذلیل اور محقر گنا جائے گا اور جو کوئی اسے سیکھے اور سکھاوے گا ملکوت السمٰوات میں بزرگ اور جلیل القدر شمار کیا جاوے گا۔"

اب میں پوچھتا ہوں کہ پہلا مقولہ صحیح ہے یا دوسرا مقولہ۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسری طرح کا مضمون عین ہمارا مطلب ہے اور اس کی صحت کا احتمال بھی ہمیں کافی ہے اگرچہ ثبوت کو نہ پہنچے چہ جائیکہ بہت سے قرائن اور وجوہ ایسے ہوں کہ جس سے دوسرے مضمون کی واقعیت اور پہلے مضمون کی غیر واقعیت ظاہر ہوتی ہو۔

(۱) —— جہاں یہ مضمون ہے کہ انبیاؤں کی باتوں سے ذرا سی بات بھی ٹل نہیں سکتی، وہاں نسخہ ۱۸۱۲ء میں یہ جملہ ہے۔ الیٰ ان تقع الاشیاء کلھا۔ یعنی انبیاؤں کی باتوں میں سے کوئی بات ہرگز نہیں ٹل سکتی۔ یہاں تک کہ سب باتیں واقع ہو جائیں۔ دیکھو واقع ہو جانا زمانۂ آئندہ میں صرف اخبار کی نسبت سے بولتے ہیں نہ کہ اوامر و نواہی کی نسبت سے۔ اس واسطے کہ وہ منجملہ انشا ہیں۔ ان کی نسبت یہ کہنا کہ واقع ہو جائیں گے نہیں صحیح ہے اور جو کوئی کہے تو غلط ہے۔

(۲) —— انجیلوں میں بھرا پڑا ہے کہ جہاں کہیں حضرت عیسٰیؑ کے کسی حال پر اگلے انبیاؤں کی پیشین گوئی کی تطبیق دی ہے وہاں یہی لکھا ہے کہ تا کامل اور پورا ہو جائے جو ارمیا نے کہا۔ یا اشعیا نے یا اگلے نبی نے کہا۔ چنانچہ دوسرے باب میں پہلی انجیل کے درس پانزدہم[۱۵] میں ہے۔ (اسی طرح وہ جو خداوند کے نبی کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا پورا

ہوا) پس معلوم ہوا کہ ایسی ہی باتوں کی نسبت حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ توریت کی بات نہیں ٹل سکتی یہاں تک کہ واقع ہو جائے اور ظہور میں آوے۔

③ —— آٹھویں استفسار میں ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے بہت سے احکام توریت کے جو اَبدی تھے موقوف کر دیئے اور بہت سے جانوروں کے کھانے کو کتاب احبار کے گیارہویں باب میں حرام لکھا ہے جیسے مثلاً اس باب کے ورس ہفتم میں سور کو حرام کہا ہے۔ معہذا پولوس وغیرہ نے ان سب جانوروں کے کھانے کو حلال لکھا ہے اور استثناء کے چوبیسویں باب کے دوسرے اور تیسرے ورس میں طلاق والی عورت سے دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز لکھا ہے اور پہلی انجیل کے انیسویں باب کے نویں ورس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی نے طلاق والی عورت سے دوسرے کے نکاح کرنے کو فرمایا کہ زنا کرنے کے برابر ہے۔ اور کتاب استثناء کے بائیسویں باب کے بائیسویں ورس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسٰے زنا کرنے والے مرد اور عورت دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم کر گئے ہیں اور چوتھی انجیل کے آٹھویں باب کے ساتویں ورس سے گیارہویں ورس تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی نے زانیہ کے زنا کو تسلیم کر کے اسے سنگسار نہ کیا۔

④ —— خود اہل علم عیسائیوں کا اظہار ہے کہ احکام ظاہریہ توریت کے مبدل بباطن ہو گئے اور ان سب کے عوض صرف حضرت عیسٰی کا ماننا رہ گیا۔

⑤ —— بعضے اہلِ علم عیسائیوں کے سامنے دوسری طرح کے ترجمے کو میں نے پڑھا۔ انہوں نے کہا در حقیقت اصل کتاب کا یہی مطلب ہے اور پہلا مضمون ترجموں کی غلطی سے پیدا ہوتا ہے فقط۔ اب آپ لوگوں کے پاس اگر پہلے مضمون کی صحت کی کچھ وجوہات ہوں تو بیان کیجیئے۔ بالجملہ جب ترجموں کا یہ حال ہو کہ بعضی طرح کے لفظوں سے تمہارا مطلب نکلتا ہو اور انہیں لفظوں سے دوسری طرح کے ترجمے سے ہمارا مطلب نکلتا ہو تو ہمیں کیوں کر اعتبار ہو اس بات کا کہ حضرت عیسٰی کا اصل کلام عبری زبان والا تمہارے موافق تھا اور نسخہ اناجیل ۱۸۱۴ء اور ۱۸۳۹ء میں ہر باب کے اُوپر اس باب کے خلاصے کے طور پر چند جملے لکھے ہوئے ہوں اور اور نسخوں میں نہیں ہیں پس جس وقت وہ دونوں نسخے پھیل پڑیں گے اور اگلے نسخے جاتے رہیں گے تو وہی سب نسخوں میں لکھنے کا رواج

ہو جائے گا تو عیسائی لوگ کہیں گے کہ یہ خلاصہ بھی ہر باب کے اُوپر مولفین اناجیل کا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اشعیا کی کتاب کے اکثر بابوں کے شروع میں جو خلاصے کے طور پر سب نسخوں میں اپنے گمان کے موافق اگلوں نے لکھ دیا ہے اسے عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ اشعیا نبی کا لکھا ہوا ہے۔

الغرض ہمارا مطلب اس استفسار سے یہ ہے کہ آپ لوگ بتاویں کہ ان اختلافات کے بھی وہی عذرات ہیں جو اربانوس شامن اور سرکیس ہاردنی باتفاق بڑے بڑے علمائے مسیحی کے ۱۶۶۵ء میں لکھتا ہے یا آپ لوگوں کے پاس کچھ عذر ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ترجموں کے جن لفظوں سے ہمارا مطلب نکلتا ہے وہی لفظیں غلط اور جن لفظوں سے آپ کا مطلب نکلتا ہے صرف وہی صحیح ہوتے ہیں۔ فقط

گیارہواں استفسار

انجیلوں کی نسبت عیسائیوں کے دُو دعوے ہیں۔ ایک یہ کہ انجیلوں کی تالیف کرنے والوں نے جو روایتیں حضرت عیسیٰ کے کلام کے ساتھ آگے پیچھے اور بیچ میں ملا کر سب اپنی دیکھی لکھی ہیں اور حضرت عیسیٰ کا کلام جو اس میں لکھا ہے وہ بلا واسطہ آنحضرت سے سُن کر لکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے سو وہ وہی لکھا ہے جو روح القدس کہتا گیا جس طرح انبیاء لوگ کہتے ہیں۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ علاوہ اس بات سے کہ حضرت عیسیٰ کا اصل کلام باقی ہی نہ رہا۔ بلکہ صرف اس کا ترجمہ یونانی اصل قرار پایا ہے اور علاوہ اس بات سے کہ آپ کے اصول کے مطابق ہر گاہ انبیائے بنی اسرائیل عمدًا گناہِ کبیرہ کرنے سے بعد نبوت کے بھی محفوظ نہیں تھے تو حواری لوگ بطریق اولیٰ قابلیت اس بات کی نہیں رکھتے کہ ان کے نقل اخبار کو کسی طرح کی ترجیح اوروں کے نقل اخبار پر ہو۔ اس مقام میں ہمارے تین مطلب ہیں۔ پہلا یہ کہ ان انجیلوں کے مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے سو اپنا دیکھا ہوا یا حضرت مسیح سے بلا واسطہ سُنا ہوا نہیں لکھا ہے۔ نہایۃ الامر یہ کہ کلام عیسوی کو شاید کسی حواری نے اصل زبان یعنی عبری میں لکھا ہو۔ مگر اس کے ترجمے یونانی میں آگے پیچھے اور بیچ میں جو باتیں ملی ہوئی ہیں سو لکھنے والے نے اپنے بن دیکھے صرف سُنی ہوئی لکھی ہیں۔ دوسرا

یہ کہ لکھنے والے نے ان باتوں کو جو حضرت عیسیٰ کے کلام میں آگے پیچھے اور بیچ میں ملا کر لکھا ہے ۔ سو از راہ نبوت بترجمانی روح القدس نہیں لکھا ہے بلکہ اسی طرح لکھا ہے جیسے ہمارے یہاں پر ارباب سیر لکھتے ہیں ۔ تیسرا یہ کہ روح القدس سے مستفیض ہونا مستلزم اس عصمت کو نہیں ہے جو ہمارے یہاں انبیاؤں کے لیے واجب اور لازم اور بعد تسلیم نبوت کے ضروری التسلیم ہوتی ہے ۔

اب میں پہلے اور دوسرے مطلب کی سندیں یکجا گزارتا ہوں ۔ پہلی سند ارمیا اور یحییا وغیرہ کی کتابوں کی طرز تالیف سے بلکہ حواریوں کے خطوط سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانے سے پیشتر بھی کتاب کی طرز تالیف ایسی ہی کچھ تھی جیسے اب ہے یعنی لکھنے والا کتاب کا اپنی دیکھی یا بلا واسطہ سنی جو باتیں کسی کی لکھتا ہے اس کے اول یا آخر کہیں اشعار اپنے دیکھنے یا بلا واسطہ سننے کا ضرور کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں اپنے تئیں متکلم کرکے تعبیر کرتا ہے اور ان چاروں انجیلوں میں سے کسی میں کسی جگہ اس طرح کا اشارہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ تصریح خصوصاً ان منقولوں میں جو اب تک مسترجم ہوئے ہیں آئندہ کی خبر غدا جانے ۔ بس ظاہر خیال ان کتابوں کا خود ہی علی الاعلان گواہی دیتا ہے کہ ان کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے سو لکھنے والے کا دیکھا ہوا یا حضرت عیسیٰ سے بلا واسطہ سنا ہوا نہیں لکھا ہے اور جو بات جس چیز کے ظاہر حال سے بوجھی جاتی ہو اس کے لیے کچھ اور وجہ ثبوت درکار نہیں ہے اور جو کوئی خلاف ظاہر دعوے کرے اس کے ذمہ اثبات اس کا لازم ہے یعنی اگر آپ لوگ کہیں کہ اگرچہ ان کتابوں میں کہیں اول یا آخر یا بیچ میں موافق دستور مؤلفین کے ایسا کچھ نشان نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اپنی دیکھی ہوئی یا بلا واسطہ سنی ہوئی لکھنے والا لکھتا ہے ۔ مگر واقع میں ایسے ہی ہے کہ اپنی دیکھی اور بلا واسطہ سنی لکھی ہے ۔ تو اس کا اثبات آپ لوگوں کے ذمے واجب ہے ۔

دوسری سند یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ یہ انجیلیں نہ تو حضرت عیسیٰ کی تالیف ہیں اور نہ حضرت مریم کی اور نہ ان کے شوہر مزعوم یوسف کی ۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ تالیف کی ہوئی نہیں ہیں ۔ مگر کسی عیسائی کی اور کوئی آدمی عیسائی نہیں ہوا ۔ مگر جب کہ حضرت عیسیٰ نے دعوت کی اور دعوت انہوں نے نہیں کی مگر بعد تیس برس ۔ اور بعد اصطباغ اور امتحان شیطان کے ۔

پس یوسف اور مریم کے خوابوں کے اور مجوسیوں کے آنے اور ان کے ساتھ آسمانی تارے کے ہونے اور حضرت عیسٰی کی زیارت ان کی ولادت کے وقت کرکے چھپ کر گھر چلے جانے کی اور یوسف کے مریم اور عیسٰی کو یہودیہ سے مصر میں لے جانے اور پھر لے آنے کی اور جنگل میں حضرت عیسٰی کی نسبت شیطان کے امتحان کرنے کی روایتیں جس عیسٰی نے لکھیں یقیناً سہمی لکھیں۔ اس واسطے کہ یوسف اور مریم کے خوابوں میں کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا اور ان دونوں ساتھ ساتھ ان کے کسی کے پھرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

تیسری سند۔ انجیل سیوم کے باب اول میں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۔ اے فاضل تھیوفلوجیسا کہ انہوں نے جو پہلے سے دیکھنے والے اور کلام کے کرنے والے تھے ہم سے بیان کیا۔ ۲۔ ویسا ہی بہتیرے ان باتوں کو جو ہمارے نزدیک یقینی ہیں لکھنے میں مشغول ہوئے۔ ۳۔ اس لیے مناسب جانا گیا کہ میں بھی ابتداء سے ان سب باتوں کو اچھی طرح دریافت کرکے تیرے لیے ترتیب سے لکھوں۔ مطلب یہ کہ وعظ عیسوی کے منادی کرنے والوں نے حضرت عیسٰی کے جو حالات بیان کیے اس کے قلمبند کرنے میں بہت لوگ معروف ہیں سو میں بھی دریافت کرکے ان باتوں کو لکھتا ہوں۔ دیکھئے یہ مضمون بالبداہتہ گواہی دیتا ہے کہ تیسری انجیل سہمی لکھی گئی ہے اور جس طرح یہ سہمی لکھی گئی اور بھی اسی طرح سہمی لکھی گئی ہیں۔

چوتھی سند۔ کتاب اعمال کے باب میں یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۔ اے تھیوفلس میں پہلی کتاب میں بیان کرچکا ان کاموں اور نصیحتوں کو جو یسوع کرتا رہا۔ ۲۔ اس وقت تک کہ روح القدس سے اپنے برگزیدہ رسولوں کو حکم دے کے اوپر اٹھایا گیا۔ ۳۔ جن کے نزدیک اس نے بعد اپنے مرنے کے اپنے تئیں بہت سی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انہیں دکھائی دے کے خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا۔ دیکھو تیسرا ورس صاف دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ جو شخص تھیوفلس سے خطاب کرتا ہے وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن پر حضرت عیسٰی بعد واقعہ صلیب کے ظاہر ہوئے کہ سب حواری بھی ان میں داخل تھے چہ جائیکہ حواریوں میں سے ہو۔

پانچویں سند۔ چوتھی انجیل کے باب بست یکم کے آخر میں حکایت حضرت عیسٰی کے ظہور کی اور معیت پطرس حواری کی ان کے ساتھ اس طرح کہ حضرت عیسٰی اس سے باتیں کرتے چلے

جاتے ہوئے لکھ کر. ورس لسبتم میں لکھتا ہے نسخہ ۱۸۳۹ء "تب پطرس نے پھر کے اس شاگرد کو پیچھے آتے دیکھا جسے یسوع پیار کرتا تھا"

الیٰ قولہ ورس ۲۴ "یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا اور ہم کو یقین ہے کہ اس کی گواہی سچ ہے" دیکھو یہ ورس ۲۴ کھلی گواہی دیتا ہے کہ وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ کے شاگرد نے لکھی وہ اور ہے. اور یہ انجیل اس کی باتیں نکال کر تالیف کی گئی ہے جیسے ہمارے یہاں معراج نامہ اور مولد نامہ اور قیامت نامہ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔

چھٹی سند. جس طرح ہمارے یہاں حدیث کی کتابوں کی بعضی ان روایتوں میں جو پیغمبر خدا سے بشہرت اور بتواتر ثابت نہیں ہیں اور انہیں ہماری اصطلاح میں احاد کہتے ہیں، جابجا اختلاف ہے اسی طرح جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے کلام کے ساتھ اور باتیں آگے پیچھے اور بیچ میں ملائی ہیں اُن میں بھی ایسے ہی اختلاف ہے اور ایک دو نہیں بلکہ بہت اور ساتھ اس کے بعضی روایتیں اور بعضے مضامین جھوٹ بھی ہیں. اگرچہ کہ ہم سب لکھیں تو کتاب بڑھ جائے اور بہت دردسر کرنا پڑے. مگر جتنی بنظر سرسری مجھے معلوم ہوگئی ہیں. انہیں لکھتا ہوں. اور یہ بھی جان لیجئے کہ ہر طرح کے اختلاف کو میں نہیں لکھتا ہوں. مثلاً اختصار اور تطویل یا بعضے مضمونوں کی کمی بیشی کا کہ اس کا نقل کرنا اور چاروں انجیلوں کا نقل کرنا ایک ہی بات ہے جس کا جی چاہے انہیں ملا کر دیکھ لے۔

آمدم بر بیان روایاتِ مذکورہ

ازاں جملہ پہلی انجیل کے پہلے باب میں حضرت عیسیٰ کا پشت نامہ حضرت ابراہیم سے یوسف حضرت مریم کے شوہر تک جو لکھا ہے ہمگی چالیس پشتیں لکھی ہیں اور تیسری انجیل کے تیسرے باب میں وہ پشت نامہ یوسف مذکور سے حضرت آدم تک لکھا ہے اور حضرت ابراہیم تک اس میں پچپن پشتیں لکھیں ہیں اور صرف حضرت داؤد سے حضرت ابراہیم تک چودہ نام مطابق ہیں اور باقی یوسف کے باپ سے داؤد تک ایک نام بھی نہیں مطابق ہے. یہاں تک کہ پہلی انجیل میں داؤد کا بیٹا سلیمان اور تیسری انجیل میں ناتھن لکھا ہے اور یہ اختلاف سب نسخوں میں برابر ہے. اس

تفاوت صریح کی وجہ میں نے اہلِ علم عیسائیوں سے پوچھی. سب نے کہا کہ ایک میں یوسف کا پشت نامہ پدری اور دوسرے میں مادری ہے. میں نے کہا اگر یونہی تھا تو چاہیئے کہ ایک انجیل والا یوسف کے اوپر عورت کا نام اور اس عورت کے اُوپر مرد کا نام لکھتا. حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں میں یوسف کے اوپر جو نام ہے سو مرد کا نام ہے. اس لیے کہ پشت ناموں میں سلسلہ صرف اصلاب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ بطون کا. علاوہ بریں یہ توجیہہ اس وقت قابل سماعت کے تھی جب کہ انجیل کے کسی اور مقام سے ایسا کچھ اور ثابت ہو لیتا کہ مؤلفین اناجیل نے کسی روایت میں ہمدیگر اختلاف نہیں کیا اور ان کا کلام مثل کلام انبیاء کے ہے اور ہر گاہ ایسا کچھ انجیل سے ثابت نہیں ہے تو کسی طرح ازروئے قاعدہ مناظرہ کے الزام اختلاف روایت کا مرتفع نہیں ہو سکتا. اس کا جواب کسی عیسائی نے نہیں دیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے پہلے باب کے ورس ۲۲ سے ۲۳ تک ایک روایت اگلی کتابوں سے نقل کی ہے اس طرح کہ ایک کنواری بیٹا جنے گی، جو اسے ہم نے اتفاقیہ ایک بڑے عالم یہودی سے پوچھا. اس نے کہا کہ جس کتاب میں یہ خبر ہے اس کے اصل میں جو لفظ لکھا ہے اس کے معنی ہیں جوان عورت. خواہ کنواری ہو، خواہ بیاہی، عفیفہ ہو یا نہ ہو. اس کا ترجمہ کنواری جو عیسائیوں نے کیا ہے محض جھوٹ ہے. عبرانی لغت کی کتابیں موجود ہیں دیکھ لو. بلکہ یہی لفظ توریت میں دوسری جگہ بھی واقع ہے وہاں ان کے نزدیک بھی مطلق جوان عورت کے معنی ہیں. اور اس تقریر کو ہم نے ایک عیسائی سے بھی بیان کیا. اس نے بھی اس لفظ کے معنی مطلق جوان عورت کے قبول کئے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے دوسرے باب کے آخر کا یہ ورس ہے ۲۳. اس طرح جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا پُورا ہوا" میں نے ساری بائبل دیکھی کہیں کسی رسالے میں یہ جملہ نہیں لکھا ہے کہ شخص موعود ناصری کہلائے گا. اگر آپ کو معلوم ہو تو بتا دیجیئے. میں نے جو اس یہودی سے پوچھا. اس نے کہا کہ یہ بھی محض جھوٹ ہے. پس ایسی جھوٹی باتیں انجیل میں داخل کرنا روح القدس کا کام نہیں۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے تیسرے باب میں ورس ۱۳ سے ۱۷ تک لکھا ہے کہ عیسیٰ یحییٰ کے پاس غوطہ لینے کے واسطے آیا یحییٰ نے منع کیا اور کہا چاہیئے میں تیرے ہاتھ سے غوطہ کھاؤں اس پر حضرت

نے نہ مانا اور یحییٰ سے اصطباغ لیا۔ اور جب پانی سے نکل کر اُوپر آئے۔ اس وقت، خدا کی روح کو کبوتر کی صورت حضرت عیسیٰ نے اپنے اوپر آتے دیکھا؛ اور چوتھی انجیل کے پہلے باب میں ورس ۲۹ سے ۳۴ تک یُوں لکھا ہے کہ یحییٰ نے تو اسے نہیں پہچانا مگر اس بات سے کہ اس پر خدا کی روح اس نے اُترتے دیکھی۔ دیکھو پہلی انجیل سے ظاہر ہے کہ قبل روح کے اُترنے کے حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو پہچان لیا کہ وہی شخص موعود ہے۔ اور چوتھی انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد روح کے اُترنے کے پہچانا۔

ازاں جملہ تیسری انجیل کے تیسرے باب کے ورس نوزدہم[۱۹] میں یُوں ہے نسخہ ۱۸۳۶ء "ہیروڈ بادشاہ نے اپنے بھائی فلپ کی جورو ہیرودیا کو رکھنے کے سبب اور اپنے تمام بد کاموں کے سبب، یحییٰ سے ملامت سن کے ان سب کاموں پہ یہ کیا کہ یحییٰ کو قید خانے میں بند کیا۔" اور دوسری انجیل کے چھٹے باب میں یُوں ہے۔ ورس بستم[۲۰] "ہیروڈ یحییٰ کو مرد نیک اور پاک جان کر ڈرتا اور اس کی پاسداری کرتا اور اس کی نصیحت سُن کر عمل کرتا اور اس کی باتیں خوشی سے سُنتا تھا۔" دیکھو پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہیرودیا کے کہنے سے یحییٰ پہ ہیروڈ نے ظلم نہیں کیا بلکہ اپنی بدکاریوں اور حضرت یحییٰ کی نصیحتوں سے خود بھی ناخوش تھا۔ اور دوسری روایت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ خود تو حضرت یحییٰ سے راضی تھا اور کسی طرح ناخوش نہ تھا مگر ہیرودیا کے کہنے سے اس نے آنحضرت پر ظلم کیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے چوتھے باب میں اٹھارہویں ورس سے بائیسویں تک لکھا ہے کہ "جس وقت کہ یسوع دریائے جلیل کے کنارے پر چلا جاتا تھا۔ اُس نے دو بھائیوں کو جو مچھلی شکار کرنے والے تھے یعنی شمعون جو پتر کہلاتا تھا اور اس کے بھائی اندریا کو دریا میں جال ڈالتے دیکھا۔ اس نے انہیں کہا کہ میرے پیچھے چلے آؤ میں تمہیں آدمیوں کا شکار کرنے والا بناؤں گا۔ تب وہ اسی وقت، جالوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چلے اور اس نے وہاں سے آگے بڑھ کر دو بھائیوں زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحنا کو اپنے باپ کے ساتھ کشتی پہ بیٹھے جال کو مرمت کرتے دیکھا۔ اُن کو بُلایا تب وہ بھی اسی وقت کشتی سے اُترا اور اپنے باپ کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چلے۔" اور تیسری انجیل کے پانچویں باب میں تیسرے سے گیارہویں ورس تک قصہ شمعون وغیرہ کے ایمان لانے کا یوں لکھا ہے "وہ جنیسرت کی جھیل کے کنارے پہ کھڑا تھا اور اس نے جھیل کے کنارے پہ دو کشتیاں دیکھیں۔ الیٰ قولہ

اس نے ان کشتیوں میں سے ایک پر جو شمعون کی تھی چڑھ کر اسے کنارے سے تھوڑی دور لے جانے کا عرض کیا اور بیٹھ کر جماعتوں کو کشتی پر نصیحت کرنے لگا۔ الیٰ قولہ۔ اسی طرح زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحنا جو شمعون کے شریک تھے حیران ہوئے تب یسوع نے شمعون کو کہا ڈر مت کہ اس وقت سے تو آدمیوں کا شکاری ہوگا۔" انہوں نے اپنی کشتیوں کو کنارے پر لا کے سب چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ دیکھو پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمعون اور اندریاکو جال ڈالتے دیکھ کر ساتھ لیا اور آگے بڑھ کر یعقوب اور یوحنا کو لیا اور دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمعون اور یوحنا اور یعقوب کو سب کو ایک جا ایک ہی جگہ سے ساتھ لیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے آٹھویں باب کے پانچویں ورس سے آخر تک جو روایتیں لکھی ہیں انہیں روایتوں کو دوسری انجیل والے نے چوتھے باب کے آخر سے پانچویں باب کے آغاز تک اور تیسری انجیل والے نے آٹھویں باب میں لکھا ہے۔ معہذا پہلی انجیل والے نے اٹھائیسویں ورس میں دو دیوانوں کا اچھا ہونا حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں سے لکھا ہے اور دوسری انجیل والے نے پانچویں باب کے پہلے ورس میں اور تیسری انجیل والے نے آٹھویں باب کے ستائیسویں ورس میں ایک دیوانے کا اچھا ہونا لکھا ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے نویں باب کے نویں ورس میں ایک شخص کے ایمان لانے کا حال مؤلف نے لکھا ہے اور اس کا نام متی لکھا ہے۔ اور اسی قصے کو دوسری انجیل والے نے اسے دوسرے باب میں لکھا۔ مگر اس نے ورس چہارم میں اس شخص کا نام لیوی حلفی کا بیٹا اور تیسری انجیل والے نے پانچویں باب کے ستائیسویں ورس میں لیوی لکھا ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ پہلی انجیل کے دسویں اور دوسری انجیل کے تیسرے اور تیسری انجیل کے چھٹے باب میں جہاں بارہ مخصوص حواریوں کی گنتی لکھی ہے وہاں حلفی کے بیٹے کا نام یعقوب لکھا اور متی کا نام اس سے علاوہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حلفی کے بیٹے کو لیوی بھی کہتے تھے اور شاید یعقوب بھی۔ مگر متی حلفی کا بیٹا نہیں ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے نویں باب میں لکھا ہے ورس بستم "و تب ایک عورت نے جس کا بارہ برس سے لہو جاری تھا اس کے پیچھے سے آکر اس کا جبہا چھوا۔ ۲۲۔ تب یسوع نے پیچھے پھر کے اسے

دیکھ کر کہا کہ اے بیٹی! خاطر جمع رکھ کہ تیرے اعتقاد نے تجھے چنگا کیا اور دوسری انجیل والے نے پانچویں باب میں اسی قصّے کو یُوں لکھا ہے۔ ۲۵۔ تب ایک عورت جس کا بارہ برس سے لہو جاری تھا۔ الیٰ قولہ۔ ۲۷۔ اس کے پیچھے سے آئی اور اس کے کپڑے کو چھُوا۔ الیٰ قولہ۔ ۲۹۔ اس بیماری سے چنگی ہو گئی۔ ۳۰۔ تب یسوع نے فی الفور آپ سے جانا کہ مجھ میں سے علاج کی قوت نکلی۔ اس جماعت کی طرف منظرف کر کے کہا کہ میرے کپڑے کو کس نے چھُوا۔ ۳۱۔ اس کے شاگردوں نے کہا تو دیکھتا ہے کہ لوگ تجھ پر گرے پڑتے ہیں پھر تو کہتا ہے کہ مجھے کس نے چھُوا۔ ۳۲۔ تب اس نے ہر طرف نگاہ کی تاکہ اسے جس نے یہ کام کیا ہے دیکھے۔ ۳۳۔ اور وہ عورت ڈرتی کانپتی اس کے آگے آ کے گر پڑی اور سب سچ سچ اس سے کہا۔ ۳۴۔ تب اس نے کہا کہ بیٹی تیرے ایمان نے تجھے چنگا کیا۔" دیکھو پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ نے پھر کر اس عورت کو پہچان لیا اور دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ جب وہ آکر گری، تب عیسیٰ نے پہچانا اور قبل اس کے گرنے کے لوگوں سے پوچھتے رہے اور وہ بھی بسبب ہجوم کے نہ بتا سکے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل والا گیارہویں باب کے تیرہویں[۱۳] اور چودہویں[۱۴] ورس میں قول عیسوی یوں لکھتا ہے "اور سب نبیوں اور توریت نے یحییٰ تک کی خبر دی ہے۔ اگر تم قبول کیا چاہتے ہو تو الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے۔" اور چوتھی انجیل کے پہلے باب میں یوں لکھا ہے۔ ۱۹ یحییٰ کی گواہی یہ ہے جب یہودیوں نے اورشلیم سے کاہنوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں تو کون ہے۔ ۲۰۔ اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ ۲۱۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا پس تو کیا الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پھر کہا کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ دیکھو یہاں کئی مطلب ہمارے نکلتے ہیں۔ ایک اختلاف دونوں کے قول کا حضرت یحییٰ کہتے ہیں کہ میں الیاس موعود نہیں ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ کہتے ہیں کہ یہی الیاس موعود ہے۔ دوسرے یہ شخص موعود کے نام بھی مختلف ہو گئے ہیں وہ شخص یحییٰ کہلاتا تھا اور وہی الیاس کہلاتا تھا۔ اور ایک الیاس اور ہے کہ کتاب دوم سلاطین کے دوسرے باب کے سرے پر ہے۔ اس کا آسمان پر چلے جانا اور سلاطین کی پہلی کتاب کے سترہویں باب میں مذکور ہے "اس کا زندہ کر نا مُردے کو اور ایک عیسائی صاحب کہتے تھے کہ یہ یحییٰ وہی الیاس ہے جس کا ذکر سلاطین کی کتابوں میں

ہے۔ چنانچہ تیسری انجیل کے پہلے باب کے سترویں ورس میں بہ نسبت حضرت یحییٰ کے لکھا ہے کہ وہ ایلیا کی روح اور قدرت سے اسکے آگے چلے گا۔ ایں گل دیگر شگفت یہ ہندوؤں کے یہاں کیسی بات ہوئی۔ تیسرے یہ کہ ان ورسوں سے صاف ثابت ہوا کہ اس زمانہ عیسوی میں سوائے یحییٰ اور الیاس اور مسیح کے کوئی اور نبی بھی واجب انتظار تھا۔ اس سے یہ دعوے عیسائیوں کا کہ عیسیٰ کے آنے پر اور کوئی نبی موعود اور واجب الانتظار نہیں رہا باطل ہو گیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل والا بارہویں باب میں شروع سے لکھتا ہے "اس وقت یسوع سبت کے دن کھیتوں میں سے گزرا اور اس کے شاگرد جو بھوکے تھے بالیں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ ۲۔ تب فروسیوں نے دیکھ کر اس کو کہا کہ دیکھ تیرے شاگرد وہ کام جو سبت کے دن کرنا روا نہیں کرتے ہیں۔ ۳۔ پر اس نے انہیں کہا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ داؤد نے جب اپنے ساتھیوں سمیت بھوکا تھا کیا کیا تھا۔ ۴۔ وہ کیونکر خدا کے گھر میں داخل ہو کے نذر کی روٹیاں جو سوائے اماموں کے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کھانا روا نہ تھا کھا گیا"، اور کیا تم نے توریت میں نہیں پڑھا کہ امام عبادت گاہ میں سبت کے دن ناپاک کام کر کے بے گناہ ہیں۔ الیٰ قولہ۔ ۸۔ ابن آدم سبت کے دن کا خداوند ہے۔ ۹۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر ان کی عبادت گاہ میں گیا۔ اور تیسری انجیل والا چھٹے باب میں شروع سے اس قصے کو یوں لکھتا ہے۔ ترجمہ نسخہ عربیہ ۱۸۱۲ء و فارسیہ ۱۸۱۲ء و عربیہ ۱۸۱۱ء "عید کے دوسرے دن بعد پہلے سبت کو وہ کھیتوں کے بیچ سے گزرا۔ الیٰ ان قال۔ ۱۔ دوسرے سبت کو اسی عبادت گاہ میں داخل ہوا۔ دیکھو یہاں سے بھی کئی مطلب ہمارے نکلتے ہیں۔ ایک اختلاف روایت پہلی انجیل والا ایک ہی سبت میں حضرت عیسیٰ کا کھیت اور عبادت گاہ میں دونوں جگہ جانا لکھتا ہے۔ اور تیسری انجیل والا دوسرے سبت کو عبادت گاہ میں جانا لکھتا ہے۔ چنانچہ اسی اختلاف کی جہت سے ۱۸۱۴ء اور نسخہ ۱۸۳۱ء نے بھی کا لفظ جس کا ترجمہ عربی میں ایضاً اور فارسی میں نیز ہونا چاہیئے تھا۔ ورس ششم انجیل سیوم میں اپنی طرف سے ملا دیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت داؤد کے فعل کی حجت پکڑی کہ انبیاء لوگ اپنے افعال میں بھی معصوم ہوتے ہیں اور نسبت زنا کی حضرت داؤد کی طرف غلط ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ تیسرے یہ کہ احکام عشرہ میں جو سبت کے دن کے احکام لکھے ہیں سو ابدی نہیں ہیں ورنہ حضرت عیسیٰ اس کے مان لینے میں اپنا اختیار بیان نہ کرتے

اور مطلق ساتویں دن کو اور دنوں سے بعض عبادتوں میں ممتاز کیا ہمارے شریعت میں بھی ہے یعنی جمعہ مقرر کیا گیا۔ پس توریت میں جو سبت کے احکام تھے وہ میعادی تھے ابدی نہ تھے۔ اسی واسطے حضرت عیسیٰ کو اس کی موقوفی کا اختیار ہوا اور موقوف کر دیئے۔ وہی موقوفی ہماری شریعت میں بحال رہی۔ جو تھے یہ کہ یہ مضمون کہ امام عبادت گاہ میں سبت کے دن ناپاک کام کر کے بے گناہ ہیں۔ محض خلاف واقع ہے توریت میں میں نے کہیں نہیں دیکھا بلکہ بہت جگہ اس کے برخلاف لکھا ہے یعنی لکھا ہے کہ گنہگار ہوں گے۔ اگر آپ کو انجیل کے موافق توریت سے کہیں معلوم ہو تو بتا دیجئے۔

مزید سنیئے !

پہلی انجیل کے پندرہویں باب کے اکیسویں[۲۱] ورس میں ہے۔ ۲۱۔ تب یسوع وہاں سے روانہ ہو کے صور اور صیدون کی حد میں گیا۔ ۲۲۔ اور ایک کنعانی عورت اس سرحد سے باہر نکل کر پکارتی ہوئی یوں بولی۔ اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ الیٰ قولہ ۲۴۔ تب اس نے جواب دیا کہ میں سوائے اسرائیل کے گھرانے کی گمراہ بھیڑوں کے کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا۔ الیٰ قولہ ۲۶۔ اس نے یعنی عیسیٰ نے کہا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو پھینک دے۔" اور دوسری انجیل کے ساتویں باب کے ورس چھبیسویں میں اسی قصے کو نقل کر کے لکھا۔ ۲۶۔ کہ یہ عورت یونانی سوروفنیکی تھی۔" دیکھئے یہاں سے تین مطلب ہمارے نکلتے ہیں۔ ایک اختلاف کنعانی اور یونانی کا۔ دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ اپنے مخالفوں کو کتا کہتے تھے۔ اگر ہم بھی ان کے مخالفوں کو کتا کہیں تو دینی تہذیب اخلاق سے بعید نہیں بلکہ عین تقلید عیسوی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس جگہ پر یہ بھی انجیل میں لکھا ہے کہ بوجہ عیسوی اس عورت کی مراد بر آئی پس آپ ہی حضرت عیسیٰ نے پہلے اپنے متوجہ ہونے سے انکار کیا اور اس کو بمقابلہ بنی اسرائیل کے کتا بنایا اور پھر اس کے الحاح پیاس کی طرف متوجہ بھی ہوئے اسی کا نام نسخ ہے جس سے عیسائی لوگ نافہمی کی راہ سے انکار کرتے ہیں۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے پندرہویں باب میں لکھا ہے۔ ۲۹۔ پھر یسوع وہاں سے جلیل کے دریا کے نزدیک آیا اور پہاڑ پر چڑھ کر وہاں بیٹھا۔ ۳۰۔ اور بہت سی جماعتیں لنگڑوں اندھوں اور گونگوں اور ٹنڈوں کی اور بہتیرے ان کے ساتھ لے کر اس کے پاس آئیں اور انہیں یسوع کے پاؤں

پر ڈالا۔ اس نے انہیں چنگا کیا۔ اور دوسری انجیل کے ساتویں باب کے ورس ۳۱ سے ۳۵ تک اسی جگہ کے ماجرے کو لکھا ہے۔ معہذا وہ لکھتا ہے۔ ۳۲۔ ایک بہرے گونگے کو اس پاس لا کے اس کی منت کی کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ۔ ۳۳۔ وہ اس جماعت سے اسے کنارے لے گیا اور اپنی انگلیاں اس کے کانوں میں ڈال کے اپنا تھوک لے کے اس کی زبان میں لگایا۔ ۳۴۔ اور آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ کی اور اس سے کہا کہ افتح۔ ۳۵۔ وہیں اس کے کان کھل گئے اور زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ خوب بولنے لگا۔ ۳۶۔ اس نے انہیں تاکید سے کہا کہ کسی سے نہ کہیں" دیکھو یہاں سے کئی مطلب ہمارے نکلے۔ ایک یہ کہ معلوم ہوا کہ انجیل والے نے شاعرانہ مبالغہ بھی بہت کیا ہے یعنی ایک آدمی کو بہت آدمی کہا۔ اسی طرح اور جگہ بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ معجزے میں سوائے منہ سے کہنے یا ہاتھ لگا دینے کے کچھ اور بھی بعضے اوقات کرنا ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ نے اس بات کے بیان کرنے سے منع کیا تھا۔ منع کرنے کی کیا وجہ اور جو منع کیا تو پھر انجیل کے ساتھ کیوں کر یہ بات ملائی گئی۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے پندرہویں باب میں حضرت عیسیٰ کا معجزہ تکثیر طعام کا بیان کر کے ورس ۳۸ میں کہتا ہے "کھانے والوں میں سوائے عورتوں اور لڑکوں کے چار ہزار مرد تھے" اور دوسری انجیل والا آٹھویں باب میں اسی قصے کو لکھ کر ورس نہم میں کہتا ہے "سب کھانے والے قریب چار ہزار آدمیوں کے تھے" یہاں سے بھی مبالغہ بوجھا گیا اور اسی طرح اور جگہ بھی ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے بیسویں باب کے بیسویں ورس میں لکھتا ہے "تب زبدی کے بیٹوں کی ماں اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر اس پاس آئی" الیٰ ان قال علیہ السلام۔ ورس ۲۳ میرے داہنے اور میرے دائیں طرف بیٹھنے دینا سوائے اُن کے جن کے لیے میرے باپ نے تیار کیا ہے میرا کام نہیں ہے" اور دوسری انجیل والے نے اسی حکایت کو دسویں باب میں لکھا ہے اور اس کے ۳۵ ورس میں یوں ہے "زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحنا نے خود اس پاس آ کے کہا" دیکھو یہاں ہمارے تین مطلب ہیں۔ ایک اختلاف روایت کہ پہلی انجیل والا ان دونوں آدمیوں کی ماں کا انہیں لے آنا لکھتا ہے۔ اور دوسری انجیل والا انہیں کو خود اس پاس آنا اور

آپ اپنا مطلب کہنا لکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے اس سے بھی حضرت عیسٰی کی الوہیت باطل ٹھہرتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس جگہ پہلی انجیل کے بیسویں باب کے سترہویں ورس میں لکھا ہے کہ عیسٰی اپنے بارہوں شاگردوں کو کنارے لے گیا اور باب دہم سے اسی انجیل کے ظاہر ہے کہ یعقوب اور یوحنا زبدی کے بیٹے ان بارہوں میں داخل تھے پس وہ تو ساتھی تھے بعد کنارے لے جانے بارہوں کے۔ ان کا آنا یا ان کی ماں کا انہیں لے آنا یہ کیسی بات ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے سولہویں باب کے تیرہویں ورس سے حضرت عیسٰی کی ان باتوں کو جو انہوں نے قیصریہ فلبی کے سرحد میں آکر اپنے شاگردوں سے کہیں، لکھنا شروع کر کے سترہویں باب کے آغاز میں لکھتا ہے "چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ساتھ لے کر خلوت میں ایک پہاڑ پر گیا" اور انہیں روایتوں کو اور اسی قصے کو تیسری انجیل والا نویں باب میں لکھتا ہے اور چھ دن کی جگہ آٹھ دن لکھتا ہے۔

ازاں جملہ دوسری انجیل والا چودہویں باب کے شروع میں لکھتا ہے۔ ۱۔ دو دن کے بعد عید سنجات اور عید بے خمیری روٹی کی تھی۔ سردار امام اور کاتب تدبیر کر رہے تھے کہ اسے کسی طرح مکر سے پکڑ کر جان سے ماریں۔ الیٰ قولہ۔ ۳۔ جب وہ بیت عینا میں کوڑھے شمعون کے گھر میں کھانے بیٹھا۔ ایک عورت نے بیش قیمت اچھا عطر مرمر کے ڈبے میں لا کے ڈبے کو کھول کے سب اس کے سر پر ڈال دیا۔ اور چوتھی انجیل والا اسی حکایت کو بارہویں باب کے شروع میں یوں لکھتا ہے۔ ۱۔ پھر عید سنجات کے چھ دن آگے یسوع بیت عینا میں آیا جہاں العاذر تھا جسے اس نے مرنے کے بعد جلایا تھا۔ الیٰ قولہ۔ ۳۔ تب مریم نے آدھ سیر خالص اور بیش قیمت عطر لے کر یسوع کے پاؤں پر ملا اور اپنے بالوں سے اس کے پاؤں پونچھے۔ الیٰ قولہ۔ ۱۰۔ سردار اماموں نے مشورت کی کہ العاذر کو بھی جان سے ماریں۔ دیکھو یہاں تین باتوں میں اختلاف ہوا۔ ایک یہ کہ دوسری انجیل والا یہودیوں کا مشورہ کرنا دو روز پہلے عید سنجات سے لکھتا ہے اور چوتھی انجیل والا چھ روز پہلے۔ دوسری یہ کہ دوسری انجیل والا اس عورت کا عطر ملنا حضرت عیسٰی کے سر پر اور چوتھی انجیل والا پاؤں پر۔ تیسری یہ کہ بیت عینا کو دوسری انجیل والا شمعون کوڑھی کا مقام لکھتا ہے اور

چوتھی انجیل والا العاذر کا مقام لکھتا ہے۔

ازاں جملہ دوسری انجیل والا پندرہویں باب میں حضرت عیسیٰ کے واسطے صلیب اٹھوا لے چلنے کی حکایت یہودیوں کی نسبت یوں لکھتا ہے "ایک شخص کوڑھی شمعون نام جو اسکندر اور رُوفا کا باپ تھا دیہات سے آگے اُدھر سے گزرتا تھا۔ انہوں نے اسے صلیب اُٹھالے چلنے کے لیے بے گار پکڑا۔ ۲۲۔ اور وہ مقام جلجتا میں یعنی کھوپڑی کی جگہ میں لائے اور پہلی اور تیسری انجیل بھی اس بات میں اسی کے موافق ہے۔ مگر چوتھی انجیل والا اُنیسویں باب میں لکھتا ہے۔ ۱۶۔ وہ یسوع کو پکڑ کر لے گئے۔ ۱۷۔ وہ اپنا صلیب آپ اُٹھائے ہوئے اس جگہ تک جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی جس کا ترجمہ عبرانی میں جلجتا ہے گیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے ستائیسویں باب میں حضرت عیسیٰ کے ساتھ دو چوروں کا بھی صلیب پانا لکھ کر ان کا لٹکایا جانا آنحضرت کے داہنے بائیں بیان کر کے کہتا ہے۔ نسخہ فارسیہ سنہ ۱۸۱۶ء۔ ۴۴۔ آں دزداں کہ با وی مصلوب شدند بر دے تحش می راندند۔ نسخہ اردو سنہ ۱۸۱۴ء "وے چیٹے جو اس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے اس کو ملامت کرتے تھے"۔ نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۶ء والسارقان اللذان صلبا معہ کانا یبکتانہ۔ نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۱ء اللصان اللذان صلبا معہ یعیرانہ غرضیکہ سب نسخے اس روایت میں مطابق ہیں اور اسی طرح دوسری انجیل کے پندرہویں باب کے بتیسویں[۳۲] ورس میں وہ روایت سب نسخوں میں اسی طرح ہے کہ دونوں چور آپ کی خدمت میں بے ادبی کرتے تھے۔ اور تیسری انجیل کے تیئیسویں[۲۳] باب میں یوں ہے۔ ۳۹۔ ایک نے ان دونوں بدکاروں میں سے جو اُس کے ساتھ کھینچے گئے تھے کفر بک کر اسے کہا۔ الیٰ قولہ۔ ۴۰۔ پر دوسرے نے جواب میں اس کہنے والے کو ملامت کی۔ الیٰ قولہ۔ ۴۲۔ اور اس نے یسوع سے کہا کہ اے خداوند جب تو اپنی بادشاہت میں آوے تو مجھے یاد کرنا۔ ۴۳۔ یسوع نے اس سے کہا کہ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج تو میرے ساتھ فردوسِ اعلیٰ میں ہوگا"۔ دونوں انجیلوں سے ظاہر ہے دونوں چوروں نے آپ کی خدمت میں بے ادبی کی اور تیسری انجیل والا ایک کو آپ کا رفیق فردوس ٹھہراتا ہے۔ چونکہ اس اختلاف کے مٹانے کے لیے سنہ ۱۸۳۹ء والے نے اس مقام میں صاف تحریف کی یعنی پہلی انجیل کے چوالیسویں ورس کا یوں ترجمہ کیا۔" ۴۴۔ اور ایک چور جو اس کے ساتھ صلیب

پر کھینچا گیا تھا اس کو ملامت کرتا تھا۔ اور دوسری انجیل کے بتیسویں[۳۲] ورس کا یوں ترجمہ کیا۔" ۳۲۔ اور وہ چور جو اس کے ساتھ صلیب دیا گیا تھا اسے ملامت کرتا تھا"، دیکھو کیسی تحریف یہاں اس کی پکڑی گئی اور بدل ڈالنا تثنیہ کا مفرد کے ساتھ جیسا ار بانوس ثامن نے کہا صرف سادگی کے راہ سے ہوتا رہا ہے بلکہ عمداً اپنے مطلب کے لیے ہوتا رہا ہے۔ اور اس مقام پر ایک لطیفہ یہ ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ اسی دن فردوس اعلیٰ میں اپنے جانے کی خبر دیتے ہیں۔ اور عیسائیوں کے عقیدے اور نماز کی دعا میں داخل ہے کہ حضرت عیسیٰ اس دن ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہے۔ پس جس طرح رئیس العالم کے لفظ سے آپ لوگ شیطان مراد لیتے ہیں ایسے ہی شاید فردوس اعلیٰ سے دوزخ اور خدا کی لعنت مراد ہے۔

از انجملہ پہلی انجیل کے چھبیسویں[۲۶] باب میں ورس سنتالیس[۴۷] سے پچاس[۵۰] تک حضرت عیسیٰ کی گرفتاری کی صورت یہ لکھی ہے کہ یہودا اسخروطی نے ان لوگوں سے جن کو اپنے ساتھ آنحضرت کی گرفتاری کے لیے لایا تھا اُن سے کہا کہ جس کا بوسہ میں لُوں اسی کو تم پکڑ لینا وہی یسوع ہے، چنانچہ ویسا ہی اس نے کیا۔ اور چوتھی انجیل کے اٹھارہویں باب میں تیسرے ورس سے بارہویں تک اس حکایت کو لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے آگے بڑھ کے خود دو دفعہ انہیں جتایا کہ جس کو تم ڈھونڈتے ہو وہ میں ہی ہوں۔ اس پر انہوں نے اسے پکڑ لیا؛ کہاں آگے بڑھ کے خود جتانا اور کہاں یہ کہ جہاں بیٹھے تھے وہیں بوسہ لینے کے یہودا کے پہچانا جانا۔ فقط

از انجملہ دوسری انجیل والا سولہویں باب کے شروع میں بعد دفن ہونے شخص مصلوب کے مریم مجدلیہ وغیرہ کا اس قبر پہ دوسرے دن آنا سورج نکلنے پر لکھتا ہے۔ اور چوتھی انجیل والا بیسویں باب میں اسی حکایت کو لکھتا ہے۔ اس طرح پر کہ ہنوز اندھیرا باقی تھا۔ اس وقت مریم وغیرہ قبر پر گئیں۔

از انجملہ پہلی انجیل والا اٹھائیسویں باب میں دیکھنا قبر کی زیارت کرنے والیوں کا ایک فرشتے کو لکھتا ہے اور تیسری انجیل والا چوبیسویں باب میں دو فرشتوں کو۔

از انجملہ پہلی انجیل والا ستائیسویں باب کے نویں ورس میں ایک خبر کو ارمیا نبی کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ خبر ارمیا نبی کی کتاب میں نہیں ہے۔ یہ غلطی سینکڑوں برس سے چلی آتی

ہے جس کسی کی ہو ہمارا مطلب ثابت ہوا یعنی کہ انجیلوں میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔
ازاں جملہ چوتھی انجیل کے آخر کا درس ہے نسخہ ۱۸۱۶ء "و دیگر کار بسیار است کہ عیسیٰ کرد کہ اگر یک یک نوشتہ شود گمان دارم کہ آں صحف در ہمہ جہاں نتواند گنجید" دیکھو یہ محض مبالغہ شاعرانہ ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم تخمیناً حضرت عیسیٰ کے روز تولد سے تا روز انتقال[۱] تینتیس[۳۳] سال شاید ہوں فی دقیقہ اتنا اتنا احوال فرض کریں جتنا چار انجیلوں میں بلکہ جتنا سب انبیاؤں کا ساری بائبل میں لکھا ہے اور وہ سب بخط مروج لکھا جائے تو بداہت عقل از روئے قواعد حسابیہ اور ہندسیہ کے گواہی دیتی ہے کہ زمین کا ایک کونا بھی نہ بھرے چہ جائیکہ سارا جہاں کہ اس میں سیارے اور ثوابت بھی داخل ہیں اور اگر لکھنے سے اس طرح کا لکھنا مراد ہے جیسے شاہجہان کے مقبرے کے دروازے پر لکھا ہے تو صرف دو ایک لفظ بلکہ دو ایک نقطوں میں سارا زمین و آسمان بھر سکتا ہے۔

بالجملہ دو مطلبوں کی سندیں ہم گزران چکے یعنی ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ کے کلام کے ساتھ اور روایتوں کے ملانے والے نے جو لکھا ہے سو سمعی لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ بنوبہ نبوت اور بقوت روح القدس نہیں لکھا۔ رہا تیسرا مطلب یعنی روح القدس سے مستفیض ہونا مستلزم اس عصمت کو نہیں ہے جو ہمارے اصول کے موافق انبیاؤں کے لیے واجب ہے عقلاً چہ جائیکہ تمہارے اصول کے موافق کہ بہتیروں کے حق میں بائبل میں لکھا ہے کہ روح اُن پہ اتری بایں ہمہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے کی بلکہ کفر اور شرک کرنے کی روایتیں اُن کے نسبت اسی میں لکھی ہیں۔ جیسے حضرت ہارون اور داؤد اور حضرت سلیمان کی نسبت لکھا ہے۔ اس مطلب کی سند یہ ہے کہ رسالہ اعمال کے دوسرے باب میں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "۱۔ جب عید نجات کا پچاسواں دن آ پہنچا وہ سب ایک دل ہو اکٹھے تھے۔ ۲۔ تب ناگاہ آسمان سے ایک آواز آئی جیسے بڑے طوفان کی ہوتی ہے اور اس سے سارا گھر جس میں وہ بیٹھے تھے بھر گیا۔ ۳۔ اور انہیں آگ کی سی زبانیں جدا جدا دکھلائی دیں اور ان میں سے ہر ایک پر ٹھہر گئیں۔ ۴۔ تب وہ روح القدس سے بھر گئے اور جیسی روح نے انہیں کہنے کی طاقت دی وہ اجنبی زبانیں بولنے لگے۔" دیکھیے یہ تو مسلم الثبوت ہے کہ روح القدس کا اترنا ہی کسی پر خاص اس صورت پر نہیں ہوتا رہا ہے کہ آندھی اور طوفان کی سی گڑگڑاہٹ ہووے

---

[۱] انتقال کا لفظ عام ہے اس جہاں سے اگلے جہاں میں جانا یا زمین سے آسمانوں پر جانا یہ لفظ موت سے خاص نہیں۔

اور آگ کی سی آنچیں پیدا ہوں۔ چنانچہ حضرت عیسٰی پر جو روح اُتری تھی تو کبوتر کی صُورت پر اُتری تھی اور داؤد اور ارمیا وغیرہ انبیاء پر جو اُتری تو وہاں نہ طوفان ہوا کا تھا اور نہ کبوتر اور نہ آگ کی سی آنچیں۔ اور بقاعدہ عقلیہ بھی ظاہر ہے کہ روح القدس سے اور کبوتر ہونے اور طوفان چلنے اور آگ ہونے سے کیا علاقہ۔ پس ظاہری نشان روح القدس کا حواریوں کی نسبت یہ ہوا کہ وہ سب زبانیں مختلف بولنے اور کرامۃً بیماروں کو اچھا کرنے اور دیو بھوت کو دفع کرنے لگے۔ چنانچہ یہی حال ان کا اس رسالے میں لکھا ہے اور اس کے سوا کچھ اور آثار روح القدس کے حلول کرنے کے نہیں لکھے۔ اور پہلی انجیل کے دسویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۶ء ورس ۱۔ اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بُلا کر انہیں قدرت بخشی تاکہ ناپاک روحوں کو نکالیں ہر طرح کی بیماری سے شفا بخشیں۔ الیٰ قولہ۔ ۸۔ بیماروں کو چنگا کرو، کوڑھیوں کو پاک کرو، مُردوں کو جلاؤ اور دیووں کو دُور کرو۔ تم نے مفت پایا ہے مفت دو۔ الیٰ قولہ۔ ۱۶۔ دیکھو میں تمہیں بھیڑیوں کی مانند بھیڑوں میں بھیجتا ہوں۔ الیٰ قولہ۔ ۱۹۔ لیکن وہ جب تمہیں پکڑوائیں فکر نہ کرنا کہ ہم کیوں کر کہیں یا کیا کہیں، اس لیے کہ اسی گھڑی جو بات تم کہو گے تمہیں دی جائے گی۔ ۲۰۔ کیونکہ تم نہیں کہو گے بلکہ تمہارے باپ کی روح تم میں کہے گی۔"

دیکھو یہاں سے مثلِ آفتاب نیمروز کے ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی کی زندگی میں شاگرد آپ کے روح القدس سے مستفیض ہو چکے تھے۔ اس لیئے کہ جو آثار اور لوازم روح القدس سے مستفیض ہونے کے دوسری بار حواریوں سے ظاہر ہوئے یعنی تکلم بالسنہ مختلفہ اور صدور کرامات وہ پہلی بار بھی متحقق ہوئے کچھ ذرا بھی فرق نہیں بوجھا جاتا ہے۔ پس یہ کہنا عیسائیوں کا کہ روح القدس سے پہلی بار وہ ممتلی نہیں ہوئے تھے محض مکابرہ اور تحکم ہے اور دن کو رات اور رات کو دن کہنا ہے۔ پس باوجود ممتلی ہو چکنے کے روح القدس سے جو حرکتیں ان سے ہوئیں سو دیکھیئے کہ سب انجیلوں میں انہیں بارہ کے زمرے میں یہودا کو بھی لکھا ہے۔ یہ وہی یہودا ہے جس نے حضرت عیسٰی کو گرفتار کروا دیا اور خود نشان دینے کو آیا تھا۔ اور سب انجیلوں میں اس کا حال لکھا ہے کہ مُرتد ہو کر مر گیا۔ اور ان بارہ میں سب سے زیادہ بزرگ شمعون پطرس ہے اس کا حال سُنو۔ پہلی انجیل کے سولھویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ۲۳۔ "او التفات نمودہ و پطرس را گفت کہ اے

شیطان از عقب من دور شو کہ موجب صدمہ من ہستی ۱۸۱۶ء ۴۲۔ اس نے متوجہ ہو کر پطرس کو کہا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لیے ٹھوکر کھلانے والا پتھر ہے۔ دیکھو کہ پطرس کو شیطان اور ٹھوکر کا سبب کہا۔ اور اسی انجیل کے چھبیسویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ۳۱۔ اس وقت عیسیٰ نے انہیں کہا تم سب میری بابت آج کی رات ٹھوکر کھاؤ گے۔ الی قولہ ۳۳۔ پطرس نے جواب دیا کہ تیری بابت سب ٹھوکریں کھائیں میں کبھی نہیں ٹھوکر کھاؤں گا۔ ۳۴۔ عیسیٰ نے اس سے کہا کہ تو آج کی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا۔ ۳۵۔ پطرس نے کہا کہ اگر میرا مرنا تیرے ساتھ ضرور ہو تو بھی تیرا انکار نہ کروں اور سب شاگردوں نے یہی کہا۔ الی قولہ۔

۴۷۔ اور جس وقت یہ کہہ رہا تھا وہیں یہودا جو اُن بارہ میں سے ایک تھا لوگوں کے لیے ہوئے تلواریں اور سونٹے لے کر آیا۔ الی قولہ ۵۱۔ اور اسے دستگیر کیا اور پکڑ لیا۔ الی قولہ ۵۶۔ سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگے۔ ۵۷۔ اور جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو گرفتار کیا تھا اسے سردار کاہن کے پاس لے آئے۔ ۵۸۔ اور پطرس اس کے ساتھ سردار کاہن کے دیوان خانے تک چلا گیا۔ الی قولہ۔ ۶۹۔ ایک سہیلی پطرس کے پاس آئی اور بولی کہ عیسیٰ کے پاس تو بھی تھا۔ ۷۰۔ اس نے سب کے آگے انکار کیا اور کہا میں نہیں جانتا تو کیا کہتی ہے۔ ۷۱۔ اور جب وہ ڈیوڑھی سے باہر آیا۔ ایک دوسرے نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص بھی عیسیٰ ناصری کے ساتھ تھا۔ ۷۲۔ اس نے پھر قسم کھا کے انکار کیا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا۔ ۷۳۔ اور تھوڑی دیر پیچھے وہ جو وہاں کھڑے تھے پطرس کے پاس آئے اور بولے کہ بے شک تو بھی انہیں میں سے ہے۔ ۷۴۔ اس وقت اس نے لعنت کر کے اور قسمیں کھا کہ کہا کہ میں اسے نہیں جانتا اور مرغ نے وہیں بانگ دی۔ ۷۵۔ اور پطرس کو عیسیٰ کی بات یاد آئی۔ تب وہ باہر جا کر زار زار رویا۔

یہاں کئی باتیں دیکھنا چاہئیں۔ اول یہ کہ سب نے حضرت عیسیٰ کے باب میں ٹھوکر کھائی یعنی ساتھ آپ کے ٹھہر نہ سکے اور غلبہ جبن سے بھاگ گئے۔ دیکھیے ایک رکن ارکان ثلثہ عدالت کا جس کا نام شجاعت ہے حضرت عیسیٰ کی صحبت سے حواریوں کو نہیں حاصل ہوا تھا پس تربیت حضرت عیسیٰ کی از روئے حکمت کے بہت ہی ناقص ٹھہری۔ دوسرے یہ کہ باوجود مستفیض ہو چکنے کے پطرس نے حضرت عیسیٰ کے خبر دینے کو باور نہ کر کے معارضہ کیا کہ میں کبھی انکار نہ کروں گا۔ تیسرے

یہ کہ جھوٹی قسم کھا کر تین بار انکار کیا۔

اب سنیئے ان ماہروں کو جو دوسری دفعہ مستفیض ہونے کے بعد واقع ہوئے۔ مگر پہلے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سوائے ان لوگوں کے جو حضرت عیسیٰ کے سامنے ان پر ایمان لائے تھے۔ ایک شخص پولوس یا پاؤل نامی شدید الکفر غلیظ العداوت تھا اس نے یہ ظاہر کرکے کہ مجھ پر حضرت عیسیٰ متجلی ہوئے حواریوں میں داخل ہوا۔ وہ بھی روح القدس سے مستفیض ہونے کا دعوے کرتا ہے چنانچہ رسالہ اعمال کے باب نہم کے سترہویں ورس اور باب سیزدہم کے نویں ورس میں لکھا ہے اور درحقیقت مبدا ملتِ عیسائیہ وہی شخص ٹھہرایا گیا ہے۔ شائد اسی نے ہی تثلیث نکالی ہے اور سؤر اور گدہ اور مُوت کو پاک ٹھہرا دیا ہے۔ فقط۔ رسالہ اعمال باب پانزدہم ۱۸۳۹ء ۱۔ بعض لوگوں نے یہودیہ سے آکے بھائیوں کو سکھلایا کہ بغیر اس کے کہ تم موسےٰ کی شریعت کے موافق ختنہ کرواؤ تم نجات پا نہیں سکتے۔

۲۔ جب تجویز نہ ہوئی تھی اور پاؤل اور برنبانے ان سے بہت تکرار کیا تھا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ پاؤل اور برنبا اور ان میں سے اور بعضے سوال کے لیے رسولوں اور مشائخوں کے پاس یروشلم میں جاویں۔

۳۔ سو ہ ۵۔ الی قولہ۔ ۴۔ یروشلم میں پہنچے کلیسی اور رسولوں اور مشائخوں نے ان کی خاطرداری کی۔

۵۔ تب کئی ایک ان میں سے جو ایمان لانے کے آگے فریسیوں کے مذہب میں تھے بول اٹھے کہ ان کا ختنہ کرنے اور موسیٰ کی شریعت پر چلنے کو حکم کرنا ضروری ہے۔

۶۔ تب رسول اور مشائخ اس بات میں فکر کرنے کو جمع ہوئے۔

۷۔ اور جب بہت تکرار ہوئے پیٹر کھڑا ہو کے کہنے لگا فقط۔

یہاں سے اتنا ثابت ہوا کہ اس زمانے میں عیسیٰ کے ایمان لانے والے حواریوں کو بطور مجتہد والا کے جانتے تھے اور آپس میں بھی وہ حواری لوگ ایک دوسرے کو مجتہد جانتے تھے نہ ہر کہ مثل انبیاء کے مفترض الطاعۃ جانتے ہوں۔ ورنہ تکرار کیوں ہوتی اور مسئلہ شرعی میں کہ انتظام دینی کا اس کو کچھ دخل نہیں ہے۔ مشورے کی حاجت کاہے کو ہوتی۔

باب مذکور ورس ۳۶۔ چند روز کے بعد پاؤل نے برنباس سے کہا۔آؤ اپنے بھائیوں سے ہر ایک شہر میں جہاں ہم نے انجیل کی خوشخبری دی پھر کے ملاقات کریں۔ ۳۷۔ برنباس نے ارادہ کیا کہ یوحنا کو جس کا لقب مارک تھا ساتھ لیوے۔ ۳۸۔ پر پاؤل سمجھا کہ اس کو جو پانیفلیا میں اُن سے جُدا ہو گیا اور کام کے واسطے اس کے ہمراہ نہ آیا ساتھ لینا خوب نہیں۔ ۳۹۔ اور ان میں ایسی تکرار اور ناخوشی ہوئی کہ وہ ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔

یہ اختلاف آرا برنبا اور پاؤل تھے اور مخالفت مارک کی پاؤل سے صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ان کی ہر طرح کی سمجھ دین کی باتوں میں روح القدس کی قوت سے جیسے ہمارے اصول کے موافق انبیاؤں کے لیے ہوتی ہے۔ نہیں تھی بلکہ مجتہدانہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اسی باب میں لکھا ہے کہ پولوس نے کئی شخصوں کے مشورے سے حکم ختنہ کا موقوف کیا معہذا اس کے بعد سولہویں باب کے شروع میں لکھا ہے کہ خود پولوس نے ایک شخص کا ختنہ کرایا۔اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ ان کے دینی احکام نبوت کی راہ سے نہ تھے۔

اور باب دوازدہم میں پطرس کے قید ہونے اور ایک فرشتے کی جہت سے بیڑیاں گر پڑنے کے بعد قید خانے سے نکلنے کی حکایت یُوں لکھی ہے۔ نسخہ ۱۸۱۴ء ۸۔ فرشتے نے اس سے کہا کہ کمر باندھ اور اپنی جُوتی پہن اور اپنی پوشاک پہن کے میرے ساتھ ہو لے۔ ۹۔ وہ نکل کر اس کے پیچھے ہو لیا اور نہ جانا کہ یہ جو فرشتے نے کہا واقع میں ہے۔ بلکہ گمان کیا کہ کچھ دھوکا ہے۔“ دیکھو پطرس کے برابر کسی حواری کا مرتبہ از روئے توصیف عیسوی کے نہیں ہے معہذا اتنے بڑے معاملے کو کہ ہاتھ پاؤں کی بیڑیاں گر پڑی تھیں اور جُوتی اور پوشاک پہنی اور کمر باندھی اور قید خانے سے باہر نکلا تب بھی گمان ہے کہ دھوکا ہے۔ اگر روح القدس کی معیت ہر وقت ہوتی تو ایسا دھوکا اُسے نہ پڑتا۔

اور پولوس اپنے نامہ موسومہ گلاتیاں کے باب دوم میں اپنی بابت یُوں لکھتا ہے نسخہ ۱۸۱۴ء ”۱۱۔ جب پطرس انطاکیہ میں آیا تب میں نے روبرو اس سے مقابلہ کیا کہ وہ ملامت کرنے کے سزاوار تھا۔ ۱۲۔ کیونکہ وہ بیشتر اس سے کہ یعقوب کی طرف سے کئی شخص آویں غیر قوموں کے ساتھ کھایا کرتا تھا۔ پر جب وہ آئے تب وہ مختونوں سے ڈر کے پیچھے ہٹا اور الگ ہوا۔“ نسخہ ۱۸۳۱ء ۱۳۔ اور

باقی یہودی بھی اس کے سے مکر کرنے لگے. یہاں تک کہ برنبا بھی ان کے مکر میں آگیا۔ ۱۴۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ انجیل کی حقیقت کے موافق راہِ راست پر نہیں چلتے. میں نے سبھوں کے سامنے پتر کو کہا کہ جب کہ تو یہودی ہو کر غیر ملکیوں کے طور پر نہیں، پر یہودیوں کے طور پر اوقات کاٹتا ہے. پس تو کس واسطے غیر ملکیوں کو یہودیوں کے طور پر چلنے کی تکلیف دیتا ہے. الیٰ قولہ. ۱۶. ہم یسوع مسیح پر ایمان لانے سے نہ شریعت پر عمل کرنے سے نیک گنے جاویں. کیونکہ کوئی آدمی شریعت پر عمل کرنے سے نیک گنا نہ جائے گا۔" دیکھو یہاں سے کئی باتیں نکلتی ہیں. ایک یہ کہ پولوس کے نزدیک پطرس اور برنبا اور اور مومنین یعنی موافق انجیل کے راہ پر نہ تھے. بلکہ ریاکار اور مکار تھے. دوسرے یہ کہ اُن کے آپس میں علانیہ مسائل دینیہ میں اختلاف آراء واقع ہوا. یہاں تک کہ مجتہدانہ گفتگو سے مرتبہ گزر کر نوبت سب وشتم پہنچی. الغرض حواری لوگ مفترض الطاعۃ انبیاؤں کی طرح پر نہ تھے. تیسرے یہ بات پولوس کی کہ صرف حضرت عیسٰی پر ایمان لانے سے آدمی نیک گنا جاتا ہے شریعت پر عمل کرنا ضروری نہیں. اور بعضی جگہ اس نے کہا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے والا ملعون ہے. سو یہ عکس ارشادات عیسوی ہے. کیونکہ حضرت عیسٰی سے پہلے انجیل کے ساتویں باب کے اکیسویں ورس میں یوں منقول ہے. نسخہ ۱۸۳۶ء "نہ ہر ایک کہ مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہو گا. مگر وہی جو میرے باپ کی مرضی پہ جو آسمان پہ ہے عمل کرتا ہے۔"

علاوہ بریں بڑی دلیل آپ کے یہاں حواریوں کی بزرگی کی یہ ہے کہ وہ صاحبِ کرامات تھے. پس اگر بعد تسلیم ان کی کرامتوں کے ان کا صاحبِ کرامات ہونا موجب تسلیم ان کی عصمت کا ہو جیسا انبیاء کے لیے واجب ہے. تو جتنے صاحبِ کرامات ہر مذہب میں گزرے ہیں سب معصوم گنے جائیں. اور لطف یہ ہے کہ اس انجیل کی رو سے حضرت عیسٰی کے ساتھ والوں کی کرامتوں سے اُن کی بزرگی کچھ نہیں نکلتی. اس لیے کہ پہلی انجیل کے ساتویں باب کا بائیسواں ورس یوں ہے نسخہ ۱۸۳۶ء "بہتیرے مجھے اس دن کہیں گے اے خداوند خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے دیوؤں کو نہیں بھگایا اور تیرے نام سے بہت کرامتیں ظاہر نہیں کیں. تب میں انہوں کو یہی جواب دوں گا اے بدکارو میرے پاس سے دُور ہو. میں تمہیں کبھی نہیں جانتا۔"

اور تیسری انجیل کے نویں باب کے اڑتیسویں ۳۸ ورس سے ظاہر ہے کہ ان دنوں ایک شخص جو حواریانِ عیسوی سے نہیں تھا وہ بھی انہیں کی طرح بیماروں کو اچھا کرتا تھا۔ پس کرامتوں کا کچھ بھی اعتبار نہ رہا۔ چہ جائیکہ موجب عصمت ہوں۔

بالجملہ ہمارے تینوں مطلبوں کی سندیں گزر چکیں۔ اب ان دعوؤں کی یعنی ایک اس کی کہ مؤلفین اناجیل نے جو لکھا ہے سو اپنا دیکھا اور حضرت عیسیٰ سے بلا واسطہ سند لکھا ہے۔ اور دوسرے اس کی کہ جو کچھ انہوں نے لکھا سو تترجمانی روح القدس لکھا ہے۔ کوئی وجہ ثبوت آپ کے پاس ہو سو گزرانیے۔ مگر ایسی کہ ہمارے اسناد مذکورہ کے مرتبہ معارضے سے بڑھ کر غالب آجائے۔ ہم جانتے ہیں کہ معارضے کے لائق بھی کوئی وجہ ثبوت آپ کے پاس نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر غالب آنے والی۔ اور صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب کے دوسرے باب کے ساتویں فصل میں جو سورۂ یٰسین کی یہ آیت اذا ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث کی تفسیر سے یہ نکالا ہے کہ شاگردانِ عیسوی انبیاء تھے یہ بات ہمارے مضر نہیں ہے کئی جہت سے۔ اوّلاً اس لیے کہ قرآن میں اس مضمون مندرجہ تفسیر کا کچھ اشارہ بھی نہیں ہے اور نہ وہ مضمون باحادیث صحیحہ مشہورہ ثابت ہے۔ اور ثانیاً اس لیے کہ تفسیر میں یہ نہیں لکھا ہے کہ جن کی یہ شان تھی انجیلیں انہیں کی تالیف ہیں۔ ثالثاً یہ بات تو تمہارے خود اصول کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ تم کہتے ہو کہ عیسیٰ کے بعد کوئی سچا نبی بھی نہیں ہونے والا ہے۔ پس یہ بھی کہنا اور حواریوں کو پیغمبر خدا بھی کہنا یہ ویسا ہی اضطراب ہے جیسا کہ صاحب میزان الحق کو درباب منسوخ ہونے احکام کے ہے۔ فقط

بارہواں استفسار

یہ بات تمام عقلا کے نزدیک تجربہ ثابت ہے اور جس کا جی چاہے تجربہ کر لے کہ ہمنشین کا حال صحبت سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص پختہ کار اور صاحبِ تمکین و وقار اور باغیرت اور سنجیدہ اور راست گو وضعدار ہے یا خام طبع اور تنگ ظرف، سفلہ مزاج، بے ہودہ، بے غیرت سبک سر، فضول گو، بد وضع ہے۔ پہلی قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کو ہم ثقافت کہتے ہیں

جس کو غلط العوام کے طور پر لوگ ثقاہت بولا کرتے ہیں. اور دوسری قسم کو عدم وثاقت. اور جب وثاقت ہم نشین کے ذہن نشین ہو جاتی ہے تو جس کسی کی جس بات کو وہ اپنی دیکھی ہوئی یا اس سے سُنی ہوئی کہے یا لکھے تو وہ بمنزلہ اپنی دیکھی ہوئی یا بلا واسطہ سُنی ہوئی کے ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص کی وہ وثاقت یا عدم وثاقت بیان کرے تو اس دوسرے کی وہ صفت ویسے ہی ذہن میں جم جاتی ہے جیسے ہمنشین کی. اور اگر ویسے کئی آدمی ویسے ہی بیان کریں تو ذرا بھی شک اور تردد نہیں باقی رہتا اور یقین قطعی حاصل ہو جاتا ہے. اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ اگر مثلاً بازاریوں کی زبان سے بادشاہی دربار کی کوئی خبر سنتے ہیں اور کہنے والے سے جو پوچھتے ہیں کہ تو نے یہ بات کس سے سُنی ہے وہ کہتا ہے کہ اس بات کا چرچا سب لوگ بازار کے کرتے ہیں. میں نہیں جانتا کہ یہ خبر کہاں سے نکلی. یا وہ کہتا ہے کہ بادشاہی ڈیوڑھی کے خاکروب آپس میں کہتے چلے جاتے تھے. میں نہیں جانتا کہ وہ اپنی دیکھی یا سُنی ہوئی کہتے تھے یا اور کسی سے. اسی طرح انہوں نے بھی سُنی تھی تو اس کو غیر سندی خبر کہتے ہیں. اس طرح کی بات اکثر ٹھیک اور درست نہیں نکلتی اور جو بات ہم مثلاً بعضے صاحبان جج سے سُنیں اور وہ کہیں کہ ہم سے صاحبان سیکرٹری گورنمنٹ کہتے تھے کہ نواب گورنر ایک روز یوں کہتے تھے کہ میرے سامنے پارلیمنٹ کے دربار میں جناب عالیہ ملکہ انگلستان نے فلانی بات یوں فرمائی. یا یوں کی اس کو سندی خبر کہتے ہیں. اس طرح کی بات اکثر سچ اور مطابق واقع کے ہوتی ہے۔

اور جب اس طرح کے کئی جلیل القدر اسی بات کو بیان کریں اور ان کے آپس میں کچھ تعارض بھی نہ ہو تو اس میں احتمال بھول چوک کا بھی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ خلاف واقع ہونے کا. اور اس پر یقین قطعی ہو جاتا ہے اور بالضرور مطابق واقع کے نکلتی ہے اس کو خبر متواتر کہتے ہیں. یہاں سے یہ نہ سمجھئے گا کہ جلیل القدر سے بڑے آدمی مراد ہیں بلکہ وہی وثاقت والے مراد ہیں. اور اگر مثلاً صاحب جج کہیں کہ میں نے کسی سے سُنا کہ نواب گورنر یُوں فرماتے تھے تو اس کو بھی سندی نہیں کہتے. اس لیے کہ بیچ میں سلسلہ ٹوٹ گیا۔

بالجملہ سمعیات کے باب میں اسی تواتر اسناد کا نام ثبوت عقلی ہے. اور ظاہر ہے کہ جیسا زبان سے خبر دینے میں احتمال صدق اور کذب کا ہوتا ہے ویسا ہی لکھنے میں بھی ہوتا ہے. پس

لکھی ہوئی بات کے ثبوت کے لیے بھی وہی ضابطہ درکار ہے مثلاً اگر کوئی نوشتہ ہاتھ آتا ہے اور اس پر کسی طرح کے معاملے کے موافق یہ معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ کس نے لکھا ہے اور جس کی طرف منسوب ہے یہ نسبت صحیح اور واقعی ہے یا یونہی باسم فرضی اس کے نام سے مشہور ہو رہا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میزان الصرف سعدی کی اور مینا بازار ظہوری کی ہے۔

اور اگر کوئی اس کا لکھنے والا قرار پاتا ہے تو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس لکھنے والے نے اپنی دیکھی یا بلاواسطہ سنی لکھی یا بواسطہ۔ اور اگر بواسطہ ہے تو آیا وہ واسطہ صاحب وثاقت تھا یا نہ تھا۔ اور یہ لکھنے والا صاحب وثاقت تھا یا نہیں۔ اور اگر اس توثیق میں وہ نوشتہ درست نہ نکلے تو ردی ہے اور اگر ان سب شرطوں کے ساتھ ثابت ہوتا ہے تو ظن غالب اس کی صحت کا ہوتا ہے اور اگر بہت سے ایسے صاحب وثاقت لوگ اس کے گواہ ہوتے ہیں تو اس میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہتا ہے۔ خصوصاً جب کہ ویسے ہی اس کا کوئی معارض نہ ہو۔ اور اگر کوئی معارض ہو مگر ولیا نہ ہو تو اس معارض کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ اگر عدالت میں کسی گذشتہ معاملے کی بابت کوئی شخص کوئی وثیقہ پیش کرے اور اس کے گواہوں کی نشاندہی نہ کرے یا زمانہ گذشتہ کا کوئی محضر پیش کرے اور اس محضر پہ کے گواہوں کی نشانیابی نہ ہو یا ان کا اظہار ثابت نہ ہو تو وہ وثیقہ اور محضر ردی ٹھہرتا ہے اور اس پہ مدعی کی ڈگری نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وثیقہ اور محضر نہ ہو مگر معاملے کے گواہ معتبر موجود ہوں یا ان گواہوں کا اظہار اور زبان بندی مثل میں شامل ہو تو صرف دستاویز تحریری کا نہ ہونا مخل اس کے ثبوت دعویٰ کا نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ بن دیکھے چیزوں کے باب میں اگر کوئی صورت توثیق اور اعتبار کی ذرا بھی عقلاً نہ ہوتی تو جتنا کارخانہ عدالت اور حکومت اور تجارت اور مہاجنی کا ہے سب غلط ہو جاتا۔ بلکہ دنیا میں یہ کارخانے برپا نہ ہوتے۔ اور حکماء کی پیروی ان لوگوں کے واسطے جو برابر ہر وقت ان کے ساتھ نہیں رہے اور وہ خود حکیم نہیں ہیں عقلاً مستحسن نہ سمجھی جاتی چہ جائیکہ ضروری۔ اور علوم ادبیہ اور فن طب اور ہیئت اور جغرافیہ جو کوئی تالیف کرتا سخت احمق کہلاتا۔

پس اسی واسطے سمعیات کے ثبوت عقلی کے ضوابط کے بیان میں ہمارے یہاں ایک فن عظیم الشان مقرر ہوا اور اس فن کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں دانا لوگ ایسے گزرے ہیں کہ

ان کی وثاقت اور ان کی اس فن کی مہارت جتنے اہل علم ہیں سب جانتے اور جان سکتے ہیں۔ اور انہوں نے سینکڑوں کتابیں اس فن میں لکھیں اور ان کا لکھنا ان کتابوں کا ایسا ثابت ہے جیسا ان کا ہونا اور فن میں یہ بحث ہے کہ فلانی بات جو فلانے شخص کی طرف منسوب ہے اس کا ناقل کون ہے اور اس کا مولد اور منشا کون تھا اور وہ کیسا آدمی تھا اور جس کی بات ہے اس سے بلا واسطہ سن کر لکھا ہے یا بواسطہ۔ اور اگر بواسطہ ہے تو وہ واسطہ کون شخص تھا اور کہاں رہتا تھا کب پیدا ہوا کب مرا کیسا تھا فضول گو تھا یا راست گو مغلوب النسیان تھا یا حافظے والا صاحب تفتیش تھا یا سطحی والا اور اپنے بیان میں مضطرب تھا یا مستقل اور اس کے مذہب میں تمیز بین الحق والباطل کی جگہ تلبیس بین الحق والباطل جائز تھی یا ممنوع اسی قاعدے سے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ جس کی بات جس نے لکھی ہے اسی سے بلا واسطہ سن کر لکھی ہے اور اس نے اکیلے آپ نہیں لکھی بلکہ متعدد ثقہ لوگوں نے جنہوں نے خود آپ بھی بلا واسطہ اس بات کو سنا تھا مل کر لکھی اور کسی نے ان لوگوں کے ہمعصروں میں سے ضد اس کی دوسری بات نہیں لکھی بلکہ اسی کی تعلیم دیتے رہے اور ان کے بعد بھی کسی نے ان لوگوں کے مدعیان تقلیدی میں سے اور دوسری بات کو اس کے ہموزن اور ہم مرتبہ نہیں گنا۔ بلکہ برابر کہتے چلے آئے کہ کوئی خبر مرتبہ ثبوت میں اس کے ہم پلہ اور ہم مرتبہ نہیں ہو سکتی اور پہلے طبقے سے لگا کر جہاں تک چلے جائیے کسی درجہ میں ایک نہیں ہے کہ دو ہی ایک اس کے راوی ہوں بلکہ اس کے راوی اس طرح پر۔ مثلاً کوئی گلستان کے پہلے باب کی بعض حکایتیں بعبارتہ نقل کرے اور کوئی اسی باب کی باقی حکایتیں۔ اور کوئی دوسرے باب کی بعض شعریں نقل کرے۔ ہر طبقہ میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں ہیں اور اسی طرح پر کہ ساری گلستان اول سے آخر تک ہر واحد بجمیع الفاظ وادصالہ سعدی سے نقل کرے اس کے ایسے راوی بھی دو تین نہیں بلکہ بہت سے برابر ہوتے رہے ہیں تو ایسی بات کو ہم قطعیات میں گنتے ہیں اور اس کی شان کے منافی جو کوئی سینکڑوں برس کے بعد لکھے تو اسے کالم یکن تصور کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ سہو اور غلطی سے ایسا کسی نے کہا ہے یا عداوت۔ کی راہ سے جھوٹ موٹ کسی نے کہا ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا ہمارا قرآن شریف کہ بالفاظہا بعینہٖ وصل ونقل حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے کہ اس میں بعض معجزات مصطفویہ کا بیان تفصیلی اور مطلق معجزات مصطفویہ کا بیان

اجمالی ہے اور اگر بلاواسطہ سُن کر نہیں لکھا ہے بلکہ بوسایط تو اس میں دیکھتے ہیں کہ آیا بہت ثقہ لوگ ایسے ہی بیان کرتے ہیں اور ہر طبقے میں بہت بہت سے ثقہ راوی ہوتے رہے ہیں اور کسی ثقہ نے اس کی ضد روایت نہیں کی ہے تو اس کو بھی قطعی سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی جیسے ہمارے یہاں نماز کی سترہ رکعتیں اور چالیسواں حصہ مال کا زکوٰۃ کا نکالنا اور اکثر انواع معجزات مصطفویہ میں سے قدر مشترک اعجاز کی روایتیں اسی قسم میں داخل ہیں اور بعد گزر جانے خدا کے پیغمبر کے اس کی ایسی باتوں کے جو اس طرح ثابت ہوں ماننے کو ہماری اصطلاح میں ایمان اور اس کے نہ ماننے کو کفر کہتے ہیں۔ اور اگر ہر طبقے میں اس کے متعدد ثقہ راوی نہیں ہیں تو دیکھا جائے گا کہ آیا بداہت عقل کے خلاف کوئی بات اس میں ہے یا نہیں۔ اگر بداہت عقل کے خلاف ہے تو وہ بھی کان لم یکن متصور ہوتی ہے یعنی اسے یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نے سہو سے یہ بات بڑھادی یا گھٹادی ہے یا اس کی تاویل عرف کے موافق کچھ کی جاتی ہے جیسے آپ لوگ توریت کی اس روایت کی کہ سرزمین کنعان میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہتی ہیں تاویل کرتے ہیں اور اگر مخالف بداہت عقل کے نہیں ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ قطعیات مذکورہ کے منافی ہے یا نہیں۔ اگر ان قطعیات کے منافی ہے اور کسی طرح تاویل عرفی سے حل نہیں سکتی تو وہ بھی کان لم یکن متصور ہوتی ہے اور اگر ان دونوں قباحتوں سے کوئی قباحت اس میں نہ ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ آیا تفصیل ہے انہیں قطعی باتوں کی تو اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں جیسے سخاوت اور صبر اور تحمل اور زہد اور توکل کے فضائل اور بعضے معجزات خبریہ پیغمبر خدا کے اور اگر ان قطعیات کی تفصیل بھی نہیں ہے بلکہ ایک بات علاوہ ان سے ہے۔ تو اگر سب راوی اس کے ثقہ ہیں اور بیچ میں کہیں سے سلسلہ نہیں منقطع ہوا ہے اور اس کے معارض کوئی ویسی روایت نہیں ہے۔

سو اگر عملیات میں ہے تو نظن غالب واجب العمل ہوتی ہے جیسے اکثر مسئلے متعلق نماز روزے اور بیع اور رہن وغیرہ کی۔ اور اگر منجملہ اعتقادات کے ہے تو نظن غالب اس کا ماننا بھی ہوتا ہے نہ بر سبیل جزم ویقین۔ اور اگر ایسی روایتیں ہمدیگر مختلف ہوتی ہیں۔ سو اگر منجملہ عملیات ہے تو احد ہما پر عمل کرنے کے لیے ترجیح ظنی دیکھ لی جایا کرتی ہے۔ اگر حاصل ہوئی تو فبہا ورنہ جس پہ چاہا عمل کیا اور اگر منجملہ نظریات ہے تو کسی جانب پر عقیدہ نہیں باندھا جاتا ہے۔

بالجملہ جب یہ قاعدہ عقلیہ نقلیات کی تفتیش کے باب میں متقرر ہولیا تو اب میں پوچھتا ہوں

بلکہ آپ کے یہاں اس کے سوائے کوئی اور ضرور یہ قاعدہ واسطے ثبوت عقلی سمعیات کے ہے یا نہیں اگر ہے تو بیان کیجئے اور اگر نہیں ہے تو اسی قاعدے کے موافق بائبل میں سے کسی کتاب کی اس طرح پر کہ کس نے اسے لکھا ہے۔ اور جس نے لکھا ہے دیکھ کر اور بلاواسطہ سُن کر لکھا ہے یا بواسطہ اور اگر بواسطہ سن کر لکھا ہے تو کس سے سُنا۔

اور وہ لکھنے والا اور جس سے اس نے سُنا وہ کیا تھا اور اس سے اس کتاب کو کس شخص نے پڑھایا سُنا اور اس سے پھر کس نے سُنا۔ اس زمانے تک کہ وہ نسخہ پھیل پڑا، کوئی سند ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو مجھے سند لکھ دیجئے خصوصاً اس زمانے تک کی جس زمانے میں وہ نسخہ پھیل پڑا مثلاً توریت کے انبیاء منسوب الیہم سے بطلیموس کے وقت تک کی اور انجیل کی حضرت عیسٰی سے قسطنطنین تک کی سندیں مجھے لکھ دیجئے۔ مگر راویوں کا نام بطور اسم فرضی نہ ہو۔ بلکہ ان کا پتہ اور نشان بگواہی اگلے مؤرخوں کے ہو اور اگر نہیں ہے تو ایسی واہی تباہی باتیں بہتیری لکھی ہوئی ہیں جن کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے جیسے حاتم کی ہفت سیر اور الف لیلہ کی کہانیاں اور بستان خیال کی داستان۔ اس پر عقیدہ باندھنا عقل کی جس پر مدارِ تکلیف ہے گردن مارنا ہے۔

اور جان لیجئے کہ ہماری غرض اسی سوال سے یہ نہیں ہے کہ خدا کا کلام جو موسٰے نے بیان کیا یا جو حضرت عیسٰی کی زبان سے نکلا اس میں سے کچھ دنیا میں باقی ہی نہیں رہا۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ ہم کو انکار ہے اس بات سے کہ بائبل میں جو کچھ ہے وہ کسی نبی کا کہا ہوا ہے یا جس نے جس کا حال لکھا ہے اپنا دیکھا ہوا اور جو کلام اس کا نقل کیا سو بلاواسطہ سُنا ہوا لکھا ہے۔

اور ہم کو انکار ہے اس بات سے کہ جو قال ان کتابوں میں ہے وہ اپنی اصل صحت پر باقی ہے۔ اس لیے میں اس کے اسناد پوچھتا ہوں اور اگر اس مقام پر جب تک سندیں نہ ملیں ہم کو مجرد انکار کفایت کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ہمارے پاس کئی وجہیں اس انکار کی بھی ہیں۔

پہلی وجہ بائبل کی خرابیاں وہی جو نویں استفسار سے بارہویں استفسار تک ہم نے بیان کیں۔

دوسری وجہ مذکورہ ذیل بائبل کی جو ۱۸۳۷ء میں امریکہ میں چھپی اور انگلستان اور ہندوستان میں بھی ہے اور بنا اس کی کالمنٹ نامی عیسائی نے ڈالی اور ٹیلر اور رابٹ نامی عیسائیوں نے اس کی تکمیل کی اور اس میں صاف لکھا ہے کہ موسٰے کی کتاب کے بعضے جملے ایسے ہیں کہ صاف دلالت کرتے

ہیں اس پر کہ موسےٰ کا کلام نہیں ہے۔ جیسے گنتی کی کتاب کے بتیسویں[۳۲] باب، کا اکتالیسواں ورس اور کتاب استثناء کے تیسرے باب کا چودھواں ورس اور یہ بھی اسی ڈکسنری میں لکھا ہے کہ بعضی عبارت اس کی موسےٰ کی عبارت سے میل نہیں کھاتی اور جب عیسائی انگلش نژاد نے مجھے اس کتاب کو دیکھ کر بتایا اس نے اس قول کی تشریح یوں کی کہ جیسی ہندی منشی کی فارسی اور اصفہانی منشی کی فارسی اور ان فقراتِ مذکورہ کی نسبت لکھا ہے کہ یقیناً ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کے لکھے ہوئے ہیں مگر ظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عزرا نبی نے ان فقروں کو ملایا ہے۔ اس لیے کہ عزرا کی کتاب کے نویں اور دسویں باب اور باب نحمیا کی آٹھویں سے ایسا نکلتا ہے۔

میں کہتا ہوں ہر عاقل جانتا ہے کہ یا تو سوائے قال اللہ کے سبھی داستان توریت کی پیچھے سے ملائی گئی ہے یا جہاں اشد ضرورت بیان شان نزول وغیرہ کی ہوگی وہاں کچھ بڑھایا گیا ہوگا۔ نہ کہ صرف یا یہ کے گاؤں کا نام ملایا گیا وگرنہ ہیچ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو یا یہ بعد حضرت موسےٰ کے ہوا اس واسطے بلاچاری یہ کہنا پڑا کہ یہ کلام بعد میں ملایا گیا ہے۔

اور اس راقم نے جو عزرا کی کتاب کے ان بابوں کو دیکھا تو اس میں صرف یہی لکھا ہے کہ عزرا نے سب لوگوں کو جمع کر کے خدا کے احکام کی تعمیل کی نصیحت کی اور کچھ اس میں توریت کے پڑھنے اور پڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ اور نحمیا کی کتاب کے آٹھویں باب سے صرف اسی قدر ظاہر ہے کہ عزرا نے توریت پڑھ کر سب کو سُنائی۔ اور یہ نہیں لکھا ہے کہ عزرا نے توریت میں بطور تفسیر وغیرہ کے کچھ ملا کر سب کو سُنایا اور جب کہ یہ نہیں لکھا تو کہاں سے یہ بات نکلی کہ توریت میں الحاق حضرت عزرا کا کیا ہوا ہے اور اگر اتنا جملہ بطور کلیہ کے ہوتا تب بھی ہم پر حجت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ جب تک کچھ تعیین مضامین اور فقراتِ الحاقیہ کی بطور کلیہ یا جزئیہ کے نہ ہو، تب تک یہ کیونکر مانا جائے کہ فلانی بات عزرا کی ملائی ہوئی ہے۔ سو جن باتوں سے ہمیں انکار ہے اس کا ثبوت نحمیا کی کتاب سے نہیں ہوتا ہے اور علاوہ اس کے پہلے یہ بات ثابت کرنا چاہیئے کہ یہ کتاب جو نحمیا کی طرف منسوب ہے یہ درحقیقت سب انہیں کی تالیف ہے اس کے واسطے بھی کوئی سند چاہیئے۔ اس واسطے کہ یہ آٹھواں باب پہلے بابوں کے قیاس سے صاف دلالت کرتا ہے کہ نحمیا کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اوپر سے ہر باب میں نحمیا نے اپنے تئیں متکلم کر کے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ اس زمانے کے مصنفوں کا دستور ہے اور

اس آٹھویں باب میں نحمیانے اپنے تئیں غائب کر کے تعبیر کیا۔

علاوہ بریں متکلم کر کے اپنے تئیں تعبیر کرنے سے بھی یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ جس کا کلام ہے اس نے آپ اسے لکھوایا ہے۔ اس لیے کہ امثال سلیمان سلیمان کی کتاب کہلاتی ہے۔ حالانکہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کتاب حذقیا کے وقت میں حضرت سلیمان کے مرنے سے دو ڈھائی سو برس کے بعد تالیف ہوئی۔ چنانچہ اوپر میں لکھ آیا ہوں ماورائے اس کے نحمیا کی کتاب کے نسخوں میں بھی اختلاف ہے۔ ازاں جملہ دو نسخے جو میرے پاس ہیں ان میں سے بھی اگر صرف اس باب کے لفظوں کا اختلاف بیان کروں تو کتاب بڑھ جاوے۔ چہ جائیکہ ساری کتاب کا۔ اور اگر کئی نسخے باہم پہنچیں، اور اس وقت دیکھنا چاہیئے کیسا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔

اور سوائے اس کے یہ بھی نہیں معلوم کہ نحمیا کیسا آدمی تھا اس کے حال کی بھی سند چاہیئے اور کئی عیسائیوں سے میں نے سنا کہ صرف ایک ہی ڈکسندری والا ایسا نہیں لکھتا۔ بلکہ سبھی شارحین بائبل ایسا ہی لکھتے ہیں۔

دوسری وجہ صموئیل کی پہلی کتاب کے ابواب ۴، ۵، ۶، ۷ سے ظاہر ہے کہ جس صندوق کو حضرت موسےٰ نے سونے سے مڑھ کر بڑے طمطراق سے بموجب تصریحات توریت کے بنا تھا اور اس کی مجاورت کے احکام بیان کیے تھے اور اب اس کا نشان اور پتہ بھی نہیں ملتا اور اسی کو ہمارے یہاں جمہور علماء تابوت سکینہ کہتے ہیں۔ اس میں حضرت موسےٰ نے اپنی لکھی ہوئی کتاب رکھی تھی۔ فلسطانی کافروں نے اس تابوت کو لوٹ کر اپنے بت خانے میں رکھا اور بعد مدت نعران کے لوگ جبعہ میں اسے لے آئے۔ اور جب حضرت داؤد کی حکومت ہوئی انہوں نے اسے اپنے پاس لا کر رکھا۔ اور پہلی کتاب ملوک میں میں لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان نے اس صندوق کو کھولا۔ اس کتاب کو اس میں نہ پایا اور سوائے ان الواح کے جس پر کہتے ہیں کہ صرف دس احکام لکھے ہوئے تھے اس صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔ پس وہ کتاب حضرت موسےٰ کی لکھی ہوئی کبھی سے غائب ہے اور بعد اس کے بنی اسرائیل نحمیا کے وقت تک اس کے احکام سے بالکل غافل اور اس سے لاعلم محض رہے چنانچہ نحمیا کی کتاب کے باب ہشتم سے ظاہر ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نقلیں بھی نہیں پھیلنے پائی تھیں اور سوائے انبیاؤں کے اور کسی کو اس کا حال بھی کما ینبغی نہیں معلوم رہا۔ یہ سب باتیں

صاف دلالت کرتی ہیں کہ مجموعہ توریت کا ہرگز قابل وثوق نہیں رہا۔ پس حق ہمارے ساتھ ہے کہ اس کتاب کی سب روایتوں کو سنداً درست اور صحیح نہیں جانتے۔

چوتھی وجہ مرزاپور کے پادری میتھر صاحب نے اپنے اخبار کے چھاپے ہیں کہ اس کی نسبت ان کی طرف بہ نسبت انتساب رسائل بائبل کے انبیاؤں کی طرف بہت درست اور بے شک واقعی ہے۔ لکھتے ہیں "خیر خواہ ہند عزہ جولائی ۱۸۴۲ء ایوب کا وطن اود میہ تھا جو ملک پالستین کے دکھن ملک عرب اور مصر کی سرحدوں میں ہے۔ بعضوں نے ایسا سمجھا کہ ایوب وہی ہے جس کا ذکر بنام ایوب باب تاریخ کی کتاب کے پہلے باب میں ہے جو عیص بن اسحاق کا پوتا تھا مگر اور شرح والوں نے ایسا ٹھہرایا ہے کہ یہ ابراہیم کے وقت سے مبشر تھا اور اس زمانے کا نور تھا جو ابراہیم اور نوح کے درمیان گزرا۔ یقین ہے کہ ایوب نے آپ ہی یہ کتاب تصنیف کی ہو مگر جس صورت میں آپ ہی اس کی ترتیب موسےٰ سے ہوئی۔ شاید پیدائش کی کتاب چھوڑ کر ایوب کی کتاب سب کتابوں میں قدیم ہو"

اس کلام سے جس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ سند قطعی اس کتاب کی ایوب سے لگا کر بائبل کی شرح والوں تک نہیں پہنچی۔ اسی طرح ایک اور بات نکلتی ہے کہ اس کو میں خوب نہیں سمجھتا۔ یعنی اگر آپ ہی اس کی ترتیب موسےٰ سے ہوئی الخ اس سے ظاہراً یہ بوجھا جاتا ہے کہ یہ ترتیب خاص ایوب کی کتاب کی موسےٰ سے ہوئی اور اس میں بھی شاید اور سوائے اس کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے کتاب پیدائش کے باقی چاروں کتابیں پینٹیٹوک   کی اس زمانے سے اتنی پیچھے تالیف ہوئی ہیں جس کی نسبت پیدائش کی کتاب قدیم کہلاتی ہے۔ چنانچہ اس ڈکسنری والے نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعضے کہتے ہیں کہ پیدائش کی کتاب میں وہ کلام الٰہی نہیں ہے جو موسےٰ سے کہا گیا۔ بلکہ موسےٰ نے اگلی کتابوں سے لے کر اسے تالیف کیا ہے۔ یہ اختلاف بھی دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ توریت کی کوئی سند مشہورہ شارحین بائبل کے پاس نہیں ہے۔

پانچویں بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بعضے اسناد قرآن شریف کے اپنے سے لگا کر پیغمبر خدا تک اور بحث اسماء الرجال بخاری وغیرہ کی بعضے اہل علم عیسائی مذہب والوں کے سامنے پیش اور بیان کر کے پوچھا کہ آپ کے یہاں انجیل کے لیے اسی طرح کی سندیں قرنِ اول مسیحی سے حضرت مسیح تک ہیں یا نہیں انہوں نے کہا نہیں۔

چھٹی وجہ انجیلوں کی تالیف کی تاریخوں میں ایسا اختلاف فاحش ہے کہ بالبداہۃ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اس کے لیے اسناد مشہورہ متصلہ نہیں ہیں۔ ورنہ اتنا اختلاف نہ ہوتا چنانچہ ہارن صاحب کی شرح اناجیل منطبعہ سنہ ۱۸۲۷ء میں امریکہ میں بزبان انگریزی چھپی۔ لکھا ہے کہ پہلی انجیل سنہ ۳۸ یا سنہ ۴۱ یا سنہ ۴۳ء یا سنہ ۴۸ یا سنہ ۶۱ یا سنہ ۶۲ یا سنہ ۶۳ یا سنہ ۶۴ عیسوی میں اور دوسری انجیل سنہ ۶۰ یا سنہ ۶۳ اور تیسری انجیل سنہ ۵۳ یا سنہ ۶۳ یا سنہ ۶۴ اور چوتھی انجیل سنہ ۶۸ یا سنہ ۶۹ یا سنہ ۷۰ یا سنہ ۹۷ یا سنہ ۹۸ عیسوی میں تالیف ہوئی۔ پس ہرگاہ کوئی سند متصل مشہور نہ پائی گئی تو صرف لکھا ہونا دستاویز ہونے کے لیے کفایت نہیں کرتا۔ ورنہ ہر وثیقہ اور ہر محضر بدوں اس کے کہ اس پر گواہ گزریں مقبول ہو جایا کرتا اور حاتم کی ہفت سیر حاتم کی تصنیف سمجھی جاتی اور داستان امیر حمزہ کا انہیں کا کہا ہوا ٹھہرتا اور الف لیلہ کی سب کہانیاں سچی تصور کی جاتیں۔

تیرہواں استفسار

صرف بموجب ارشاد حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم ایمان لائے اس پر کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اور انبیائے بنی اسرائیل سے بھی معجزے صادر ہوئے ہیں اور بدوں تصدیق آنحضرت کے کوئی سبیل ایمان لانے انبیائے بنی اسرائیل کے معجزات پر نہیں ہے۔ اس لیے کہ بائبل کی ایک بھی سند صحیح موافق قاعدہ مصرحہ استفسار گذشتہ کے کوئی نہیں بتاتا ہے۔ پس وہ تو ایسا ہے جیسے حاتم کی ہفت سیر معہذا البعضی روایتیں معجزات کی اس میں ایسی ہیں کہ ان معجزات کا اعجاز بھی نہیں ثابت ہوتا۔

ازاں جملہ پیدائش کے چھٹے باب کے تیسرے ورس سے ظاہر ہے کہ خدا نے آدم کے عہد میں کہا تھا کہ آدمی کی زندگانی ایک سو بیس برس تک ہے۔ حالانکہ نوح کے بیٹوں سے لگا کر حضرت ابراہیم کے دادے کے زمانے تک عمروں کا حال جو اسی کتاب کے گیارہویں باب میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی دو سو برس سے کم عمر نہیں ہوئی۔ اور اکثروں کی چار سو تین سو برس کی عمر ہوتی تھی اور انبیائے بنی اسرائیل کے اواخر زمانے سے کمتر کوئی سو برس کا ہوتا ہے۔ اکثر سو سے کم عمر کے

مرتے ہیں۔

ازاں جملہ کتاب پیدائش کے بائیسویں باب کے سترہویں ورس میں اور اور بھی کئی جگہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ابراہیم کی اولاد اتنی ہوگی جتنی دریا کی ریت۔ حالانکہ ایک مٹھی بھر ریت کے برابر بھی اب تک کسی زمانے میں نہیں ہوئی۔ چہ جائیکہ ایک دریا کی ریت کے برابر۔ چنانچہ تمہاری تاریخیں اور جغرافیہ اس کے گواہ ہیں۔

ازاں جملہ کتاب خروج کے ساتویں باب کے بیسویں اور اکیسویں ورس میں حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کے دریا پر عصا مارنے سے دریا کے پانی کا فرعونیوں کے حق میں لہو ہو جانے کا معجزہ لکھا ہے۔ اور اسی جگہ بائیسویں ورس میں یوں ہے کہ مصر کے جادو گروں نے بھی ویسا ہی کیا۔

ازاں جملہ اسی کتاب کے اٹھارہویں باب میں مینڈکوں کا پھیل جانا مصر میں دعائے موسوی سے لکھا ہے۔ اور اسی جگہ ساتویں ورس میں ہے کہ جادوگروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور جس طرح لاٹھی کے اژدہے ہو جانے کے معجزے میں جادو گروں کے جادو کی مغلوبی لکھی ہے۔ ویسی ان دو معجزوں کی نسبت نہیں لکھی۔ پس کہنے والا کہے گا کہ ہرگاہ ان جادو گروں نے ان دو معجزوں کا معارضہ کیا اور مغلوب نہ ہوئے۔ اگر ان سے زیادہ ماہر لوگ سحر کے تلاش کئے جاتے تو اور معجزات موسویہ کا بھی معارضہ کرتے۔ پس کوئی معجزہ موسوی معجزہ نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے کہ معجزہ تو اسی کا نام ہے کہ کوئی اس کا معارضہ کر کے برابر نہ رہ سکے بلکہ مغلوب ہو جائے اور جب ایک بات میں برابر رہا تو سبھی کی نسبت برابر رہنے کا گمان پیدا ہوا۔

ازاں جملہ ارمیا اور حزقیل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے باظہار الہام الٰہی کہا کہ بخت نصر کے ہاتھ سے بلادِ اسرائیلیہ خراب ہوں گے۔ حالانکہ انہیں کتابوں سے ظاہر ہے کہ بخت نصر اسی زمانے میں تھا اور مثل ہلاکو خاں اور تیمور لنگ اور نادر شاہ کے جہانگیری کرتا تھا اور ان ملکوں کے حدود قریبہ لے چکا تھا۔ ایسی پیشین گوئی ہر کوئی کہہ کر سچا ہو سکتا ہے۔

۲۵ ازاں جملہ اشعیا کی کتاب کے ساتویں باب کے اٹھارہویں ورس میں لکھا ہے کہ افرائیم پینسٹھ برس کے بعد ٹوٹے گا بحدیکہ اس کی قوم نابود ہو جائے گی اور سب مورخین عیسائی از روئے بائبل کے خود لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی جو ایک سلطنت تھی بعد حضرت سلیمان کے دو سلطنت پر منقسم ہو گئی۔ ازانجملہ

ایک کا نام سلطنت اسرائیلیہ رکھا گیا اور اس کا تخت گاہ افرایم جسے سامریہ بھی کہتے ہیں ٹھہرا اور دوسرے کا تخت گاہ اورشلم ٹھہرا۔ سو افرایم جو خراب ہوا تو اشعیاہ نبی کے بعد پینسٹھ برس کی میعاد پر خراب اور برباد نہیں ہوا۔ چنانچہ سیر المتقدمین عیسائیہ سے ظاہر ہے۔

ازاں جملہ دانیال کی کتاب کے آٹھویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء درس ۱۳۔ پس شنیدم کہ مقدسے تکلم نمود و مقدسے ازاں مقدس پرسید کہ این رویا در باب قربانی دائمی و گنہگاری مہلک بہ پائمال کردن مقدس و فوج تا کے باشد۔ ۱۴۔ مرا گفت تا دو ہزار و سہ صد روز بعدہ مقدس پاک خواہد شد۔

ازاں جملہ اسی کتاب کے نویں باب میں یوں ہے۔ ورس ۲۳۔ در شروع دعائے تو حکم صادر شد و من آمدم تا بر تو ظاہر کنم ازاں رو کہ بسیار محبوبی لہذا ازیں امر آگاہ شود۔ ۲۴۔ ہفتاد ہفتہ بر قوم تو و بر شہر مقدس تو مقرر شد برائے اتمام خطا و برائے انقضائے گناہاں و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے اختتام رؤیائے نبوت و برائے مسح قدس المقدس۔

ازاں جملہ اسی کتاب کے بارہویں باب میں یوں ہے۔ ورس ۱۱۔ و از ہنگامیکہ قربانی دائمی موقوف شود و کریہ قرین ویرانی برپا شود یک ہزار و دو صد و نود روز خواہد بود۔ ۱۲۔ خوشا حال آں کسیکہ انتظار کشد و تا یک ہزار و سہ صد و سی و پنج روز برسد۔" بالاتفاق سب عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب خبریں حضرت عیسٰی کے ظہور کی ہیں۔ حالانکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی ان میعادوں میں سے میعاد کے گزرنے پر نہیں ظاہر ہوئے بلکہ سینکڑوں برس کے بعد ہوئے اور لطف یہ ہے کہ یہاں ختم نبوت کا مضمون بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ ہر گاہ وہ میعادیں غلط ہوئیں تو ختم نبوت بھی غلط ہوئی۔ اور بڑی دلیل الزامی اس کی غلطی کی یہ ہے کہ عیسائی لوگ بالاتفاق حواریوں کو بھی نبی اور معصوم عن الخطاء، ومفترض التسلیم مثل حضرت موسٰے اور ہارون کے جانتے ہیں۔ اور دوسری بڑی دلیل اس خبر کی غلطی کی یہ ہے کہ رویائے صادقہ کا بھی ختم اس میں لکھا ہے حالانکہ وہ اب تک ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ بریں مسیح کے اطلاق سے عیسٰی مریم مراد ہوں یہ بھی کچھ ضروری نہیں۔ اس لیے کہ بائبل میں ہر نبی بادشاہ کو مسیح لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو بلکہ صرف بادشاہ عادل کو بھی مسیح کہتے ہیں۔ چنانچہ اشعیاء کی کتاب کے پینتالیسویں ۴۵ باب کے شروع میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء

"یہواہ اپنے مسیح کورش کے حق میں کہتا ہے۔ بنسخہ ۱۸۱۱ء اسی کے موافق ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "خداوند بخسرو و مسیح خود چنیں سے فرماید" "دیکھو اس بادشاہ فارس کو جس نے بخت نصر کے ظلموں کی تلافی کی اور اورشلیم اور ہیکل سلیمانی کو پھر آباد کرایا مسیح کہا" اور ان دونوں نسخوں میں نام کا بھی اختلاف ہے وہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ کہانیوں کے سلسلہ میں کیومرث سے نوشیرواں تک کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کا نام خسرو ہو، مگر وہ جو بخت نصر کے زمانے سے سیکڑوں برس پیشتر تھا اور جس نے بخت نصر کے ظلموں کی تلافی کی۔ پارسیوں کی تاریخ میں اس کا نام بہمن یا داراب لکھا۔ الغرض یہ خبر دانیال نبی کی اگر تسلیم کی جائے تو اس نبی پر صادق آتی ہے جو اپنے تئیں باعلان تمام خاتم النبیین کہتا ہو نہ وہ کہ جس نے ایسا دعوے نہیں کیا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے دسویں باب کا ورس ۱۶ تا ۱۸ نسخہ ۱۸۳۶ء "دیکھو میں تمہیں بھیڑوں کی مانند بھیڑیوں کے بیچ میں بھیجتا ہوں۔ الیٰ قولہ۔ وہ تم کو کچہریوں میں پکڑوائیں گے اور تم کو اپنی مجلسوں میں کوڑے ماریں گے اور تم میرے واسطے حاکموں اور بادشاہوں کے آگے حاضر کئے جاؤ گے" عیسائی لوگ اس کو منجملہ پیشین گوئیوں کے جانتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے نیا دین نکالا تھا اور اس دین کے وعظ کرنے کو اس اطراف میں شاگردوں کو بھیجتے تھے۔ پس مخالفین کا نہیں ویسے ہی ایذا دینا جیسے حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہر ایک شخص کے پیش نظر تھا اور ہر تجربہ کار ایسی بات کہہ کر سچا ہو سکتا ہے۔

ازاں جملہ اسی باب کا اکیسواں ورس "بھائی بھائی کو اور باپ بیٹے کو قتل کے لیے پکڑوائے گا اور فرزند اپنے ماں باپ کے دشمن ہوں گے انہیں ہلاک کروائیں گے اور میرے نام کے واسطے سب تم سے دشمنی کریں گے" دین جدید کی عداوت سے خصوصاً متعصبین میں ان فسادوں کا ہونا منجملہ ضروریات عادیہ ہے کچھ اس میں کرامت کی بات نہیں۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے بارہویں باب کا چالیسواں ورس "جس طرح یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں تھا اسی طرح ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا" نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء ثلثة ایام وثلث لیال اور ۱۸۱۱ء میں ثلثة ایامٍ وثلث لیالٍ لکھا ہے یعنی تین دن اور تین رات، برابر حضرت عیسیٰ قبر میں رہیں گے" میں کہتا ہوں کہ اس فقرے کو مؤلف انجیل نے حضرت عیسیٰ کے کلام

میں درج کیا ہے۔ سو بفضل اللہ غلط ہو گیا۔ اس لیے کہ خود ہی اناجیل سے ظاہر ہے اور کسی عیسائی کو انکار نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کو آخر روز جمعہ کو صلیب، دے کر دفن کیا اور یک شنبہ کو طلوع آفتاب سے پیشتر ان کی لاش قبر سے غائب ہوئی۔ پس صرف، دو رات ایک دن قبر میں رہے نہ کہ تین دن اور تین رات۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے بائیسویں[1] باب، کا ورس ۱۸ اور ۱۹ دیکھو۔ دیکھو ہم یروشلم کو جاتے ہیں اور ابن آدم سرداراماموں اور کاہنوں کے ہاتھ سے پکڑوایا جائے گا اور وہ اس کو قتل کرنے کا حکم دیں گے۔ اور اسے ٹھٹھوں میں اُڑانے اور کوڑے مارنے اور صلیب پر کھینچنے کے لیے غیر ملکیوں کے ہاتھ میں سونپ دیں گے لیکن وہ تیسرے دن جی اٹھے گا۔، حضرت عیسیٰ سے جیسی عداوت یہودیوں کو تھی سو ظاہر ہے اور آنحضرت، کا بے کس اور تنہا ہونا بھی ظاہر ہے۔ سو ایسے مواقع میں ایسی بات ہر دانشمند کہہ کر سچا ہو سکتا ہے کچھ اس میں کرامت نہیں ہے اور غیر ملکیوں یعنی رومیوں کے سپرد کرنا اس میں بھی کرامت نہیں۔ اس لیے کہ حاکم وہی لوگ تھے اور قبر سے جی اُٹھنا ان کا کسی عیسائی نے بھی نہیں دیکھا۔ چہ جائیکہ ان لوگوں نے جو معجزہ مانگتے تھے اور لاش کا قبر سے مفقود ہو جانا مستلزم جی اُٹھنے کو نہیں ہے اور حواریوں کو پھر نظر آنا بھی مستلزم اس بات کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ جی اُٹھے اس لیے کہ نفوس متفارقہ میں ایسی طاقت ہوا کرتی ہے کہ دوسرے کو بشکل انسانی نظر آویں۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے چوبیسویں باب کا دوسرا ورس "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں ایک پتھر دوسرے پتھر پہ نہ رہے گا سب گرایا جائے گا"۔ یہ خبر اورشلیم اور ہیکل سلیمانی کی نسبت ہے سو اس کی خبر اگلے انبیائے بنی اسرائیل دے گئے تھے یعنی اس کی پہلی خرابی جو بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی اور دوسری آبادی جو بادشاہِ فارس کے ہاتھ سے ہوئی اور دوسری خرابی جو طیطوس رومی کے ہاتھ سے ہوئی سب کی خبر اگلے انبیاء دے گئے تھے ایسی خبر تو ہم بھی دے سکتے ہیں۔

ازاں جملہ اسی باب کا پانچواں ورس "میرے نام سے بہتیرے آ گئے کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتیروں کو گمراہ کریں گے"۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جب اگلا نبی کسی اچھے شخص کے آنے کی خبر دیتا ہے تو بعضے مزورین دعوے کرنے لگتے ہیں کہ میں اس خبر کا مصداق ہوں۔ چنانچہ یہودی لوگ کہتے ہیں عیسیٰ مریم

---

[1] یہ پہلے کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے یہ ورس بیسویں باب کے ہیں۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

کی طرح اور بھی لوگ پہلے اُن سے گزرے کہ دعوے مسیحیت کا رکھتے تھے۔ اسی طرح بعد بھی اور بعضے بعضے لوگ ان کے دام میں بھی پھنسے جیسے عیسٰی مریم کے دام میں پھنسے اور بعد حضرت عیسٰے کے مدعی فارقلیط بھی کئی شخص ہوئے اور ہمارے حضرت کے بعد مدعی مہدویت بھی بہت سے لوگ ہوئے اور بھی تا مسیح ایکؑ اور بھی آوے گا، بالجملہ ایسے مواقع میں حوالگی کتابوں سے ماہر ہو گا وہ اس طرح کی بات کہہ کر سچا ہو سکتا ہے۔

ازاں جملہ اسی باب کے چھٹے ورس میں ہے "تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی خبر سُنو گے" یہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں اور مخاطبین سے جس طرح طبقہ اولی والے مراد ہو سکتے ہیں اور اسی طرح بعد والے بھی۔

ازاں جملہ اسی باب کا ساتواں ورس "ایک ملک کے دوسرے ملک اور ایک بادشاہت دوسری بادشاہت کی دشمنی کریں گے اور بہت جگہوں میں کال اور وبا اور زلزلے ہوں گے"۔ ایسی بات ہر کوئی کہہ کر سچا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ وقائع عادیات زمانے سے ہیں اکثر اوقات واقع ہوتے رہتے ہیں۔

ازاں جملہ اسی باب کا نواں ورس "وہ تمہیں رنج میں ڈالیں گے اور تمہیں قتل کریں گے۔ اور میرے نام کے سبب سارے ملک کے لوگ تم سے دشمنی رکھیں گے"۔ دین جدید نکالنے والوں کا مخالفین کے ہاتھ سے یہی حال ہوا کرتا ہے۔ یہ بات ضروریات عادیہ سے ہے اور قطع نظر ان سے کوئی قوم ہے کہ جس میں سے کچھ لوگ ایسی بلاؤں میں کبھی نہ کبھی مبتلا نہیں ہوتے بس ہم بھی ایسی بات کہہ کر سچے ہو سکتے ہیں۔

ازاں جملہ اسی باب کا گیارہواں ورس "بہت سے جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے"۔ حضرت موسٰے کے بعد سے تا اوائل قرون اسلامیہ متنبی لوگ برابر ہوا کئے ہیں اور بنی اسرائیل میں تو یہ بات رائج ہی تھی۔ چنانچہ ارمیا وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کے رسالوں اور بعضے رسائل انجیل میں لکھا ہے۔ بس یہ بھی گویا عادیات زمانے سے ہے۔ خصوصاً عہد عیسوی کے قریب زمانوں میں۔

ازاں جملہ اسی باب کا بارہواں ورس "اور بدکاری بہت ہونے کے سبب سے

ؑ مؤلف کی یہ پیشگوئی انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں پوری ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد نے قادیان ضلع گورداسپور میں مسیح ہونے کا دعوے کیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جاوے گی" یہ بھی ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر کوئی یہ کہہ کر سچا ہو سکتا ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے چوبیسویں اور دوسری انجیل کے تیرہویں اور تیسری انجیل کے اکیسویں باب میں یہ مضمون لکھا ہے۔ واللفظ للثانی۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس چوبیس "و آن روزہا خورشید تاریک خواہد شد و ماہ نور خود را باز خواہد گرفت و ستارہائے آسمان خواہند افتاد و قوت فلکی مضطرب خواہد شد۔ ۲۵۔ آنگاہ فرزند انسان را در ابر بقوت عظیم و جلال خواہند دید کہ می آید۔ الیٰ قولہ۔ ورس ۳۰۔ با شما میگویم کہ تا تمامی این چیزہا واقع نگردد اہل این طبقہ منقرض نخواہند شد" دیکھو یہ خبر بالکل خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ اگر مراد یہاں سے وہ واقعہ ہے جو قیصر روم کے ہاتھ سے اورشلیم اور ہیکل سلیمانی کے نسبت بعد واقعہ صلیب عیسوی کے واقع ہوا۔ چنانکہ سیر المتقدمین عیسائیہ میں لکھا ہے تو اس وقت سورج کہاں تاریک ہوا اور چاند بے نور کب ہوا اور ستارے آسمانی کہاں گرے اور حضرت عیسیٰ کہاں پھر کر آئے۔ اور اگر مراد یہاں سے قیامت ہے تو اس زمانے تک حضرت عیسیٰ کے زمانے کے لوگ نہیں باقی رہے چہ جائیکہ قیامت تک۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے چھبیسویں[۲۶] باب کا ورس ۲۱ تا ۲۳ "جب وہ کھا رہے تھے اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایک تم میں سے مجھے پکڑوائے گا" الیٰ قولہ۔ "جس نے میرے ساتھ رکابی میں ہاتھ ڈالا وہی مجھے پکڑوائے گا" ایسی بات تو آدمی کی چتونوں سے پہچان لی جاتی ہے اور اکثر دانشمندوں کا ایسا تفرس مطابق واقع کے ہو جاتا ہے۔ چنانکہ بندے نے بھی ایسی بات دیکھی۔

ازاں جملہ اسی باب کا ورس اکتیسواں "اس وقت یسوع نے انہیں کہا تم سب آج کی رات مجھ سے بیزار ہو گے" دیکھئے بیزار ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ تم سب مجھ پر تبرا کرو گے اور مرتد ہو جاؤ گے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ مجھے چھوڑ دو گے اور میرے ساتھ نہ رہ سکو گے تو حضرت عیسیٰ نے دریافت کر لیا ہو گا ہو کہ آج کی رات میری گرفتاری کی تدبیر ہے اور حواریوں کو بھی دیکھا تھا کہ یہ دل کے بہت بودے ہیں۔ سو فرمایا کہ جب میری گرفتاری کے واسطے لوگ آویں گے تم یقیناً مجھے چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ سو ایسا ہی ہم نے بہتیرے دانشمندوں کو کہتے اور سچا ہوتے دیکھا ہے۔

ازاں جملہ کلیۃً یہ بات ہے کہ اکثر پیشین گوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہیں جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ اور تصدیق میرے اس دعوے کی خود ان کی کتابوں سے اور بطور مشتے نمونہ

جابجا اس کتاب سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ پس اگر انہی باتوں کا نام پیشین گوئی ہے تو ہر ایک آدمی کی خواب اور ہر دیوانے کی بات کو ہم پیشین گوئی ٹھہرا سکتے ہیں۔ یہ سب شبہے جو میں نے انبیاؤں کی پیشین گوئی پر کیے تو میں نے اپنے دل سے نہیں کیے۔ بلکہ میں ہزار دل سے بیزار ہوں۔ اس لیے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے یا نہیں اور اگر کہا ہے تو ان کا مطلب نہیں معلوم کیا ہو گا۔ بلکہ یہ شبہے[1] صرف پادریوں کی تقریروں پر مبنی ہیں یعنی جس بنیاد پر وہ ناحق شبہات بیان کر کر کے لوگوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ شبہے انبیائے بنی اسرائیل پر عائد ہوتے ہیں۔

چودہواں استفسار

ہمارے اصول میں داخل ہے کہ جس طرح ایک سچا مسیح ہو گیا ہے اور آخر زمانے میں وہ پھر آوے گا۔[2] اسی طرح ایک جھوٹا مسیح بھی اسی زمانہ میں آوے گا اور اس کی بھی خبر پیغمبروں نے دی ہے اور وہ ایسا ہو گا کہ اس کا لقب بھی مسیح ہو گا۔ مگر چونکہ جھوٹا ہو گا اس واسطے اسے دجال کہتے ہیں اور وہ دعوے الوہیت کا کرے گا کہ میں خدا ہوں اور اس سے بڑے بڑے خوارق عادات ظاہر ہوں گے اور چونکہ وہ غیب کی بات بتاوے گا۔ اس پر نبی کا لفظ بھی لغوی معنوں کے راہ سے صادق آوے گا اس واسطے کہ نبی کے معنی ہیں غیب کی خبر دینے والا مگر رسول اللہ کا اطلاق اس پر صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خدا کا رسول نہیں ہو گا اور اس لیے یہ بھی ہمارے اصول کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پیغمبری کا جھوٹا دعوے کرنے والا معجزے نہیں دکھلا سکتا ورنہ قلب موضوع لازم آوے یعنی ما بہ الامتیاز کہ جس سے

---

[1] مؤلف ان شبہات کو وقائع حقیقیہ میں سے نہیں سمجھتا اور بیزار دل سے ان سے لاتعلقی ظاہر کرتا ہے سو جو کہا گیا وہ محض الزاماً ہے جو پادریوں کے اپنے بیانات سے لازم آتا ہے بخلاف مرزا غلام احمد کے۔ اس نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شرابی کہا ہے۔ یہ اس کے دل کی آواز تھی اور اس کی تصدیق مرزا غلام احمد نے یوں بھی کی کہ خود شراب پی تا مثیل مسیح ہو۔ (دیکھیے نسیم دعوت تصنیف مرزا غلام احمد)

[2] اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی ہمیشہ سے اسلام کے اصولی عقائد میں شامل رہی ہے۔ امام مسلمؒ نے اسے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

حق و باطل میں امتیاز ہوتا ہے وہی مابہ الالتباس ہو جائے کہ حق و باطل میں امتیاز نہ رہے اور اس فعل کا صادر ہونا حضرت حکیم علی الاطلاق سے منجملہ محالات عقلیہ ہے اور عقل کی رو سے جس پر مدار تکلیف کا ہے حق و باطل شرعی میں تمیز کبھی نہ حاصل ہوا اور ساری تکالیف شرعیہ سب ملتوں کی برہم ہو جائیں۔ پس جو شخص اظہار پیغمبری کرے اور کوئی بات ایسی جس سے اس کا وہ دعوے خود باطل ہوتا ہو نہ کہے یعنی مثلاً ممکن کو واجب اور ممتنع کو جائز کہے۔ مثلاً جیسا مسیلمہ کذاب نے کیا ویسا کچھ کرے۔ کیا اس نے حضرت خاتم النبیین کے وقت میں اپنے پیغمبری کے دعوے کے ساتھ حضرت کی پیغمبری کا باوجودیکہ آنحضرت اس کی پیغمبری سے انکار کرتے تھے اقرار کیا۔ سو جو کوئی ایسا کچھ نہ کرے اور دعوے نبوت کے ساتھ مصدر ہو خوارق عادات بینہ کا اس طرح پر کہ اس کے خرق عادت کا کوئی معارضہ کر کے برابر نہ رہ سکے۔ وہ بے شک خدا کا پیغمبر ہوگا اور خدائی کے دعوے کرنے والے سے اگر بڑے بڑے خوارق عادات بینہ صادر ہوں تو ہو سکتے ہیں اس سے قلب موضوع فعل الٰہی کی نسبت نہیں لازم آتا اور خدا کی شریعت میں عقلاً کچھ خلل نہیں واقع ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ خدا کی شریعت کی تکلیف کا مدار عقل پر ہے اور عقل کی رو سے شخص محدود کا مبدأ کل کائنات ہونا ایسا محال ہے جیسا زاویہ قائمہ کا نوے درجے سے کم یا زیادہ ہونا جس کی تقریر ہم پہلے استفسار میں کر آئے۔

ہرگاہ یہ بات ہمارے طور پر ٹھہر چکی۔ تو پہلی انجیل کے چوبیسویں باب میں جھوٹے مسیح کی خبر جو اس طرح لکھی ہے۔ نسخہ ۱۸۳۶ء درس ۲۳۔ اگر کوئی اس وقت تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں یا وہاں ہے یقین مت لائیو۔ ۲۴۔ کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور بڑے معجزے اور کرامتیں دکھلائیں گے۔ ۲۵۔ دیکھو میں آگے سے کہہ چکا ہوں۔ ۲۶۔ اس لیے کہ اگر لوگ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ میدان میں ہے تو باہر مت جائیو یا کہ دیکھو وہ خلوت میں ہے تو یقین مت لاؤ"۔ اس خبر کی نسبت ہم پوچھتے ہیں کہ آئندہ آنے والے مسیح کے جھوٹے جاننے کی کیا وجہ؟ اگر وہی وجہ ہے جو ہم نے لکھی یعنی خدا کا دعویٰ کرنا تو چاہیئے کہ آپ لوگ ہمارے اصول کو تسلیم کریں اور تثلیث کے عقیدے سے ہاتھ اٹھاویں اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو بیان کیجئے۔ اس لیے کہ ہرگاہ شخص گذشتہ اور آئندہ دونوں مسیح ٹھہرے اور دونوں سے بڑے بڑے خوارق عادات ظاہر ہوئے اور تقدم و تاخر زمانی مابہ الفصل بین الحق والباطل عقلاً نہیں ہو سکتا۔ جائز ہے پہلا ہی مسیح جھوٹا ہو اور جو دوسرا آوے گا وہی سچا ہو۔ جیسا یہودی لوگ

کہتے ہیں اور جھوٹے نبیوں کا ہونا حضرت موسےٰ کے زمانے سے حضرت عیسےٰ کے زمانے تک بالاتفاق ثابت ہے۔

طرفہ یہ ہے کہ بعضے عیسائی انجیل کے ایسے درسوں سے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں کہ اس جملے میں یعنی کہ میرے بعد جھوٹے دعوے کرنے والے ہوں گے اور اس جملے میں یعنی کہ میرے بعد کوئی سچا نبی نہ ہوگا۔ زمین اور آسمان کا فرق ہے اور جھوٹے نبی جس طرح حضرت عیسیٰ سے بہت پیشتر اور کچھ آگے ہوئے اسی طرح ان کے بعد اور قبل حضرت خاتم النبیین کے بھی ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ سے بہت پیشتر ہونا تو ارمیا کی کتاب سے ظاہر ہے اور کچھ آگے ہونا اعمال کے رسالے کے پانچویں باب کے درس ۳۶ سے لے کر درس ۳۸ تک سے ظاہر ہے اور اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جھوٹے نبی چلتے پھولتے نہیں جیسے مسیلمہ کذاب کا حال گزرا اور بعد حضرت عیسیٰ اور قبل حضرت خاتم النبیین کے متنبیوں کا ہونا رسالہ اعمال کے تیرہویں باب سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے نسخہ ۱۸۲۵ء درس ۱۲۔ اور اس جزیرے میں تمام سیر کرکے پافی تک پہنچ کر انہوں نے ایک یہودی جادوگر جھوٹے نبی کو پایا جس کا نام بریسوع تھا۔" اور حضرت خاتم النبیین کے بعد بھی نبوت کے جھوٹے دعوے کرنے والے کئی ایک ہوئے ہیں۔ اور وہ دوسرا جملہ یعنی "میرے بعد کوئی سچا نبی نہیں ہوگا" نہ کسی انجیل میں ہے اور نہ اعمال حواریوں کے رسالے میں اور نہ کسی حواری کے خطوں میں بلکہ یہ عیسائیوں کے اصول کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ حواریوں کو بھی نبی جانتے ہیں۔

اور استثناء کے تیرہویں باب میں ہے نسخہ ۱۸۴۵ء ۱۔ اگر تم میں کوئی نبوت یا خواب کا دعوٰے کرنے والا ظاہر ہو اور تمہیں کوئی نشان یا معجزہ دکھلاوے۔ ۲۔ اور وہ نشان اور معجزہ سچا نکلے اور تمہیں کہے آؤ ہم اور معبودوں کی۔ الیٰ قولہ۔ بندگی کریں۔ ۳۔ تو ہرگز اس نبوت اور خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو۔ الیٰ قولہ۔ ۵۔ وہ نبی اور خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا۔" پس در صورتیکہ حضرت عیسیٰ اپنے تئیں معبود قرار دیتے تھے تو یہودیوں نے جو ان کے قتل کا فتوٰے دیا تو بے جا کیا؟ اور اگر یہ کہیے کہ ہم عیسیٰ کو وہی خدا جانتے ہیں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا اور جو بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لایا تو ہنود لوگ بھی کنہیا اور رام چندر کو بہیں معنی خدا جانتے ہیں کہ جو کچھ جہاں میں ہوا اور ہوتا جاتا ہے سب انہیں کے حکم سے ہے اور ان کے سوا جو کوئی جس کسی کو خدا جانتا ہے انہیں معنوں پر جانتا ہے۔

اور بتائیے کہ آپ کے یہاں ہر ایک چیز پر احتمال خدا ہونے کا کفر و شرک ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ویسا لکھیئے اور اگر ہے تو درصورت تسلیم الوہیت عیسویہ کیا وجہ کہ ہر چیز پر خدا ہونے کا احتمال نہ ہو سکے اور اظہار علم و حیات اور ادعائے الوہیت یہ سب اس کے اختیاری امور ہیں۔ اس نے چاہا ظاہر کیا چاہا نہ کیا۔ فقط

پندرہواں استفسار

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بابرکات کی نسبت، پادری لوگ عجیب و غریب تقریریں کیا کرتے ہیں اور کئی طرح سے مغالطے دیا کرتے ہیں۔ سو ان کے مغالطوں کا مغالطہ پن بفضل اللہ یہاں ظاہر ہوا جاتا ہے۔ پس ان کو چاہیئے کہ اس استفسار کا جواب معقول لکھیں یا بمقتضائے غیرت پھر کبھی معجزات مصطفویہ کے نسبت کچھ گفتگو نہ کیا کریں اور اگر عقل و دانش دستگیری کرے تو ان پر ایمان لادیں۔

پہلا مغالطہ جیسے مثل مشہور ہے ،، دروغ گویم بر روئے تو،، پادری لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ معجزے کا صادر ہونا آنحضرت سے ثابت نہیں؟

جواب: اگر انصاف کیا جائے اور مدار کار عقل و دانش پر رکھا جائے اور تعصب موروثی اور الف و عادت سے کنارہ کیا جائے تو آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہو جائے یہ بات کہ صرف آنحضرت ہی کے معجزات ثابت ہیں اور کسی کا کوئی معجزہ اس طرح ثابت نہیں کہ بدون تصدیق نبوت مصطفوی کے کوئی سبیل عقلی اس کی تصدیق کی ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جتنے انبیاء گزر گئے ان کے حالات تقریری ہوں یا تحریری یعنی کسی نے زبانی کہے ہوں یا لکھے ہوں منجملہ سمعیات کے ہیں۔ اس صورت میں پوچھا جاتا ہے کہ سمعیات کے ثبوت عقلی کے لیے وہی ضابطہ عقلیہ درکار ہے جو استفسار دوازدہم میں بیان کیا گیا یا کوئی اور ضابطہ عقلیہ ہے ایسا کہ سمعیات کا ثبوت عقلی اس پر منحصر ہو اور اگر کوئی اور ضابطہ ویسا ہے تو بتائیے۔ یا دیکھا جائے کہ آیا اس ضابطے پر سمعیات کا ثبوت عقلی منحصر ہے یا نہیں اور اگر منحصر ہے تو دیکھا جائے کہ آنحضرت کے معجزات اس ضابطے کے موافق ثابت ہیں یا نہیں۔ اور اگر

کوئی اور ضابطہ نہیں ہے بلکہ وہی ضابطہ درکار ہے جو استفسار دوازدہم میں بیان کیا گیا۔ تو بندہ یہ کہتا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل سے کسی نبی کے کسی معجزے کے لیے خواہ قولی یعنی پیشین گوئی ہو یا فعلی یعنی غیر پیشین گوئی ہو ایک بھی سند متصل مرفوع صحیح کسی کے پاس نہیں ہے یعنی کوئی ذی علم نہیں جانتا کہ فلانے نبی کی طرف جو اعجاز کی فلانی بات منسوب ہے اس کو فلانے شخص ہمعصر نے اس نبی سے بذات خود اس کا ادراک کیا اور اس ادراک کرنے والے نے فلانے شخص سے کہا اور اس نے فلانے سے۔ یہاں تک کہ وہ بات قلمبند ہو کر پھیل پڑی۔ یا بلا واسطہ ادراک کرنے والے نے لکھا اور اس سے اس کے لکھنے کو فلانے شخص نے پایا اور اس سے فلانے نے یہاں تک کہ وہ لکھا ہوا پھیل پڑا۔ یا جس ادراک کرنے والے سے بلا واسطہ یا بواسطہ سنا اس نے لکھا۔ اس طرح پر کہ میں نے فلانے سے سنا اور اس فلانے شخص نے بلا واسطہ ادراک کرنے والے سے سنا اور اس لکھنے والے سے اس کے لکھے کو فلانے نے پایا اور اس سے فلانے شخص نے۔ یہاں تک کہ وہ تالیف پھیل پڑی۔ اور منجملہ جتنے آدمیوں کا اس سلسلے میں ذکر ہو ان سب کا مولد اور منشاء اور زمان ولادت، اور وفات، اور وثاقت یعنی کہ حسن روش اور نیک وضعی اور راست، گوئی اور غیوری اور تمکین و وقار اور علم و دانش اور ذہن اور حافظہ بھی اسی طرح معلوم ہو اور بیچ میں کہیں سے سلسلہ منقطع نہ ہو اسی کو سند مرفوع متصل صحیح کہتے ہیں۔ اس طرح کی سند سے کسی نبی کا کوئی معجزہ نہیں ثابت ہے اور اگر بالفرض محال دو ایک سندیں کسی کے اعجاز کی کسی کے پاس ایسی ہوں بھی تو بھی بجز گمان غالب مفید یقین نہیں ہو سکتیں۔ ہاں اگر اسناد متعددہ کثیرہ ہوں یعنی ہر طبقے میں ایک جماعت ثقات کی ہو تو البتہ کہیں گے کہ اس ضابطہ عقلیہ کے موافق فلانی بات ثابت ہے چاہے کوئی مانے اور چاہے نہ مانے۔

اور حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات، اسی طرح یعنی باسنادِ صحیحہ متصلہ تخمیناً دو ہزار ثابت ہیں اور وہ دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ محضر اُن کا اسی زمانے میں مشاہدین ماجرے کے ہاتھ سے لکھا گیا اور اس کے لکھے جانے پر برابر سینکڑوں گواہیاں گزرتی چلی آئیں جیسے معجزات منصوصہ قرآنیہ۔ دوسرے وہ کہ اگرچہ محضر ان کا تفصیل وار اس زمانے میں نہیں لکھا گیا۔ مگر ان کی تصدیق اجمالی اس محضر میں مندرج ہوئی اور تفصیل ان کی مدرکین اور مشاہدین اول نے زبانی لوگوں سے

بیان کی اور ان کے بیان پر برابر گواہیاں گزرتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ وہ سب گواہیاں قلمبند ہوئیں۔ اور اس قلمبند ہونے پر اور اس قلمبند کرنے والے پر اور اس کی اسناد کے سب راویوں کی وثاقت، پر بھی برابر بیسیوں گواہیاں گزرتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ سب تحریریں پھیل پڑیں اور ان سب گواہوں میں بیسیوں لوگ ایسے ہیں جن کے حالات حسنہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے حالات حسنہ سے زیادہ تر ثابت ہیں۔ پس اس طمطراق اور عظم شان سے کسی نبی کی کوئی بات تفصیلی ثابت نہیں ہے۔

دوسرا مغالطہ انجیلوں میں جس کثرت سے حضرت عیسیٰ کے معجزات فعلی کا ذکر ہے اس طرح معجزات مصطفویہ کا ذکر نہیں تو ثبوتاً معجزات عیسویہ کو ترجیح ہوئی۔

جواب: یہ محض سفسطہ ہے اس لیے کہ اخبار کے ثبوت کی ترجیح تعدد اسناد اور ان سب کی وثاقت پر ہے سو انجیل کی ایک سند بھی نہیں ہے اور صرف لکھا ہونا کچھ کام نہیں آتا۔ ورنہ حاتم کی ہفت سیر اس کی اور اس کے ہمعصروں کی لکھی ہوئی ٹھہری اور جو نوشتہ احد الطرفین عدالت میں واسطے الزام طرف ثانی کے گزرانے بلا وجہ ثبوت صرف اس نوشتے کا لکھا ہونا کفایت کر جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

علاوہ بریں اگر انجیلوں کی سندیں بھی مثل اسناد قرآن شریف بفرض محال موجود ہوں تو وہ بھی سخن پادریوں کا صرف مغالطہ اور سفسطہ ہے۔ اس لیے کہ بالاتفاق ثابت اور مسلم الثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ از راہ جسمیت خدا نہ تھے اور یہ بھی بالاتفاق مسلم الثبوت ہے کہ جسمیت کی راہ سے وہ نبی تھے اور ان کا جو کلام تھا سو ویسے ہی تھا جیسا انبیاؤں کا کلام ہوتا ہے نہ کہ جس طرح خود خدا اپنے منہ سے کہے۔ ورنہ چاہیئے تھا کہ جتنے سامعین تھے سب مثل موسیٰ کے نبی ٹھہرتے۔ اس لیے کہ مشافہۃً خدا نے ان سے شریعت کی باتیں کیں اور جو بیسویں جگہ اپنے تئیں ابن آدم کہا ہے۔ سو سب لغو ہو جائے اور یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ انبیاؤں کا ہر طرح کا کلام وحی الٰہی نہیں ہوتا۔ مثلاً جیسے کھانا مانگنا یا سواری طلب کرنا یا مشورہ کرنا یا مثلاً جیسے حضرت عیسیٰ نے دنیا کی تنگی سے شکایت کی کہ لومڑیوں کے لیے گھر ہیں اور میرے لیے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ اور بقول تمہارے صلیب پر چڑھائے جاتے کے وقت، باوجودیکہ کمال خوشنودیٔ حق کے لیے صلیب پر چڑھنا قبول کیا تھا۔ عوام الناس کی طرح بکمال اضطراب، خلاف، واقع کلمہ مکرر زبان پر لائے یعنی کہا، الٰہی الٰہی لم ترکتنی۔ یعنی اے معبود میرے

اے معبود میرے مجھے تُو نے کیوں متروک کیا۔ پس حضرت عیسیٰ کا کلام کلیۃً وحی الٰہی نہیں ہو سکتا۔ غایت الامر منجملہ کلام عیسوی جو بطور وعظ اور احکام اور پیشین گوئی کے ہے۔ صرف وہی وحی الٰہی ہوگا۔ سو اس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ کے کسی معجزہ فعلی کا ذکر نہیں۔

ہاں مگر حضرت عیسیٰ کے اس کلام میں جو بالاتفاق وحی الٰہی سے خارج ہے۔ اس میں البتہ بطور یاد دہی کے بعضے معجزات کا ذکر ہے۔ مثلاً پہلی انجیل کے سولہویں باب کے درس نہم اور دہم میں ہے۔ ان پانچ ہزار کی پانچ روٹیاں یاد نہیں کرتے کہ تم نے کتنی ٹوکریاں اٹھائیں اور نہ چار ہزار کی سات روٹیاں اور تم نے کتنی ٹوکریاں اٹھائیں "۔ اور ایک بار حضرت یحییٰ کے شاگردوں سے حضرت عیسیٰ نے بطور خبر کے کہا تھا کہ بیمار اچھے ہوتے اور اندھے آنکھیں پاتے ہیں۔ تو دیکھئے یہاں کسی مقام پر حضرت عیسیٰ نے اپنی نسبت کسی فعل کی تصریح نہیں کی۔ بلکہ احتمال ہے کہ روٹیوں کا ماجرا جو کسی جہت سے واقع ہوا تھا اس کے واسطے اظہارِ چارہ سازی حضرت بے نیاز کے کہا۔ نہ یہ کہ اپنا فعل بیان کیا اور آنکھیں کھولنے اور اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس مذہب کو میں حق جانتا ہوں اُسے بعضے لوگوں نے اختیار کیا ہے یعنی بیماری کفر اور نابینائے ضلالت سے پاک ہو جاتے ہیں۔ الغرض حضرت عیسیٰ کے اس کلام میں جو تمہارے نزدیک از قبیل وحی الٰہی ان کی نسبت تھا کسی ان کے معجزہ فعلی کا ذکر نہیں ہے۔ پس اس صورت میں یہ کہنا پادریوں کا کہ قرآن میں جسے ہم بالکل بالفاظ کلام اللہ جانتے ہیں کثرت ذکر معجزات مصطفویہ کا نہیں ہے۔ جتنا کہ انجیلوں میں معجزات فعلی عیسوی کا ذکر ہے صرف مغالطہ ہے۔

اور انصاف کیجئے کہ ہرگاہ وحی الٰہی عیسوی میں ذرا بھی کسی معجزہ فعلی عیسوی کا ذکر نہیں ہے۔ اور قرآن شریف میں تفصیلاً کئی معجزات مصطفویہ کا اور اجمالاً سب کا ذکر ہے تو ترجیح کس کو ہوئی اور ثبوت کا پلہ کس جانب کا بھاری ہوا۔ اور رہا یہ کہ مؤلفین اناجیل نے معجزات کثیرہ کا ذکر کیا۔ سو ہمارے یہاں ائمہ حدیث نے جتنے معجزات مصطفوی بیان کئے ہیں اتنے کسی نبی سے بروایات توریت اور انجیل نہیں ثابت ہیں۔ مگر فرق اتنا ہی ہے کہ مؤلفین اناجیل نے انجیل میں خلط کر کے ان روایتوں کو لکھا ہے۔ سو بُرا کیا اور ہمارے یہاں کے علماء نے قرآن میں خلط کر کے انہیں نہیں لکھا ہے۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ مؤلفین اناجیل کے لکھنے کی سند کسی کے پاس نہیں ہے بخلاف روایات مستخرجہ ائمہ حدیث مصطفوی کے کہ باسناد متعددہ مرفوعہ متصلہ صحیحہ ثابت ہیں۔

اور تیسرا فرق یہ ہے کہ مؤلفین اناجیل نے اجمالاً شاعرانہ مبالغہ بہت کیا ہے۔ یعنی لکھا ہے کہ عیسیٰ کے معجزات اگر لکھے جائیں تو کتابیں سارے جہاں میں نہ سما سکیں اور تفصیلاً چند معجزات لکھے اور ہمارے یہاں نہ تو مرتبہ اجمال میں شاعرانہ ویسا مبالغہ ہے اور نہ مرتبہ تفصیل میں اتنی تقلیل معجزات کی ہے۔

اور چوتھا فرق یہ ہے کہ آپ کی اناجیل کی بہ نسبت سبب فقدان اسناد اور اختلاف نسخوں وغیرہ مراتب مندرجہ استفسارات سابقہ اور لاحقہ کے گمان غالب، بلکہ یقین قطعی ہے کہ مؤلفین اناجیل نے جو کچھ لکھا تھا سو وہ صحیح سالم باقی ہی نہیں رہا بخلاف ہمارے یہاں کے کتب احادیث کے کہ ان کا ایسا حال نہیں ہے اور ان کے مؤلفین نے جو لکھا ہے ان کے اس لکھنے میں کچھ اشتباہ نہیں۔ اور جس کو ذرا بھی عقل ہو گی وہ یہ بات خوب سمجھتا ہو گا کہ شخص معصوم سے اگر ثقات روایت کریں اور اس میں کسی کا دخل و تصرف معلوم نہ ہو تو وہ باب لیاقت استدلال اور وہ روایت عقلاً ترجیح رکھتی ہے معصوم کے خود اس کے لکھے ہوئے سے جس میں دخل و تصرف اوروں کا ہو۔

چوتھا مغالطہ۔ انجیلیں تالیف کی ہوئی ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے معجزات عیسویہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بخلاف کتب احادیث مصطفویہ کے کہ پیچھے لکھے گئے۔

جواب: انجیلوں کی نسبت یہ جو تم نے دعوٰے کیا سو محض جھوٹ ہے اور اس کا بیان استفسار یازدہم میں گزرا۔ اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو بھی ہر دانشمند جانتا ہے کہ مثلاً زید کے حالات کو چند اہل مشاہدہ نے قلمبند کر کے ظاہر کیا ہو اور خالد کے حالات کو چند اہل مشاہدہ نے زبانی نقل کیا ہو تو عقلاً صرف وثاقت اور عدم وثاقت اور قلت اور کثرت کاتبین اور ناقلین مذکور اور یہی وثاقت اور عدم وثاقت اور قلت اور کثرت ان لوگوں کی جو ہمارے اور ان کے درمیان میں واسطہ روایت دیکھی جائے گی۔ اور مدار ترجیح صحت اور ثبوت روایات کا اسی پر ہو گا نہ یہ کہ لکھنے کو ترجیح ہو۔ زبانی کہنے پر یہ ترجیح درباب عقود معاملات ہوا کرتی ہے نہ کہ درباب نقل اخبار ماضیہ کہ اس میں جھوٹ اور سچ کا احتمال جیسا زبانی کہتے ہیں ویسا ہی لکھنے میں بھی ہے۔

پانچواں مغالطہ۔ مؤلفین اناجیل ممتلیٔ بروح القدس اور صاحب کرامات اور خوابیں دیکھنے والے تھے اور مؤلفین کتب احادیث مصطفویہ ایسے نہ تھے۔

جواب: یہ وجہ ترجیح تب قابل تسلیم ہوتی جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہوتا کہ اناجیل تالیف

کی ہو ئیں ان لوگوں کی مقتبس ہیں پر روح القدس اُترا اور جن کی کرامتیں رسالہ اعمال میں لکھی ہیں حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ علاوہ بریں روح القدس سے مستفیض ہونا مستلزم اس عصمت کو نہیں جو ہمارے اصول کے موافق انبیاؤں کے لیے واجب ہے تا حواریوں کی روایت کو ترجیح ہو اوروں کی روایت پر اور اصحاب عیسوی کا صاحب کرامات ہونا از روئے تفسیص انجیل کے کچھ بھی موجب ان کی بزرگی کا نہیں ہے۔ چنانچہ ان سب مراتب کا مذکور استفسار باذدہم میں گزرا اور قطع نظر اس سے آپ تو صرف مولفین اناجیل کو صاحب کرامات جانتے ہیں۔ مگر ان کرامتوں کا ثبوت، سنداً نہیں ہے بخلاف راویان کتب احادیث مصطفویہ اور ان کے تسلیم کرنے والوں کے کہ ان میں اتنے صاحب کرامات گزرے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے اور اب بھی ہوتے جاتے ہیں جس کا جی چاہے ان میں در آوے اور دریافت کرے۔ بیت

آفتاب آمد دلیل آفتاب ۔۔۔ گر دلیلی بایدت زورو متاب

چھٹا مغالطہ۔ اناجیل کی روایتیں چونکہ پہلے طبقے والوں نے لکھی ہیں ان میں بھول چوک کا احتمال نہیں ہے اور کتب معجزات مصطفویہ بہت دنوں کے بعد تالیف ہوئی ہیں اس میں بھول چوک کا احتمال قوی ہے پس اس جہت سے معجزات عیسویہ کے ثبوت کو ترجیح ہے۔

جواب: پھر وہی جھوٹا دعوے بار بار پیش کرتے ہو۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ انجیلیں اس حیثیت سے کہ اب ہیں یعنی کلام عیسوی کے ساتھ روایات معجزات عیسوی مخلوط میں پہلے طبقے والوں کی تالیف ہیں۔ علاوہ بریں اگر پہلے طبقہ والوں کا تالیف کرنا موافق تمہارے دعوے کے تسلیم بھی کیا جائے تو در باب وقوع اور عدم وقوع سہو و نسیان کے اس وقت ترجیح ہوتی جب کہ یہ ثابت ہوتا کہ بمجرد دیکھنے کے انہوں نے قلمبند کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تم کہتے ہو کہ سالہائے دراز کے بعد انجیلیں تالیف ہوئی ہیں۔ چنانچہ استفسار دوازدہم میں گزرا۔ پس سالہائے دراز کے بعد جیسا اخبار ماضیہ کے زبانی بیان کرنے میں احتمال بھول چوک کا ہے ویسے ہی قلمبند کرنے میں بھی ہے۔ اور اگر یہ کہیے کہ اچھا ہم نے تسلیم کیا کہ بھول چوک کا احتمال دونوں صورت میں برابر ہے۔ مگر بعد قلمبند کر چکنے کے تو احتمال بھول چوک کا نہیں ہے بخلاف اس کے کہ کئی درجے تک زبانی نقل در نقل ہوتی رہے کہ اس میں احتمال بھول چوک کا زیادہ ہے۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ وجہ ترجیح کی اس وقت مسلم

ہوتی. جب کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں سے انجیلیں آپ لوگوں کو پہنچیں برابر صاحب وثاقت چلے آئے ہوں، جس طرح رواۃ ائمہ حدیث برابر صاحب وثاقت بلکہ بہتیرے صاحبِ کرامت ہوتے رہے اور ہرگاہ کہ ایسا نہیں ہے. بلکہ بقول تمہارے سینکڑوں برس تک نسخے انجیلوں کے صرف انہیں لوگوں کے دخل و تصرف میں رہے جن سے زیادہ خائن اور بے دیانت کوئی نہیں ہو سکتا۔ یعنی پوپ لوگ اور ان کی بے دیانتیاں اور خیانتیں تفصیل وار جیسی آپ کے نزدیک متحقق ہیں ہمیں اتنی معلوم بھی نہیں. مگر تھوڑی سی ڈاکٹر ٹیلر صاحب کی تاریخ سے ہمیں بھی معلوم ہوئی ہیں. اسی صورت میں اگر بفرضِ محال کہا جائے کہ انجیلیں پہلے طبقہ والوں کی تالیف ہیں تب بھی روایات ائمہ حدیث مصطفویہ پر در بابِ ثبوت، کسی طرح کی ترجیح نہیں ہو سکتی۔ معہٰذا بھول چوک کا احتمال نقل عبارات مبسوطہ میں اور امور کثیر الوقوع میں ہوتا ہے نہ کہ وقائع غریبہ کے بارے میں. اس لیے کہ ہم اپنے زمانے میں کہ کمال ضعف حافظے کا زمانہ ہے دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو اگرچہ ایک دن پیشتر کی باتیں اس طرح یاد نہیں رہتی ہیں. گو وقائع غریبہ بیسیوں برس کے بعد بھی یاد رہتے ہیں. گو کہ خصوصیات زمانی یا مکانی میں کچھ تفاوت ہو۔

چنانکہ الہ آباد کے رہنے والوں سے اگر کل کا کھانا پوچھیے تو نہ یاد ہو گا. مگر گنگا کا باندھ (بند) ٹوٹنا جس کو کئی برس ہو گئے بخوبی یاد ہے. اگر تاریخ اور مہینہ نہ یاد ہو۔ علاوہ ازیں ایک شرف بدیہی رواۃ ائمہ حدیث مصطفویہ کا بہ نسبت مؤلفین اناجیل کے یہ ہے کہ باوجود اس بات کے رواۃ موصوفین اگرچہ کئی طبقے تک صرف زبانی حامل روایات حالات مصطفویہ ہوتے رہے اور مؤلفین اناجیل بقول تمہارے پہلے طبقے والے تھے. معہٰذا جیسا اختلاف نقل رواۃِ احادیث مصطفویہ میں ہے. ویسا ہی مؤلفین اناجیل کے نقل میں بھی اختلاف ہے. چنانکہ اس کا بیان بھی استفسار یازدہم میں گزرا۔ پس یہ تمہارا جھوٹا دعوے بھی کہ اناجیل میں روایتیں مخلوط کی ہوئیں پہلے طبقہ والوں کی ہیں کچھ کام نہ آیا یعنی بعد تسلیم کے بھی مفید ترجیح ثبوت معجزاتِ عیسویہ نسبت بہ ثبوت معجزات مصطفویہ نہ ہو سکا۔

ساتواں مغالطہ. روایات معجزات فعلی اگرچہ خود صاحبِ انجیل نے نہیں لکھیں مگر معجزات قولی یعنی پیشین گوئیاں حضرت عیسیٰ کی تو بے شک وحی الٰہی ہے. سو قرآن میں مطلق پیشین گوئی نہیں ہے اور انجیلوں میں بہت ہے۔

جواب: یہ جو آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں مطلق پیشین گوئیاں نہیں ہیں یہ تو محض جھوٹ ہے اور یہ جھوٹ آپ کا آگے چل کر کھلا جاتا ہے۔ اور نہ یہ جو آپ انجیل کی پیشین گوئیوں کا ذکر کرکے قرآن پر اس کی ترجیح کا ارادہ رکھتے ہیں یہ محض سفسطہ اور طمع ہے۔ اس لیے کہ ہمارے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام نبوت التیام بموجب وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ اگرچہ سبھی وحیِ الٰہی ہے۔ مگر ہمارے اصول میں دو قسم پر منقسم ہے۔

ایک وہ جس کا نام قرآن ہے۔

دوسرے وہ جسے حدیث کہتے ہیں۔

اور قسم دوم درصورت ثبوت مفترض التسلیم ہونے میں مثل قرآن شریف کے ہے مگر فرق صرف اتنا ہی ہے کہ قرآن سے آنحضرت نے بلغائے عرب کی تحدی کی یعنی ان کو اس کے معارضے میں عاجز کردیا اور وہ باوجود عصبیت اور حمیت جان و مال اور آبرو نہ کہہ سکے اور معارضہ نہ کرسکے اور قسم دوم ایسی نہیں۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن شریف بالفاظ حضرت سرور کائنات سے ماخوذ ہے اور احادیث میں اکثر نقل بالمعنیٰ بھی ہے۔

یہ دونوں فرق تو اس صورت میں بھی ہیں کہ احادیث قطعیہ ہوں۔ اور ایک فرق صرف باعتبار قوت و ضعف ثبوت کے ہے وہ یہ کہ قرآن کے کسی جملے کی نسبت اس بات کا شبہ بھی نہیں ہے کہ آیا پیغمبر خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے یا نہیں۔ بلکہ ہر ایک جملے کا آنحضرت سے ہونا اسی طرح ثابت ہے کہ جہاں میں کسی معصوم کا کلام مضبوط کسی کے پاس ویسا نہیں ہے اور احادیث میں تقسیم ہے یعنی بعضی روایتیں تو ثبوت میں ویسی ہی ہیں اور بعضی رتبۂ ثبوت میں قریب قریب اس کے ہیں اور بعضی محض ظنی ہیں اور بعضی مشتبہ ہیں۔ سو اکثر روایات معجزات مصطفویہ قدر اعجاز کے رتبۂ ثبوت میں باشتراک معنوی مثل قرآن شریف کے ہیں اور تفاصیل بعضی رتبۂ ثبوت میں اس کے قریب قریب ہیں اور بعضی ظنی ہیں۔ سو انہی تینوں قسموں سے چند روایتیں میں اس استفسار میں بیان کروں گا اور چوتھی قسم سے بحث نہیں۔

القصہ آپ کے یہاں انبیائے بنی اسرائیل کا کلام نبوت اشتمال اس طرح منقسم نہیں ہے بلکہ سبھی از قسم ثانی ہے اس واسطے کہ نہ تو آپ ان کی کسی عبارت کو معجز کہتے ہیں اور نہ بلفظہٖ کلام الٰہی

ہونا ان کی کسی عبارت کا کہیں بائبل سے ظاہر ہوتا ہے. آور بقول اربانوس شامن کے وہ انبیاء خود ہی پابند اس بات کے نہ تھے کہ کلام الٰہی کو بالفاظہ تعلیم کریں۔ پس انجیلوں میں جس قدر کلام عیسوی ہے. وہ از روئے تقریر مزبور کے بعد تعلیم صحت الفاظ و عدم تحریف باعتبار اپنی ذات کے مثل احادیث مصطفویہ کے ہے نہ کہ مثل قرآن شریف کے. ہرگاہ یہ بات ٹھہر چکی تو دیکھئے حضرت سرور کائنات کی کتنی پیشین گوئیاں ہیں اور حضرت عیسٰی کی کتنی ہیں۔ سچ کہتا ہوں کہ توریت سے انجیل تک جتنی سب انبیائے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں ہیں ان سب کے مجموع سے زیادہ حضرت سرور کائنات کی پیشین گوئیاں ہیں اور وہ ایسی ہیں کہ ان کا ثبوت آنحضرت سے اس طرح پر ہے کہ کوئی پیشین گوئی کسی اور نبی سے اس طرح نہیں ثابت ہے اور انجیلوں میں بحذف مکرر صرف سترہ پیشین گوئیاں ہیں. ازاں جملہ تیرہ تو ایسی ہیں کہ ان کی پیشین گوئی ہونے میں کمال اشتباہ ہے. چنانچہ استفسار سیزدہم میں ان کا بیان گزرا. باقی رہیں چار وہ یہ ہیں.

اوّل پہلی انجیل کے چوبیسویں باب کا چودھواں ورس [۱۴] ۱۸۳۹ء "بادشاہت کی یہ خوشخبری تمام دنیا میں دی جائے گی تاکہ سارے ملک کے لوگوں پر گواہی ہو اور تب آخر وقت ہوگا" چنانچہ نبی آخرالزماں کی جہت سے یہ پیشین گوئی ظہور میں آئی. اور آپ لوگ جو اپنے تئیں مصداق اس پیشینگوئی کا سمجھتے ہیں سو غلط ہے. اس لیے کہ مسئلہ تثلیث کا جو اصل الاصول آپ کے مذہب کا ہے انجیل کے خلاف ہے. چنانچہ استفسار سوم میں اس کا بیان گزرا.

دوم چھبیسویں باب کا ورس بست وچہارم [۳۴] "یسوع نے اس سے کہا میں سچ کہتا ہوں کہ تو آج مرغ کے بانگ دینے سے آگے تین بار میرا انکار کرے گا. چنانچہ اسی شب کی صبح کو یہ امر واقع ہوا.

سوم. دسویں باب کا ورس نوزدہم [۱۹] "لیکن جب وہ تمہیں پکڑوائیں فکر نہ کرنا کہ ہم کیونکہ کہیں یا کیا کہیں؟ اس لیے کہ اسی گھڑی وہ بات جو تم کہو گے تمہیں دی جائے گی" سو اس کا ظہور میں آنا نہ آنا ان انجیلوں سے نہیں معلوم ہوتا ہے.

چہارم. سترہویں [۱۷] باب کا ورس بست وہفتم [۲۷] "تو دریا پر جا کر بنسی ڈال اور جو مچھلی کہ پہلے نکلے اسے لے اور اس کا منہ کھول. تو ایک روپیہ پاوے گا" پس انہیں چار پیشین گوئیوں کو حضرت سرور کائنات کی پیشین گوئیوں کے مقابلے میں رکھتے ہو. کہاں کوزہ آب کہاں دریا.

آٹھواں مغالطہ۔ روایاتِ احادیث میں بعضی ضعیف بھی ہوتی ہیں اور اناجیل تو ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کا ثبوت حضرت عیسیٰ سے ایسا ہے جیسے قرآن کا حضرت سے۔

جواب: انجیلوں کے ثبوت کی نسبت جو دعوے آپ نے کیا محض بے دلیل بلکہ خلاف واقع ہے ہاں اگر ہمارے استفسار دوازدہم کا جواب سرانجام ہو جائے تو البتہ آپ کا دعوے صحیح ہو سکتا ہے چہ جائیکہ ہم مرتبہ روایات ان کی صحیحہ کے ہو اور قرآن کے برابر پایہ ثبوت میں پہنچنا منجملہ محالات ہے اور حضرت سرور کائنات کی پیشین گوئیاں منحصر صرف روایات ضعیفہ میں نہیں ہیں بلکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہیں اور بعضی متواتر المعنی ہیں۔ اور جو قرآن شریف میں ہیں سو علاوہ ہیں۔ اور جس قدر قرآن شریف میں ہی وہی اتنی ہیں کہ ہر ایک نبی اسرائیل کی پیشین گوئیوں سے زیادہ ہیں مگر بعضی وقوع میں آچکیں اور بعضی ابھی نہیں واقع ہوئیں۔ اور افادہ اعجاز میں تو اکثر انبیاء سے نبی اسرائیل کی پیشین گوئیوں سے زیادہ ہیں اور جیسی انجیل میں وہ تیرہ پیشین گوئیاں ہیں جن کا ذکر استفسار سیزدہم میں گذرا۔ ویسی پیشین گوئیوں سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔

نواں مغالطہ۔ روایاتِ مستحرجہ ائمہ احادیث مصطفویہ ایسے مختلف فیہ ہیں کہ سُنّی شیعوں کی نہیں مانتے اور شیعی سنیوں کی نہیں مانتے۔

جواب: شیعہ اور سنی روایات معجزات قطعیہ میں اختلاف نہیں رکھتیں اور کسی قدر جو اختلاف ہے تو اسانید مخصوصہ میں ہے نہ کہ متن روایت میں۔ رہیں پیشین گوئیاں اس میں بھی بہتوں کی نسبت اتفاق رکھتے ہیں مگر بعضی پیشین گوئیوں میں البتہ اختلاف رکھتے ہیں وہ دو قسم ہیں۔ ایک تو وہ جن کے صحتِ الفاظ میں اختلاف نہیں۔ بلکہ صرف اس کے مصداق میں اختلاف ہے۔ سوان کا اختلاف اس کے مصداق میں اس کو مرتبہ پیشین گوئی سے خارج نہیں کرتا۔ اور دوسری ایسی ہیں کہ ان کے تسلیم میں بھی اختلاف ہے۔ سو اس میں مقتضائے انصاف اور عاقبت اندیشی یہ ہے کہ برعایت اس ضابطہ عقلیہ کے جو واسطے ثبوت عقلی سمعیات کے درکار ہے ان روایتوں کو ملاحظہ کیجئے۔ اگر ثابت ٹھہرے تو حق بجانب سنیوں کے ہے ورنہ ان سے قطع نظر کیجئے۔ اور بفضل اللہ ان میں اکثر ایسی ہیں کہ اس ضابطے کے موافق بخوبی ثابت ہیں۔

علاوہ بریں اگر بالکل مختلف فیہا سے قطع نظر کیجئے تاہم وہ پیشین گوئیاں جن کی تسلیم میں متفق علیہ

ارباب فن حدیث، فریقین ہے وہ اتنی ہیں کہ مجموع بائبل کی پیشین گوئیوں سے زیادہ ہیں اور جس قدر قرآن میں ہیں صرف وہی ہر ایک بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں سے کمیۃً اور کیفیۃً زیادہ ہیں۔ گو کہ بعضوں کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔ اور اگر مجرد اختلاف شیعہ و سنی کا موجب سقوط روایات متفق علیہا کا ٹھہرایا جائے تو بائبل سے بھی ہاتھ دھوئیے۔ اس لیے کہ اس کے ماننے والوں میں تفرق مذاہب اسلامیہ سے بمراتب زیادہ تفرق واقع ہے اور عقل سے بھی استعفیٰ دیجیے۔ اس لیے کہ عقلاً اتفاق اہل خلاف کا کسی خبر پر زیادہ تر موجب، وثوق اس خبر کا ہوتا ہے۔

بالجملہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات، کے اعجاز کا ثبوت کئی وجہوں سے اعجاز عیسوی کے ثبوت سے عقلاً ترجیح رکھتا ہے۔

پہلی وجہ معجزاتِ مصطفویہ کا ذکر اس کلام میں بھی ہے جو ہمارے نزدیک بلفظہ کلام الٰہی ہے اور وہ بنفسہ معجزہ ہے اور معجزاتِ عیسویہ جس کلام میں مذکور ہیں وہ کلام کسی کے نزدیک معجزہ نہیں ہے اور نہ عیسائیوں کے اصول کے مطابق اس کا بلفظہ کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ۔ معجزاتِ مصطفویہ کا ذکر اس کتاب میں ہے کہ جس کی طرف وہ کتاب باعتبار ظہور کے منسوب ہے۔ اس سے وہ اس طرح ماخوذ ہے کہ جہاں میں کسی نبی کا کوئی کلام رسالت اس طرح ماخوذ نہیں بخلاف معجزاتِ عیسویہ کے کہ وہ ایسی کتاب میں مذکور ہیں جس کے انتساب مزعوم کی صحت کے لیے ایک سند مرفوع متصل صحیح کسی کے پاس نہیں ہے۔

تیسری وجہ۔ روایات متخرجہ ائمہ حدیث کی رو سے معجزات مصطفویہ معجزات عیسویہ مندرجہ اناجیل سے باستثنار ان کے مبالغہ شاعرانہ کے دہ چند زیادہ ثابت ہیں۔ اور روایات متخرجہ ائمہ حدیث کو کئی وجہوں سے روایاتِ مخلوطہ اناجیل پر رتبۂ ثبوت میں ترجیح ہے۔

(۱) پہلی وجہ مؤلفین اناجیل مجہول الحال ہیں۔ نہیں معلوم کون اور کب اور کیسے تھے بخلاف ائمہ احادیث مصطفویہ کہ ان کی وثاقت وضبع اور جلالت شان علمی مثل سلطنت غزنویہ اور تیموریہ کے ثابت ہے

(۲) دوسری وجہ انجیلوں سے ظاہر ہے کہ اس میں جو روایتیں لکھی گئی ہیں بسود دیکھنے والوں اور حضرت عیسیٰ سے بلاواسطہ سننے والوں نے نہیں لکھیں اور جب ان کی ٹھہریں تو معلوم ہوا کہ سمعی لکھی

گئی ہیں۔ معہذا ان کے اسناد مذکور نہیں ہیں تو روایات منقطعہ ٹھہریں اور معجزات مصطفویہ بروایات متصلہ ثابت ہیں اور بموجب قاعدہ عقلیہ مندرجہ استفسار دوازدہم کے روایات متصلہ کو روایات منقطعہ پر ترجیح ہے بلکہ متصل کے مقابلے میں منقطع کان لم یکن متصور ہے۔

(۳) تیسری وجہ انجیلوں کے تالیف ہو چکنے کے بعد اس میں دخل و تصرف غیر مؤلفین کا ہونا ثابت ہے۔ بلکہ اب تک اپنی آنکھوں سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ پس نہیں معلوم کہ اصل میں کیا لکھا تھا اور اب کیا ہو گیا ہے۔ بخلاف روایات معجزات مصطفویہ کے کہ اس کی تالیف میں دخل و تصرف دوسرے کا مظنون بھی نہیں ہے چہ جائیکہ ثابت ہو۔

(۴) چوتھی وجہ روایات معجزات مصطفویہ بعد تدوین ہونے کے جن لوگوں کے واسطے سے ہم تک پہنچیں منزلتیں اور کرامتیں اکثروں کی ان میں سے ایسی ثابت ہیں کہ ویسا ثبوت حواریوں کی منزلت اور کرامت کے لیے نہیں ہے اور دیانت اور امانت والے تو برابر اکثر اسانید میں ایسے ہوتے رہے ہیں کہ ان کے امین اور متدین ہونے میں کسی کو کچھ گفتگو نہیں ہے بخلاف اناجیل کے کہ صدہا برس ان کا پایا جانا منحصر رہتا چلا آیا ہے صرف انہیں لوگوں کے پاس سے جن سے بڑھ کر کوئی بے دیانت آدمی دنیا میں نہ ہو گا یعنی پوپ لوگ پس درحقیقت سلسلہ اسانید انجیل کا منقطع ہے۔

بایں ہمہ اقوال عیسویہ مندرجہ اناجیل کو پایۂ ثبوت اور منزلت میں قرآن شریف کی آیتوں کے مقابلے میں لانا۔ ہماں حکایت زردوز و بوریا باف ہست و لے اقاویل عیسوی از روئے اصول اتفاقیہ کے اپنی مرتبہ ذات کی راہ سے برابر احادیث مصطفویہ کے ہیں نہ کہ مثل کلام اللہ۔ یعنی نہ بلفظ کلام الٰہی ہیں اور نہ معجز اور مرتبہ ثبوت میں ان سے بھی کمتر، چہ جائیکہ ذاتاً قرآن شریف کے برابر ہوں اور ثبوتاً بھی یہ تو محض تحکم ہے۔

اور اس مقام میں پادری لوگ اگر یہ کہیں کہ معجزات عیسویہ کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے۔ پس معجزات مصطفویہ کے ثبوت کو قرآن میں ہونے سے ثبوت معجزات عیسویہ پر کیوں کر ترجیح ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن شریف ہم تک باسناد صحیحہ متواترہ متصل پہنچا ہے۔ اسی طرح معجزات عیسویہ کی خبریں قرآن میں بر سبیل استخراج روایات مستندہ کے بالاصالۃ مذکور اور مسلم ہوتیں تو البتہ میری تقریر بابت ترجیحات سابقۃ الذکر کے درست نہ ہوتی اور ہرگاہ ایسا نہیں ہے بلکہ خبر معجزات عیسویہ کی

قرآن میں لضمن دعوے نبوت بالتبع مذکور ہے کہ اس کی تسلیم موقوف ہے صاحب نبوت پر صاحب قرآن کے. بس جس مرتبے میں ہنوز معجزات مصطفویہ کے ثبوت کی گفتگو ہے. معجزات عیسویہ کا قرآن شریف میں مذکور ہونا اور نہ ہونا برابر ہے. اس لیے کہ جب تک امر موقوف علیہ اور مسلم الثبوت بالاصالۃ کے ثبوت میں شبہ ہے تب تک وہ امر جس کا ثبوت موقوف علیہ کے ثبوت پر اور وہ اس کے ضمن میں بالتبع لطور شریک شکمی کے واقع ہے بقاعدہ مناظرہ قابل التفات کے نہیں ہو سکتا.

بریں تقدیر میرا مطلب ان ترجیحات سابقۃ الذکر سے صرف یہی ہے کہ معجزات مصطفویہ اس حیثیت سے کہ قرآن شریف میں مذکور ہیں پایۂ ثبوت میں ترجیح رکھتے ہیں. معجزات عیسویہ پر اس حیثیت سے کہ انجیل میں مذکور ہیں کیونکہ قرآن سر تا سر کلام الٰہی ہے اور اس کی سندیں سینکڑوں موجود ہیں. اور اناجیل میں جو معجزات عیسویہ ہیں وہ باعتبار الفاظ کے بعضے ہم جنب روایات ائمہ احادیث ہیں اور بعضے ہم جنب احادیث مصطفویہ ہیں اور معہذا ان کے لیے ایک بھی سند صحیح مرفوع متصل کسی کے پاس نہیں ہے اور معلوم نہیں کہ کس کے تالیف کئے ہوئے ہیں اور ان میں تحریف بھی واقع ہوئی ہے. فشتان بینہما.

اور جس طرح زر قرضے کے مقدمے میں مدعا علیہ جب اقبال دعوے داخل کر کے عذر وصول دہی کا کرتا ہے تو مدعی کا دعوے بجائے خود شرعاً اور عقلاً ثابت سمجھا جاتا ہے اور کوئی حالت منتظرہ اس کے ثبوت میں باقی نہیں رہتی. اس طرح پر یہ بھی قرآن میں مذکور ہونے سے معجزات عیسویہ ثابت نہیں سمجھے جا سکتے ہیں. اس لیے کہ نظیر مذکور میں دعوے مدعی کا از روئے اقرار مدعا علیہ کے جو ثابت ہوتا ہے سو اس جہت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال دعوے میں مدعا علیہ کا ضرر ہے اور اقرار ایسے امر کا جو صاحب اقرار کے مضر ہو دلیل ہے اس کی صداقت کی اس امر خاص میں کما ھو المشھور من انہ اقرار العقلاء مقبول علی انفسھم اور اس جہت سے نہیں ہوتا ہے کہ صاحب اقرار کی علی الاطلاق راست گوئی پہلے اور وجہوں سے ثابت ہوئی ہے تب اس کا اقرار واجب التسلیم ہوا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وصول دہی کا بھی اظہار اس کا شرعاً یا عقلاً فوراً واجب التصدیق ہو جاتا بخلاف معاملہ تصدیق معجزات عیسویہ کے از روئے اندراج قرآن کے. کہ اس کی تصدیق اس جہت سے نہیں ہے کہ صاحب قرآن کا اس اقرار میں ضرر تھا اور معہذا جو اس نے اقرار کیا تو صرف اس امر خاص میں وہ سچا گنا

گیا اور اس کی اور باتوں کے ثبوت کے لیے کوئی دوسری دلیل چاہیئے۔ بلکہ پہلے معصومیت اس کی کذب و افترا سے بنظر ثبوت لوازم نبوت کے واجب التسلیم ہوئی ہے بعد اس کے اور باتیں اس کی مانی گئی ہیں پس مقدمہ اقبال دعوے میں خود اقرار موجب تسلیم صداقت کا ہوا اور اس معاملے میں ثبوت صداقت کا موجب تصدیق اقرار کا ہوا ہے ان دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ کسی کو نبی کر کے ماننے میں ضرر تو ہے اس لیے کہ تکالیف شرعیہ کا تحمل کرنا پڑتا ہے تو ہم کہیں گے اس ماننے سے ضرر تب متصور ہوتا ہے جب کہ ان احکام کو جو اس نبی کے طرف منسوب ہیں صحیح اور واقع جاننے کا اقرار کر لے اور ہر گاہ کہ ایسا نہیں ہے تو اس نبی کو نبی کہنے سے فقط کچھ ضرر عائد حال نہیں ہوتا ہے تا کہ نظیر مقدمہ اقبال دعوے کے یہاں کام آوے۔ بالفرض اگر یہ تقریر یہ مغالطے کی موجب ترجیح ثبوت و صحت نبوت عیسویہ اور اس طرح کی ترجیح موجب تکذیب اس نبی کی ہو جس کی خبر اگلی پچھلی دو کتابوں میں صراحتہً مذکور نہ ہوں تو چاہیئے کہ نبوت موسویہ بہ نسبت نبوت عیسوی کے صحیح اور ثابت اور انکار یہودیوں کا نبوت عیسویہ سے حق بجانب ان کے ہو۔ حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔

اور حق یہ ہے کہ ہر گاہ آثار موسویہ بسبب امتداد زمانہ فترت اور دخل و تصرف اہل خیانت کے جس پر اشعیا اور ارمیا اور عیسیٰ علیہم السلام کی گواہیاں گزریں مندرس اور مختل ہو گئے۔ سو بطفیل ثبوت نبوت عیسویہ از سر نو وہ ثابت ہوئے تھے۔ اسی طرح اب سبب فقدان اسناد اور ثبوت تحریف بوجوہ عدیدہ جس کی خبر پطرس حواری نے دی تھی اور اس کے آثار پولوس حواری نے اپنے ہی قرن کے عیسائیوں میں مشاہدہ کئے تھے۔ ثبوت نبوت عیسویہ اور موسویہ موقوف ہے حضرت خاتم النبیین کے نبوت کے ثبوت پر پس بالفرض محال اگر نبوت مصطفویہ معاذاللہ ثابت نہ سمجھی جائے تو کوئی بات کسی اگلے نبی کی ثابت نہیں ہو سکتی۔

اور پادری لوگ جو اگلے انبیاؤں کے معجزات کو جن کا ذکر بائبل میں ہے حضرت عیسیٰ کی حقیت کے لیے دلیل گردانتے ہیں سو محض مغالطہ ہے۔ اگلے نبیوں کے معجزات سے حضرت عیسیٰ کے معجزات نہیں ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانکہ یہودی لوگ جو معاصرین حضرت عیسیٰ کے تھے ان کی اولاد بہ سلسلہ علمی اور نسبی اب تک موجود ہے۔ وہ سب باوجود تسلیم معجزات انبیائے سابقین کے حضرت عیسیٰ کے معجزات کی روایتیں کو جو انجیل میں مخلوط ہیں محض جھوٹ جانتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب

استیعاب صرف ان معجزات مصطفویہ کا اور ان کی امت کے مشہور اولیاؤں کی صرف ان کرامتوں کا جو بضابطہ مندرجہ استفسار دوازدہم ثابت ہیں. میری استطاعت علمی کی حد سے باہر ہے. چہ جائیکہ اس کے ساتھ ان معجزوں اور کرامتوں کا بھی لکھنا جو ہمارے یہاں کی تاریخوں میں بطور روایات مخلوطہ اناجیل اور رسالہ اعمال حواریوں کے لکھے ہیں یعنی بلا ذکر اسناد اور محض غیر مستند. علاوہ بریں ان سب کا لکھنا یہاں مقصود بھی نہیں. کیونکہ ان کے لیے بہت بڑی ضخیم کئی کتابیں بنانا چاہیئے اور جن کرامتوں کو میں نے خود ادراک کیا ان کا لکھنا بنظر میرے حال کے اس بحث میں مفید نہیں. لہٰذا منجملہ مستندات کے بعضے معجزات مصطفویہ اور کئی ایک کرامتیں بعضے اگلے بزرگوں کی میں لکھتا ہوں کہ درباب اتمام حجت عقلاء عاقبت اندیش کے لیے کافی ہے. جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا ثابت ہے اسی طرح آنحضرت کے حق میں بالاجمال یہ بھی ثابت ہے. شہدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات[1]. یعنی حقیت پر اس پیغمبر کے لوگوں نے گواہی دی اور کھلی نشانیاں ان کے پاس پہنچیں. فلما جاءھم بالبینات قالوا ھٰذا سحر مبین[2]. یعنی ہر گاہ وہ پیغمبر کھلی نشانیاں لایا تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ صریح جادو ہے. اور اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے:۔

ابو نعیم اپنی کتاب دلائل النبوت میں بسند متصل صحیح نقل کرتا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ ایک رات مکہ کے بت پرست لوگ سردار جیسے ابوجہل ابن ہشام اور عاص بن وائل اور اسود ابن مطلب وغیرہ جمع ہو کر پیغمبر خدا کے پاس آئے اور کہا کہ اگر تو سچا پیغمبر ہے تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے ہمیں دکھا دے پیغمبر نے دعا مانگی. چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور پھر مل گئے.

اور اسی قصے کو بر سبیل اختصار محمد بن اسماعیل بخاری نے بسند صحیح متصل بخاری میں، اور مسلم نیشاپوری نے دوسری سند متصل سے اپنی کتاب صحیح مسلم میں لکھا کہ انس بن مالک کہتے تھے کہ پیغمبر خدا سے لوگوں نے کہا کہ اپنی پیغمبری کا نشان ہمیں دکھائیے. پیغمبر خدا نے چاند کو اشارے سے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا اور فرمایا کہ گواہ رہو.

---

[1] پ ۳ : آل عمران ع ۹   [2] پ ۲۸ : الصف

اور بخاری اور مسلم عبداللہ بن مسعود سے بسند متصل نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے روبرو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

اور احمد ابن حنبل اپنی کتاب میں دو صحابیوں یعنی عبداللہ بن مسعود اور جبیر بن مطعم سے باسناد متصل نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے سامنے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ مکے کے بت پرستوں نے دیکھا اور کہنے لگے کہ اس شخص نے اگر جادو کیا ہے تو ہمارے ہی اوپر کیا ہوگا نہ کہ سارے جہاں پر۔ پس باہر سے جو مسافر لوگ آویں اُن سے پوچھنا چاہیئے۔ پھر جب مسافر لوگ آئے، انہوں نے اس واقعہ کے دیکھنے کی گواہی دی۔

اور بیہقی نے بھی بسند متصل اپنی کتاب میں مسافروں کی گواہی کا قصہ نقل کیا۔

اور جامع ترمذی نے بسند متصل عبداللہ بن عمر سے۔

اور عبدالرزاق نے بسند متصل معمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ چاند پیغمبر خدا کے روبرو دو ٹکڑے ہو گیا۔

اور قاضی عیاض محدث نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ معجزہ شق القمر کے دیکھنے کی علی ابن ابی طالب اور حذیفہ ابن الیمان نے بھی گواہی دی ہے۔

بالجملہ آٹھ صحابی جن کی صحابیت از روئے اسی ضابطہ عقلیہ کے سب اہل علم کی نظروں میں ثابت ہے یعنی عبداللہ بن عباسؓ، انسؓ بن مالک، عبداللہؓ بن مسعود، جبیرؓ ابن مطعم، حذیفہؓ ابن الیمان، عبداللہؓ ابن عمر، علیؓ ابن ابی طالبؓ، معمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے سات آدمی جو فن روایت کے امام ہیں۔ یعنی ابونعیمؒ اور امامؒ بخاری اور مسلمؒ اور احمدؒ بن حنبل اور بیہقیؒ اور ترمذیؒ اور عبدالرزاقؒ معجزہ شق القمر کی خبر کو ایسی سندوں سے کہ اس سند کے جتنے راوی ہیں ان کا حال بھی بخوبی مشہور ہے۔ صرف اسم فرضی نہیں ہیں ایسی کتابوں میں کہ جن کتابوں کا ہونا ان مولفین سے ایسا ہی ثابت ہے جیسا ان کا ہونا اور کسی طبقے میں چھ سات راویوں سے کم نہیں لکھا اور ان کتابوں کی تالیف کرنے والوں سے لگا کر ان صحابیوں تک کی سندیں اور ان اسناد کے سب آدمیوں کا پتہ اگر لکھوں تو کتاب بڑھ جائے اور اپنے زمانے سے لگا کر ان کتابوں کے مؤلفوں تک کے چند اسناد اگر میں اکٹھا کروں تو بہت بڑی کتاب بنانا پڑے۔

اور اس واقعہ کی قرآن میں خبر دی گئی ہے ان لوگوں کے واسطے جن کے نزدیک قیامت کو

آسمانی اجرام کا خراب ہونا محال تھا. قال اللہ تعالیٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر یعنی قیامت قریب پہنچی اور دورِ آخرالزمان آیا اور قیامت سے اگر تم اس جہت سے منکر ہوتے ہو کہ وہ مستلزم اجرام علویہ کی خرابی کے ہے. تو اس کا جواب یہ ہے کہ چاند پھٹ چکا یعنی چاند کا پھٹنا لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا اب کوئی استحالہ باقی نہ رہا اور اسی جگہ اس آیت کے ساتھ فرمایا. وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر یعنی بے دینوں کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹال جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قدیم جادو ہے. فقط

پس یہ پتہ زیادہ ترقی ہے اس پتے سے جو انجیل میں حضرت عیسٰے نے اپنے بعضے معجزات کا پتہ دیا. اب رہے وہ استبعادات وہمیہ جو عیسائی لوگ معجزہ شق القمر پہ کیا کرتے ہیں. اس کا جواب تحقیقی اور الزامی اس میرے سوال سے جو لکھتا ہوں خود ہی ظاہر ہو جائے گا اور فنڈر صاحب نے اعتراض کیا ہے اس کا جواب ان کی کتاب کی بحث میں مذکور ہو گا.

سوال. بتلایئے کہ اس طرح کا ثبوت اس ضابطۂ عقلیہ کے موافق جو سمعیات کے لیے درکار ہے یعنی سندوں سے ثابت ہونا اس معجزے کے لیے جو یوشع کی کتاب کے دسویں باب میں ورس دوازدہم سے سیزدہم تک لکھا ہے آپ کے پاس ہے یا نہیں. اگر ہے تو اس کی ایک ہی سند حضرت یوشع سے لگا کر ان قرنوں تک کہ وہ کتاب پھیل پڑی. یعنی مثلاً عہد بطلیموس تک کی مجھے لکھ دیجیے. اور وہ معجزہ یہ ہے نسخہ ۱۸۲۵ء "یہواہ نے جس دن اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا. اس دن یوشع نے یہواہ کے حضور بنی اسرائیل کے آگے یوں کہا کہ اے آفتاب تو جبعون پہ ٹھہرا رہ اور اے مہتاب! تو وادی ایالون کے مقابل. تب آفتاب نے درنگ کی اور مہتاب کھڑا رہا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا. کیا یہ یاشا کی کتاب میں نہیں لکھا کہ آفتاب آسمان کے بیچوں بیچ ٹھہرا رہا اور سارا دن مغرب کی سمت مائل نہ ہوا" دیکھو یہ کیسی بات ہے کہ آفتاب سارے دن مغرب کی طرف مائل نہ ہوا. سارا دن نام ہے اس زمانے کا جو آفتاب کے نکلنے سے مغرب میں جانے تک ہوتا ہے پھر وہ کس ظرف زمان کا نام دن ہے جس میں آفتاب مغرب کی طرف نہ جھکا. ظاہراً مطلب یہ ہے کہ بقدر ایک روز کے وسط آسمان میں آفتاب قائم رہا پس درحقیقت آٹھ پہر کا دن ہوا. چنانچہ رسالہ تحقیق دین حق کے چوتھے باب اور ۲۱۸ صفحے میں لکھا ہے اور یہ سمجھنے کی بات ہے کہ چاند کے پھٹنے کو سوائے ان لوگوں کے

کہ جو اس وقت چاند کے دیکھنے میں متوجہ تھے اور وں نے اگر نہ دیکھا ہو تو بجا ہے اس واسطے کہ وہ رات کو پھٹا جانئے ہے کہ اس وقت پھٹا ہو کہ خواص لوگ آرام میں ہوں اور کسی عامی مسافر نے اگر دیکھا بھی ہو تو اس کے کہنے کو کون باور کرتا ہے اور جن لوگوں کے اُفق سے چاند اس وقت متجاوز ہو گیا یا جن پر ہنوز طلوع نہ ہوا ہو وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکتے بخلاف آفتاب کے آٹھ پہر ٹھہرے رہنے کو کہ جہاں رات ہو گئی ہو گی ان لوگوں کو بھی بسبب دونی ہو جانے رات کے بے شک اطلاع ہوتی۔ اور جن لوگوں پر چاند طلوع ہوا اور ہنوز غروب نہ ہوا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں سے بہتیروں کی نسبت ابر غلیظ حائل ہو بخلاف آفتاب کے ٹھہرے رہنے کے کہ ابر کی غلظت بھی اس کے توقف کی دریافت کو منع نہیں کر سکتی۔

اسی طرح میں پوچھتا ہوں کہ ویسے ہی کوئی سند اشعیا نبی کے اس معجزے کی جو ان کے نام کی کتاب کے باب[۳۸] سی و ہشتم میں ہے اگر ہو تو مجھے لکھ دیجئے اور وہ معجزہ یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۲۹ء ورس ہشتم "اینک سایہ درجات راکہ بر ساعت شمس آخر نشیب آمدہ است آں را تا دہ درجہ باز خواہم گردانید بنا براں ساعت شمس تا دہ درجہ کہ نشیب آمدہ بود باز گردید۔"

اسی طرح پہلی انجیل کے تیسرے باب کے سولہویں ورس میں جو لکھا ہے اس کی سند مجھے لکھ دیجئے اور وہ یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "یکایک اس پر آسمان کھُل گیا اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔" ۱۸۱۴ء "ناگاہ اس پر آسمان کے دروازے کھُل گئے۔" باقی مطابق اگلے کے ۱۸۱۶ء "ناگاہ آسمان از بہر وے شگافتہ شد و روحِ خُدا را دید کہ مانند کبوتری نزول می ماند و در وے حلول می کند۔"

اور اسی طرح سند اس کی لکھ دیجئے جو تیسری انجیل کے چوبیسویں[۲۴] باب میں واقعہ صلیب کے ذکر میں یُوں ہے۔ نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء ورس ۴۴، ۴۵ "فعرضت علی الارض کلّہا ظلمۃ و اظلمت الشمس۔ یعنی ساری روئے زمین پر اندھیرا چھا گیا اور آفتاب تاریک ہو گیا۔ چنانکہ تحقیق دین کے چوتھے باب کے صفحہ ۲۱۹ میں لکھا کہ دوپہر سے تیسری پہر تک آسمان تاریک رہا۔

اور اس طرح اس کی بھی سند لکھ دیجئے جو پہلی انجیل کے دوسرے باب کے دوسرے اور نویں ورس میں لکھا ہے کہ مجوسیوں نے عیسیٰ کے پیدا ہونے کی علامت تارے کو طلوع ہوتے دیکھا اور وہ

ان کی روش کے موافق ان کے ساتھ چلا، یہاں تک کہ اس گھر پر کہ جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے آکر ٹھہر گیا۔"

اور یہ بات بتایئے کہ آفتاب کے توقف یک روزہ کو وسط السماء میں ہندوؤں نے اپنی تاریخوں میں اور پارسیوں اور چینیوں نے کیوں نہیں لکھا اور اسی طرح دس درجہ آفتاب کا پلٹ آنا بھی معجزہ شق القمر سے باعتبار ظہور کے زیادہ ہے اس کو کسی نے کیوں نہیں لکھا۔ اسی طرح آسمان کا پھٹنا اور تارے کا لوگوں کے ساتھ چلنا اوروں نے تو کیا جو حضرت عیسیٰ کے ہم وطن لوگ اور ان کا سلسلہ نسبی اور علمی اب تک باقی ہے یعنی یہودیوں نے اپنی کتابوں میں کیوں نہیں لکھا اور اگر لکھا بتا دیجئے۔ اور جب تک ان خبروں کا نشان ہندوؤں اور چینیوں اور یہودیوں اور پارسیوں کی کتاب سے دکھایئے۔ تو مقتضائے غیرت یہ ہے کہ معجزہ شق القمر پر یہ استبعاد کہ اور جہاں کے مؤرخوں نے سوائے اہل اسلام کے کیوں نہیں اس کو لکھا نہ کیا کیجئے۔ اس واسطے کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نہ دیکھنا اور بے گانی آنکھ کا تنکا دیکھنا۔

اور اگر ہندو اور چینی اور پارسی لوگ اعتراض اس کا ان سب معجزات پر کریں تو ان کے لیے ہمارے پاس اور یہی جواب الزامی ہے اسے کچھ لکھنا یہاں ضروری نہیں ہے۔

آمدم برسر مطلب

صاحب صحیح مسلم نے عباس بن مطلب اور سلمہ بن الاکوع سے نقل کیا کہ غزوہ حنین میں جب بُت پرست موذیوں کا بہت اژدحام اور ہجوم ہوا اور مسلمانوں پر وہ ٹوٹ پڑے اور ہزاروں ہی تھے تو پیغمبر خدا نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر ان کے لشکر کی طرف جو پھینکی تو کوئی ان میں ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھوں میں خاک نہ بھری ہو اور انہوں نے ہزیمت فاش اٹھائی اور شکست کھائی اور قرآن شریف میں اس کا بیان یوں ہے۔ ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ یعنی جس وقت تُو نے پھینک مارا تو تُو نے نہیں پھینک مارا یعنی تیری تعیین شخصی کی حد سے باہر بات تھی لیکن اللہ نے وہ پھینک مارا جیسے حضرت عیسیٰ نے فرمایا میں آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کام جو کرتا ہے سو باپ کرتا ہے۔

اور قرآن شریف میں ہے۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ

من مثلہ۔ الیٰ قولہ تعالیٰ ولن تفعلوا۔ یعنی اے لوگو کہ زبان آوری میں تم اپنے مقابلے میں سارے جہان کو عجم یعنی گونگا کہتے ہو۔ اگر اس کلام کے خدا کی طرف سے ہونے میں تمہیں شک ہے تو تم بھی بقدر ایک سورہ کے یعنی مثلاً اس قدر کلام جو تمہارے آپس میں ایک دوسرے کے طرز انشاء کے امتیاز کے لیے ضرور سمجھتا ہے مثل اس کلام کے کہہ تو لاؤ یعنی میرے معارضے کے بغیر سرقہ مصطلحہ شعراء کے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بیان خال وخط اور قد و بالا اور ناز وادا اور شادی وغم اور ہجر ووصل اور شراب وکباب اور بزم ورزم اور باغ وصحرا وغیرہ مضامین جن میں فصاحت اور بلاغت اور صنائع اور بدائع معانی وبیان کی گنجائش بہت ہوا کرتی ہے اس میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ مبدا، اور معاد کی صفات اور حالات اور قوانین عبادات اور معاملات اور تمدن اور سیاسیات سراپا حکمت کی باتوں کے بیان میں ہے اور معہذا معانی اور بیان کے قواعد اور محسنات بدیع کے لطائف باحسن وجہ اس میں مرعی ہیں اور پھر فرمایا کہ قبل تمہارے ارادے کے میں حکم ناطق دیتا ہوں کہ تم سے زینہار زینہار کبھی الیسانہ کہا جائے گا اور اگر نہ کہہ لائے اور نہ بنا سکے تو میرا الزام تم پر تمام ہوا اور میری تکذیب سے تمہیں بڑا حذر اور خوف کرنا چاہیے۔

دیکھو لن تفعلوا کا دعوے اعلانیہ کیا کہ اس وقت کے لوگوں نے اس کو کتاب میں لکھا یہ دلیل قاطع ہے اس پر کہ لن تفعلوا کے مخاطبین نے اپنا جان ومال وآبرو برباد کرنا مذہب کی حمیت کی راہ سے قبول کیا اور لن تفعلوا کے مضمون کے مضمون میں وہ شبہ نہ ڈال سکے اور ہمیشہ کہا کیئے۔ کہ لو شئنا لقلنا مثل ھٰذا۔ اگر ہم چاہیں تو ایسا ہم بھی کہہ دیں اور اس کہنے کو بھی اسی زمانے کے لوگوں نے لکھا ہے۔ پس پیغمبر خدا کے معاصرین کا لن تفعلوا اور اس کے ساتھ کافروں کے قول کی حکایت کرنا یہ بھی لکھنا کہ وہ سب کہا کرتے تھے کہ لو شئنا لقلنا مثل ھٰذا حجت کاملہ ہے اس بات کی کہ مخالفین آنحضرت کے اس کا معارضہ نہ کر سکے اور ہمیشہ یہی کہا کیئے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لائیں یہ ویسے ہی کہنا ہے جیسے کسی کی مثل ہے کہ میری بکری شیر کو مار سکتی ہے اگر اس کے جی میں آوے۔

اور اگر آپ لوگوں کو کہیں پہنچا ہو کہ اس وقت کے منکرین میں کا معارضہ فلانا کلام ہے تو مجھے بتا دیجئے اور بعضے پادری لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اعجاز صرف اس زمانے کے عربوں کے لیے ہوا نہ کہ اوروں کے لیے یہ عجیب بات ہے انصاف کی آنکھ بند کر لی گئی ہے۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اعتراض تو

جملہ معجزات موسویہ اور عیسویہ پر ہوتا ہے کہ وہ معجزات صرف انہیں دیکھنے والوں کے حق میں مفید تھے نہ کہ اوروں کے لیے پس جو وہاں جواب دو گے وہی یہاں سمجھ لو. منجملہ یہ تین معجزے جو میں نے بیان کیے تو اس قسم کے تھے جس کی مثل ویسے ہی ہے جیسے ایک معاملہ ہو کر اس معاملے کا اسی کے زمانے میں ایک محضر لکھا جائے اور اس پر برابر گواہ گزرتے چلے آئے ہوں.

اب بعضے معجزے اور بیان کرتا ہوں اس قسم کے کہ اگرچہ ان کا محضر اس زمانے میں نہیں لکھا گیا مگر اس کے معائنہ کے گواہوں کا اظہار برابر تصدیق ہوتا چلا آیا. یہاں تک کہ بعضے دوسرے اور تیسرے قرن میں قلم بند ہو گئے اور اس قلم بند کرنے والے کے قلم بند کرنے پر بھی اس سے لگا کر اب تک ہزاروں گواہیاں گزریں اور قلم بند ہوتی چلی جاتی ہیں.

ازاں جملہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور دارمی اور طبرانی اور ابونعیم اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی اور ابویعلی اور قاضی عیاض نے باسناد متصلہ اسی ضابطۂ عقلیہ کے موافق جس کا ذکر کئی بار ہو چکا جابر ابن عبداللہ اور انس ابن مالک اور عبدالرحمن ابن ابی بکر اور علی ابن ابی طالب اور سمرہ بن جندب اور ابوہریرہ اور عمر بن خطاب سے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان سب کا مضمون بقدر مشترک یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے کئی بار بوقت ضرورت بمقتضائے شان حاجت روائی کے بہت تھوڑے سی کھانے کی چیز کو یعنی ایک دو آدمیوں یا تین چار آدمیوں کی خوراک کے موافق چیز کو بعضے دفعہ بیسیوں اور بعضے دفعہ سینکڑوں اور بعضے دفعہ ہزار سے اوپر اور کبھی بے گنتی آدمیوں کو کھانے کے واسطے دی اور کبھی اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلائی اور سب نے سیر اور آسودہ ہو کر کھائی اور وہ چیز جتنی تھی اتنی ہی باقی رہی.

اور جن صحابیوں نے ان قصوں کو نقل کیا اپنے سامنے کا ماجرا دیکھا ہوا بیان کیا اسی طرح پر کہ ہم نے دیکھا اور کھایا نہ یہ کہ اناجیل والوں کی طرح کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کس سے سنا اور وہ ماجرے کس نے دیکھے اور بخاری اور بیہقی اور احمد ابن حنبل اور ترمذی اور مسلم اور نسائی اور دارمی اور ابونعیم اور طبرانی اور ابن شاہین اور ابن اسود نے جابر ابن عبداللہ اور ابن مسعود اور انس ابن مالک اور عبداللہ ابن عباس اور ابویعلی انصاری اور سورۃ ابن مخرمہ اور براء ابن عازب اور سلمہ ابن الاکوع اور ابوقتادہ اور عمران ابن حصین صحابیوں سے باسناد متصلہ خبریں نقل کی ہیں کہ ان سب کا مضمون بقدر مشترک یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے بہت دفعہ ضرورت کے وقت بمقتضائے شان دستگیری کے تھوڑے پانی یعنی کبھی

ایک ڈولچی پانی اور کبھی ایک مشکیزہ پانی اور کبھی ایک آب خورے پانی سے کبھی سینکڑوں آدمیوں اور جانوروں اور کبھی کئی ہزار آدمی اور جانوروں اور کبھی بے گنتی آدمیوں کو سیراب کیا اور وہ برتن ویسے ہی پانی سے بھرا رہا اور کبھی اندھے کنویں یا رستے ہوئے چشمے سے سینکڑوں آدمی اور جانوروں کو سیراب کر دیا اور پھر وہ کنویں اور چشمے جاری ہوئے۔

اور ترمذی اور حاکم اور دارمی اور احمد بن حنبل اور ابو نعیم اور بزار اور بغوی اور بیہقی اور بخاری اور ابن عساکر اور ابن سعد اور ابن جریر اور طبرانی اور خرائطی نے اسی طرح باسناد متصلہ ابوہریرہ اور ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک اور جابر بن عبداللہ اور علی ابن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اور عمر بن خطاب اور جبیر ابن مطعم اور مازن طائی اور عباس ابن مرداس صحابیوں سے خبریں نقل کیں کہ ان سب کا مضمون بقدر مشترک یہ ہے کہ کبھی بعضے درخت اپنی جگہ سے چل کر اور کبھی بعضے پتھر بگویائی آدمیانہ علی الاعلان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق نبوت کے گواہ ہوئے" اور ان روایتوں میں سے جو ایک ہی قصے کی دو تین روایتیں ہیں اگر کہیں کچھ ان میں تھوڑا سا راویوں کے بیان میں اختلاف ہے سو وہ اختلاف اس اختلاف سے زیادہ نہیں جو انجیلوں کے تالیف کرنے والوں کی روایتوں میں ہے۔ اور بعضے قصوں کی تطویل اور اختصار میں جو اختلاف ہے سو وہ اس کمی بیشی سے جو انجیلوں کے تالیف کرنے والوں کی مرویات میں ہے بہت کم ہے جس کا جی چاہے ان کتابوں کو جن سے میں نے نقل کیا اور اکثر دستیاب ہوتی ہیں منگا کر مقابلہ اناجیل اربعہ دیکھ لے۔

الغرض ایک سند بھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے کسی معجزے کی اس طرح پر جس طرح میں نے معجزات مصطفویہ کی سندیں بیان کیں اگر مجھے لکھ دیجئے تو باللہ العظیم میں آپ کا بڑا احسان مند ہوں گا۔ اور جانوں گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے بھی علاوہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق کی راہ باقی ہے اور صرف کتاب میں لکھا ہونا اگر کافی ہو تو حاتم کی ہفت سیر کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ حاتم کے دیکھنے والوں نے لکھی ہے یا اب ہم ایک کتاب بنا دیں اور کہیں کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کی بھی کتاب ہے۔

آمدم بر بیان پیشین گوئی

ہر چند بائبل کے پڑھنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ بہتیرے نبی گذرے ہیں کہ انہوں نے ایک پیشین گوئی بھی نہیں کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ پیشین گوئی لوازم ضروریہ نبوت سے نہیں ہے۔ معہذا قرآن شریف میں اتنی پیشین گوئیاں ہیں کہ شمار میں کسی نبی اسرائیل کی صاف صاف پیشین گوئیوں سے کم نہیں ہیں اور بعضے نبیوں کی پیشین گوئیوں سے زیادہ ہیں اور کیفیت اعجاز میں اکثر پیشین گوئیوں سے جو انبیائے بنی اسرائیل نے عموماً اور خصوصاً حضرت عیسٰے نے کہیں بہت زیادہ ہیں گو کہ بعضی واقع ہو چکی ہیں اور بعضی ابھی نہیں واقع ہوئیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف کا یہ حال نہیں ہے کہ چند پیشین گوئیوں کو بار بار ذکر کر کے کلام کو بڑھایا ہو۔ چنانچہ اشعیا نبی کی کتاب کا حال ہے بلکہ اس میں پیشین گوئیاں اشعیا کی پیشین گوئیوں سے زیادہ ہیں۔ مگر بار بار ان کا ذکر نہیں کیا اور بار بار ذکر کیا ہے توصفات اور افعال حضرت مبدء جل وعلی اور حالات معاد اور احکام شرعی کا ذکر کیا ہے۔ بالجملہ چند پیشین گوئیاں قرآن شریف کی جو مجھے سردست یاد ہیں اور افادہ اعجاز میں حضرت عیسٰی کی سب پیشین گوئیوں سے زیادہ قوی ہیں اور اسی طرح چند پیشگوئیاں حدیث کی جو قلمبند پہلے اور واقع بہت دنوں کے بعد ہوئیں بیان کرتا ہوں اور وہ جو میں آگے لکھ چکا ہوں کہ حضرت عیسٰی کی تیرہ پیشین گوئیاں جس طرح کی ہیں ویسی پیشین گوئیوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھیئے گا کہ بعینہ ویسے ہی معاملوں کی خبریں قرآن کے ہر رکوع یا ہر سورت میں لکھی ہیں۔ حاشا وکلا معاذاللہ۔ اس میں تو بعضی ظاہری معنوں سے غلط ہیں اور بعضے مجذوبوں کی بڑ کے طور پر ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعضے جماعت کفار یا مومنین کے حرکات یا حالات مستقبلہ کی خبر بلا تعیین اسماء یا بعضوں کے امور قلبی کی خبر حضرت عیسٰی نے دی کہ معرض مناظرے میں من وجہ از قبیل غیب گوئی ہو سکتی ہے اور من وجہ نہیں اس طرح کی باتیں قرآن میں فی نفسہٖ بہت ہیں نہ یہ کہ اور معنوں سے زیادہ تر ہیں۔

پس جاننا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ دے رکھا ہے نیکو کار ایمان والوں کو تم میں سے اے مسلمانو کہ ان کو خواہ نخواہ بادشاہ کر دے گا۔ جیسے بعضے اگلوں کو بادشاہ کیا اور جمادے گا اس دین کو جسے ان کے لیے مقبول کیا اور خواہ نخواہ بدل دے گا ان کو خوف کی جگہ امن وامان کو؟

اور اسی کا ضمیمہ ہے کہ بخاری نے بسند خباب بن الارت صحابی سے استخراج روایت کیا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے ایک دن پیغمبر خدا کے حضور میں حاضر ہو کر مکہ کے بُت پرستوں کی ایذاؤں کی جو مجھے دیتے تھے شکایت کی۔ آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور مجھ سے صبر کی نصیحت کرنے لگے اور اگلے مظلوموں اور ان کے صبروں کی حکایتیں بیان کرنے لگے۔ اور فرمایا واللہ لیتمن ھٰذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاً الی حضر موت لا یخاف الا اللہ ولکنکم تستعجلون۔ خدا کی قسم یہ امر یعنی دین اسلام جس کی جہت سے تم کو ایذائیں پہنچی ہیں مقرر مقرر اچھی طرح جم جانے والا ہے۔ یہاں تک کہ صنعا سے حضرموت تک مسلمان آدمی سفر کرے گا اور سوائے خدا کے کسی کا ڈر اسے نہ ہو گا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ میری اور میرے ساتھیوں کی بے کسی اور مظلومی اور بے دردوں موذیوں کی بہتات اور جبروت پر دھیان نہ کرو۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ کوہ و دشت میں تمہیں کسی کا ڈر نہ ہو گا چہ جائیکہ وطن میں۔

اور اسی کے ضمیمے میں ہے جو بخاری نے بسند متصل عدی بن حاتم طائی صحابی سے روایت کی ہے کہ عدی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے حضور میں میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آکر تنگدستی کی شکایت کی اسلام کی جہت سے اور پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے شکایت کی سفر کی راہیں بند ہو جانے کی یعنی کہ انہیں سودا کرنا بازار میں اور خرید و فروخت کرنا اور سفر کرنا تجارت کے لیے اور راستہ چلنا بے دینوں کے ظلم سے مشکل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیری زندگی ہے تو ایک دن تو دیکھے گا کہ عورت محمل نشین نے تن تنہا حیرہ سے کوچ کیا اور کعبے میں باطمینان پہنچ کر طواف کیا یعنی اب اگرچہ کافروں کے ظلم میں ہم گرفتار ہیں تو کیا ہوا۔ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ ہمارے لوگوں میں سے اگر ایک عورت بھی منزلوں تنہا سفر کرے گی تو اس کے حال بھی کوئی معترض نہ ہو سکے گا۔

اور اسی روایت میں ہے کہ عدی ابن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھی یہ بات کہ ایک عورت تنہا حیرہ سے کعبے تک باطمینان آئی یعنی معتدی کافر ایسے مغلوب ہوئے کہ مسلمہ مسافر سے بھی ان کو تعرض کرنے کی دستگاہ باقی نہیں رہی چہ جائیکہ مردوں سے۔

یہاں پہلے کئی باتوں پر غور کرنا چاہیئے:۔

اوّل۔ پیغمبر خدا کا فقر اور اس وقت کے مسلمانوں کی بے مائگی کہ سوائے نان جوین اور گزینہ چادر کے میسر نہ تھا اور ان کی بے سرو سامانی کہ لڑائی کے ہتھیار بھی بہت پاس نہ تھے اور ان کی اُمیّت اور

ناواقفیت قواعد حرب اور ضوابط جہانگیری سے اور ان کی قلت کہ صرف عرب کے کافروں کے مقابلے میں لاکھواں حصہ تھی۔

دوسرے مخالفوں کی کثرت اور ان کی دولت اور اہل روم اور ایران کی جاہ و حشمت اور علم و حکمت اور قواعد اور جہانگیری کی مہارت۔

تیسرے یہ بات کہ بدوں اس کے کہ پہلے بحیلہ سوداگری یا مستاجری یا نوکری اور مدارالمہامی کسی سرکار ذی اقتدار میں مداخلت کی ہو یا کوئی ریاست خداع اور فریب سے ہو لڑائیاں سب سے شروع کر دیں اور صرف مذہب کے لیے اور اعلانیہ مذہب ہی کے تعرض پر لڑائیوں کی بنا باندھی۔

چوتھے اس بغض و عداوت کو خیال کیجیے جو اعلانیہ مذہب کے تعرض سے برپا ہوتا ہے کہ ایک چماری بھی جان دینے کو اور گھر بار لٹا دینے کو موجود ہو جاتی ہے چہ جائیکہ ملوک اور شجعہ۔

بعد اس کے دیکھئے کہ بایں ہمہ وہ پیشین گوئیاں کس طرح جلوہ ظہور میں آئیں کہ تیس بتیس برس کے اندر عرض میں دس بارہ درجے سے کہیں تینتالیس چوالیس درجے تک جیسے باب المندب سے بلاد یونان اور حدود ملک اندلس تک اور کہیں پچاس درجے تک جیسے ترکستان کے حدود شمالی تک اور طول میں نصف النہار لندن سے دس درجے غربی لے کر کہیں ستر درجے تک جیسے حدود شرقیہ فارس تک اور کہیں بیاسی درجے تک جیسے حدود شرقیہ ترکستان تک حوزۂ اقتدار میں خلفائے راشدین کے اس طرح آگیا کہ اگلی حکومتوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور باوجود لا اکراہ فی الدین کے عموماً توحید کا مذہب پھیل گیا۔

دیکھو ان چار باتوں کو اور تیس بتیس برس کی مدت کو اور سینکڑوں برس کے پائیدار تسلط کو ملاحظہ کرو۔ ایسا تو بخت نصر کے وقت سے آج تک کسی کے لیے نہیں ہوا اور بخت نصر سے آگے تو صحیح تواریخوں کی رو سے کسی کے لیے ریاست عظیمہ کا ہونا معلوم ہی نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ ابھی لوگوں کی تاریخ اور جغرافیہ سے یہ سب باتیں میں نے دریافت کیں۔

ایضاً قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو راہ راست اور سچا دین بتانے کو بھیجا تاکہ بالا دست کر دے سچے دین کو سب دینوں پر۔ اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔ اور اسی کا ضمیمہ ہے

وہ کہ مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے ثوبان واٰئل سے جن کی صحابیت مسلم الثبوت ہے بسند متصل اتخراج کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے زویت لی الارض درایت مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ ملک امتی مازوی لی یعنی اکٹھا کر کے دکھلا دی گئی مجھے زمین کی پورب کی طرفیں اور پچھم کی اور پہنچے گی حکومت میرے امتیوں کی جہاں تک کہ وہ دکھلائی گئی یعنی پورب سے پچھم تک۔ دیکھو یہاں بھی پہلے انہیں چار باتوں کو پھر دھیان کرو۔ اور بعد اس کے دھیان کرو اس بات کو کہ ملک فارس اور اندلس بلکہ جزائر خالدات سے کہ ربع مسکون کی حد غربی یہی ہے تا جزائر شرقیہ چین کہ یہ ربع مسکون کی حد شرقی ہے طول میں اور سواحل جنوبیہ افریقیہ اور جزائر جنوبیہ ہندوستان سے لے کر کہیں ۴۵ اور کہیں ۵۰ اور کہیں ۵۵ اور کہیں ۶۰ درجے تک بلکہ بعضی جگہ کچھ اوپر تک جیسے دیار بلغار تک عرض شمالی میں کمتر بڑے صوبوں کے موافق وہ ملک جو خوب آباد ہے باقی رہا ہو گا۔ جہاں ہزار گیارہ سو برس کے اندر تک مسلمانوں کی حکومت نہیں ہوئی اور ایسی نہیں جیسی نادر شاہ اور بوناپاٹ کی بلکہ کمتر کوئی مقام ہو گا جہاں مسلمانوں نے سو برس سے کم حکومت کی ہو گی گو کہ کہیں شعائر اسلامیہ جاری کئے ہوں اور کہیں صرف جزیہ پہ اکتفا کی ہو جیسے اکثر ولایات فرنگ میں۔ چنانچہ یہ بات بھی آپ ہی لوگوں کی تاریخ خصوصاً ڈاکٹر نیٹلر صاحب کی تاریخ اور آپ ہی کے جغرافیہ سے میں نے دریافت کی۔

اور ایک بات یہاں اور غور کرنے کے قابل ہے کہ جتنے مذہب والے ہیں سبھی اپنے اپنے دین کو سچا کہتے ہیں مگر برہان عقلی کی رو سے جس طرح لا الٰہ الا اللہ کا مضمون سچا ٹھہرتا ہے اس طرح نہ ثنویت کا عقیدہ ہے اور نہ تثلیث کا اور نہ ترگن اور پاشنے کا بلکہ برہان عقلی کی رو سے یہ تینوں مسئلے باطل ٹھہرتے ہیں۔ سو ہزاروں برس سے ثنویت زردشتیوں کے یہاں اور ترگن اور پاشنا ہندوؤں اور جینیوں کے یہاں اور تثلیث عیسائیوں کے یہاں ضروریات التزامیہ ملت میں داخل ہے۔ سو وہ سچی بات بر تقدیر فراوانی نوع انسانی ہے اب تک کسی کے عہد میں دنیا میں مشرق سے مغرب تک اس کیفیت اور کمیت کے ساتھ نہیں پھیلی جیسے کہ دین محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں پھیلی اور اگر کہیں پھیلی ہو تو بتلا دیجئے۔

اور لطیفہ یہ ہے کہ جس وقت ہمارے پیغمبر خدا کا ظہور ہوا اس وقت ان تینوں اصول والوں کے سوا اور کوئی ربع مسکون ان میں بڑا صاحب حکومت نہ تھا اور حکومت کو بھی دین کہتے ہیں۔ پس کوئی حکومت

ان تینوں مذہب والوں کی حکومتوں سے نہیں باقی رہی جس پر مسلمان لوگ غالب نہ آئے ہوں. گو کہ بعض جگہ صرف جزیہ اور زر تعلبندی لینے پر قناعت کی ہو. چنانچہ تمہاری تاریخیں اور جغرافیہ شاہد ہیں اور جب حضرت عیسٰیؑ پھر آویں گے تو بادشاہت آسمانی کے رواج کی تکمیل ہو جائے گی.

ایضاً قال اللہ تعالیٰ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین. یعنی حدود ملحقہ عرب میں فرنگی مغلوب ہو گئے ہیں حالانکہ وہ پھر غالب آویں گے تھوڑے برسوں میں یعنی کہ تین برس کے بعد سے دس برس کے اندر تک،، پارسیوں اور فرنگیوں میں ایک بار لڑائی ہوئی تھی مسلمان لوگ اس میں خوش تھے کہ فرنگی غالب آویں. اسی واسطے کہ انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان لانے میں وہ اُن کے ہم مذہب اور حق پر تھے. اور بُت پرست لوگ مکے کے خوش تھے اس میں کہ پارسی غالب آویں. اس واسطے کہ انبیائے بنی اسرائیل کی تکذیب اور بُت پرستی میں شریک تھے. ناگاہ خبر آئی کہ فرنگی مغلوب ہوئے بُت پرستوں کو بڑی خوشی اور مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا. پیغمبر خدا نے بموجب وحی الٰہی کے فرمایا کہ بالفعل فرنگی مغلوب ہو گئے ہیں تو کیا ہوا تھوڑی مدت میں وہی غالب ہو جائیں گے. چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ سات آٹھ برس کے بعد پھر فرنگی غالب ہوئے جیسا کہ تاریخوں میں بھرا ہوا ہے.

دیکھو حضرت عیسٰیؑ نے جو اپنی ایذائیں اُٹھانے کی خبر دی تھی وہ تو ایک ایسا امر تھا کہ ایسے لوگوں کے لیے پیش پا ہوا کرتا ہے کچھ اس میں اعجاز نہیں ثابت ہوتا اور اورشلیم کی خرابی کی خبر جو حضرت عیسٰیؑ نے دی وہ وہی تھی کہ اگلے انبیاء بھی دیتے آتے تھے. اور اشعیا نے جو اورشلیم وغیرہ کی بار بار خبر دی اور وہ بھی مجذوبانہ کہ بے تعبیر کیے اس کے کچھ معنی اکثر جگہ معلوم نہیں ہوتے ہیں اس میں بھی اعجاز نہیں ہے اس لیے کہ کون سے شہر ہیں جو کبھی نہ کبھی خراب نہیں ہوتے. بخلاف پارس اور فرنگ کے شہنشاہوں کی لڑائی کے کہ مآل کار اس کا خصوصاً بتعین مدت ہرگز کسی کے عقل میں نہیں آتا. علی الخصوص اس شخص کے جس نے کبھی کوئی معرکہ اور کوئی دربار سرکار نہ دیکھا ہو اور اپنے گھر سے باہر نہ نکلا ہو. اور یہ ظاہر ہے کہ جو دانشمند مستدعی اپنی عموم پیشوائی کا ہو گا وہ ایسی بے فائدہ بات کہ در صورت وقوع کے کچھ فائدہ نہ ہو اور در صورت عدم وقوع کے بڑی مضرت عظیم الشان عائد ہو نہیں کہتا اور اپنے لوگوں کو تسلی دینا تو بہت طرحوں سے ہو سکتا تھا. ذرا انصاف کیجیے کہ حضرت عیسٰیؑ کی ان سب

پیشین گوئیوں کو جن کا میں نے استفسار سیز دہم میں ذکر کیا پیشین گوئی کہنا اور اس پیشین گوئی کو پیشین گوئی نہ کہنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔

اور بخاری اور مسلم نے جابر بن سمرہ سے کہ ان کی صحابیت بھی مسلم الثبوت ہے باسناد متصل استخراج کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ لتفتحن کنوز قیصر یعنی مقرر تم کھولو گے خزانے شہنشاہ فرنگستان کے اور فرمایا۔ اذا ھلک قیصر فلا قیصر۔ یعنی جب کہ شہنشاہ فرنگستان میرے امتیوں کے ہاتھوں سے خراب ہو جائے گا پھر نہ استوار ہو گا" دیکھو یہ پیشین گوئی ابو بکر صدیق کے وقت سے شروع ہوئی اور ترکوں کے ہاتھوں سے کامل ہو گئی۔ اور شہنشاہی فرنگستان ایسی غارت گئی کہ کئی سو برس سے اس کا نام ونشان بھی نہ رہا اور ایشیائے رُوم اور ارضِ مقدس جو سارے فرنگستان کے بادشاہوں کا معبد تھا پہلے ریلے میں قیصر سے کیسے چھین لیا گیا اور بعد اس کے ۱۱۰۰ء و ۱۲۰۰ء مسیحی میں سارے اہلِ حکومت فرنگستان کے اور بادشاہ انگلستان کا بھی تین تین اور چار چار لاکھ سپاہیوں سے جمع ہو ہو کر مسلمانوں کو فرنگستان اور ارض مقدس سے نکالنے کے لیے لڑے اور آخر کار ان لڑائیوں سے کچھ انہیں فائدہ فتح یابی کا نہ ہوا اور چالیس لاکھ فرنگی فلسطین میں دفن ہوا۔ چنانچہ اس قصے کو ڈاکٹر ٹیٹلر نے مفصل لکھا ہے اور اپنی ان لڑائیوں کا نام جہاد مقدس اور جنگ مقدس رکھا ہے۔

اور لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ باوجودیکہ شہنشاہی فارس کی قیصر کی شہنشاہی سے بہت مقدم تھی اور سکندر کے ہاتھ سے خراب ہو کر پھر استوار ہو گئی تھی۔ پیغمبر خدا یہ بھی فرماتے تھے کہ فارس والے ایک ٹکر یا دو ٹکر کے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ دوم کے وقت سے خلیفہ سوم کے زمانے تک وہ ٹکریں مارا کئے بعد اس کے بے نام ونشان ہو گئے۔ اور اہل فرنگ دو قرنوں والے ہیں ایک گروہ اگر خراب ہو گیا تو دوسرا استوار رہتا ہے یعنی اگرچہ شہنشاہی فرنگستان کی مٹ جائے گی جس طرح کسرے کی مٹ جانے والی ہے مگر کسرے کی ولایت کی کوئی قوم ہم مذہب والی بر پا نہ ہو گی بخلاف فرنگستان کے کہ ان میں سے اگر بعضی حکومتیں خراب ہو جائیں گی تو پھر اور استوار ہو جایا کریں گی اور اہل فرنگ تحمل والے ہیں اور آخر زمانے میں پھر عروج پکڑیں گے۔ اس حدیث کا ماخذ یعنی وہ کتاب جس میں یہ روایت باسناد متصلہ لکھی ہے مجھے اس وقت یاد نہیں پڑتا۔ شاید جامع صغیر میں ہے۔

ف . یہ قاعدہ مقاصد صاحب والوں کا کہ جن ولایتوں پر کوئی بادشاہ مسلط رہتا تھا تو ان ولایتوں کو اسی بادشاہ کی ولایت کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ خصوصاً جب کہ ان ولایتوں کی حدود آپس میں ملحق اور اوضاع اور اطوار ان کے متشابہ اور متقارب ہوں۔ اس لیے سارے فرنگستان کو عرب لوگ روم کہتے تھے۔

اور مسلم نے بسند متصل مستورد صحابی سے کہ ان کی صحابیت بھی مسلم ہے استخراج کیا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ قیامت نہیں آوے گی مگر یہ کہ اہل روم سب آدمیوں سے زیادہ ہو لیں گے۔

اور مسلم نے بسند متصل ابوہریرہ سے ایک حدیث کا استخراج کیا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پھر آنے کے زمانے میں قسطنطنیہ فرنگیوں کے پاس ہوگا۔ ان دونوں پیشین گوئیوں کی تکمیل اور ظہور اب تک نہیں ہوا مگر میں نے اس واسطے ان کو نقل کیا کہ آثار اس کے انگلشیوں اور روسیوں کی حکومت سے ظاہر ہیں۔ شاید انہیں سے وہ دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوں یا فرنگستان کی اور دوسری قوم سے۔

اور احمد بن حنبل اور بزار اور طبرانی اور ابو نعیم اور حاکم نے باسناد صحیحہ متصلہ عبداللہ بن مسعود اور ابی بکرہ اور بریدہ اسلمی سے کہ ان سب کی صحابیت مسلم الثبوت ہے روایت کی کہ پیغمبر خدا نے ترکوں کے غلبے کی خبر دی ہے۔ چنانچہ پانسو برس کے بعد اس کا ظہور ہوا۔

اور ابو داؤد اور بیہقی نے باسناد متصلہ ثوبان دائل سے کہ ان کی صحابیت بھی مسلم الثبوت ہے استخراج کیا وہ کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا سے سُنا آپ ایک روز فرماتے تھے کہ "ایک دن آنے والا ہے کہ تمہارے خلاف مذہب والے تم پر چڑھائیاں کریں گے"، اس میں ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ غلبہ مخالفوں کا نہ ہوگا مگر اس جہت سے کہ مسلمان لوگ بہت کم رہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سبب نہیں ہے اس واسطے کہ ان دنوں تم ان دنوں سے کہیں زیادہ ہوگے یعنی ان دنوں تم سینکڑوں ہو اور ان دنوں کروڑوں سے زیادہ ہو گے۔ لیکن سبب یہ ہے کہ تم لوگ نکمے اور ناکارے ہو جاؤ گے اور خداوند تعالیٰ تمہارے رعب کو تمہارے مخالفوں کے دل سے نکال لے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا"۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے کراہت"۔

چنانچہ کچھ اس کا ظہور بعض ملوک فرنگ اور چنگیزیہ کے عہد میں ہوا اور بعد ہزار برس کے پوری تکمیل اس کی اسپین کے فرنگیوں سے ہوئی اور انگلشیہ اور روسیہ کے ہاتھوں نہایت ظہور میں آئی جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔

اور بخاری اور مسلم نے باسناد متصلہ اخراج کیا ابوہریرہ سے کہ میں نے سنا پیغمبر خدا سے آپ فرماتے تھے کہ ضرور ہونے والی ہے یہ بات کہ سرزمین حجاز میں ایک آگ بلند ہو جس سے بُصریٰ کے شتر خانوں تک روشنی پہنچے۔ چنانچہ اوائل جمادی الاخریٰ سنہ آٹھ سو چون ۸۵۴ ہجری میں واقع ہوا کہ وہ آگ حجاز کے میدان کی سرزمین سے خود بخود بلند ہوئی اور حدود یمن تک پہنچی اور اتنی بلند ہوئی تھی کہ چار چار پانچ پانچ منزل سے معلوم ہوتی تھی اور قریب پچپن دن کے رہی اور آخر رجب سنہ مذکور میں فرو ہوئی۔ چنانچہ تواریخ عربستان سے ظاہر ہے۔

یہ سب پیشین گوئیاں یادہ ہیں جن کا مخبر اسی وقت لکھا گیا جیسے قرآن والیاں یا وہ کہ ان کے گواہوں کا اظہار اواخر قرن ثانی اور اواسط قرن ثالث میں قلم بند ہوا اور وقوع میں بعد مدت کے آئیں اور جب پہلی انجیل کے ساتویں باب کے پندرہویں ورس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کی مرضی پر چلنے والوں کی علامات بیان فرما کر ورس بستم میں فرماتے ہیں۔ نسخہ ۱۸۱۶ء۔ تعرفونھم بثمراتھم یعنی اُن کے پھلوں سے اُنہیں پہچانو گے۔ اور سب انجیلوں میں کئی جگہ فرمایا کہ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہو اور ایمان کامل ہو تو پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دو اور دریا پر برابر چلے جاؤ اور دیو بھوت کو ڈانٹ کر نکال دو موافق اس کے امت مصطفویہ کے کامل ایمان والوں کے حالات بیحد اور بے پایاں ہیں مگر وہ کتابیں جن میں بعضے ان حالتوں کو لوگوں نے اپنے چشم دیدہ لکھا ہے میرے پاس نہیں اور نہ تفصیل وار مجھے یاد ہیں۔ مگر دو تین باتیں مجھے یاد ہیں انہیں لکھتا ہوں۔

ازاں جملہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ان کی وثاقت شان سارے جہان کے نزدیک مسلم الثبوت ہے اپنی کتاب میں جس کا نام فتوحات ہے اور اس کی تالیف ان سے ویسے ہی ثابت ہے جیسے ان کا اور اس کتاب کا ہونا اپنی چشم دیدہ بہت سے معجزات اولیاء محمدیہ کے لکھے ہیں مگر وہ کتاب میرے پاس نہیں ہے لیکن اس میں سے ایک مجھے یاد ہے۔

شیخ لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک بے دین نے کہا کہ یہ جو قرآن میں لکھا ہے کہ ابراہیم کو آگ نے نہ

جلایا۔ یہ عقل کی رو سے غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جلانا آگ کے لوازم ذاتی سے ہے۔ شاید اس آگ سے آتش غضب نمرودی مراد ہوگی۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے میرے سامنے اس بے دین سے کہا کہ آگ خدا کی تابعدار ہے جب وہ جلانے کو کہتا ہے جلاتی ہے اور نہیں تو نہیں جلاتی ہے۔ اور خدا کے بندے اب بھی ایسے ہیں کہ ان کے لیے خدا آگ کو جلانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس انگیٹھی میں آگ دہک رہی ہے اپنے ہاتھ سے اُٹھا لے خدا اُسے جلانے نہ دے گا۔ اس نے انگیٹھی کی طرف ہاتھ بڑھا کر انگارہ اُٹھا لیا اور دیر تک اپنے ہاتھ میں اور اپنے کپڑوں پر رکھا اور کچھ صدمہ نہ پہنچا یہاں تک کہ پھر انگیٹھی میں اس انگارے کو ڈال دیا۔ بعد اس کے اس درویش نے کہا کہ پھر تو اٹھا۔ اُس نے پھر ارادہ کیا۔ دُور ہی سے ہاتھ پر آگ کی گرمی پہنچی ہرگز اُٹھایا نہ گیا۔

ازاں جملہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ثقاہت بھی تمام عالم پر روشن ہے اپنی بوستان میں کہ اس کی تالیف بھی ان سے ایسے ہی ثابت ہے جیسے ان کا ہونا لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ فاریاب کا ایک پیر مرد ایک دریا پر پہنچا۔ ملاحوں نے مجھ سے مزدوری پا کر مجھے تو کشتی پہ بٹھا لیا۔ مگر اس پیر مرد کے پاس کچھ کوڑی پیسا نہ تھا اسے نہ بٹھایا۔ وہ پیر مرد پانی پہ بے تکلف چلا یہاں تک کہ میرے سامنے پار ہوا میں بڑی حیرت میں رہا کہ یہ خواب ہے یا بیداری کا معاملہ ہے۔ اس پیر مرد نے میری حیرت کو دیکھ کر فرمایا کہ کچھ تعجب کی جگہ نہیں خدا مجھے پانی پہ لایا۔

ازاں جملہ خواجہ میر درد دہلوی کہ سارے ہندوستان کے علماء اور شعراء انہیں جانتے ہیں اور ان کی ثقاہت بھی ان کے نزدیک مسلم الثبوت ہے اور ان کے بعضے بعضے دیکھنے والے ہمارے زمانے تک موجود بھی تھے اپنی کتاب میں جس کا نام ہے شرح واردات اور اس کتاب کی تصنیف ان کے ہاتھوں سے بھی اہل علم کے نزدیک جنہوں نے اس کتاب کو پڑھا ہے مسلم الثبوت ہے لکھتے ہیں کہ میں اپنے والد بزرگوار کے حضور میں بیٹھا تھا یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ ان کا بدن کپڑوں سمیت مانند عینک کے ہے کہ ان کی پُشت کی دیوار وغیرہ صاف نظر آتی ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بڑی دیر تک میں ان کے بدن کو ایسے دیکھتا رہا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ وہ صفت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ہے جو حکیم ترمذی نے بسند متصل ذکوان سے کہ وہ بھی مشہور صحابی ہیں استخراج کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

دھوپ اور چاندنی میں نہیں معلوم ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ یہ روایت اس نظر سے کہ مثل شق القمر وغیرہ کے قرون اولیٰ میں بکثرت طرق مروی نہیں ہے مقتضی اس بات کو ہے کہ آنحضرت کا سایہ نہ پڑنا دائمی نہ تھا۔ ورنہ مثل اور معجزات کے سب سے زیادہ ائمہ حدیث کو اس کی خبریں متواتر پہنچتیں۔ مگر یہ تو بے شک ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی تو ایسا ہوا کیا ہے کہ سایہ پیغمبر خدا کا دھوپ وغیرہ میں نہیں پڑا۔ اس واسطے آنحضرت کے ادنیٰ امتی سے ایسی کرامت ظاہر ہوئی۔

اور احیائے میت کا معجزہ حضرت عیسیٰ سے انجیلوں کی تفصیلی روایتوں کی رُو سے صرف دو ہی دفعہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس لڑکی کا جینا جسے آپ نے فرمایا تھا کہ مری نہیں بلکہ سوتی ہے اسی وقت شاید اس کی جان نکلی تھی کچھ دیر بھی نہیں گزری تھی۔ اور دوسری العاذار کا تیسرے دن خدا کے حضور بہت زاری اور تضرع کر کے قبر میں سے جلانا۔ جس طرح سلاطین کی پہلی کتاب کے سترھویں باب ورس بائیس[۲۲] میں ایلیا کا معجزہ احیائے میت کا دعا مانگ کے لکھا ہے۔ تو ہمارے پیغمبر خدا سے احیائے میت کا معجزہ بھی کئی دفعہ ہونا مروی ہے۔ ایک بار ایک بکری ذبح ہوئی اور اس کا گوشت کھا لیا گیا ہڈیاں اس کی یکجا تھیں۔ آنحضرت نے ان ہڈیوں کو جمع کر کے اسے زندہ کیا۔

اور ایک دفعہ ایک شخص کی ایک لڑکی مر گئی۔ اس شخص کے کہنے پر آنحضرت اس کے جنازے پر تشریف فرما ہوئے اور پکار کے کہا کہ تجھے اسی عالم میں رہنا خوش آتا ہے یا پھر اس عالم میں آنا؛ اس نے کفن سے منہ کھول کے کہا کہ مجھے دنیا میں پھر آنا قبول نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں روایتیں مواہب لدنیہ میں بیہقی اور ابو نعیم کی کتابوں سے نقل کی ہیں۔ اور اور بعضے علمائے امت مصطفویہ سے احیائے میت کا معجزہ لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھا لکھا ہے مگر وہ کتابیں میرے پاس نہیں ہیں اور مجھے یاد ہیں۔

بالجملہ اب بتائیے کہ کون سا عذر عیسائیوں کو حضرت خاتم النبیین کے معجزات کے ثبوت میں باقی رہا اگر کوئی ہو تو بیان کیجیے کہ اس میں بھی غور کیا جائے۔ اور کوئی معجزہ کسی نبی کا انبیائے بنی اسرائیل سے اس ضابطۂ عقلیہ کے طور پر جو سمعیات کے ثبوت عقلی کے لیے درکار ہے مجھے بتا دیجیے کہ بدوں تصدیق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اس کی تصدیق لازم آوے اور بنی اسرائیل کے بہت سے نبیوں کا بائبل میں مذکور ہے اور ان سے معجزے صادر ہونے کا ذکر نہیں ہے اور انجیل میں ایک جگہ تصریح ہے

لکھا ہے کہ یحییٰ نبی سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ اور انجیل چہارم کے بارہویں باب کے ورس ۳۷ سی و ہفتم میں لکھا ہے کہ اگرچہ عیسیٰ نے بہت معجزے دکھلائے پر وہ ایمان نہیں لائے۔ اسی طرح ہمارے پیغمبر خدا پر جو اس زمانے کے لوگ سب کے سب ایمان نہ لائے تو اس سے معجزات کی نفی نہیں لازم آتی۔

سولھواں استفسار

اکثر لوگوں کے رسالوں میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ اعتراض لکھا دیکھا ہے کہ حضرت کا ذکر اگلے انبیاؤں نے نہیں کیا۔ سو پہلے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت موسےٰ کا ذکر کس کتاب میں ہے جو اُن سے پہلے کی ہو۔ آپ ہی لوگوں کے اظہار سے ثابت ہے کہ موسےٰ سے پہلے کی کوئی کتاب دُنیا میں نہیں ہے۔ پھر یہ کہتا ہوں کہ دوسرے نبی کی نبوت کے ثبوت کے لیے پہلے نبی کا کہہ جانا کس برہانِ عقلی کی رو سے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس کی ضرورت کی دلیل ہو تو بیان کیجیے۔ بلکہ برہانِ تطبیق اس امکان کو باطل ٹھہراتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں تسلسل لازم آتا ہے۔ بعد اس کے میں کہتا ہوں کہ پہلے نبی کو دوسرے نبی کی خبر دینا کس طرح سے چاہیئے۔ آیا اس طرح کہ تمام خصوصیات دوسرے نبی کی بیان کرے جس طرح قبالجات وغیرہ اور چہرہ نویسی میں لوگوں کے لکھا جاتا ہے یا اس طرح کہ فہمیدہ آدمی اپنی الف اور عادت سے کنارے ہو کر جب غور کرے تو مطابق پاوے۔ بس اگر پہلی طرح کا خبر دینا مراد ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء کے لیے ایسی خبریں اگر کہیں سے نکلتی ہوں تو ہمیں بتا دیجیے۔ اور اگر دوسری طرح کی خبر مراد ہے تو ہم سے لیجیئے۔ مگر ان خبروں کے ذکر کرنے سے پہلے دو مطلبوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

پہلا مطلب اس بات کے بیان میں کہ ناموں کا ترجمہ کر ڈالنا اور اکثر جگہ کلمے بطور ترجمے یا تفسیر کے لاحق کر دینا اہل کتاب کی عادات سے ہے۔ از انجملہ کتاب پیدائش باب دوم ورس ۲۳ نسخہ ۱۸۱۱ء تسمی امراءۃ لانہا من امرء اخذت۔ نسخہ ۱۸۲۵ء یہ ایشاہ یعنی عورت کہلائے گی کیونکہ ایش یعنی مرد سے نکلی ہے۔ دیکھو ایش اور ایشاہ شاید عبری میں مرد اور عورت کو کہتے ہیں۔ پس ترجمے میں چاہیئے تھا کہ صرف اس کا ترجمہ کرتے یا صرف اصل کو نقل کرتے نہ کہ اس لفظ کو نقل کیا اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر اپنی طرف

سے کتاب میں بڑھادی۔ اور باب ۱۶ ورس ۱۴ ۱۶۲۵ء لذلك دعت اسم البئر بير الحي الناظرني ۱۸۲۵ء اس واسطے اس کنویں کا نام بیر حیّ ناظری یعنی میرے دیکھنے والے زندے کا کنواں رکھا۔ اس جگہ دو طرح کی تبدیلی ہوئی۔ ایک یہ کہ کنویں کا نام جو عبرانی میں تھا اسے عربی کیا وہ بھی غلط۔ دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ اس کا ترجمہ خدا کی کتاب میں مخلوط کر دیا۔ اور باب ۲۲ ورس ۱۴ ۱۸۱۱ء سمی ابراهيم اسم ذلك الموضع مكان يرحم الله زائره۔ ۱۸۲۵ء ابراہیم نے اس مقام کا نام یہواہ یُری رکھا۔ دیکھو نام کی تبدیلی اور اس کا ترجمہ اور باب ۳۱ اور ورس ۲۰ ۱۶۲۵ء فکتم یعقوب امرہ عن حمیه۔ ۱۸۲۵ء یعقوب نے ارمنی لابان سے دغا کی: حضرت یعقوب کے خسر کا نام لابان تھا۔ ۱۶۲۵ء والے نے خسر کو حم کر کے ترجمہ کیا۔ حالانکہ حم کہتے ہیں عورت کے رشتہ دار کو جو خاوند کی طرف سے ہو جیسے دیور اور جیٹھ اور اس کے ساتھ اس نام کو بالکل اُڑا بھی دیا۔ اور باب ۴۹ ورس دہم ۱۸۲۵ء یہودا سے ریاست کی جریب جدا نہ ہو گی اور نہ حاکم اس کی نسل سے جائے گا جب تک کہ شیلانہ آوے اور قومیں اس کے پاس جمع ہوں: ۱۶۲۵ء فلا يزول القضيب من يهودا والمدبر من حتى يجي الذي له الكل واياه تنتظر الامم۔ یعنی یہودا سے جریب نہ جائے گی اور نہ حاکم اس کے ران کا۔ یہاں تک کہ آوے وہ شخص جس کے واسطے سب کچھ ہے اور قومیں اس کی انتظار کریں گی۔ ۱۸۱۱ء فلا يزول القضيب من يهودا والرسم من تحت امره الى ان يجي الذي هوله واليه يجتمع الشعوب۔ یعنی جریب یہودا سے جدا نہ ہو گی اور نہ حکومت مرسومہ اس سے باہر ہو گی۔ یہاں تک کہ وہ شخص جس کے واسطے وہ حکومت ہے آوے اور قومیں اس کے پاس جمع ہوں۔ دیکھو یہ حضرت یعقوب کی پیشین گوئی ہے اپنے ایک بیٹے کے حق میں جس کا نام یہودا ہے۔ اس کی حکومت مرسومہ کے زوال کا وقت ایک شخص موعود کے آنے کے وقت کو کہا جس کا نام شاید شیلا بتایا۔ دیکھو کیسا ترجمہ کیا اور اس میں اختلاف بھی کیا اور شیلا کا نام کیسا گھٹا بڑھا دیا اور اس کی دوسری صفت یعنی يجتمع اليه الشعوب کو اياه تنتظر الامم سے بدل ڈالا۔

اور کتاب خروج باب سوم ورس چہاردہم ۱۸۲۵ء فقال الله لموسى أهيه اشر اهيه ۱۸۱۱ء قال له الازلى الذي لا يزال ۱۸۲۵ء خدا نے موسےٰ سے کہا کہ میں وہ ہوں جو ہوں۔ أهيه اشر اهيه شاید اسم ذات ہے اس کا ترجمہ کیا اور ترجمے میں اختلاف بھی کیا۔ اور باب ہشتم ورس ۱۱ ۱۶۲۵ء

تبقیٰ فی النہر فقط سنہ ۱۸۱۱ء تبقیٰ فی النیل فقط۔ ”نیل نام ہے ایک نہر کا، اس کو نہر کے لفظ کے ساتھ بدل ڈالا۔ اسی طرح اگر محمد کے لفظ کو بلفظ آدمی بدل ڈالا ہو تو کیا تعجب۔

اور باب ہفتدہم ورس ۱۵ سنہ ۱۸۲۵ء۔ فابتنیٰ موسیٰ مذبحًا ودعا اسمہ الرب عظمتی سنہ ۱۸۱۱ء وبنیٰ مذبحًا وسماہ اللہ علمی سنہ ۱۸۲۵ء۔ موسے نے ایک قربان گاہ بنائی اور یہواہ میر انشان اس کا نام نام رکھا۔ یہاں بھی علم کا ترجمہ کیا اور عربی دونوں ترجموں میں اختلاف بھی کیا۔

اور باب ۱۳ سے ورس ۲۳ سنہ ۱۸۲۵ء من میعۃ فائقۃ سنہ ۱۸۱۱ء من المسك الخالص سنہ ۱۸۲۶ء ”اچھی خوشبو خالص لوبل سے“ دیکھو کہاں میعہ اور کہاں مشک۔ اور سنہ ۱۸۲۵ء والا نہیں معلوم کیا لکھتا ہے اور کتاب استشنا۔ کے بارہویں باب کے پندرہویں ورس میں تغییر ظاہر اور غیر ظاہر کی کمی بیشی جو ہم استفسار دہم میں لکھ چکے ہیں اسے پھر دیکھ لو۔

اور باب ۳۴ ورس ۵ سنہ ۱۸۲۵ء فمات ہناك موسیٰ عبد الرب سنہ ۱۸۱۱ء فمات ہناك موسیٰ رسول اللہ“ اگر محمد رسول اللہ کی جگہ ایک بندہ خدا کر دیں تو کچھ تعجب نہیں۔ اور کتاب یوشع کی باب ششم کے ورس چھٹے میں جو الحاق تغییر کا ہوا ہے اسے استفسار پنجم میں دیکھ لو۔ اور باب دہم ورس ۱۳ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء یاشا کی کتاب میں نہیں لکھا ہے۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء الیس ہو مکتوب فی سفر المستقیم کہاں صاحب کتاب کا نام اور کہاں کتاب کا نام اور اس کا بھی ترجمہ نہ کہ اصل۔

اور اشعیا کی کتاب باب ہشتم ورس ۱ سنہ ۱۸۲۵ء پھر یہواہ نے مجھے کہا کہ ایک بڑی تختی لے اور کاریگر کے قلم سے اس پہ لکھ کہ مہیر شلل حش بز۔ سنہ ۱۸۳۹ء او خداوند مرا فرمود کہ لوحی بزرگ بگیر واز قلم کنند کار در باب مہر شالال حاشبز بنویس۔ سنہ ۱۸۱۱ء وقال لی الرب خذ لك مدرجًا صحيحًا صحيفة حديدة كبيرةً واكتب فيها بكتابة انسان حاد ليصنع نهب الغنائم لانه حضر۔ مہر شالال حاشبز کسی کا نام ہے اس کا ترجمہ انسان حاد لیصنع نہب الغنائم لکھا یا اور تبدیل علم کے سوا عربی نسخے میں اور لفظیں کیسی بڑھائی ہیں۔ اور ورس ۳ سنہ ۱۸۲۵ء اور اس کا نام مہیر شلل حش بز رکھ، سنہ ۱۸۳۹ء اور مہر شالال حاشبز نام بنہ۔ سنہ ۱۸۱۱ء ادع اسمه اغنم بسرعة وانهبوا بحدة“ دیکھو نام کا بدلنا۔ اگر محمد یا احمد کے لفظ کو بدل ڈالا تو کیا بڑی بات کی۔

اور باب چہل سوم ورس ۲۸ سنہ ۱۸۲۵ء یعقوب پر لعنت کی اور بنی اسرائیل پر تف اور

لعن کیا۔" سب نسخوں میں ایسا ہی ہے۔ یہاں سے مراد اگرچہ بنی یعقوب اور بنی اسرائیل ہیں۔ مگر خدانخواستہ اگر ایسا لفظ اس شخص کے ساتھ ہوتا جس کی بزرگی متنازع فیہ ہے تو مخالفوں کو بڑی دستاویز ہاتھ لگتی۔ اور باب شصت و دوم ورس ۴۔ نسخہ ۱۸۲۵ء "تو خفطیا کہلائے گا یعنی میری خوشی اس میں اور تیری زمین بعیلا ہو گی یعنی خاوند والی۔ نسخہ ۱۸۱۱ء لانك تدعين ارادتی وارضك مسكونة۔ دیکھو نام کی تغیر اور اس کی کمی بیشی۔

اور زبور دوم ورس ۱۲۔ ۱۸۱۱ء الزموا الادب لئلا یغضب الرب علیکم۔ ۱۸۲۵ء بیٹے کو چومو تا نہ ہووے کہ وہ تم سے بیزار ہو۔ نسخہ ۱۸۳۹ء اسی کے موافق۔ کہتے ہیں کہ بیٹے سے مراد عیسیٰ ہیں۔ دیکھو کیسی تبدیلی ہوئی۔ سچ کہتا ہوں کہ سینکڑوں جگہ بائبل میں اسی طرح کی تبدیلی اور کمی بیشی واقع ہوئی۔ مگر سب کو ملا کر دیکھنے اور لکھنے کی فرصت کس کو ہے۔

آمدم برسرِ اناجیل وغیرہ

پہلی انجیل پہلا باب ورس ۲۱۔ نسخہ ۱۸۱۴ء "تو اس کا نام عیسیٰ رکھنا۔ اس واسطے کہ وہ اپنی امت کو ان کے گناہوں سے بچا دے گا۔" سب نسخے اسی کے موافق ہیں۔ ۱۸۳۹ء "تو اس کا نام یسوع یعنی نجات دینے والا رکھا اس واسطے کہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔" دیکھو سینکڑوں برس کے بعد یہ عبارت نئی ملائی گئی یعنی نجات دینے والا۔ اسی طرح فارقلیط کی تفسیر سینکڑوں برس پہلے موافق اپنے فہم کے ملائی گئی ہے۔

اور باب دہم ورس ۲۵۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "خداوند خانہ را بعلزبول مسمے نمودند۔" سب نسخے اس کے موافق ہیں۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "جب انہوں نے صاحب خانہ کا نام بعلزبوب یعنی دیووں کا سردار رکھا ہے" اس میں بعلزبول یا بعلزبوب کی تفسیر کا الحاق سینکڑوں برس کے بعد ہوا۔

اور باب یازدہم ورس ۱۴۔ نسخہ ۱۸۱۱ء "قال ان اردتم ان تقبلوه فہو ایلیا المزمع ان یاتی۔ ۱۸۱۶ء فان اردتم ان تقبلوه فہذا ہو الرفع بالاتیان۔" دیکھو ایلیا کا نام کہ مراد اس سے شاید حضرت یحییٰ ہیں کیسا کم ہو گیا یا بڑھا دیا گیا ہے۔

اور باب شانزدہم ورس ۱۴۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "گفتند کہ بعضے یحییٰ تعمید دہندہ و بعضے الیاس

و بعضے ارمیا" نسخہ ۱۸۱۴ء "انہوں نے کہا بعضے کہتے ہیں کہ تو یحیٰی اصطباغی ہے اور بعضے الیاس اور بعضے میا کا بیٹا"۔ دیکھو ارمیا کا نام کیسا بدل گیا۔

اور باب ہجدہم ورس ۲۴۔ نسخہ ۱۸۱۴ء "وہ ایک کو جس پر اس کے دس ہزار توڑے قرض تھے اس کے سامنے لائے"۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "شخصی را بُردے دی کہ مبلغ دہ ہزار قنطار بدو کار بود"۔ ۱۸۱۶ء اتی الیہ بمدیون عشرالاف قنطار۔ نسخہ ۱۸۳۶ء "ایک کو جس پر اس کے دس ہزار یعنی قریب ۲۴ لک روپئے کے قرض تھے لائے"۔ سوائے اور اختلافات کے دیکھو کہ سینکڑوں برس کے بعد یہ تفسیر یعنی ۲۴ لک روپئے بڑھا دی گئی۔ اس طرح سینکڑوں برس پہلے فارقلیط کی تفسیر بڑھائی گئی چونکہ بہت دنوں سے تھی سب نسخوں میں پھیل گئی اور عداوت اور حسد کا بھی قدم درمیان میں تھا بخلاف اس روپئے کی تفسیر کے کہ ابھی چند سال ہوئے بڑھائے ہوئے بہت پھیلی نہیں اور جو حسد اور عداوت کی بات نہیں ہے شاید نہ تھی پہلے۔

اور باب بست وہفتم ورس ۴۶۔ نسخہ ۱۸۱۱ء قائلا الوی الوی لما صا فختانی الذے تفسیرہ الہٰی الہٰی لما اذا ترکتنی۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "بلند آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا کیوں تو نے مجھے چھوڑ دیا"۔ ہم الوی کو ایلی سے اور صا فختانی کو سبقتنی سے بدلنے کو تحریف نہیں کہتے ہیں اس واسطے کہ شاید دونوں عبری لغت ہوں۔ مگر ظاہر ہے کہ پھانسی پانے کے وقت جو شخص اضطراب کا کلمہ اپنی زبان میں کہے گا تو دوسری زبان میں اس کی تفسیر نہیں کرے گا۔ خصوصاً خدا سے مناجات کرنے میں بس یہ تفسیر نہیں بڑھائی ہے۔ مگر یونانی مترجم نے سو اسی طرح اسی نے شاید بعد ترجمہ کرنے لفظ احمد کے بہ فارقلیط اس کی تفسیر موافق اپنے فہم ناقص کے یا کسی اور نے از روئے عداوت کے محض غلط بڑھا دی ہے۔ اور دیکھو یہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کے وقت والے عبری بولتے تھے نہ کہ یونانی۔ اور معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ معاذ اللہ مرتے وقت جھوٹ بولے۔ یعنی اگر خدا تھے تو الہٰی الہٰی کر کے کس کو پکارا اور اگر پیغمبر تھے اور خدا کی راہ میں اپنی جان دی تو شہادت کے وقت اپنے تئیں متروک الہٰی کیوں کہا۔ وہ تو کمال مقبولیت کا وقت تھا اور لطف یہ ہے کہ تیسری انجیل والا باب بست سوم کے ورس چھیالیسویں میں عیسیٰ مصلوب سے صلیب پانے کے وقت یہ جملہ نقل کرتا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء یسوع بلند آواز سے چلا کر بولا۔ اے باپ میں اپنی روح

تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں یہ کہہ کے جان دی۔" پس دونوں انجیل والوں میں سے ایک نے بے شک غلط کہا خواہ عمداً خواہ نسیاناً۔ روح القدس عمداً یا نسیاناً غلطی نہیں کرتا ہے بالاتفاق۔

اور انجیل دوم باب سوم ورس ۱۷۔ نسخہ ۱۸۱۴ء "زبدی کے بیٹے یعقوب اور یعقوب کے بھائی یوحنا کو جنہیں بوان رجس جس کا ترجمہ بادل کے بیٹے ہے خطاب دیا۔ نسخہ ۱۸۳۹ء مطابق اس کے مگر بادل کی جگہ رعد ہے۔ ۱۸۱۶ء یعقوب الزبدی واخو یعقوب یوحنا الذان لقبهما بلوان رجس یعنی ابن الرعد" دیکھو حضرت عیسیٰ نے یعقوب اور یوحنا حواریوں کو جو خطاب دیا تھا مؤلف انجیل نے اول اس کا ترجمہ یونانی میں کیا اور پھر عربی میں اور بعد اس کے اس کی تفسیر بھی پیچھے سے اس کے ساتھ لگا دی۔ اس لیے کہ لقب مقرر کرنے میں یہ دستور نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ بھی دوسری لغت میں اس کے ساتھ لگا دیں اور یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ عبری بولتے تھے نہ کہ یونانی۔

اور باب پنجم ورس ۴۱۔ نسخہ ۱۸۱۱ء لها طاليتا کوم الذی تاویله یا صبیة لك اقول قومی۔ ۱۸۱۶ء قال لها طاليتا یعنی ایها الصبیة قومی۔ ۱۸۲۶ء اس سے کہا طالیتا قومی جس کا ترجمہ ہے اے لڑکی اُٹھ میں تجھ سے یہی فرماتا ہوں۔ یہ وہی لڑکی ہے جس کے مرنے پر حضرت عیسیٰ اس کے زندہ کرنے کو گئے اور سرِ دست اس کے اولیاء کی تسلی کے لیے یعنی بمودائے دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز، فرمایا کہ مری نہیں سوتی ہے بعد اس کے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کلمہ کہا۔ پس ظاہر ہے کہ جو کوئی کسی سے موافق اپنے آپس کے محاورے کے خطاب کرتا ہے تو اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہیں کیا جاتا ہے یہ ترجمہ پیچھے سے بڑھایا گیا ہے۔ اور یہاں سے بھی عبری بولنا حضرت عیسیٰ کا ثابت ہوا۔

اور باب ہفتم ورس ۳۲۔ نسخہ ۱۸۱۴ء "وہاں ایک بہرے کو جس کی زبان میں لکنت تھی اس کے پاس لائے۔ الیٰ قولہ۔ ۳۴۔ آسمان پر نظر کر کے ایک آہ کی اور اس سے کہا انفتح یعنی کُھل جا۔" ایسا ہی نسخہ فارسی اور دوسرے اردو نسخے میں بھی ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۳۴۔ ونظر الی السماء وتاده وقال افتا یعنی انفتح۔ ۱۸۱۱ء ونظر الی السماء وتنهد وقال افاتا الذی هو انفتح۔ دیکھو افتا یا افاتا کا ترجمہ پیچھے سے زیادہ کیا گیا اور یہاں سے بھی عبری بولنا حضرت عیسیٰ کا ثابت ہوا۔

اور باب پانزدہم ورس ۳۴۔ نسخہ رومیہ منطبعہ ۱۶۷۱ء یک ہزار و ششصد و ہفتاد و یک

لما کان المساء لانہا کانت للاستعداد و یوم الجمعۃ التی ھی قبل السبت. نسخہ ۱۸۲۹ء "جب سبت کے آگے تیاری کرنے کے دن کی شام ہوئی"۔ باقی سب نسخے اسی نسخہ اردو کے موافق ہیں۔ دیکھو جمعہ کا نام کیسا گھٹایا بڑھا دیا گیا۔ اسی جگہ سے نکلتا ہے کہ جمعے کے روز حضرت عیسیٰ کو صلیب دی اور اسی دن شام کو دفن کیا۔ اور سب انجیلوں کے اواخر ابواب سے ظاہر ہے کہ اتوار کے دن صبح سے لاش قبر سے غائب تھی۔ پس صرف ایک دن اور دو رات حضرت عیسیٰ قبر میں رہے۔ حالانکہ انجیلوں میں قول آپ کا یوں نقل کیا کہ شخص مصلوب تین دن اور تین رات برابر قبر میں رہے گا۔ یہ پیشین گوئی غلط ہو گئی۔

اور انجیل چہارم باب اول ورس ۳۸۔ نسخہ ۱۸۱۱ء فقالا لہ ربی الذی تاویلہ یا معلم۔ ۱۸۳۹ء "انہوں نے اس سے کہا اے ربی یعنی اے استاد" ایسا ہی سب نسخوں میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ خطاب کرنے میں کسی کے کوئی جو کلمہ تعظیم کا کہتا ہے اس کے ساتھ اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہیں کرتا ہے یہ ترجمہ راوی نے ملایا ہے۔

اور ورس ۴۱۔ نسخہ ۱۸۱۱ء قد وجدنا مسیا الذی تاویلہ المسیح۔ ۱۸۱۶ء مسیح را کہ ترجمہ آں کرسطوس می باشد یافتم۔ ۱۸۱۴ء ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرسطوس ہے پایا۔ ۱۸۳۹ء ہم نے خرستہ یعنی مسیح کو پایا۔ دیکھو ایک نسخے میں اصل نام مسیا کہا اور ترجمہ اس کا مسیح۔ سو یہ ترجمہ تو بھلا قریب اصل لفظ کے معلوم ہوتا ہے۔ اور دو نسخوں میں اصل نام مسیح کہا اور ترجمہ اس کا کرسطوس کیا۔ اور ایک نسخے میں اصل نام خرستہ کہا کہ شاید بمعنی کرسطوس ہو اور ترجمہ اس کا مسیح کیا۔ اور از روئے لغت یونانی کے بالاتفاق ثابت ہے کہ کرسطوس معبود حقیقی یعنی اللہ کو کہتے ہیں اور مسیح کا ترجمہ کسی زبان میں اللہ نہیں ہے اور نہ کرسطوس کے معنی یونانی میں مسیح ہیں۔ پس محض موافق اپنے عقیدے کے یہ ترجمہ بطور تفسیر کے بالکل جھوٹ پیچھے سے بڑھا دیا ہے۔ یہاں سے صاف ثابت ہو گیا کہ انجیلوں میں علاوہ از ترجمہ تفسیر بھی لفظ ملاتے رہے ہیں اور وہ تفسیر غلط بھی ہوتی رہی ہے اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ احمد کا یونانی زبان میں ترجمہ فارقلیط کیا اور پیچھے سے اس کی تفسیر غلط یعنی روح القدس کر کے بڑھا دی۔

اور ورس ۴۲۔ نسخہ ۱۸۱۱ء انت تدعیٰ ببطرس الذی تاویلہ الصخرہ۔ ۱۸۱۶ء ستسمی انت بالصفا المفسّر ببطرس۔ ۱۸۱۶ء ترا کیفاس کہ ترجمہ آں سنگ است ندا خواہند کرد۔ ۱۸۱۴ء تو یونا کا بیٹا شمعون ہے تو کیفا کہلائے گا جس کا ترجمہ پتھر۔ ۱۸۳۹ء تو یونا کا بیٹا شمعون

ہے تو کیفا یا پتھر یعنی پتھر کہلائے گا۔" یہاں اصل نام اور اصل خطاب اور اس کے ترجمے کا اختلاف اور ترجمے کی زیادتی تماشا کرنے کے قابل ہے۔ نہیں معلوم ہوتا کہ اصل نام کیا تھا اور خطاب کیا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ خطاب کے ساتھ اس کا ترجمہ دوسری زبان میں کوئی نہیں ملا دیتا ہے۔

اور باب چہارم ورس ۱۔ نسخہ ۱۸۱۱ء "لما علم یسوع"۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "لما علم الرب" اور نسخوں میں یہاں خداوند کا لفظ ہے۔ دیکھئے یسوع کا ترجمہ کسی زبان میں رب اور خداوند نہیں ہے۔ پس یہاں سے دو باتیں معاً ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت رب اور خدا کا لفظ محض جعلی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ترجمہ جھوٹا اور خلاف واقع بھی انجیلوں میں ہے۔ پس یونانی ترجمے میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور فارقلیط کی تفسیر اس میں اسی طرح غلط اوپر سے ملائی گئی ہے۔

اور باب پنجم ورس ۲۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "اور یروشلم میں ایک بھیڑ کے بازار کے نزدیک ایک حوض ہے جو بیت حسدا کہلاتا ہے"۔ سب نسخے اس کے موافق ہیں۔ مگر کسی میں صاد سے یعنی حصدا ہے۔ نسخہ ۱۸۱۱ء یسمی بالعبرانیۃ بیت حسدا ای بیت الرحمۃ۔ دیکھو بیت حسدا کی تفسیر نسخہ ۱۸۱۱ء میں کیسی غلط بڑھائی گئی۔ اسی طرح احمد کی تفسیر غلط ملائی گئی ہے۔ مگر بیت حسدا کی تفسیر بہت دنوں کے بعد اور بے فائدہ بڑھی ہے۔ اسی لیے ابھی تک بہت نہیں پھیلی اور احمد کی تفسیر بہت دنوں پیشتر اور اس میں حسد اور عداوت کا بھی قدم درمیان تھا بہت نسخوں میں برابر پھیل پڑی۔

اور رسالہ اعمال باب نہم ورس ۳۶۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "در شہر یافہ زنے از جملہ شاگرداں بود کہ نامش طبیتہ کہ ترجمہ اش آہو است بود۔ ۱۸۳۹ء عورت تھی طابیتا نام جس کا ترجمہ درکار ہے یعنی ہرنی۔ نسخہ ۱۸۱۶ء تسمی طابیتا التی ترجمتہ غزالہ" باقی نسخے اس کے موافق ہیں۔ دیکھو کسی کے نام کے ساتھ اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہیں لگا ہوتا ہے۔ اور ایک نسخے میں ترجمہ در ترجمہ اب بڑھایا گیا ہے۔

اور باب سیزدہم ورس ۸۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "الیماس آں جادوگر کہ ہمیں است ترجمہ اسم آں۔ نسخہ ۱۸۱۴ء الماس نے جس کا ترجمہ حکیم ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء الماہ جس کا ترجمہ جادوگر ہے" دیکھو یہاں اصل نام کی تبدیلی بھی ہے اور الحاق ترجمہ بھی۔

اور نامہ اول پولوس بنام اہل قرنتس باب شانزدہم ورس ۲۲۔ نسخہ ۱۸۱۶ء "الذی من لا یحب

دبنا المسیح فلیکن ملعونا مارن اتی ۔ ب ۱۸۱۶ء اگر کسی عیسیٰ مسیح خداوند را دوست ندارد محروم باد ماران آتا ۔ ب ۱۸۱۴ء اگر کوئی خداوند مسیح کو دوست نہیں رکھتا ہے وہ ملعون مرن آتی ہوا ۔ ب ۱۸۱۱ء من لا یحب الرب یسوع المسیح فلیکن مفروزاً امارن اتا ای الرب قد جاء ۔ ب ۱۸۲۹ء اگر خداوند یسوع مسیح کو پیار نہیں کرتا تو وہ ملعون ہو خداوند آتا ہے ۔ دیکھو مارن آتا کا ترجمہ پیچھے سے ملایا گیا ہے ۔ دیکھئے ملانا تفاسیر اور تراجم کا ناموں اور عبری لفظوں کے ساتھ یونانی مترجم کا ثابت ہوا ۔ بس اب کیا شبہ باقی رہا اس بات میں کہ احمد کے لفظ کو بھی اس نے ترجمہ کر ڈالا اور اس نے یا اس کے بعد والے نے تغییر اس کی اپنی طبیعت سے یعنی روح القدس کر کے بڑھا دی ۔ دیکھئے بڑھا دینا تو یہیں سے ثابت ہوا اور غلطی اس کی ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ ثابت کریں گے ۔ میں جانتا ہوں کہ اسی الحاق کی پردہ پوشی کے لیے اور جگہوں میں کہ ظاہراً بے فائدہ معلوم ہوتا ہے ۔ ناموں کے ترجمے اور تفسیریں ملا دی گئی ہیں تا حسد اور عداوت پر پردہ پڑا رہے ۔ فمن اظلم ممن افترىٰ على اللہ کذباً۔

دوسرا مطلب حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جو خبریں توریت اور انجیل سے اس کتاب میں نقل کی جاتی ہیں تو لوگ جو بائبل کے طرف پیشین گوئیوں سے مطلع نہیں ہیں از راہ ناواقفیت اور جو مطلع ہیں وہ ناواقفوں کے سامنے ہٹ دھرمی سے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو اگر اگلے نبیوں کو خبر دینا منظور ہوتا تو جملہ خصوصیات شخصیہ جس طرح قبالجات اور حلیہ نویسی میں لکھے جاتے ہیں شخص موعود کے حق میں بیان کرتے ۔ لہٰذا مجھے ضروری ہوا کہ پہلے حضرت عیسیٰ کے حق والی خبریں نقل کروں تا معلوم ہو جائے کہ آیا خصوصیاتِ شخصیہ عیسویہ ان خبروں سے اچھی طرح ظاہر ہوتی ہیں یا اُن خبروں سے جو میں حضرت خاتم النبیین کے حق میں نقل کرتا ہوں ۔ خصوصیاتِ شخصیہ آنحضرت کے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور دونوں طرح کی خبروں سے کس کی خصوصیاتِ ذاتیہ واضح ہیں اور کس کے غیر واضح ہیں ۔ بس جاننا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ کے حق میں جو خبریں عیسائی لوگ اگلی کتابوں سے بیان کرتے ہیں وہ دو قسم کی ہیں ۔ ایک تو وہ جو انجیلوں سے نکلتی ہیں یعنی مؤلفین اناجیل نے ان خبروں کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ دوسرے وہ کہ علاوہ اس کے اور عیسائی لوگ نکال لیتے ہیں ۔ سو اختصاراً صرف وہی جو پہلی انجیل والے نے جن کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ یہاں بیان کرتا ہوں ۔ اس پر اوروں کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے اس لیے کہ اس سے زیادہ قوی تر افادہ مطلب میں ان کے اور کوئی خبر نہیں ہے ۔ باقی

انجیلوں میں تو وہی خبریں مکرر ہیں اور ان کے سوا جو پادری لوگ نکالا کرتے ہیں سو اُن کی تو کچھ حقیقت ہی نہیں ہے۔

ازاں جملہ یہ پہلی انجیل نسخہ ۱۸۳۹ء باب دوم ورس ششم نبی کی معرفت سے یُوں لکھا گیا ہے کہ "اے یہودیہ کی زمین بیت لحم تو یہودیہ کے بڑے شہروں میں ہرگز چھوٹا نہیں ہے کیونکہ تجھ میں سے ایک بادشاہ نکلے گا جو بہتیرے اسرائیل لوگوں کی پرورش کرے گا" یہ اشارہ ہے میخانبی اور ارمیانبی کی کتابوں کی طرف۔ اس لیے کہ میخانبی کی کتاب کے پانچویں باب میں لکھا ہے ورس دوم نسخہ ۱۸۳۹ء "اما تو اے بیت لحم افراتہ باوجود آنکہ درمیاں ہزاراں یہودہ کوچکی لیکن از تو آں کسی برائے من خواہد برآمد کہ در اسرائیل حکومت ورزد" دیکھئے بیت لحم کی نسبت میخا فرماتے ہیں کہ تو اگرچہ ہزاروں شہروں سے چھوٹا ہے اور مؤلف انجیل اس کی تحریف کرتا ہے کہ نبی نے یہ کہا ہے کہ تو بڑے شہروں میں ہرگز چھوٹا نہیں ہے اور دیکھئے کہ شخص موعود کے صرف دو وصف ایسے بتائیے کہ بیت لحم کے ہر شخص پر صادق نہیں آتے۔ ایک بادشاہ اور دوسرے حکومت رکھنا۔ سو حضرت عیسٰی پر بظاہر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی صادق نہیں آتی اور باطنی بادشاہت اور واعظانہ حکومت تو ولیوں کے لیے بھی ہوتی ہے۔ پس جائز ہے کہ کسی بڑے ولی کے پیدا ہونے کی خبر دی ہو یا کسی حاکم کی۔ غرضکہ خصوصیات ظاہریہ عیسویہ کچھ بھی یہاں نہیں مذکور ہیں ظاہراً حق بجانب یہودیوں کے ہے جو عیسائیوں کی تطبیق کو صحیح نہیں جانتے۔

اور ارمیانبی کی کتاب کے باب بست[۲۳] سوم میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۵ "اینک ایامی میرسد خداوندی فرماید کہ برائے داؤد شاخی پرصداقت را بداؤدمی آرم و بادشاہے جلوس نمودہ بختیار خواہد گردید وعدل وانصاف بر زمین بظہور خواہد آمد۔ ۶۔ در روزگار وے یہودا نجات خواہد یافت واسرائیل بسلامت خواہد زیست ونامی کہ بداں مسمّٰی خواہد گردید ایں است کہ خداوند نیکوکاری ما" دیکھیے کہ ایسی ہی خبر حضرت سلیمان کے حق میں بھی بائبل میں اور جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ پہلی کتاب

ل موجودہ ایڈیشن میں یُوں ہے "لیکن اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لیے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا"

(میکاہ باب ۵ ورس ۲)

میں اخبار الایام کے بائیسویں باب میں حضرت داؤد کی نسبت خطاب خداوندی یوں نقل کیا ہے نسخہ ۱۸۳۶ء درس ۴۔ اینک پسری برائے تو بوجود خواہد آمد کہ اوصاف رحمت در خواہد بود و من او را از تمامی دشمنانش رحمت خواہم بخشید چہ نام وے سلیمان خواہد بود۔ الیٰ قولہ تخت سلطنتش را بر بنی اسرائیل تا ابد الاباد پایدار خواہم کرد ۔ اوّل دیکھئے کہ یہ پیشین گوئی بظاہر غلط ہو گئی اس لیے کہ حضرت سلیمان کی سلطنت قائم رہی اور نہ ان کی اولاد کی۔ بعد اس کے دیکھئے کہ جس طرح یہاں شخص موعود مسمیٰ بہ سلیمان کے لیے سلطنت کا وعدہ ہے اسی طرح کی سلطنت کا ارمیاہ نبی کے قول میں شخص موعود غیر مسمیٰ کے لیے وعدہ کیا ہے۔ پس ظاہر مضمون مقتضی ہے کہ ویسے ہی یعنی حضرت سلیمان سا آدمی مصداق اس خبر کا ہو جو ارمیاہ نبی نے دی نہ کہ حضرت عیسیٰ سا کہ وہ سلیمان کی سی تو کیا کچھ بھی کسی طرح کی ظاہری سلطنت کا لازمہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کی بدولت بنی اسرائیل کو کچھ آرام و چین ملا۔ بلکہ ایسی ایسی مصیبتوں میں پڑے کہ کبھی ویسی مصیبتیں کسی پر نہیں پڑیں۔ چنانچہ سیر المتقدمین والے عیسائی مؤرخ نے لکھا ہے اور مصداق اس قول عیسوی کا کہ آسمان کے تارے گر پڑیں گے اور نیّرین بے نور ہو جائیں گے انہیں مصیبتوں کو گردانا ہے اور یہ مصیبتیں صرف منکرین حضرت عیسیٰ پر نہیں پڑیں مومنین عیسیٰ پر بھی پڑیں۔

اور دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ کا نام حضرت مریم نے یسوع رکھا تھا اور یسوع کے معنی کسی زبان میں خداوند نیکوکاری کا نہیں ہیں۔ پس ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً حضرت ارمیاہ اس مقام پر حضرت سلیمان کی تعریف کرتے ہیں اور جن لوگوں کو حضرت سلیمان کی نسبت بیہودہ شبہے تھے ان سے کہتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جن کے لیے کہا گیا تھا کہ برائے داؤد شاخے پُر صداقت بوجود می آرم۔ الیٰ آخرہ۔ بالجملہ حضرت عیسیٰ کی ذات خاص کا کوئی پتہ یہاں بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ مضمون ہے جس سے ان کا نہ ہونا مصداق اس خبر کا ظاہر ہوتا ہے۔ اور دیکھئے کہ ارمیاہ نبی اس شخص کو خدا کا موجود ساختہ فرماتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ خدا نے خود ہی مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور مؤلف انجیل بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ پس مجسّم ہونا مریم کے پیٹ میں یہاں سے قطعاً غلط ہو گیا۔

ازاں جملہ درس ۱۴، ۱۵ باب ۲ انجیل مزبور "تداس نے اُٹھ کر لڑکے کو اور اس کی ماں کو ساتھ لے کے راتوں رات مصر چلا گیا اور ہیرودوس کے مرنے تک وہاں رہا۔ اسی طرح وہ جو خداوند کے نبی

کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بُلایا پُورا ہوا۔" یہ اشارہ ہے یوشع نبی کی کتاب کی طرف کہ اس کے گیارہویں باب میں یُوں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۱ء ورس ۱۔ ان اسرائیل منذ کان طفلا انا اجبته ومن مصر دعوت اولاده۔ یعنی اسرائیل جب لڑکا تھا تب سے میں اسے پیار کرتا ہوں اور مصر سے اس کی اولاد کو میں نے بُلایا۔" دیکھو صریح ظاہر ہے کہ حضرت یوشع اس احسانِ الٰہی کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت موسےٰ کے وقت میں بنی اسرائیل کی نسبت اللہ نے کیا تھا حضرت عیسٰی سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ مؤلف انجیل محض بے جا اس خبر کو حضرت عیسٰی پر جماتا ہے۔ مگر نسخہ ۱۸۳۹ء والے۔ نے البتہ اس جگہ یوشع کی کتاب میں تحریف کی کہ فی الجملہ مؤلف انجیل کی بات بھی اس سے درست ہو سکتی ہے یعنی وہ لکھتا ہے "چوں اسرائیل طفل بود اورا دوست داشتم و فرزند خود را از مصر طلبیدم۔" دیکھو دو طرح کی تحریف سے مؤلف انجیل کی بات کا بھی تُک سک لگ سکتا ہے۔ ایک یہ کہ جمع کو مفرد سے بدل ڈالا اور دوسرے یہ کہ ضمیر کو حذف کر دیا۔ چاہیئے کہ یوں ترجمہ کرتا کہ "فرزندانش از مصر طلبیدم" مگر نمود۔ ای ان اللہ لا یہدی کید الخائنین۔ جس طرح بعضی دستاویزوں کی بعضے لفظوں کی جعلیت اسی دستاویز کے اور لفظوں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ورس دوم سے اسی نسخے کی یہ تحریف کُھل جاتی ہے چنانچہ وہ یُوں ہے "بوقت طلبیدن ایشاں ہمچنیں از پیش وے رو گرداں شدند و برائے بعلیم ذبائح گذرانیدند و برائے اشکال تراشیدہ لوبان سوزانیدند۔" دیکھو یہاں ضمیر غائب کی جمع واقع ہوئی ہے۔ اس کے افراد سے مترجم کو غفلت ہو گئی اور بعد اس کے دیکھو کہ باتفاق مؤرخین عیسائیت ثابت ہے کہ بنی اسرائیل اگرچہ بعد حضرت موسےٰ کے کئی بار مرتد اور بُت پرست ہو ہو گئے اور بعل کی پرستش کرنے لگے۔ مگر حضرت عیسٰی کے زمانے سے کئی سو برس پہلے جو بُت پرستی سے تائب ہوئے تو پھر اس میں نہیں مبتلا ہوئے۔ پس حضرت یوشع انہی اسرائیلیوں کا حال بیان کرتے ہیں کچھ آئندہ کی خبر نہیں دیتے ہیں۔ مگر چونکہ مؤلف انجیل یعنی ملانے والا روایات کا انجیل عیسوی کے پہلے طبقے والا اور ظاہرا منجملہ علمائے حقانی بھی نہیں ہے۔ بلکہ اسی قسم کے لوگوں میں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں کچھ کٹھ ملا ہوتے ہیں اسے کچھ آگے پیچھے کی خبر نہ رہی، جس مضمون کو چاہا کہہ دیا کہ حضرت عیسٰی کے حق میں ہے کہ روح القدس ایسی غلط بات لکھنے کو نہیں کہتا ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے اسی دوسرے باب کا ورس ستر ہواں یہ ہے "تب وہ جو یرمیاہ نبی

نے کہا تھا پُورا ہوا کہ راماہ میں زاری اور رونے اور پیٹنے کی ایک آواز سُنی جاتی ہے کہ راحیل اپنے لڑکوں کے واسطے روتی ہے اور تسلی نہیں پاتی ہے اس لیے کہ وہ نہیں ہیں۔" حضرت مریم موافق اپنے خواب کے حضرت عیسٰی کو لے کر مخفی مصر میں چلی گئی تھیں۔ اس لیے کہ ہیرودس بادشاہ ظالم فرعون کی طرح اطفال نوزائیدہ کو قتل کرتا تھا۔ سو مؤلف انجیل ارمیا کی خبر کو اسی واقعہ پر جماتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کا جمانا محض غلط ہے کیونکہ ارمیا کی کتاب کے اکیسویں باب کے پندرہویں ورس میں جو لکھا ہے اس طرح پر نسخہ ۱۸۳۹ء "آوازے راماہ شنیدہ شد زاری و گریہ سوزناک بود کہ راحیل بر فرزندان خود مے گریست واز تسلی در بارہ فرزندان کنارہ می جست چرا کہ ناپدید ند۔" یہ اسی زمانے یعنی ارمیا کے زمانے کا واقعہ ہے کہ بخت نصر ہزاروں بنی اسرائیل کو کہ اکثر ان میں حضرت راحیل زوجۂ یعقوب کی اولاد سے تھے روز قتل کرتا تھا۔ کچھ آیندہ واقع ہونے کا یہاں اشارہ بھی نہیں ہے۔ مؤلف انجیل محض سوء فہمی اور کم علمی کے نسبت سے اس خبر کے واقعہ کو ہیرودس پر جماتا ہے۔ اور فائدہ یہاں حضرت ارمیا کے کلام اور مؤلف انجیل کی تصدیق سے ظاہر ہوا کہ اموات کو اپنی اولاد کا حال معلوم ہوا کرتا ہے۔ اور اس سے وہ متاثر ہوا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس زمانے کے عیسائی لوگ اس بات سے منکر ہیں جیسے ہمارے یہاں کے بعض لوگ۔

ازاں جملہ وہی انجیل وہی باب ورس ۲۳۔ "اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا آ کر رہا اسی طرح جو نبیوں کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا پُورا ہوا۔" میں نے یہ مضمون یعنی کسی شخص موعود کا ناصری کہلایا جانا بائبل کے کسی رسالے میں نہیں پایا اور یہودی عالم نے کہا کہ محض جھُوٹ ہے اور کوئی عیسائی جس سے میں نے پُوچھا نہ بتا سکا۔ سبحان اللہ! روح القدس کیا جھوٹی باتیں بتایا کرتی ہے اور اگر یہ کہیے کہ شاید کسی نے زبانی کہا ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارے لوگ جو کہتے ہیں کہ انجیل میں اس طرح کی خبروں کا نشان لکھا گیا ہے تو صرف مکلفین کے الزام کے لیے لکھا گیا۔ پس ہرگاہ کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا تو الزام کیونکر ہو گا اور ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰی ہمارے واسطے کہہ گئے ہیں کہ فلانا شخص جو بات کہے اسے سچ جانو۔ پس چاہیئے کہ ہم سے اس کی سند نہ پوچھو اس لیے کہ احتمال ہے کہ ہم سچے ہوں۔ بالجملہ صرف احتمالات سے کچھ کام نہیں نکلتا۔ اخبار میں سند درکار ہے

ازاں جملہ اس انجیل کے باب سوم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر اور ان کا خبر دینا حضرت عیسیٰ کی حقیقت کا بیان کر کے حضرت یحییٰ کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے۔ ورس ۳۔ "یہ وہ شخص ہے جس کا ذکر اشعیا نبی نے کیا کہ بیان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہے کہ تم خدا کی راہ بناؤ اور اس کی شاہراہوں کو درست کرو" یعنی کہ وہ خدا کی راہ بھی عیسیٰ کی شریعت ہے سو یہ جملہ بعینہا یعنی بیابان میں الی آخرہ۔ بے شک حضرت اشعیا کی کتاب کے چالیسویں باب کا تیسرا ورس ہے مگر اس کو انجیل لکھنے والا شخص بے وجہ حقیقت حضرت یحییٰ کے حق میں قرار دیتا ہے۔ اشعیا کی کتاب میں اس مقام پر کچھ ذرا بھی اشارہ ایسا نہیں ہے جس سے حضرت یحییٰ بوجھے جاتے ہوں۔ پس ہر گاہ کہ ان کی ذات خاص کا پتہ نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اشعیا نبی کی یہ خبر حضرت عیسیٰ کی نسبت ہے کہ وہ ہمارے پیغمبر کی خبر سب کو سناتے تھے اور بیابان میں آواز دینا انہیں کا مراد ہے۔

ازاں جملہ وہی انجیل باب چہارم ورس ۱۲ تا ۱۶ "اسی طرح جو اشعیا نبی کی معرفت سے کہا گیا تھا پورا ہوا کہ زبولون اور نفتالی کی زمین یعنی جلیل عوام جو دریا کے کنارے یردن پار ہے اسی زمین کے لوگوں نے جو اندھیرے میں بیٹھے تھے روشنی دیکھی اور ان پر جو موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے روشنی ظاہر ہوئی۔" یہ اشعیا کی کتاب کے باب نہم ورس یکم کا اشارہ ہے اور وہ یہ ہے نسخہ ۱۸۳۹ء "امامن بعد از زمینی کہ زبون شد تاریکی نخواہد بود درایام سابق خطہ زبولون وخطہ نفتالی را زبون کرد۔ اما ایام واپسیں لب دریا کنار یردن وجلیل قبائل راسرفراز نمودہ است۔" اول تو مؤلف انجیل کی نقل کو اس منقول عنہ سے ملائیے۔ دیکھئے کتنی باتوں کا فرق ہے بعد اس کے دیکھئے کہ یہ کلام مجذوبوں کا سا ہے۔ اس کے معنی جو کچھ چاہو ٹھہرالو اور ترکیبی معنی بھی خوب درست نہیں ہیں اور کچھ مطلق اشارہ کسی شخص کے ظہور کا اس میں نہیں ہے جائز ہے کہ حضرت اشعیا اس مقام کا اگلا اور پچھلا حال بیان کرتے ہوں یعنی آگے یہاں لوگ مبتلائے مصائب تھے اور پھر مورد عافیت ہوئے۔ اور اگر یہاں سے آئندہ بزرگ لوگوں کے وہاں وارد ہونے کی خبر ہے تو بعد حضرت اشعیا کے بہتیرے بزرگ لوگ وہاں گزرے اور ہمارے پیمبر کے اصحاب بھی وہاں گئے اور ظلمت تکذیب عیسوی اور تثلیث کے عوض نور تصدیق عیسوی اور نور توحید کا وہاں پھیلا۔

ازاں جملہ وہی انجیل باب ہشتم ورس ۱۷ "پس اس سے جو یشعیا نبی کی معرفت سے کہا گیا کہ

اس نے ہماری کمزوریاں اُٹھالیں پُورا ہوا" یہ اشارہ ہے اشعیاہ کے باب پنجاہ سیوم[۵۳] کی طرف اور وہ یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ا۔ کیست کہ خبر مارا باور کرد و کیست کہ بازوئے خدا بر و منکشف شد۔ ۲۔ زیراکہ در پیش وے چوں علچ نازک و چوں ریشہ از زمین خشک روئید حسن و جمال نداشت کہ بسوئے وے التفات کنم و نہ صورتی کہ مشتاق او گردیم۔ ۳۔ حقیر بود در میان خلق حسابے نداشت مردے الم رسیدہ و باغم آشنا۔ ۴۔ و ما از و روپوش بودیم حقیر بود و قدرش را نداستیم فی الحقیقت او بیماریہائے مارا برداشت و غمہائے مارا حامل شد ما نداستیم کہ معذب زدہ شدہ خدا و مغضوب او است۔ ۵۔

لہ ۱۹۵۱ء کے اردو ایڈیشن میں یہ یُوں ہے "ہمارے پیغام پر کون ایمان لایا اور خداوند کا بازو کس پر ظاہر ہوا؟ پر وہ اس کے آگے کونپل کی طرح اور خشک زمین سے جڑ کی مانند پھوٹ نکلا ہے نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے نہ خوبصورتی اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حُسن و جمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں حقیر و مردُود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ گویا اس سے رُوپوش تھے اس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی۔

توبھی اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور غموں کو برداشت کیا۔ پر ہم نے اسے خدا کا مارا، کوٹا، اور ستایا ہوا سمجھا۔ حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا ہماری ہی سلامتی کے لیے اس پر سیاست ہوئی۔ تاکہ اس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا۔ پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اس پر لاد دی۔ وہ ستایا گیا پھر بھی اس نے برداشت کی اور منہ نہ کھولا۔ جس طرح برّہ جسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں اور جس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے بے زبان ہے اس طرح وہ خاموش رہا۔ وہ ظلم کرکے اور فتوے لگاکر اسے لے گئے۔ پر اس کے زمانہ کے لوگوں میں سے کس نے خیال کیا کہ وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا؟ میرے لوگوں کی خطاؤں کے سبب سے اس پر مار پڑی۔ اس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی اور وہ اپنی موت میں دولتمندوں کے ساتھ ہوا۔ حالانکہ اس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا اور اس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا لیکن خداوند کو پسند آیا کہ اسے کچلے اس نے اُسے غمگین کیا۔"

(یسعیاہ باب ۵۳ ورس ایک سے دس تک)

فاما او بسبب گناہان ما مجروح شد و برائے خباثت ما عقوبت یافت سیاستی کہ سلامتی ما از آں حاصل شد بر و بار کردند و از جراحتہائے او ما شفا یافتیم۔ ۶۔ ما ہمہ چوں گوسفنداں گمراہ شدیم و ہر یک براہِ خود میل کرد و خداوند خبث ہمگی ما را بر و نہاد آں را مطالبہ کردند او ضامن است دہانِ خود را نکشاد مانند گونہ کہ برائے ذبح می برند و چوں گوسفندے کہ روبروئے پشم برندگان گنگ است او نیز دہانِ خود را نکشاد۔ ۸۔ بعد از تعدی و حکم مقتول گشت کدام کس طبقہ او را بیان تواند کرد۔ زیرا کہ از زمین زندگان برداشتہ شد و بسبب گناہان قوم من عقوبت یافت۔ ۹۔ و در قبرش را با گناہ گاران مقرر کردند اما مقبرہ اش با تونگری بود با موجود انکہ ظلم نکردہ بود و در دہانش مکر نبود۔ ۱۰۔ فاما خداوند بدل شکستی او راضی شد۔ او را مبتلا ساخت بشرط آنکہ جان او قربانی عوض گناہ بگذارند نسل طویل العمر خواہد دید و مرضی خداوند در دستش بہ نیک انجامی خواہد رسید۔ ۱۱۔ ثمر رنج جان خود را خواہد دید خاطر جمع خواہد گردید۔ خادم نیکو کار من بسیاری را بے گناہی مقرر خواہد کرد و بآن خباثت ایشاں را او خود خواہد برداشت۔ ۱۲۔ بنابراں با توانایاں قسمتی خواہم داد و با ذوالقدراں غارت را تقسیم خواہد کرد بجزائے آنکہ تا بموت جان فشانی کرد و با بدکاراں محسوب شد و گناہ بسیاری را برداشت و خطا کاراں را شفاعت نمود۔“ یہ عبارت ایسی خراب ہو گئی کہ بہت سے شبہے اس میں پیدا ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ہم پوچھتے ہیں یہ کلام خدا کا ہے یا اشعیا نبی کا۔ اگر خدا کا کلام ہے تو اس کے معنی کیا کہ ”قدرت را ند انستیم“ (ہم نے اس کی قدر نہ کی) اور اس کے کیا معنی کہ ”بیماریہائے ما را برداشت“ (ہماری بیماریوں کو اسی نے اٹھایا) اور اس کے کیا معنی کہ ”بسبب گناہاں ما مجروح شد“ (ہمارے گناہوں کے باعث زخمی ہوا) اور اس کے کیا معنی کہ ”ہمہ ما چوں گوسفنداں گمراہ شدیم“ (ہم بھیڑوں کی طرح رستہ بھول گئے) اور اگر اشعیا کا کلام ہے تو اس جملے کے کیا معنی ہیں ”یعنی خادم نیکو کار من“ (میرا نیکو کار خادم)۔

دوسرا شبہ یہ ہے جو بزرگ آدمی مقبول ہوا ہو اس پر یہ صادق آتا ہے اور حضرت اشعیا کے زمانے سے اب تک سینکڑوں اولیاء اور کئی انبیاء مثل زکریا وغیرہ کہ صاحب شفاعت تھے شہید ہوئے۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کلام عیسائیوں کے اصول کی راہ سے حضرت عیسیٰ پر کسی طرح صادق نہیں آتا۔ اس واسطے کہ اس میں ہے کہ خداوند بدل شکستی او راضی شد و او را مبتلا ساخت اور عیسائی لوگ

کہتے ہیں کہ خدا خود ہی اپنے بندوں کے واسطے ملعون ہوا اور تین دن دوزخ میں رہا۔ اور[۷] اس میں ہے کہ خادم نیکو کار من (میرا نیکو کار خادم) یہ بات بھی حضرت عیسیٰ پر صادق نہیں آتی۔ اس واسطے کہ وہ تو خود ہی خدائے مجسّم تھے اور حضرت اشعیا کے خادم نہیں تھے۔ اور اس[۸] میں لکھا ہے کہ خداوند خبث ہمگی ما را بر و نہادہ اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا خود ہی ہمارے لوگوں کے گناہ اُٹھانے کے لیے مجسّم ہو کر ملعون ہوا۔

ازاں جملہ انجیل مزبور کے بارہویں باب کے ورس ہفتدہم[۱۷] میں جو اشعیا نبی کے کلام کی طرف، اشارہ کیا وہ کلام حضرت عیسیٰ پر ہرگز صادق نہیں آتا۔ بلکہ صرف ہمارے پیغمبر خدا پر صادق آتا ہے اس طرح پر کہ صاحبِ انصاف کو چارہ نہیں ہے اس کے تسلیم سے۔ چنانکہ آگے ہم مذکور کریں گے۔

ازاں جملہ باب سیزدہم[۱۳] ورس ۳۵ نسخہ ۱۸۳۹ء۔ اس سے وہ بات جو نبی کی معرفت کہی گئی کہ میں تمثیلوں میں بات کہوں گا اور ان چیزوں کو جو دنیا کی بنیاد سے پوشیدہ ہیں ظاہر کروں گا پُوری ہوئی“ یہ اشارہ ہے حضرت داوٗد کے کلام کی طرف جو زبور ہفتاد ہشتم[۷۸] میں ہے نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۔ اے قوم من شریعت مرا بشنوید و سخناں دہانم را گوش دہید۔ ۲۔ دہن خود را بہ تمثیل خواہم کشاد و معما ہائے قدیم را بر زبان خواہم آورد“ دیکھو اس کلام کو حضرت عیسیٰ سے کیا علاقہ۔ یہ تو خود حضرت داوٗد اپنے حق میں کہتے ہیں۔ اور نہیں تو ہر نبی پہ جو اُن کے بعد ہوا ہے صادق آوے گا۔ بلکہ ہمارے پیغمبر خدا پر زیادہ اس لیے کہ بہت سی باتیں جو مُوندی چلی آتی تھیں وہ آپ کے عہد میں کُھلیں۔ چنانکہ حضرت مولوی روم کہ جن کی جلالتِ شان ان کے ثبوت سے از روئے قاعدہ ثبوت سمعیات اور تجربیات کے زیادہ ہے فرماتے ہیں ؎

قفلہا کہ انبیاء بگذاشتند — آں بدینِ احمدی برداشتند
قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود — کز دم اِنّا فتحنا بر کشود

ازاں جملہ اسی انجیل کے اکیسویں[۲۱] باب میں حضرت عیسیٰ کا یروشلم میں داخل ہونا بسواری دراز گوش لکھ کر کہتا ہے۔ ۴۔ جو نبی کی معرفت کہا گیا سو پُورا ہوا“ یہ اشارہ ہے اشعیا کے ایک کلام کی طرف۔ اور وہ یہ ہے۔ باب ۶۲ ورس ۱۱۔ نسخہ ۱۸۳۹ء۔ ”دختر صیہون را بگوئید کہ اینک نجات دہندہ تو میرسد اینک جزائے او با او و مکافات افعالش پیش او موجود۔ ۱۲۔ وایشاں قوم مقدس و باز خریدہ

خداوند خوانده شد د تو مطلوبہ و شہر نامتروکہ مستی خواہی گشت"۔ دختر صیہون سے بالاتفاق اورشلیم کی ہیکل جسے حضرت سلیمان نے بنایا تھا یعنی بیت المقدس مراد ہے۔ دیکھو اس ہیکل کی خرابی حضرت عیسٰی کے تھوڑے دنوں کے بعد قیصر کے ہاتھ سے صرف بلحاظ عیسائیت پھیلنے کے ہوئی اور عیسائیوں نے اس ہیکل کو بالکل متروک کیا اور حضرت عیسٰی خود ہی اسے کوس گئے تھے۔ پس اکی نسبت تو کسی طرح یہ بات صادق نہیں آتی کہ حضرت عیسٰی کی جہت سے وہ نامتروکہ ہو گئی ہو۔ پس یہ خبر آنحضرت پر کیونکر منطبق ہو گی بلکہ اس پر ہو گی جس کے وقت سے پھر اس مقام کی کچھ خرابی نہ ہوئی۔ بلکہ سارے جہان میں اس کی تعظیم اور بزرگی مشہور ہوئی۔ اور اس طرح زکریا کی کتاب کے نویں باب میں بلاد اسرائیلیہ کی خرابی اور فلسطینیوں کی سربلندی کے محو ہونے کی خبر دے کر لکھتا ہے۔ ورس ۹ ۱۸۳۹ء ’’اے دختر صیہون بسیار خوشحال شو اے دختر اورشلیم نعرہ زن اینک بادشاہ تو نزد تو مے آید عادل است و نجات دہندہ فروتن براُلاغ بلکہ بر کرہ الاغ سوار شدہ‘‘ دیکھو یہ سارا باب بلاد اسرائیلیہ کی مغلوبی کے بیان میں ہے۔ پس ورس نہم اس شخص کے حق میں ہے جس کے وقت میں وہ ملک مغلوب اور وہ شخص بادشاہ بھی ہوا ہو اور عین بادشاہی میں کمال فروتنی سے رہتا ہو۔ یہ باتیں جیسی کہ حضرت عمر خلیفہ ثانی پر صادق آتی ہیں حضرت عیسٰی پر صادق نہیں آتیں نہ اور کسی پر۔ اس واسطے کہ حضرت عیسٰی بادشاہت وہاں کی نہیں رکھتے تھے اور باطنی بادشاہت تو زکریا اور یحیٰی کے واسطے بھی تھی۔ اور قیاصرہ وغیرہ اس زمانے میں بُت پرست تھے نہ یہودی نہ عیسائی۔ اور بعد ساڑھے تین سو برس کے جب وہ نصرانی ہوئے تو فروتن نہیں تھے بلکہ اسی تجمل بادشاہانہ کے ساتھ رہا کرتے تھے بخلاف حضرت عمر کے کہ شام اُن کے ہاتھوں سے مغلوب بھی ہوا اور اورشلیم انہیں کے جانے پر فتح ہوا۔ اور آپ وہاں بھی بادشاہ ہوئے اور بادشاہت کے زمانے میں آنحضرت کی گذران درویشانہ اور فروتنی سے ایسی ثابت ہے کہ آپ کے دشمن لوگ بھی قائل ہیں۔

ازاں جملہ باب بست ہفتم[۲۷] میں یہودا حواری کا ارتداد اور گرفتار کروا کہ حضرت عیسٰی کو بیس[۲۰] روپئے کا لینا اور اس کے بعد اسے پھینک کر مرجانا اور ان روپیوں کا کمہار سے ایک قطعہ زمین بنی اسرائیل

لہ ۱۹۵۱ء کے ایڈیشن میں یہ یوں ہے۔ ’’اے بنت صیہون! تو نہایت شادمان ہو۔ اے دختر یروشلیم خوب للکار کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے‘‘۔

کا مول لینا لکھ کر ورس نہم میں جو یرمیا نبی کی کتاب کے طرف اشارہ ہے وہ اس میں ہے ہی نہیں۔ یہ غلطی سینکڑوں برس سے برابر چلی آتی ہے۔

ہاں مگر وہ بات زکریا کی کتاب کے گیارہویں باب میں ہے اس طرح پر ۱۸۳۹ء ورس ۱۲۔ ,, وایشاں را گفتم کہ اگر شما را پسند آید قیمت مرا بمن بدہید والا خیر پس بقیمت من سی پارہ نقرہ سنجیدند۔ ۱۳۔ وخداوند مرا فرمودہ کہ آں را پیش کوزہ گر بافگن آں بہائے گراں کہ نسبت بمن مقرر کردند وسی پارہ نقرہ را گرفتہ درخانۂ خداوند پیش کوزہ گر انداختم،، دیکھو یہاں سے کچھ بھی پتہ حضرت عیسیٰ کا نہیں نکلتا اور نہ یہ خبر واقعہ عیسوی پر منطبق ہوتی ہے۔ اس لیے کہ نہیں معلوم کہ یہ کون کہتا ہے کہ خداوند مرا فرمود کہ آں را پیش کوزہ گر بافگن۔ الیٰ قولہ۔ پیش کوزہ گر انداختم ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس روپئے کے لینے والے بزرگ ہوں نہ کہ کفار۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے پہلے باب میں ہے۔ ۱۸۳۹ء ورس ۲۲۔ پس اس طرح جو کچھ خداوند نے نبی کی معرفت سے کہا تھا پورا ہوا۔ ۲۳۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوئیل رکھا جائے گا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ہے خدا،، یہ اشارہ اشعیا نبی کی کتاب کے ساتویں باب کے ورس دوازدہم کی طرف ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں جو لفظ ہے جس کا ترجمہ عزرا یا کنواری ہے اس کے معنی مطلق جوان عورت کے ہیں اور عزرا کے ترجمہ محض جھوٹ ہے۔ ایک بڑے عالم یہودی سے ایک عیسائی کے ساتھ گفتگو میں میں نے سنا وہ کہتا تھا کہ وہ لفظ جس کے معنی ہم نے اپنی طرف سے عزرا یعنی کنواری ٹھہرائے ہیں وہ اور جگہ بھی بائبل میں واقع ہے وہاں تو کنواری کے معنی تمہارے نزدیک بھی نہیں ہیں مگر میں اس پتے کو بھول گیا۔ اتنا یاد ہے کہ عیسائی نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ اس مقام میں چونکہ کنواری کے معنی نہیں ہیں مگر یہاں بے شک کنواری کے معنی ہیں۔ ورنہ پیشین گوئی نہ ٹھہرے یہودی نے کہا اس لفظ کے ہرگاہ لغت میں یہ معنی نہیں ہیں بلکہ وہ لفظ عام ہے کنواری اور غیر کنواری اور عفیفہ اور غیر عفیفہ سے تو کیا وجہ کہ ہم اس کے معنی کنواری کے لیں۔ مگر بنظر اس کے کہ حضرت اشعیا نے کسی کے حق میں حکم ناطق دیا ہے سو وہ معجزہ گنا جاتا ہے اس واسطے کہ بہتیری عورتیں نہیں جنتی ہیں یا جنتی ہیں تو بیٹی جنتی ہیں نہ بیٹا۔ غرض اس گفتگو سے اتنا معلوم ہوا کہ اس لفظ کی تعمیم کو بنظر لغوی معنوں کے اس عیسائی نے بھی قبول کیا اور اگر وہ جھوٹا ترجمہ بھی مانا جائے تو بھی آپ لوگوں کی روایتوں کی جہت سے حضرت مریم

پر صادق آنے میں اس کے بہت شبہے ہیں:۔

ایک یہ کہ پہلی انجیل کے پہلے باب میں یوں لکھا ہے ۱۸۲۹ء ورس ۸ " یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم یوسف سے منسوب ہوئی۔ اس سے پہلے کہ ہمبستر ہوویں وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی" اگر منسوب سے اس زمانے کی رسم کے موافق منگنی مراد ہے تو چاہیئے تھا کہ راوی یوں کہتا کہ قبل اس کے کہ ان میں انعقاد نکاح کا ہو وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی ہمبستری کا دفع دخل قبل نکاح کے یعنی چہ اور اگر نکاح مراد ہے تو کنواری ہونے میں بالکل شبہ پڑ گیا۔

دوسرے یہ کہ ورس نوزدہم میں یوں ہے " تب اس کے شوہر نے جو نیک مرد تھا اس کی رسوائی نہ چاہ کر ارادہ کیا کہ اسے چھوڑ دے" قبل نکاح کے چھوڑ دینے کے کیا معنی اور وہ شوہر کیوں کہلایا۔

تیسرے یہ کہ اس کے بعد بدون ذکر نکاح کے لکھا ہے کہ یوسف مریم کو ساتھ لیے پھرا کیا اگر صرف منگیتر نہیں تو نامحرم کے ساتھ زن و شوہر کے مانند پھرنا چہ معنی۔

چوتھے یہ کہ اس زمانے سے اب تک یہودی لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ یوسف نجار سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ پہلی انجیل کے مؤلف نے باب سیزدہم ورس پنجاہ و پنجم میں قول یہودیوں کا نقل کیا ہے۔

پانچویں یہ حضرت عیسیٰ کا نام کسی قوم کے نزدیک عمانوئیل نہیں ہے۔ چنانچہ یہودی سابق الذکر منجملہ اپنی حجتوں کے یہ بھی کہتا تھا۔

چھٹی یہ کہ خدا یا ماست یہ تو حضرت عیسیٰ کے کسی نام کا ترجمہ نہیں کیا ہے اور دیکھو کہ یہاں سے بھی نام کا ترجمہ کرنا ثابت ہوا۔ اس واسطے کہ جو کوئی کسی کا کچھ نام رکھتا ہے تو اس کے ساتھ اس نام میں ترجمہ نہیں کرتا۔

ساتویں یہ کہ حضرت عیسیٰ نے کہیں یہ دعوے نہیں کیا کہ میں بن باپ پیدا ہوا ہوں اور نہ یہ کہ میرا نام عمانوئیل ہے۔ بس بوجوہ سبعہ مذکورہ یہ خبر کسی طرح حضرت عیسےٰ پر صادق نہیں آتی اور سوائے اس کے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر اس قابل نہیں کہ تم دوسروں کو اس پر استدلال کر کے الزام دے سکو۔ اسی واسطے کہ بڑی بزرگی اس خبر سے شخص موعود کی یہ نکلتی ہے کہ وہ شخص عذرا سے پیدا ہو گا اور عذرائیت عذرا

کی امر مخفی اور غیر محسوس ہے۔ خصوصاً بہ نسبت دوسروں کے اور سوائے عزرائیت عزرا کے اور کوئی پتہ حضرت عیسیٰ کی ذات خاص کا اس خبر میں اب تک تو نہیں لکھا گیا۔

آمدم برسرِ مطلب

جس طرح کی خبریں انجیل کے تالیف کرنے والوں نے حضرت عیسیٰ کے کلام کے آگے پیچھے بیچ میں اگلی کتابوں سے نکال کر لکھیں اور اس کا پتہ دیا ہے اگر ہم حضرت خاتم النبیین کے واسطے نکالیں تو ساری بائبل کی اچھی باتوں کو حضرت خاتم النبیین پر ہم جما سکتے ہیں بلکہ انجیل کی روایتوں سے افادہ مطلب میں قوی تر ہمارے لیے بائبل میں موجود ہیں۔ اگر ہم سب کو لکھیں تو کتاب بڑھ جاوے۔ اس کا نمونہ چاہیئے تو براہین ساباطیہ اور صولت الضیغم اور کتاب مرغوب میں دیکھ لیجیئے۔ مگر سات خبریں لکھتا ہوں ایسی کہ انجیل کے تالیف کرنے والوں کی روایتوں سے درباب ان کے صادق آنے کے حضرت عیسیٰ پر بمراتب زیادہ دلالت واضحہ رکھتی ہیں حضرت خاتم النبیین کی حقیت پر۔ پس امید وار انصاف کا ہوں کہ جس طرح بعضے اذکیا حکام عدالت کے متخاصمین کی تقریروں کو میزان عقل میں تول لیتے ہیں اور جدھر قالون اور عقل کی راہ سے ترجیح پاتے ہیں اس کے موافق حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح عقل کی ترازو میں ایک طرف ان خبروں کو جو انجیل والوں نے حضرت عیسیٰ پر جمائی ہیں رکھئے اور دوسری طرف ان خبروں کو جو میں حضرت خاتم النبیین کے حق میں بیان کرتا ہوں رکھ کر تولیئے دیکھئے کس کا پلہ بھاری ہے ؎

آ شانہ کو شانہ سے ملا دیکھ — قدمیں ہمیں کچھ بلند ہوں گے

قد قال اللہ تعالیٰ اولم تاتہم بینۃ ما فی الصحف الاولیٰ۔ او ایضاً قال جل شانہٗ یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوریٰۃ والانجیل۔

خبر اوّل۔ کتاب استثناء کے اٹھارویں باب کے بارہویں ورس سے حضرت موسےٰ کا خطاب یوں نقل کیا ترجمہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۲ "اور اب اے اسرائیل یہواہ تیرا خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے فقط یہی کہ تو یہواہ اپنے خدا سے ترساں رہے اور اس کی سب راہوں پر چلے" بعد اس کے حضرت موسےٰ کا کلام اسرائیل کے یعنی بنی اسرائیل کے ساتھ درباب بیان احکام الٰہی جو آگے ہو چکے تھے اور پند اور وعظ نقل کیا ہے یہاں تک کہ اٹھارہویں باب میں لکھتا ہے کہ حضرت موسےٰ نے خدا کا کلام یوں نقل کیا ترجمہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۷،

"اور یہواہ نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ ۱۸۔ میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک پیغمبر قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا وہ ویسے ہی کہے گا۔ ۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی ان باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس سے مطالبہ کروں گا۔ ۲۰۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات جو میں نے اس سے نہیں کہی میرے نام سے یا اوروں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے" نسخہ قدیمہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۸۔ سوف اقیم لھم نبیا مثلک من بین اخوتھم واجعل کلامی فی فیہ۔[1] یاد رکھو کہ یہ سخن قال میں داخل ہے بضمن قال موسے کے۔ یہودی لوگ کہتے ہیں کہ جتنے انبیا بعد حضرت موسے علیہ السلام کے گذر چکے ہیں بنی اسرائیل میں ان میں سے کوئی نبی مصداق اس خبر کا نہیں ہے۔ اس لیے کہ مثل موسے کے کوئی نہیں ہے اور موسے سب سے افضل ہے اور آپ لوگوں کا بنظر چوتھی انجیل کے پانچویں باب کے اخیر کی عبارت کے یہ دعوے ہے کہ یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے اور بنظر آیۂ کریمہ یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوریٰۃ کے ہم لوگوں کا یہ دعوے ہے کہ یہ خبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ سو میں آپ اپنے دعوے کی وجہ ثبوت گزرانتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس ہو کوئی وجہ ثبوت اپنے دعوے کی ایسی جو ہماری وجہ ثبوت سے افادہ مطلب میں کم نہ ہو تو گزرانیے۔ مگر قبل بیان ان وجوہات کے پہلے اپنے دعوے کرنے کی وجہ ترجیح بیان کرتا ہوں۔ یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوریٰۃ کا حضرت خاتم النبیین کی زبان سے نکلنا از روئے اس ضابطہ عقلیہ کے جو سمعیات میں درکار ہے ایسا ثابت ہے کہ کسی مخالف کو بھی انکار کی جگہ نہیں ہے۔

اور جو چوتھی انجیل کے پانچویں باب کے آخر کے ورس میں جو لکھا ہے اس کے اس طرح کے ثبوت میں کہ وہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے بنظر استفسارات سابقہ کے جو بائبل کی روایتوں کے حال میں ہم لکھ آئے ہیں بالکل شک ہے۔ یہ تو ہمارے اصول کے موافق وجہ ترجیح کی ہوئی اور آپ کے اصول کے موافق تو بالکل ہی ہمارے دعوے کو یہاں ترجیح ہے۔ اس واسطے کہ یہ جو کہا۔ یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوریٰۃ والانجیل۔ سو صاحبِ معجزات نے خدا کے کلام کی تبلیغ کی ہے۔

---

[1] عربی عبارت کا ترجمہ: عنقریب میں ان میں ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی تیری طرح کا مبعوث کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔

اور چوتھی انجیل کے پانچویں باب کے آخر والے ورسوں میں حضرت عیسیٰ کا یہ اظہار نہیں لکھا کہ انہوں نے کہا ہو کہ خدا یوں فرماتا ہے کہ تیری خبر موسےٰ نے دی ہے۔ بلکہ اتنا ہی کہا کہ میرے واسطے موسےٰ نے کہا ہے تو بموجب آپ کے اصول کے اس اصول کی راہ سے حضرت ہارون کی نسبت گوسالہ کو خدا کہنا درست سمجھا گیا ہے جائز ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے تئیں مصداق خبر موسوی ناحق فرمایا ہو۔ العیاذ باللہ فی ذٰلک۔ معہذا ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ نے کہا ہو گا تو اور کسی نبی کا نام لیا ہو گا۔ موسےٰ کا لفظ کاتبوں کی سہو سے لکھا گیا۔ یا یہ مراد ہو گی موسےٰ نے زبانی کہا ہے یہ تو وجہ ترجیح صحت کی ہمارے دعویٰ کے لیے ہوئی۔ اب اگلی وجہ ثبوت کی لیجیے۔

وجہ اول

کتاب پیدائش کے سولہویں[۱۶] باب میں خدا کا خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بنی اسمٰعیل کے حق میں یُوں لکھا ہے۔ سنہ ۱۸۱۵ء ورس ۱۲ "وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا سنہ ۱۸۱۱ء بحضرت جمیع اخوتہ لیسکن"۔ اور اس خبر کی تصدیق کے لیے اسی کتاب کے پچیسویں باب کے اٹھارہویں ورس میں بنی اسماعیل کے حق میں لکھا ہے۔ سنہ ۱۸۱۱ء اقام بحضرۃ جمیع اخوتہ۔ سنہ ۱۸۲۵ء "سو وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے مر گیا"۔ لفظ اخوۃ اور بھائیوں سے اس جگہ بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسرائیل مراد ہوئے۔ سو اسی پر جس جگہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھائیوں کا لفظ بولا گیا ہے وہاں سے بنی عیص اور بنی اسماعیل مراد ہوں گے۔ چنانکہ ظاہر کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے اور جو کوئی خلاف ظاہر دعوے کرے اس کا اثبات اس کے ذمے ہے جب یہ بات ٹھہر چکی تب ہم کہتے ہیں کہ بنظر اس دعا کے جو حضرت اسحٰق نے اپنے آخر وقت اپنے دونوں بیٹوں یعنی عیص اور اسرائیل کے حق میں کی اور یہی از روئے تواریخ کے بالاتفاق موسائیوں اور عیسائیوں اور محمدیوں کے ثابت ہے کہ خاص بنی عیص میں کوئی صاحبِ نبوت نہیں ہوا۔ رہ گئے بنی اسماعیل اس میں بطور اجماع مرکب مصداق اس خبر کا کوئی نہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر بنی اسرائیل مراد ہوں تو حضرت عیسیٰ کی خصوصیت نہ رہے گی۔ اس لیے کہ بعد حضرت موسےٰ کے بیسیوں انبیائے بنی اسرائیل میں گذرے ہیں۔

وجہ دوم

انبیائے بنی اسرائیل جتنے کہ حضرت موسےؑ کے بعد ہوئے ان سب کے اجداد حضرت موسیٰ کے لشکر میں موجود تھے اور ضمیر جمع غائب جو ورس ہیجدہم[18] میں واقع ہے یعنی ہم یا اُن کی وہ راجع ہے انہیں سب کی طرف اور وہ سب کے سب اس ضمیر کے مرجع واقع ہوئے ہیں۔ تو اگر خدا کو کسی اسرائیلی نبی کی خبر دینی منظور ہوتی تو منہم یا من ولدھم یعنی ان میں سے یا اُن کی اولاد میں سے فرماتا نہ یہ کہ ایک لفظ زیادہ ایسا بڑھایا یعنی اخوۃ کا کہ وہ لفظ باآواز بلند پکارتا ہے کہ اس نبی موعود کو علاقہ صلبی یا بطنی ان لوگوں کے ساتھ جو ضمیر جمع غائب کے مرجع واقع ہیں نہ ہوگا ورنہ وہ لفظ بیکار اور لغو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ کے ضعیف کرنے کے لیے نسخہ ۱۸۱۱ء والے نے اپنے ترجمہ میں من بین اخوتھم کی جگہ جو نسخہ قدیمہ اربانوسیہ میں واقع ہے من بعض اخوتک لکھ دیا ہے۔ اور ورس ہفدہم سے پیشتر اسی باب میں جو حضرت موسےؑ کا قول بنی اسرائیل کے خطاب میں نقل کیا ہے سو یُوں لکھا، ورس ۱۵۔ ”خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا“ دیکھو تیرے ہی درمیان سے کا لفظ پیچھے سے بڑھا دیا گیا ہے۔ اور اس کے پیچھے سے بڑھا دینے کی تین دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ دسویں باب کے تیرہویں ورس سے لگا کر جہاں خطاب کا حضرت موسےؑ نے فرمایا، بالاتفاق از روئے تفسیر موسوی کے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور مخاطب ان خطابات کا سارا گروہ بنی اسرائیل کا ہے بالاتفاق نہ ایک دو شخص مخصوص۔ پس ہرگاہ تیرے ہی درمیان سے کے مخاطب مجموع قوم اسرائیلی ہوئی تو پھر تیرے ہی بھائیوں میں سے کی عبارت محض لغو اور فضول اور بے معنی ہو جائے گی۔ حالانکہ تیرے ہی بھائیوں سے کا لفظ اور جگہ بھی ہے سو وہی صحیح ہے اور تیرے درمیان سے کا لفظ پیچھے سے بڑھا دیا گیا ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جو خود حضرت موسےؑ نے اپنے اس قول کے استدلال میں خدا کا کلام نقل کیا۔ اس میں تیرے ہی درمیان سے کا لفظ نہیں ہے سو خلاف قال اللہ کے قال موسیٰ تم کہو تو کہو ہم تو نہیں کہہ سکتے ہیں۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ حواریین عیسیٰ نے جہاں اس کلام کو نقل کیا ہے وہاں یہ جملہ یعنی کہ

تیرے ہی درمیان سے نہیں ہے چنانکہ آگے میں بیان کروں گا۔ اور اگر کہیئے کہ ملانے والے نے بالکل کیوں نہ بدل ڈالا۔ یہ بات تو جتنی باتیں حذف اور تبدیلی کی ہم اُوپر لکھ آئے ہیں سب میں لگ سکتی ہیں۔ حالانکہ وہاں تبدیلیاں ہم ثابت کر چکے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم عدالتوں میں شبانہ روز دیکھتے ہیں کہ اکثر دستاویزات کے نقلوں کی جعلیت انہیں دستاویزات کے دوسری جگہ سے ثابت ہوا کرتی ہے اور بعضے جھوٹے گواہ خود اپنے اظہار سے پکڑے جاتے ہیں۔ پس جو وجہ اس کی ہے وہی وجہ یہاں بھی عدم تبدیلی کلّی کی ہے۔ علاوہ اس کے عادۃ اللہ جاری ہے کہ دین کے چور کی چوری ظاہر کر دیا کرتا ہے یہ اس کی عنایت ہے۔ پس مقتضائے اس عادت کے ضروری ہے کہ بزدلی دزدانہ کی جہت سے کچھ نہ کچھ کلام خیانت آمیز میں ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ خیانت کھل جاتی ہے اور یہ بھی ہے کہ کسی مذہب میں سب کے سب بے دیانت نہیں ہوتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے بائبل میں خرابیاں ڈالیں ان کو حتّی الوسع اپنے مذہب کے دیانتداروں کا بھی لحاظ رہا کہ اس جہت سے بالکل تبدیل نہ کر سکے۔

وجہ سوم

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو بات کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے وہ تقریر میں لغو اور فضول بات نہیں کہتے۔ خصوصاً جو حکیمانہ مزاج رکھتے ہیں، چہ جائیکہ وہ جو حکیم مطلق ہے مثلاً گورنر دانشمند اگر کسی کو لکھے گا کہ ہم تمہارے پاس ایک انگریز کو بھیجیں گے۔ تو یہ نہ لکھے گا کہ وہ ایسا انگریز ہے کہ رنگ اس کا گورا ہے۔ اس واسطے کہ اس کلام سے مخالف بھی بوجھے گا کہ ہر انگریز گورے رنگ کا نہیں ہوتا ہے اور اگر مخاطب کو انگریزوں کا صنفی رنگ معلوم ہو گا تو اس کلام پر بہت ٹھٹھا کرے گا۔ ہر گاہ یہ بات ٹھہر چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اس نبی موعود کی صفت میں یہ بھی فرمایا کہ جو اس کی بات نہ سُنے گا اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اگر اس مواخذے سے مواخذہ تکوینی مثلاً جہنم میں جانا یا دُنیا میں بعقوبت غیبی گرفتار ہونا مراد لیا جائے تو وہی قباحت لازم آوے گی جو انگریز خاص کے حق میں گورے ہونے کی صفت لگاتے ہیں لازم آتی ہے۔ اس لیے کہ بالاتفاق ثابت ہے کہ جس پیغمبر خدا کی بات جو کوئی نہ سُنے گا اس سے مواخذہ تکوینی کیا جائے گا خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ اور جب ایک نبی خاص کی صفت میں ایسا لفظ کہا تو معلوم ہوا کہ العیاذ باللہ اور انبیاؤں کا سخن چاہے کوئی سُنے چاہے نہ سُنے

کچھ اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ سو ایسا کلام جو مفید امر باطل ہو عموماً عقلاء کے کلام میں نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ حکماء کے کلام میں ایسا سخن ہونا محال ہے پس ہر گاہ مواخذہ تکوینی مراد نہیں ہو سکتا تو مراد نہ ہوگا مگر تشریعی یعنی اس نبی کی شریعت میں یہ بھی ہوگا کہ جو شریعت کی باتوں سے انحراف اور سرکشی کرے تو اس کو قاضی سزا دے گا اور حدود و قصاص جاری کرے گا۔ اور یہ بات حضرت عیسٰی پر صادق نہیں آتی۔ بلکہ انہیں کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ منصب نبی آخر الزمان کا ہے۔ چنانچہ چوتھی انجیل کے بارہویں باب میں قول آنحضرت کا ہے بطبع ۱۸۳۹ء درس ۴۷۔ اور اگر کوئی شخص میری باتیں سُنے اور ایمان نہ لاوے تو میں اس پر سزا کا حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ میں دُنیا پر سزا کا حکم دینے نہیں آیا ہوں۔ ۴۸۔ جو مجھے حقیر جانتا ہے اور میری باتوں کو نہیں سنتا ہے اس پر سزا کا حکم دینے والا ایک ہے۔ یعنی جو بات میں نے کہی اسی سے اخیر روز میں اس کی سزا کا حکم ہوگا۔“ ہم کہتے ہیں کہ وہ ایک وہی ہے جس کے حق میں خدا نے موسیٰ سے کہا کہ جو اس کی بات نہ سُنے گا اس سے مواخذہ کا حکم کیا جائے گا اور وہ ایسا بطور اجماع مرکب کوئی نہیں سوائے محمد رسول اللہ کے۔ اور بعض کہتے کہ جو تفسیر انجیل والوں نے حضرت عیسیٰ کے کلام میں بڑھائی وہ محض بے معنی کلام ہے اور اگر کچھ تاویل کی جائے تو ہمارے مطلب کے کبھی منافی نہیں ہو سکتا۔

وجہ چہارم

مثلک اور تجھ سا کے لفظ پر لحاظ کیجئے کہ باواز بلند گواہی دیتا ہے کہ نبی موعود کو حضرت موسیٰ کے ساتھ مماثلت ہوگی۔ سو لحاظ کیجئے کہ باعتبار احکام نبوت وغیرہ کے حضرت عیسیٰ کو حضرت موسیٰ سے مماثلت زیادہ ہے یا احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثلاً حضرت عیسیٰ کو صرف اتنی ہی مماثلت ہے کہ وہ بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں اس مماثلت میں سبھی انبیائے بنی اسرائیل شریک ہیں کچھ حضرت عیسیٰ کی خصوصیت نہیں ہے۔ اور ہمارے حضرت کو اتنی وجہوں سے مماثلت حاصل ہے۔ ۱۔ صاحب والدین ہونا۔ ۲۔ صاحب زن و فرزند ہونا۔ ۳۔ صاحب سیاسیات مدنیہ ہونا۔ ۴۔ صاحب جہاد ہونا۔ ۵۔ عبادت کے وقت وضو کرنے کا حکم دینا۔ ۶۔ جنابت اور حیض اور نفاس سے غسل کا واجب کرنا۔ ۷۔ زناکاروں کی سزا تجویز کرنا۔ ۸۔ بدن اور کپڑوں کو بول براز سے پاک رکھنے کا حکم کرنا۔ ۹۔ جان آفرین

کے نام پر جانور بلا تکلف ذبح نہ کیا جائے بلکہ اور طرح سے مارا جائے اس کے کھانے سے منع کرنا۔ ۱۰. عبادات اور ریاضاتِ بدنی کا مقرر کرنا۔ ۱۱. فصل خصومات کے لیے قاضی مقرر کرنا۔ ۱۲. بڑے کاموں میں مشورے کی شریعت جاری کرنا۔ ۱۳. سود کھانے سے منع کرنا۔ ۱۴. نئی چیزوں یعنی حادثات کو معبود ٹھہرانے پر معجزات دکھلانے والے کو سچا جاننے سے منع کرنا۔ ۱۵. دشمن کے ہاتھ سے اکیلے مخفی نہ ہونا بلکہ یاروں کو بھی بچانا۔ ۱۶. خدا کی عبادت گاہ مقرر کرنا۔ ۱۷. بیماری سے مرنا۔ ۱۸. دارالعمل سے وفات[1] پا کر پھر دارالعمل میں نہ آنا۔ ۱۹. آدمیوں کی نجات کے لیے نہ ملعون مشہور ہونا اور نہ تین دن دوزخ میں رہنے والا اقرار پانا۔ ۲۰. اپنی امت میں عبداللہ و رسولہ کہلانا نہ کہ اللہ و ابن اللہ۔ دیکھو میں پہلو سے مماثلت موسوی کس کے ساتھ ثابت ہے یہ تو ہمارے اصول کے موافق اور توریت اور انجیل کی رو سے مماثلت ہوئی اور آپ لوگوں کے اصول پر تو حضرت عیسیٰ کو حضرت موسےٰ سے کچھ مناسبت ہی نہ تھی۔ اس لیے کہ موسےٰ عیسیٰ کا بندہ اور عیسیٰ موسےٰ کا خدا تھا۔ اور موسےٰ بندہ مجسم اور عیسیٰ خدائی مجسم۔ موسےٰ بندوں کی شفاعت کے لیے نہ ملعون ہوا اور نہ کوئی دن دوزخ میں رہا بخلاف عیسےٰ کے اور موسےٰ امت کے لیے فدیہ نہیں ہوا بخلاف عیسیٰ کے۔ اسی واسطے ہمارے حضرت کی نسبت فرمایا۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً[2]۔ کما کا لفظ مثلک کے مضمون کو ادا کرتا ہے۔

---

[1] دُنیا سے وفات پانے کے بعد حضرت موسےٰ اور آنحضرت کی حیات اس عالم (دُنیا) کی نہیں اگلے جہان عالم برزخ کی ہے اہلسنت مسلمانوں کا قدیم سے یہی عقیدہ چلا آ رہا ہے۔ دُنیا والے ابدان آخرت میں پھر سے اٹھیں گے تو اس سے وہ جہان عالم دنیا نہیں بن جائے گا۔ اسی طرح برزخ کے حالات بھی اگر ان ابدان دُنیوی سے متعلق ہوں تو اس سے عالم برزخ عالمِ دُنیا نہیں بن جاتا۔ عالم برزخ میں ان ابدان یا ان کے اجزاء میں وہ مخفی حیات ہوتی ہے جس سے انہیں بواسطۂ روح قبر کے عذاب یا نعمت کا ادراک ہوتا رہتا ہے۔ دُنیا میں بدن کے احکام روح پہ غالب ہیں۔ برزخ میں روح کے بدن پہ آخرت میں یہ نسبت برابر ہو گی۔ برزخی حالات میں بدن یا اجزائے بدن کو بالکل بے تعلق رکھنا معتزلہ کا مذہب ہے کوائف قبر روح اور بدن دونوں سے متعلق ہیں۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

[2] پ ۲۹ مزمل آیت ۱۵

وجہ پنجم

بیسویں ورس میں فرمایا کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مار ڈالا جائے گا۔ اگر یہ مطلق نبی کے حق میں ہو تو معاذ اللہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی کیونکہ باعتبار استطاعت بشری کے وہ بھی شہادت کے مرتبے کو پہنچے اور دشمنوں نے آپ کو اس استطاعت کے موافق جس پر مدار تکالیف شرعیہ کا ہے بے شک مار ڈالا۔ اور خون آپ کا آپ کی گردن پر لیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر اسی نبی خاص کے لیے ہے جس کے لیے فرمایا۔ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔[1] یعنی خدا فرماتا ہے کہ پیغمبر اگر کوئی بات ہم پر باندھ کر رکھے تو مار ڈالا جائے اور بعد اس کے فرمایا۔ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی خداوند تعالیٰ تجھے بچاوے گا آدمیوں سے اور آپ کے اصول[2] کے موافق تو حقیقۃً حضرت عیسیٰ مارے ہی گئے تو یہودیوں کا اعتراض درست ہو جائے گا۔

وجہ ششم

حضرت عیسیٰ کا قول پہلی انجیل کے پندرہویں باب کے ورس بست و چہارم[24] میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء۔ لم ارسل الا الی غنم بیت اسرائیل الضالۃ۔ یعنی میں بھیجا نہیں گیا ہوں مگر اسرائیلیوں پر۔ اور آپ کے اصول موضوعہ کے موافق خدا مجسم ہو کر مریم کے پیٹ سے جو پیدا ہوا تو پہلے سے سب بندوں کی نجات کے لیے پیدا ہوا۔ یہ نہیں ہے کہ پہلے بنی اسرائیل کے واسطے اپنے تئیں مجسم کیا۔ اور بعد اس کے اپنے تئیں سارے جہان کی نجات کے لیے مقرر کیا۔ ہر گاہ یہ بات ٹھہر چکی یعنی حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کے لیے آئے یا سب کی نجات کے لیے آئے تو پہلے ہی سے آئے تھے۔ تو اب دیکھیے کہ رسالہ اعمال کے تیسرے باب میں بعضے حواریوں کی تقریر وعظ کی یوں لکھی ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۱۹۔ پس توبہ بارید و بازگشت کنید تا گناہان شما محو شود و تا کہ زمان تازہ گیر از حضور خداوند بیاید۔ ۲۰۔ و عیسی مسیح را کہ ندا بشما میشود باز بفرستد۔ ۲۱۔ زیرا کہ باید کہ آسمان او را نگاہدارد تا

---

[1] پ ۲۹ سورۃ الحاقۃ
[2] اسلام کے اصول پر آپ سُولی نہیں چڑھے زندہ اُٹھائے گئے ہیں۔

وقت ثبوت آنچہ خداوند بزبان پیغمبران مقدس خود از ایام قدیم فرمودہ است۔ ۲۵۔ کہ موسیٰ بہ پدران ماگفت کہ خدائے شما پیغمبرے را مثل من از برائے شما از میان برادران شما مبعوث خواہد کرد۔ ہرچہ او بشما گوید شمارا است کہ اطاعت او نمایید۔ الی قولہ۔ ۲۶۔ پس نخستین خدا پسر خود عیسیٰ را خیزانیدہ ونزد شما فرستادہ۔ سب نسخے عربی کے اسی کے موافق ہیں۔ پس خدا کے واسطے انصاف کرو اور تعصب اور الفِ عادت موروثی سے کنارے ہو کر دیکھو کہ یہ تقریر حواری کی کفایت کرتی ہے واسطے تصدیق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس لیے کہ حواری کہتا ہے کہ عیسٰے کا آسمان پر ٹھہرا رہنا اس دم تک ضروری ہے جس دم تک وہ بات جو خدا نے پیغمبروں کی زبانی فرمائی ہے ثابت نہ ہو جائے اور بعد اس کے اس بات کا بیان کرتا ہے کہ پیغمبروں نے کہا ہے کہ موسٰے نے ہمارے باپ دادوں سے کہ لشکر موسوی میں محصور تھے فرمایا ہے کہ ایک نبی وہ تجھ سا بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث کردے گا۔ پس اس بات کا پورا ہونا ضروری ہے اور اس کا ظہور موقوف تھا حضرت عیسیٰ کے چلے جانے پر۔ چنانچہ خود انہیں نے کہا تھا کہ جب تک میں نہ جاؤں گا فارقلیط نہ آوے گا اور بعد اس کے حواری کہتا ہے کہ اس شخص کے ظہور سے پہلے خدا نے عیسیٰ کو بھیجا یعنی ان کے آنے تک وہ بات جو موسٰے نے کہی تھی ظہور میں نہیں آئی تھی۔

اب دیکھیے کہ بطور اجماع مرکب مصداق خبر موسوی کوئی نہیں مگر عیسیٰ یا محمد رسول اللہ۔ پس ہرگاہ احتمال عیسوی مرتفع ہو گیا۔ ثابت ہو گیا کہ مصداق اس خبر کا نہیں ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور دیکھو کہ حواری بھی حضرت موسٰے کے قول کو نقل کرتے ہیں وہ جملہ یعنی تیرے ہی درمیان سے نہیں نقل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے تک وہ جملہ حضرت موسٰے کے قول میں نہیں بڑھایا گیا تھا اور اس کا بڑھانے والا یہاں اس کے بڑھانے پر غفلت کر گیا۔ جیسے بعضے آدمی سچی دستاویز میں بعضی بات اپنے موافق بڑھا دیتے ہیں مگر بزدلی دزدانہ سے آگے پیچھے کی خبر نہیں رکھتے۔ کہ عند المعرکہ اسی دستاویز کے اور لفظوں سے اس لفظ جعلی کی جعلیت ثابت ہو جاتی ہے اس کا میں نے وعدہ کیا تھا۔

بالجملہ ہم اپنی بعض وجہ ثبوت اپنے اس دعوے کے لیے خبر موسوی در حق حضرت مصطفیٰ ہے گزران چکے۔ اب بعض آپ کے پاس کوئی وجہ ثبوت اپنے دعوے کے لیے ہو تو گزرانیے۔

دوسری خبر زبور چہل و پنجم ۴۵ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۲۔ تو حسن میں سب آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے ہونٹوں میں نعمت بٹھائی گئی ہے اس لیے خدا نے تجھے ابد تک مبارک کیا۔" اس کلام داؤدی کو سب اہل کتاب بالاتفاق کہتے ہیں کہ کسی نبی آئندہ کی خبر ہے اور یہودی لوگ جتنے انبیاء حضرت داؤد کے بعد اب تک آئے۔ ان میں سے کسی کو اس خبر کا مصداق نہیں جانتے۔ کیونکہ بعد موسے کے اب تک کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جو سارے بنی آدم سے افضل ہو۔ ہاں اگر عیسائیوں کا دعوٰے ہے کہ یہ خبر حضرت عیسیٰ کے حق میں ہے اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین کے حق میں ہے۔ اس لیے کہ حضرت داؤد آگے فرماتے ہیں۔ ورس ۳۔ اے تو جاہ و جلال سے اپنے تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ ۴۔ راست بازی اور حکومت اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھا دے گا۔ ۵۔ بادشاہوں کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں۔ الیٰ قولہ۔ ورس ۹۔ بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والی عورتوں میں داخل ہوتی ہیں۔ الیٰ قولہ۔ ورس ۱۲۔ قوم کے دولت مند لوگ ہدیہ لے کر تیرے پاس حاضر ہوں گے۔" یہ جو میں نے ورس ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۱ چھوڑ دیا صرف اختصار کے لیے چھوڑ دیا نہ اس جہت سے کہ میرے خلاف اور عیسائیوں کے مؤید تھا۔ جس کا جی چاہے اس نسخے کو جس سے میں نے نقل کیا دیکھ لے۔ اب ذرا انصاف کیجیے کہ اس خبر کو حضرت عیسیٰ کے حق میں ٹھہرانا دن کو رات اور رات کو دن کہنا ہے نہیں۔ اس لیے کہ ہیبت ناک کام دکھانا جیسا مارمیتَ اذ رمیتَ ولکن اللہ رمیٰ کے معجزے پر صادق آتا ہے اس طرح کسی معجزہ عیسوی پر نہیں صادق آتا۔

اور تلوار لٹکانا اور گھوڑے پر اقبال مندی سے سوار ہونا اور دشمنوں کا ہیبت کھا کر پسپا ہونا اور بادشاہوں کے دلوں میں محاربے کا خوف آنا کہاں حضرت عیسیٰ پر صادق آ رہیں۔ اور حضرت عیسیٰ اہلبیت نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے کا ان میں داخل ہونا یعنی چہ اور کسی دولت مند کا ہدیہ بھیجنا حضرت عیسیٰ کو کہیں انجیل میں مذکور نہیں ہے چہ جائیکہ ثابت ہو بخلاف ہمارے حضرت کے کہ نجاشی بادشاہ حبش جو عیسائی تھا غائبانہ حضرت پر ایمان لایا اور ہدیے بھیجے۔ اور بادشاہِ مصر نے کہ وہ بھی عیسائی تھا ماریہ قبطیہ کو ہدیہ بھیجا۔ اور کیانیوں وغیرہ بادشاہوں کی بیٹیاں آنحضرت کے طبقہ اعلیٰ میں اہلبیت کے اور اور طبقات میں اہل بیت میں داخل ہوئیں۔ اور سب باتیں اس طرح ثابت ہیں

کہ بائبل کی کوئی بات نہیں ثابت ہے۔ یعنی باسناد متعددہ متصلہ مشہورہ ثابت ہیں۔

تیسری خبر: زبور یک صد و چہل و نہم نسخہ ۱۸۳۱ء، درس ۱۔ سرود نو را برائے خداوند بسرائید در جماعت مقدسان سپاس بجا آرید۔ ۲۔ اسرائیل در خالق خود شادمان باشد اولاد صیہون در بادشاہ خود وجد نمایند۔ ۳۔ اسمش را در رقص بستایند با دف، و بربط برائے او بنوازند۔ ۴۔ زیرا کہ خداوند از قوم خود راضی است متواضعان را بنجات فخر خواہد داد۔ ۵۔ رحمت یافتگان وجد خواہند کرد۔ بر بستر ہائے خود ترنم خواہند نمود۔ ۶۔ تسبیح خدا در گلوئے ایشاں و شمشیر دو دم در دست ایشاں باد۔ ۷۔ تا انتقام از قبیلہ ہا بگیرند و طوائف را تنبیہ نمایند۔ ۸۔ تا بادشاہان ایشاں را در زنجیر ہا و امرائے ایشاں را در غلہائے آہنی باندازند۔ ۹۔ تا قضائے مرقوم را بایشاں برسانند ایں سرفرازی برائے ہمہ رحمت یافتگانش می باشد ہللویاہ“

نسخہ ۱۸۱۱ء میں بجائے در دست ایشاں باد موضوعۃ فی ایدیہم واقع ہے یعنی ان کے ہاتھوں میں ہے نہ یہ کہ ہو جیو یہودی لوگ اس نظر سے کہ حضرت سلیمان نے ملک داؤد ی سے زیادہ ملک نہیں بڑھایا اور معاذ اللہ آخر زمانے میں وہ بت پرست پرانے ہو گئے ان کو مصداق اس خبر کا نہیں جانتے اور عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے حق میں ہے۔ ذرا انصاف کیجیے کہ وہ پہلے مزبورہ سرتاسر جہاد پر دلالت کرتے ہیں، پس حضرت عیسیٰ پہ کیونکر صادق آویں گے اور باطنی بادشاہت تو ہر نبی کے لیے ہوتی رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت ہے۔ تو دیکھیے زبور کی دونوں خوشخبریوں سے صاف ظاہر ہے کہ شخص موعود شمشیر زنی کرے گا اور اس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق اور مقتضائے غضب الٰہی کافروں کے حق میں ہوگی اور تسبیح در گلو و شمشیر در دست انہیں لوگوں پر صادق آتا ہے جن کی نسبت سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

بہ تکبیر مردان شمشیر زن کہ مرد و غا را شمارند زن

اور بچھونوں پر لیٹتے وقت اذکارِ الٰہیہ مقرر کرنا کہیں انجیلوں میں نہیں ہے بخلاف قرآن شریف اور احادیث مصطفویہ کے کہ ان میں خاص بچھونوں پہ لیٹتے وقت بھی ذکرِ الٰہی کی تخصیص و ترغیب واقع ہے۔

چوتھی خبر: اشعیا نبی کی کتاب کے اکیسویں ۲۱ باب میں ایک کلام واقع ہے اسے میں نے نسخوں

سے لکھتا ہوں اور اس طرح کے لکھنے سے چار باتیں معاً ثابت کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ اشعیا نبی کی پیشین گوئیاں اکثر ایسی ہی ہیں یعنی حضرات مجاذیب کا سا کلام مضمون مکرر تھا اس میں بقول مثل مشہور تحریف بھی ہے۔

تیسرے یہ کہ بعضے اختلافات ترجموں کے نسخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل نسخے عبرانی زبان والے مختلف ہیں صرف ترجموں کا قصور نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ اشعیا نبی نے جس طرح حضرت عیسیٰ کے آنے کی بشارت دی ہے اسی طرح حضرت خاتم النبیین کے حق میں بھی بشارت دی ہے۔ چنانکہ ہمارے اسلاف بھی اس کی تصریح کرتے آئے ہیں۔

اور وہ کلام یہ ہے۔ نسخہ اردو ۱۸۲۵ء درس ۶ مجھے یُوں فرمایا ہے یہواہ نے کہ جا اپنے مکان پر بٹھلا نگہبان کہ جو کچھ دیکھے مجھے بتلا دے۔ ۱۸۳۹ء چہ خداوند مرا چنیں فرمودہ است کہ بیا و حارسے بر برج بنشاں تا ہر چہ بیند اطلاع دہد۔ ۱۸۱۱ء قال لی الرب امض اقم لك دید بان والذی یراہ اخبر بنیہ" دیکھو جا اور بیا اور امض کا اختلاف اور نگہبان کا ترجمہ دیدبان عربی ہیں۔ ۷۔ اور اس نے ایک گاڑی دیکھی اور دو سوار۔ ایک تو گدھے پر سوار اور دوسرا اونٹ پر اس نے بڑی فکر سے تا کا۔ ۱۸۳۹ء واو یک ارابہ و دو سوار دید کہ یکی بر خری سوار و دیگر بر شتر و بفکر تمام متر صد است۔ ۱۸۱۱ء نظرت فارسین راکبین احدھما راکب حمار والآخر راکب جمل لیسمعوا اسماعاً کثیراً" گاڑی اور ارابہ یہاں کہا۔ مگر اپنی اور لیسمعوا اسماعاً کثیراً کا اختلاف دیکھیے اور جو چوکی پر دیکھتا تھا چلایا میرے خداوند میں کھڑا رہا اپنی چوکی پر تمام دن اور تمام شب میں اپنے مکان پر بیٹھا رہا۔ ۱۸۳۹ء وحارس فریاد برکشید وگفت اے خداوند بر حراست خود تمامی روز استادم و تمامی شب در مکان خود قرار گرفتم۔ ۱۸۱۱ء وادع اور یاء و دیدبۃ الرب وقال وقفت کل حین ایام و علی المعسکر وقفت اناء اللیل کلہ۔ دیکھو کہاں چلایا اور فریاد برکشید اور کہاں وادع اور ریاء اور نگہبان کا ترجمہ ویدبۃ الرب اور مکان خود کا ترجمہ معسکر۔ ۹۔ اور دیکھ ان دو سواروں سے ایک آدمی آتا ہے اور کہتا ہے بابل گر گیا، بابل گر گیا اور اس کے بتوں کی ساری کھودی ہوئی مورتیں زمین پر توڑی گئیں۔ ۱۸۳۹ء واینک سوار ارابہ با دو سوار در اینجا

میرسند۔ پس در جواب میگوید کہ بابل افتاد بابل اُفتاد و ہمہ اشکال بتانش بر زمین ریزہ ریزہ شدند۔ ۱۸۱۱ء واذا ھو اقبل راکب من الاثنین واجاب وقال سقطت بابل العظمیٰ وکل اصنامہا ومصنوعات الایدی التی انسحقت علی الارض۔ دیکھو نسخہ اردو اور عربی اس ورس کے پہلے جملے ہیں مطابق ہیں۔ فارسی والے نے اسے صاف بدل ڈالا اور وجہ اس کے بدلنے کی آگے معلوم ہو گی۔ اور عربی میں التی کے لفظ نے کلام کو محض بے معنی کر دیا اور بابل کے گرنے کا جو مضمون مکرر تھا اس میں سے ایک حذف کر دیا اور جو کچھ اختلاف ہے وہ بھی سمجھ لیجئے۔ ۱۰۔ اے میرے کھلیان اور اے میرے انبار کے غلے۔ جو کچھ میں نے سنا یہواہ لشکروں کے خدا اسرائیل کے خدا نے تجھے کہہ دیا۔ ۱۸۳۹ء اے خرمن گاہِ من واے غلہ انبار من ہر آنچہ من از خداوند خدائے افواج خدائے اسرائیل شنیدم بر شما اشکار کردم۔ ۱۸۱۱ء اسمعوا ایھا المتقون والمتوجعون اسمعوا ما سمعت من قبل رب الجیوش الٰہ اسرائیل اخبرکم۔ دیکھو اردو اور فارسی نسخہ یہاں مطابق ہے اور عربی والے نے اس ورس کے پہلے جملے کو بالکل بدل ڈالا۔ اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبرانی نسخے میں ایسا ہی اختلاف ہو گا۔ اس لیے کہ ظاہر میں اس تبدیلی کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ۱۱۔ ادوم کا بوجھ وہ مجھے ساعیر سے بلاتا ہے۔ اے نگہبان رات کی کیا خبر اے پاسبان رات کا کیا ماجرا۔ ۱۸۲۹ء آیت در باب دومہ ندائے از سعیر بسوے من میرسد حارس ماجرائے شب چیست اے حارس ماجرائے شب چیست۔ ۱۸۱۱ء النبوۃ فی ادوم اھل ساعیر الذی ھم بنو عیسیٰ ادعونی من ساعیر احفظوا الشرارف۔ دیکھو یہاں تو تحریف کی قلعی ایسی کھل گئی جیسے دوپہر کا آفتاب۔ اوّل دیکھئے کہ النبوۃ فی ادوم کا ترجمہ اردو والے نے کیا کہ ادوم کا بوجھ کہاں نبوت کہاں بوجھ۔ اور فارسی والے نے آیت در باب دومہ کیا آیت کے معنی نشانی کے ہیں یعنی یہ آیت در باب دومہ کے ہے اس سے بوجھا جاتا ہے کہ یہ لفظ حضرت اشعیا کے اس الہامی کلام میں داخل نہیں ہے۔ چنانکہ فارسی والے نے اس لفظ کے بعد یہ شکل بنا دی ہے تاکہ ثابت ہو کہ یہ لفظ حضرت اشعیا کے کلام میں داخل نہیں۔ اور تبدیلی کی مثل ویسی ہے جیسے کہتے ہیں کہ

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک منہم بر باد رفتہ باشد

یعنی یہ ورس نص قاطع ہے اس باب میں کہ اوپر جو حضرت اشعیا نے فرمایا ہے اس کی تصریح خود کرتے ہیں کہ یہ خبر اہل سعیر کے حق میں ہے جو مولد اور موطن ہے حضرت عیسےٰ کا۔ چنانچہ اسی واسطے ۱۸۱۱ء والے نے صراحۃً ہم بنو عیسےٰ کا لفظ بڑھا دیا۔ یا یہ مراد ہے کہ حضرت اشعیا کو الہام ہوا کہ اہل سعیر میں بھی نبوت کا ظہور اور کوئی شخص صاحب نبوت ہوگا چنانچہ حضرت عیسیٰ ہوئے۔ پس ہر گاہ اسی طرح آئندہ کا ورس سیز دہم ہمارے حضرت سرور کائنات کے لیے تھا اور اصل میں اس کی خرابی منظور تھی۔ فارسی والے نے اس ورس یاز دہم کو بھی خراب کر دیا اور اردو والے نے خراب تو کیا مگر اچھی طرح خراب نہ کر سکا۔ اور عربی والے نے اپنے مطلب کے ثابت کرنے کے لیے اس مثل کے موافق عمل نہیں کیا۔ نہیں معلوم کیا خدا سے ڈرا۔ مگر کم علمی یا اصل نسخوں کے اختلاف کی جہت سے اس نے ورس یاز دہم کے اخیر جملے کو بالکل بدل ڈالا۔ ۱۳ " پاسبان بولا صبح ہوتی ہے اور رات بھی تم جو پوچھتے ہو پوچھو۔" ۱۸۳۹ء حارس در جواب می گوید کہ صبح میر سد و شب نیز اگر می پرسید بپرسید باز بیائید۔ ۱۸۳۹ء احتفظ بالغداۃ تطلب اطلب۔ فارسی والے نے باز بیائید کا لفظ نہیں معلوم کس واسطے بڑھا دیا یا اردو والے نے کم کر دیا۔ یا اصل نسخوں میں ایسی ہی کمی بیشی ہو گئی اور اس جگہ کی بلاغت عربی والے کی میں کیا تعریف کروں کہ سحبان وائل سے بھی الیسانہ ہو سکتا۔ مگر مترجم بیچارے کا قصور نہیں ہے۔ اصل عبرانی میں ایسی ہی خرابیاں ہوں گی۔ ۱۳۔ عرب کا بوجھ اے سفر کرنے والو دیدانی قافلو تم عرب کے میدان میں رہو۔ ۱۸۳۹ء آیت در باب عرب۔ اے کاروانہائے ویدانی در بیابان بوقت شام منزل کنید۔ ۱۸۱۱ء النبوۃ فی العرب وبنی قیدار وعندی اسکن من الغاب یضطجع مساءً الی طریق داوان۔" اسی ورس کے خراب کرنے کے لیے ساری خرابیاں اس باب میں کی گئیں۔ دیکھیے یہ نص قاطع ہے اس باب میں کہ حضرت اشعیا نے جس طرح حضرت عیسیٰ والوں کی خبر دی ہے اسی طرح عرب اور بنی قیدار کے حق میں کہ اولاد حضرت اسماعیل کے ہیں خبر دی ہے یا جس طرح حضرت اشعیا نے فرمایا کہ بنی ساعیر میں ایک شخص صاحب نبوت ہونے والا ہے اسی طرح فرمایا کہ بنی قیدار میں بھی ہوگا۔ اسی واسطے دو نسخوں سے بنی قیدار کا لفظ اڑا دیا گیا۔

پہلے یاد کیجیے اس گفت وگو کو یہودی اور عیسائی کی آپس میں درباب اس لفظ عبرانی کے جس کا ترجمہ آپ لوگ عزرا یعنی کنواری کہتے ہیں ہوئی کہ باوجود تسلیم اس بات کے کہ واقع میں از روئے

لغت عبرانی کے کہ وہ لفظ عام ہے عزرا اور غیر عزرا سے. مہنداا س مقام پر وہ عیسائی اور کچھ حجت نہ لا سکا سوا اس کے کہ اگر یہاں مطلق جوان عورت مراد ہو تو یہ پیشین گوئی کالعدم ٹھہرے گی. بلکہ ویسے ہی ٹھہری کہ دندانِ تو جملہ در دہانند اس لیے کہ عورتیں تو اکثر جنتی ہی رہتی ہیں اور کسی بانجھ کے مقابلے میں تو فرمایا ہی نہیں تا معجزہ کہا جائے. اسی طرح جتنے آدمی ہیں سبھی اکثر خوابوں میں خر سوار اور شتر سوار دیکھا کرتے ہیں اور باتیں کیا کرتے ہیں یہ تو خوابہائے باطلہ کہلاتی ہیں اس کو الہام ہونے سے کیا علاقہ. بعد اس کے لحاظ کیجیئے کہ راکبِ حمار اور راکبِ جمل سے مطلق راکب حمار اور راکب جمل مراد ہے یا ایسے اشخاص جو مشار الیہ ہوں. اور یہ پتہ ان کا زبان زد خلائق ہو. پس ہر گاہ ایک جگہ ہم بیان کر آئے کہ راکب حمار سے انجیل والے نے حضرت عیسٰی کو مراد لیا ہے. بس ضروری ہوا کہ یہاں بھی حضرت عیسیٰ مراد ہوں. اور جب حضرت عیسیٰ کے مقابلے میں راکب جمل بولا گیا تو وہ بھی چاہیئے کہ ایسے ہی کوئی مشار الیہ شخص ہو پس نہیں مراد ہو سکتا ہے. مگر وہ شخص جس کے حق میں شعراء لکھتے آئے ہیں ؎

شتر سوار عرب میر حجرۂ کعبہ ۔۔۔ کہ حجرہ رب شتربان اوست اویس قرن

اور عرب کی خصوصیت اونٹ کے ساتھ ایسی ہے کہ کسی ظریف نے کہا کہ مجھے آدھی قاموس ایک دم میں یاد ہو گئی. لوگوں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے. اس نے کہا جس لغت کو دیکھو اس کے معنوں سے اونٹ کا علاقہ نہیں چھوٹنے پایا. پس جب اتنا ہم نے سمجھ لیا تو گویا آدھی قاموس ہمیں یاد ہو گئی. اور بنی قیدار اور عرب کا بنی اسماعیل سے ہونا توریت وغیرہ تواریخ سے ثابت ہے. اور عیسائی لوگ جو یہاں سے بادشاہِ فارس کی خبر جس نے بخت نصر کے ظلموں کا بدلہ لیا مراد لیتے ہیں. یہ بات ان کی اسی قسم کی ہے کہ پرائی بدشگونی کے لیے اپنی ناک کٹانا اس بادشاہ فارس کے وقت تک بنو عیسیٰ کہاں تھے جو حضرت اشعیا اہل سعیر کے لفظ کے ساتھ ہم بنو عیسیٰ کا لفظ ملا کر بتا دیتے ہیں اور بابل بعد تخریب بادشاہِ فارس کے پھر بھی آباد رہا. بالکل خرابی اس کی مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوئی اور بادشاہِ فارس کو بتوں کے توڑنے سے کیا غرض تھی اور فارسیوں کی سواری دراز گوش اور اونٹ کی سواری سے کیا خصوصیت تھی. بلکہ عموماً اور کلیۃً سواری ان کی گھوڑے پر ہوتی تھی. چنانچہ فارس کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور آخر کے دو جملے اسباب کے کثرۂ قریش کی مقہوری پر دلالت کرتے ہیں

اور سارے باب میں کہیں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے کچھ بھی بو باس شاہ فارس کی پائی جائے محض تعصباً عیسائی لوگ اس بات کو اس پر جماتے ہیں.

پانچویں خبر اسی کتاب اشعیا کا بیالیسواں باب ہمارے پیغمبر خدا کی شان میں ہے اور آپ لوگ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ کی شان میں ہے. میں اپنی وجہ ثبوت گزرانتا ہوں. آپ کے پاس جو کوئی وجہ ثبوت ہو سوائے اس کے جو اس باب میں تحریفاً لکھا گیا ہے گزرانیئے. اور اس کی عبارت یہ ہے. سنہ ۱۸۲۵ء ورس ا. دیکھو میرا بندہ جسے میں نے برپا کیا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی. وہ قوموں پر عدالت کرے گا. سنہ ۱۸۱۱ء یعقوب فتای اعضدہ و اسرائیل مختاری قبلته نفسی اعطی روحی علیه لتخرج الحکم للامم. نسخہ سنہ ۱۸۲۹ء موافق اردو کے ہے. دیکھو عربی نسخے والے نے جو اپنے اصول کے خلاف بندے کا لفظ حضرت عیسیٰ کے حق میں دیکھا. اور غرض یہ بھی کہ یہ بات ساری حضرت عیسیٰ کے حق میں ٹھہرائی جائے تو پہلے ورس کو بالکل بدل ڈالا. تحریف اسی کا نام ہے یا کسی اور چیز کا. اس کو میں نے کہا کہ اپنے تحریفی ورس کے سوا اور جو وجہ ہو گزرانیئے. ورس ۲. وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا. ۴. وہ جب تک زمین پر عدالت نہ کر لے نہ گھٹے گا اور جزیرے اس کی شریعت کی راہ تکیں گے. سنہ ۱۸۳۹ء عاجز و دل شکستہ نخواہد شد تا وقتیکہ عدل را بر زمین قائم نماید و جزائر منتظر شریعت او خواہند گردید. سنہ ۱۸۱۱ء لا یسرق ولا یکسر الی ان یضع الحکم علی الارض وعلی اسمه تتکل الامم. دیکھو کہاں نہ گھٹے گا اور کہاں عاجز و دل شکستہ نخواہد شد اور کہاں لا یسرق نہیں معلوم کہ معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا. اور دیکھو کہاں عدل کرنا کہ یہ ہر نبی کی شان ہے اور کہاں حکومت کرنا کہ یہ ہر نبی کے لیے نہیں ہے. بلکہ صرف بعضوں کے واسطے ہوا. جیسے موسیٰ اور داؤد اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے. اسی لیے اردو اور فارسی والے نے اس کو بدل ڈالا. اور دیکھو کہاں جزائر اور کہاں امم. ۶. میں نے جو یہواہ ہوں تجھ کو راست بازی سے بلایا ہے تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لیے تجھے دوں گا. ۷. تو اندھوں کی آنکھیں کھولے گا اور بندھوؤں کو قید سے اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں وہاں سے نکالے گا. ۸. یہواہ میں ہوں یہ میرا نام ہے اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی ہے سو بتوں کے

کے لیے نہ ہونے دوں گا۔ ۱۰۔ یہواہ کے لیے نیا گیت گاؤ۔ ارے تم جو دریا میں گزرتے ہو اور اس میں تیرتے ہو۔ ارے جزایر اور وہاں کے بسنے والو تم زمین پہ سرتاسر اس کی ستائش کرو۔ ۱۱۔ صحرا اور دشت اور صحرائی اور دشتی گاؤں اور یہ جو قیدار میں ہیں آوازیں بلند کریں، پہاڑیاں گیت گاویں، پہاڑوں کی چوٹیوں پہ للکاریں۔ نسخہ ۱۸۳۹ء اس کے موافق ہے۔ ۱۲۔ نسخہ ۱۸۱۱ء افرحی ایتھا البریۃ وقراھا یعظون اللہ مجداً یعنی خوش ہوا اے جنگل اور اس کے دیہات کہ وہ خدا کی بڑائی کرتے ہیں؛ کیا خوب اختصار کیا۔ کیوں نہ ہو شاباش اور قیدار کا لفظ کیا اچھے موقع سے حذف کیا واہ کیا کہنا۔ ۱۲۔ وہ یہواہ کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ ۱۳۔ یہواہ ایک بہادر کی طرح نکل کھڑا ہو گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اکسائے گا وہ نعرے مارے گا وہ اپنے دشمنوں پہ بہادری کرے گا۔ ۱۶۔ اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے مجھے لے جائے گا میں انہیں اس راستے لے چلوں گا جس سے وہ آگاہ نہیں ہیں تاریکی کو ان کے آگے روشنی کر دوں گا اور بہتیری چیزوں کو سیدھا میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا۔ ۱۷۔ وہ پھرائے جائیں گے وہ نپٹ پشیمان ہوں گے جو کھودی ہوئی مورتوں پہ بھروسا کرتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے خدا ہو۔ نسخہ ۱۸۳۹ء میں پھرائے جانے کی جگہ نہ مہت خاہند خورد لکھا ہے۔ فقط یہ جو میں نے ورس ۳، ۵، ۹، ۱۴، ۱۵ کو نہیں لکھا تو صرف اختصار کے لیے نہیں لکھا نہ کہ اپنے مطلب کے مضر اور عیسائیوں کے مفید سمجھ کر چھوڑ دیا جس کا جی چاہے ان تینوں نسخوں کو پڑھ کے دیکھ لے۔ آپ لوگوں کا دعوے ہے کہ یہ خبر اشعیا نبی نے حضرت عیسیٰ کے حق میں دی۔ چنانچہ پہلی انجیل کے مؤلف نے بھی باب دوازدہم کے ورس ہفتدہم میں اس کا اشارہ کیا ہے۔ مگر خیریت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اقوال میں اس اشارے کو نہیں داخل کیا۔ خود اس مؤلف نے اپنا گمان لکھا ہے۔ اور ہمارا دعوے یہ ہے کہ یہ خبر حضرت خاتم النبیین کے لیے ہے۔ تو ہم اپنے دعوے کی وجہ ثبوت گزرانتے ہیں ذرا دل لگا کر سنیئے۔

پہلی وجہ۔ پہلی انجیل کے پندرہویں باب میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا نسخہ ۱۸۱۶ء۔ ورس ۲۴۔ انی لم ارسل الا الی غنم بیت اسرائیل الضالہ۔ ۱۸۳۹ء میں سوائے اسرائیل کے گھرانے کے گمراہ بھیڑوں کے اور کسی کے لیے بھیجا نہیں گیا۔ ایسا ہی سب نسخوں میں ہے۔ یہ نص جلی

ہے اس بات پر کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کی وضع صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ گو کہ اور گمراہ لوگ بھی اگر ان کی باتیں سن کر راہ پر آویں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اسی طرح یہ تخصیص آنحضرت کی بنی اسرائیل کے لیے انجیلوں کی بہت جگہ سے نکلتی ہے۔ چنانچہ اسی انجیل کے دسویں باب کے ورس پنجم و ششم سے کہ اس میں حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو صرف نبوت اسرائیلیہ پر بھیجا ہے۔ اور انیسویں باب کے ورس بست ہشتم سے کہ اس میں روز حیات کا حال بہ نسبت اپنے شاگردوں کے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں پر حکومت کرو گے اور پولوس کے خط موسومہ عبرانیوں کے آٹھویں باب کے ورس ہشتم اور دہم سے کہ اس میں عہد جدید کو صرف خاندان بنی اسرائیل کے لکھا ظاہر ہے اور تمہارا اظہار کہ حضرت عیسیٰ سارے جہان کے لیے آئے تھے محض غلط ہے۔ غایت الامر حضرت عیسیٰ کے بعضے اقوال سے یہ بوجھا جاتا ہے کہ غیر بنی اسرائیل بھی اگر مہتدی بشریعۃ عیسویہ ہو تو ہو سکتا ہے مگر بعثت آپ کی صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی تو دیکھو یہ اشعیا نبی کا کلام اول سے لے کر آخر تک پکارتا ہے کہ اس شخص موعود کو جو کہ خدا کا بندہ ہوگا عموم خلقت کی پیشوائی اور سارے جہاں کے لوگوں کی رہنمائی کا منصب ملے گا پس حضرت عیسیٰ کیوں کر یہاں سے مراد ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً آپ کے طور پر اس لیے کہ یہاں اس شخص موعود کو اپنا بندہ کہا نہ کہ خود اپنے تئیں سو یہ خبر صادق نہیں آسکتی ہے۔ مگر اس شخص پر جس سے فرمایا ہو کہ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

دوسری وجہ۔ علی العموم نوید کے ساتھ ایک قوم خاص کی تصریح کی۔ ورس یازدہم میں ہے کہ جس سے بنی اسرائیل کی تخصیص والا پیغمبر صاف باہر ہو جاتا ہے اور بنی اسماعیل والا پیغمبر صاف ثابت ہو جاتا ہے یعنی بنی قیدار کی قوم کو خاص کر کے نوید دی اور توریت سے بھی ثابت ہے۔ کہ قیدار حضرت اسماعیل کے بیٹے کا نام ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے عربستان میں بود و باش اختیار کی اور سارا عرب بنی اسماعیل میں داخل ہے۔ خصوصاً قریشی لوگ قطعاً بنی اسماعیل ہیں۔ اسی واسطے ۱۸۱۱ء والے نے اولاً سرے پر اس خبر کی تغییر تبدیلی کی اور بعد اس کے بنی قیدار کے لفظ کو حذف کر دیا۔

تیسری وجہ۔ گیارہویں ورس کو لحاظ کیجئے۔ یعنی خدا فرماتا ہے کہ بلندیوں پر خدا کی بندگی

ظاہر کی جائے گی۔ یہ بات آیا اس شخص پر صادق آتی ہے جس کے دین کے شعائر ضرور یہ سے یہ بات ہو کہ پانچوں وقت مناروں پر اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جائے اور سفر حج میں ہر ٹیکرے اور ٹیلے پر کوسوں تک پکارا جائے کہ اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لاشریک لک اور جس نے فرمایا ہو کہ جب چلنے میں نشیب سے بلندی پر چڑھو تو اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو۔ اور جب بلندی سے اُترو تو کہا کرو۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اور جب سفر میں آبادی میں داخل ہونے لگو تو اس طرح خدا کو یاد کرو۔ اور جب منزل پر اُترو تو اس طرح خدا کو یاد کیا کرو۔ اور جب منزل سے کوچ کیا کرو تو یہ پڑھا کرو۔ یا اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے ایسا کچھ نہ فرمایا ہو۔ اور نہ اس کی شریعت میں یہ باتیں داخل ہوں اور گھنٹہ یا ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہو اور خدا کے ذکر کو اس نے کہا ہو کہ دروازہ بند کر کے کیا کرو چپکے چپکے۔ اسی جگہ سے یہ ثابت ہے کہ کعب احبار نے جو اورشلیم میں اس وقت بڑے موسائی مذہب کے عالم تھے اور صرف اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے گواہی دی کہ ہماری توریت میں محمد رسول اللہ کی صفت یُوں لکھی ہے۔ امتہ الحمادون یحمدون اللہ فی کل منزل ویکبرونہ علی کل شرف۔ الیٰ قولہ ینادی منادیھم فی جو السماء۔ یعنی وہ وہ شخص ہوگا جس کے لوگ خدا کی بڑی حمد کرنے والے ہیں۔ ایسے کہ ہر منزل میں سفر کے خدا کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر خدا کی یاد کریں گے۔ اور ان کا پکارنے والا جو سما میں یعنی بلندی پر کھڑے ہو کر پکارے گا آؤ خیر کی طرف اور آؤ نجات کی طرف۔ اور اسی واسطے ورس دوم کے مضمون کو کعب ابن احبار نے پیغمبر خدا کے حق کہا۔ اور وہ گواہی اُن کی ایسی اسناد متصلہ سے ثابت ہے کہ ایسا کوئی واقعہ انجیل کا نہیں ثابت ہے۔

چوتھی وجہ۔ اس گیارہویں ورس کو بارہویں میں ملا کر پھر غور کیجیے۔ خدا فرماتا ہے کہ خدا کی ثناخوانی سب جزیروں میں پھیلے گی۔ میں پوچھتا ہوں کہ ثناخوانی کس طرح کی یہاں مراد ہے۔ آیا وہ ثناخوانی ہے جو شگن اور پاشنا کے ضمن میں ہوتی ہے یعنے بعضے مصدورات واجب کو جو صاحب فیضان کثیر ہیں واجب دھیان کرنا اور اس میں اس واجب کی ثناخوانی سمجھنا اور اس کی مخلوقات کو بالکل کارخانہ ایجاد اور افنا کا مالک و مختار اعتقاد کرنا اور اس میں واجب کی قدرت کا تصوّر کرنا۔ یا وہ ثناخوانی جس میں یہ کچھ نہ ہو بلکہ اس کو بے حد اور بے پایاں اور غنی مطلق سمجھنا اور اس کی ذات کے سوا کسی کو نئی حمد

بھی بڑائی کی بات میں بے نیاز نہ سمجھنا اور اس کے سوا اور کسی چیز کو بھی فی الجملہ بے نیاز سمجھنے کو سب گناہوں سے بڑا جاننا۔

اگر پہلی ثنا خوانی مراد ہے تو حضرت عیسیٰ سے آگے ہی سارے جہان میں پھیلی ہوئی تھی۔ کون فرقہ ایسا تھا جو خدا کو نہ جانتا تھا اور اس کی ویسی ثنا خوانی نہ کرتا تھا۔ آپ لوگوں کے ہاتھوں سے کچھ نہیں پھیلا۔ سوائے اس کے کہ باپ خدا بیٹا خدا روح القدس۔ خدا اور خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کے لیے عالم ظہور میں آگر آخر کار کچھ اس سے نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہے۔ ہندو لوگ رام چندر اور کرشن کی نسبت بھی یہی کہتے ہیں کہ زمین کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک بار کوشلیا کے پیٹ میں اور ایک بار دیوکی کے پیٹ سے خدا جسم پکڑ کے پیدا ہوا اور بعضے آپ کے لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ خدا سے صادر ہوا اور خدا نے اس کو بالکل سارے عالم کا مالک اور مختار کر دیا۔ ایسا ہی پارسی لوگ نفوس فلکیہ اور کو کبیہ کو سمجھتے ہیں۔

اور اگر دوسری طرح کی ثنا خوانی مراد ہے تو دریائے مشرق سے مغرب تک طول میں اور عرض میں کہیں پینتالیس ۴۵ درجے سے کم نہیں اور کہیں ساٹھ پینسٹھ درجے تک اور جزائر علاوہ اس کے بڑا پہلا حکم شریعت کا یعنی لا الہ الا اللہ جس زمانے سے کہ آدمی دُنیا میں پھیل پڑے کسی کے ہاتھ سے سوائے محمد رسول اللہ والذین معہ کے اگر پھیلا ہو تو مجھے از برائے خدا بتا دیجیے باوجودیکہ بڑے بڑے گیتی ستان اور بڑے شمشیر زن مسلمانوں سے زیادہ ہندی اور پارسی اور یہودی مذہب والوں میں بھی ہوتے چلے آئے ہیں پس وہ خبر سوائے اس شخص کے جس کو خدا نے فرمایا ہو۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ اور کس پر صادق آوے گی۔

پانچویں وجہ ورس چہارم کو لحاظ کیجیے۔ خدا فرماتا ہے کہ وہ شخص درماندہ نہ ہوگا یہاں تک کہ اپنی حکومت اور عدالت کرے گا۔ یہ مضمون باآواز بلند پکارتا ہے کہ یہاں سے محمد رسول اللہ مراد ہیں جن کے حق میں فرمایا۔ واللہ یعصمک من الناس نہ کہ عیسیٰ ابن مریم کہ آخر درماندہ ہو کر دنیا سے انہوں نے وفات[1] پائی اور حکومت کا صیغہ ان کی شریعت میں تھا ہی نہیں۔

چھٹی وجہ دیکھو چھٹا ورس۔ خدا وعدہ کرتا ہے کہ اس شخص موعود کی حفاظت میں کروں گا اور

---

[1] مؤلف نے یہ بات بنا بر اعتقاد نصاریٰ کہی ہے جو حضرت مسیح کی سولی پر موت (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عیسٰی دشمنوں کے ہاتھوں سے دُنیا میں محفوظ نہ رہ سکے۔

ساتویں وجہ۔ تیرہویں ورس کو دیکھئے وہ جہاد کے مقدمہ کا شمشیر برہنہ گواہ ہے۔ اور کس لطافت کے ساتھ گواہی دیتا ہے کہ خدا آدمیوں کی طرح پر دشمنوں سے لڑے گا نہ یہ کہ جس طرح اور اگلے بعضے پیغمبروں کے دشمنوں سے لڑا کہ مضطر کر کے مار ڈالا اور کمال بے کسی اور بے بسی سے ہلاک کیا یہ بھی رحمۃ للعالمین کی شان ہے کہ خدا کے دشمنوں سے جو لڑے بھی اس طرح لڑے کہ اُن کی بھی دل کی ہوس بُجھتی رہے۔ نہ بے کس اور بے بس ہو کر نہیں مارے پڑے۔

آٹھویں وجہ۔ سولہویں ورس کو غور کیجئے خدا فرماتا ہے کہ خدا کی شریعت سے ناواقف کاروں کے لیے اس بندے کو ظاہر کروں گا۔ اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل جن کے واسطے حضرت عیسٰی آئے تھے وہ تو خدا کی شریعت کے بڑے عالم تھے۔ خصوصًا بھلا بُرا حکم شریعت کا کہ ان کے سوائے کوئی دنیا میں گویا جانتا ہی نہ تھا اور حضرت عیسٰی نے خود ان کو فرمایا کہ تم لوگ علم کی کُنجی ہو۔ بس یہ بات صادق نہیں آتی ہے مگر نبی عربی پر جس سے عرب والے جو خدا کی صفتوں سے بالکل ناواقف تھے اور معاد کو تو جانتے ہی نہ تھے۔ اور جاہل کر کے مشہور تھے راہ یاب ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ان کی ہدایت کا جلوہ جہاں میں اب تک پھیلا ہے جس جلوہ کی تمنا حضرت ابراہیم اور حضرت موسٰے جی میں لے گئے۔ مگر حضرت عیسٰی کی تمنا بر آنے والی ہے۔ یعنی اس کے ترویج کی تکمیل آخر دنوں میں اُن کے ہاتھ سے ہوگی۔

نویں وجہ۔ ورس ہشتم کو ملاحظہ کیجئے کہ اس کی اخیر عبارت اور ورس ہفتدہم سارا کیا کہتا ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ اس وقت سے بُت پرستی کی موقوفی پھیلے گی[۲] اور بت پرست لوگ خفت اُٹھائیں گے۔ سیر المتقدمین اور بھی بائبل کے بعضے رسالوں سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل بُت پرستی سے

کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مؤلف حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اسی دنیا میں دوبارہ آنے کے قائل ہیں اور وہ اس کی تصریح پہلے صہ پر کر آئے ہیں۔ سو اس جگہ وفاتِ مسیح کا وسوسہ پیدا نہ ہونا چاہیئے۔ اسلام میں قربِ قیامت میں حضرت عیسٰی کا نزول تواتر سے ثابت ہے۔ مؤلف آگے صہ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی کی تمنا بر آنے والی ہے۔ وہ قیامت سے پہلے پُوری دنیا میں اسلام کی بہار دیکھیں گے پھر اس کے بعد صہ پر حضرت مسیح کا آسمان پر جانا صاف لکھا ہے۔ [۲] یعنی بت پرستی کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔

چار سو کئی برس حضرت عیسیٰ سے پہلے تائب ہو چکے تھے اور پھر کبھی بُت پرستی میں نہ پڑے۔ پس حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے کون سی بت پرستی موقوف ہوئی اور کن بُت پرستوں نے ہزیمتیں اُٹھائیں یہ تو آپ لوگوں کے طور پر کہا گیا یعنی صرف پتھر وغیرہ کی تصویر کے آگے سجدہ کرنے کو آپ لوگ غیر خدا پرستی سمجھتے ہیں کہ یہ البتہ تھوڑے دنوں سے انگلستان سے موقوف ہوگئی ورنہ آگے انگلستان میں اور اب تک فرنگستان کے اور فرقوں میں حضرت عیسیٰ یا صلیب کی تصویر عبادت کے وقت آگے رکھی جاتی ہے اور اصول عقلیہ کے موافق جس کا نام بت پرستی ہے یعنی مصدورات واجب میں سے کسی کو مبدء کل تصور کرنا یہ تو اصل الاصول ملتِ عیسائیہ کا ہے اور اس کا موقوف ہونا کیسا۔ وہ کون سی بات ہے جس میں خدا کی ثنا خوانی اور غیر خدا پرستی کی نفی نکلے آپ لوگوں کے ہاتھوں سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ کی بدولت پھیلی۔ ذرا مجھے سمجھا دیجئے۔ انتہیٰ

اب آپ کے پاس کوئی وجہ اس بات کی کہ اس خبر اشعیا نبی سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں۔ اگر ہو تو گذرانیئے ایسی کہ میری وجہ ثبوت سے معارضہ کر کے غالب آجائے۔ میں جانتا ہوں کہ ایک بھی نہ نکلے گی جو ان سب وجہوں سے معارضہ کرے چہ جائیکہ غالب آوے۔ اس طرح کی بشارتیں حضرت اشعیا کی کتاب میں کئی ایک ہیں۔

آمدم برسر انجیل

اب میں لکھتا ہوں ان خوشخبریوں کو جن کی جہت سے حضرت عیسیٰ صاحب الانجیل کہلائے اور تمنا کی کہ وہ انجیل جب ظہور میں آوے تو میں بھی اس کا خاتمہ اور تکملہ ٹھہروں۔ مگر قبل از بیان ان خوشخبریوں کے دو باتیں اور دریافت کر لینا چاہیئے۔

اوّل یہ کہ چوتھی انجیل کے سب نسخوں کے پہلے باب میں لکھا ہے ۱۸۳۹ء ورس ۱۹۔ یحییٰ کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یورشالم سے اماموں اور لیویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے۔۔۲۔ اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ صاف کہا کہ میں مسیح نہیں۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیا ایلیا ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا نہیں۔" یہ کلام دلیل قاطع ہے دو باتوں پر۔ ایک یہ کہ پوچھنے والوں نے باوجودیکہ حضرت یحییٰ پر آثار نبوت کے

بجائے خود دیکھے اور جانا کہ نبی ہے۔ معہذا جن نبیوں کی انتظار تھی ان میں سے ہر کسی کا شبہ اور پتہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کی خصوصیات شخصی اور ان کی ذاتی علامات، اگلی کتابوں میں ایسے مصرح نہ تھیں جس کی جہت سے حضرت یحییٰ پر مسیح کا وہ لوگ جو توریت کے امام تھے شبہ نہ کرتے پس صاف ثابت ہوا کہ اگلے نبی جو پہلے نبی کی خبر دیتے ہیں تو اس نظر سے کہ شریعت کے معاملے کی بنا صرف امتحان پر ہے۔ ایسا کچھ نہیں کہتے کہ بادی النظر میں بھی دھوکا نہ پڑے۔ بلکہ ایسا فرماتے ہیں کہ صاحب حرزہ اور تلاوت کو خواہ نخواہ دھوکا ہو اور صاحب عقل مستقیم کو ذرا بھی شبہ نہ پڑے۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے کے توریت کے عالم لوگ سوائے یحییٰ اور مسیح اور ایلیا کے کہ حضرت مسیح نے انہیں یحییٰ کو ایلیا کہا ایک اور نبی کو بھی آنے والا جانتے تھے اور صرف مسیح پہ حصر نہیں تھا۔ اور غالباً اس جگہ اس نبی کا بھی نام ہوگا۔ اس واسطے کہ یوں مبہم کہ تو وہ فلاں نبی ہے ایسی جگہ کہ کوئی وجہ اخفا کی پائی نہیں جاتی کسی سے کوئی نہیں پوچھتا۔ مگر جب کہ لاماآن اور رسیلو وغیرہ کے نام اور اور بھی نام بلا وجہ بائبل کے بعضے نسخوں سے حذف کردیئے گئے۔ تو جہاں حسد کا سبب ظاہر تھا جو نہ ہوا ہو۔ سو تھوڑا۔ اور حضرت عیسیٰ نے اپنے پہلے آنے پر اپنے تئیں خاتم النبیین نہیں کہا اور نہ یہ کہا کہ میرے آسمان پر جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ جتنے لوگ نبی اور نبوت کے قائل ہیں وہ اس بات کو اپنے دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ انبیاء لوگ جو پیشین گوئی کرتے ہیں تو واقعہ عظیمہ جو ان کے بعد ہونے والا ہوتا ہے اس کی پیشین گوئی ضرور کرتے ہیں۔ پس عقل سلیم کیونکر اس بات کو قبول کرتی ہے کہ بخت نصر اور کورش اور سکندر اور طیطوس رومی کی حضرت اشعیا اور حضرت دانیال اور حضرت عیسیٰ خبر دیتے۔ اور اتنا بڑا واقعہ عظیم الشان یعنی عرب سے ایک نیا دین برپا ہوا اس طرح پر کہ پہلے وہ ایک کمزور گھاس کی طرح ہوگا اور تھوڑے دنوں میں وہ ایک درخت عظیم الشان ہوگیا اور بڑی بڑی سلطنتوں کو اس نے خراب کر ڈالا اور ایک بڑی بزرگ معبدگاہ کو ایک بڑے عظیم الشان ولایت والے بادشاہوں سے چھین لیا اور مشرق سے مغرب تک وہ دین پھیل گیا۔ اور ہزاروں علماء، اور حکماء، اور ارباب کرامات و ریاضات اور ملوک و سلاطین اس میں ہوگئے۔ اتنے بڑے واقعے کی خبر حضرت عیسیٰ نہ دیتے ذرا انصاف کیجئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ بات گویا محالات عادیہ سے ہے۔ عقل سلیم کسی طرح اس کو باور نہیں کرتی

آمدم برسرِ مطلب

پہلی خوشخبری۔ پہلی انجیل کے تریں باب میں یوں لکھا ہے بسنہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۵۔ یسوع ان سب شہروں اور گاؤں میں ان کی عبادت گاہوں میں نصیحت کرتا اور اس بادشاہت کی خوشخبری کا وعظ کرتا اور ان لوگوں کے ہر ایک آزار کو دور کرتا پھرا۔ اور اسی انجیل کے چوتھے باب میں یوں لکھا ہے سنہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۷۔ اسی وقت سے یسوع نے وعظ کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔ سنہ ۱۸۱۶ء من بعد ذلك شرع عیسٰی یقول توبوا فان ملکوت السموات قد اقترب۔ اور اسی انجیل کے چھٹے باب میں حضرت عیسٰی نے اپنے شاگردوں کو نماز تعلیم کی اور فرمایا۔ سنہ ۱۸۳۹ء ورس ۹۔ تم اس طرح دعا مانگو اے ہمارے باپ جو آسمان پہ ہے تیرا نام مقدس اور مکرم ہووے۔ ۱۰۔ تیری بادشاہت ہووے اور سب تیری مرضی کے مطابق جیسا آسمان پر ہوتا ہے زمین پر ہو۔ سنہ ۱۸۱۶ء ورس ۱۰۔ ملکوت تو بیاید۔ سنہ ۱۸۱۴ء تیری بادشاہت آوے۔ سنہ ۱۸۱۶ء ولتات ملکوتک اور اسی انجیل کے آٹھویں باب میں ہے۔ سنہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۱۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آویں گے اور ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں بیٹھیں گے اور ۱۲۔ اس پر بادشاہت کے لوگ باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اور اسی انجیل کے دسویں باب میں ہے کہ حضرت عیسٰی نے اپنے شاگردوں کو دعوت کے واسطے اس اطراف میں روانہ کیا اور ان کو یہ حکم دیا۔ سنہ ۱۸۳۹ء ورس ۷۔ تم چلتے ہوئے راہ میں کہو کہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ سنہ ۱۸۱۶ء در اثناء راہ اعلام دادہ بگوئید کہ ملکوت آسمان نزدیک است۔ اور رسالہ اعمال کے پہلے باب میں حضرت عیسٰی کا ظاہر ہونا اپنے خاص حواریوں پر بعد واقعہ صلیب کے لکھ کر لکھتا ہے۔ سنہ ۱۸۳۹ء ورس ۶۔ انہوں نے اکٹھا ہو کے اس سے سوال کیا کہ اے خداوند کیا تو اسی وقت بادشاہت بنی اسرائیل پر مقرر کرتا ہے۔ ۷۔ اس نے انہیں کہا جن وقتوں اور موسموں کو باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے انہیں جاننا تمہارا کام نہیں ہے۔ ۸۔ لیکن جب روح القدس تم پر آوے گی تم قوت پاؤ گے۔ ہم نے بعضے ذی علم عیسائیوں سے سنا ہے کہ بالاتفاق سب عیسائیوں کے نزدیک ملکوت

ملکوت السمٰوات سے سنجات کی راہ مراد ہے جو آخر زمانے میں حضرت عیسٰی کے ہاتھ سے برپا ہو گی۔ اور سارے جہان والے ایک مذہب حق پر متفق ہو جائیں گے۔ آگے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس راہ نجات کے آخر زمانے میں محیط ہو جانے کی حالت اور کیفیت کا نام آسمانی بادشاہت ہے یا خود اس راہ نجات کا نام ہے بدیں حیثیت کہ آخر زمانے میں وہ محیط ہو جائے گی۔ ہیں دعوے کرتا ہوں کہ اس سے خود وہ راہ نجات مراد ہے مگر بدیں حیثیت کہ آخر کار وہ محیط ہو جائے گی اور صرف اس کے محیط ہو جانے کی کیفیت کا نام آسمانی بادشاہت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰی نے جو اس کی تمثیلیں دیں ہیں وہ تمثیلیں خود گواہی دیتی ہیں اس بات پر کہ ملکوت السمٰوات سے راہ نجات مراد ہے۔ مگر بایں حیثیت کہ آخر زمانے میں بوسیلہ حضرت عیسٰی کے محیط ہو جائے گی اور وہ تمثیلیں انکار کرتی ہیں اس بات سے کہ ملکوت السمٰوات نام ہو صرف اس کے محیط ہو جانے کی کیفیت کا۔

پہلی تمثیل۔ پہلی انجیل کے تیرھویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۱۔ آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کی مانند ہے جسے ایک شخص نے کر اپنے کھیت میں بویا۔ ۳۲۔ اور سب بیجوں سے چھوٹا بیج ہے پر جب اگا ہے سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔" دیکھو بڑے درخت ہونے کی حالت کو آسمانی بادشاہت نہیں کہا بلکہ اس بیج کو کہا بدیں حیثیت کہ وہ بڑھ کر بڑا درخت ہو جائے گا۔

دوسری تمثیل ورس ۳۳۔ آسمان کی بادشاہت خمیر مائے کی مانند ہے جسے ایک عورت نے لے کر آٹے کے تین پیمانوں میں چھپا دیا، یہاں تک کہ وہ سب خمیر ہو گیا۔" دیکھو یہاں سارے آٹے کے خمیر ہو جانے کی حالت کو آسمانی بادشاہت نہیں کہا بلکہ اس خمیر کو کہا، بدیں حیثیت کہ اس سے سارا آٹا خمیر ہو گیا۔

تیسری تمثیل۔ ورس ۲۴۔ آسمان کی بادشاہت اس آدمی کی مانند ہے جس نے اچھے بیجوں کو اپنے کھیت میں بویا۔ ۲۵۔ پر جب لوگ سوئے اس کا دشمن آیا اور اس کے کھیتوں میں تلخ دانوں کو بو کے چلا گیا۔ ۲۶۔ اور جب لوگ آئے اور خوشے نکلے تو تلخ دانے بھی ظاہر ہوئے۔ ۲۷۔ تب اس گھر والے کے نوکروں نے آکے اس سے کہا کہ صاحب کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھے بیج نہ بوئے تھے تو تلخ دانے کہاں سے اُگے۔ ۲۸۔ اس نے انہیں کہا ایک دشمن نے یہ کام کیا ہے۔ نوکروں نے اس

سے کہا کہ مرضی ہو تو ہم جا کر انہیں اُکھاڑ ڈالیں۔ ۲۹۔ اس نے کہا نہیں یا ایسا نہ ہو کہ جب تلخ دانوں کو
اکھیڑو تو اس کے ساتھ گیہوں بھی اکھیڑ لو۔ ۳۰۔ فصل تک دونوں کو ملے ہوئے بڑھنے دو اور میں فصل کے
وقت فصل کاٹنے والوں کو کہوں گا کہ پہلے تلخ دانوں کو اکھاڑو اور جلانے کے واسطے گٹھے باندھو۔
پر گیہوں میری کوٹھی میں جمع کرو۔" بعد اس کے آنحضرت نے خود ہی اس کی شرح بیان کی۔ ورس ۳۷۔
وہ جو اچھے بیج بوتا ہے ابن آدم ہے۔ ۳۸۔ اور وہ کھیت دُنیا ہے اور اچھے بیج جو ہیں سو اُس
بادشاہت کے فرزند ہیں اور تلخ دانے شیطان کے فرزند ہیں۔ ۳۹۔ وشمن جس نے انہیں بویا شیطان
ہے اور فصل کا وقت اس جہان کا آخر ہے اور فصل کاٹنے والے فرشتے ہیں۔" دیکھو یہاں بھی
آسمانی بادشاہت اس آخر زمانے کی فصل کو نہیں کہا اور تلخ دانے کے درختوں کے آگ میں جلانے
کے زمانے کو نہیں فرمایا۔ بلکہ صاحب شریعت کو کہا۔

چوتھی تمثیل۔ انجیل اوّل باب بست یکم سنہ ۱۸۳۶ء ورس ۳۳۔ اور ایک تمثیل سنو۔ ایک صاحب
خانہ تھا اس نے انگور کا باغ لگایا اور اس کے چاروں طرف گھیرا اور اس کے بیچ کھود کے کولہو
گاڑا اور بُرج بنایا اور اسے مالیوں کے سپرد کرکے آپ سفر کو گیا۔ ۳۴۔ اور جب میووں کا موسم
نزدیک ہوا اس نے اپنے نوکروں کو مالیوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ اُس کا میوہ لیں۔ ۳۵۔ ان مالیوں
نے اس کے نوکروں کو پکڑ کے ایک کو مارا اور ایک کو سنگسار کیا اور ایک کو قتل کیا۔ ۳۶۔ اس نے پھر
اور نوکروں کو جو اگلوں سے زیادہ تھے بھیجا اور انہوں نے ان سے وہی سلوک کیا۔ ۳۷۔ آخر کو اس نے
یہ سمجھ کے کہ وہ میرے بیٹے کی تعظیم کریں گے اپنے بیٹے کو ان کے پاس بھیجا۔ ۳۸۔ پر مالیوں نے جب
بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ وارث یہی ہے آؤ اسے مار ڈالیں اور اس کی میراث پر قبضہ کریں۔ ۳۹۔
اور انہوں نے اسے پکڑا اور انگور کے باغ سے باہر نکال کر مار ڈالا۔ ۴۰۔ جب انگور کے باغ کا صاحب
آوے تو ان مالیوں کو کیا کرے گا۔ ۴۱۔ وہ بولے کہ ان بُروں کو بُری طرح سے ہلاک کرے گا اور
انگور کے باغ کو اور باغبانوں کو جو میووں کو موسم میں اسے پہنچاویں سپرد کرے گا۔ ۴۲۔ یسوع نے
انہیں کہا کیا تم نے کتابوں میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راجوں نے ناپسند کیا وہی پتھر کونوں کا سرا ہو گیا
یہ خداوند کا کام ہے اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔ ۴۳۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی
بادشاہت تم سے چھن جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میووں کو لاوے دی جائے گی۔ ۴۴۔ اور

جو کوئی اس پتھر پہ گرے گا کچل جائے گا اور جس پہ وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا"۔ اور اور نسخوں میں ورس ۴۲ میں کونوں کے لفظ کی جگہ مفرد یعنی کونے کا لفظ ہے۔

اور ہمارے کے لفظ کی جگہ نسخہ فارسیہ اور عربیہ میں خطاب کا لفظ ہے یعنی تمہاری نظروں میں۔

اب اس تمثیل کی تاویل سُنیئے۔ صاحبِ خانہ خداوند تعالیٰ ہے اور تاکستان دنیا یا صرف خاندان بنی اسرائیل جیسا اشعیا نبی نے اپنی کتاب میں خاندان بنی اسرائیل کو خدا کا تاکستان کہا۔ اور احاطہ گھیرنا حدودِ شرعی مقرر کرنا جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے ہوا۔ اور کولہو اور برج بنانا لذائذ ایمانی اور سربلندی دینی اس میں رکھنا۔ اور مالیوں سے مراد شریعت کے رکھوالے یعنی علماء لوگ۔ اور صاحب باغ کا سفر کر جانا جلوگاہ وحی الٰہی کا چھپ جانا اور اس عالم سے چلا جانا۔ اور میوے وقت پر پہنچانا احکام الٰہی کو ان کے اپنے اوقات پر بجالانا۔ جیسے فرمایا۔ ان الصّلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا۔ اور فرمایا۔ العمل الصالح یرفعہ۔ اور فرمایا کہ ینالہ التقویٰ منکم۔ اور نوکروں سے مراد انبیائے بنی اسرائیل جو بعد حضرت موسیٰ کے آئے اور مالیوں کا انہیں تکلیف دینا اشارہ ہے اس معاملے کا جو حضرت زکریا اور یحییٰ وغیرہما علیہم السلام کے ساتھ انہوں نے کیا۔ اور بیٹے سے مراد وہ شخص ہے جو بن باپ صرف کلمۃ اللہ سے پیدا ہوا یعنی عیسیٰ بن مریم۔ اور تاکستان کے احاطے سے باہر لے جا کر مار ڈالنا یہ کہ آنحضرت کو معاذ اللہ حدودِ شرعیہ سے خارج اور کافر ٹھہرا کے جس طرح ان کو ایسا ٹھہرایا اسی طرح مار بھی ڈالا۔ فقط۔ اس پر تو گویا ہمارا اور عیسائیوں کا اتفاق ہے۔

پس دیکھیئے کہ چھین کر ایک سے دوسرے کو دینا یہ گواہی دیتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے خود راہِ نجات مراد ہے کہ آخر دنوں میں بوسیلہ حضرت عیسیٰ کے اس کے پھیلنے کی تکمیل ہوگی۔ اور صرف اس کے پھیل جانے کا نام آسمانی بادشاہت نہیں ہے۔ اس لیے کہ محیط ہو جانے کی حالت میں یہ بات نہیں بن سکتی کہ چھین کر دوسروں کو دی جائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس جانے کی حالت جم جانے اور مستحکم ہونے کی حالت کے ضد اور برخلاف ہے۔ پس ملکوت السمٰوات صرف جم جانے اور قائم ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ایسی چیز کا نام ہے جو ایک سے چھین کر دوسرے کو دی جا سکتی ہے۔ اب اگر عیسائیوں کے پاس اس بات کی کوئی وجہ ثبوت ہو

کہ ملکوت السمٰوات سے خود راہ مراد نہیں ہے جو آخر کو بوسیلہ حضرت عیسٰی کے پھیلے گی بلکہ صرف اس کے پھیلنے کی حیثیت اور حالت کا نام ملکوت السمٰوات ہے تو امیدوار ہوں کہ بیان کیجئے۔ ہرگاہ ہم یہ ثابت کر چکے کہ ملکوت السمٰوات سے خود راہ نجات مراد ہے بدیں حیثیت جو آخر زمانے میں حضرت عیسٰی کے ہاتھوں سے اس کا پھیلنا کمالِ تکمیل کو پہنچے گا اور صرف اس کے پھیل پڑنے کی حیثیت کا نام آسمانی بادشاہت نہیں ہے۔

پس اب ہم دعوےٰ کرتے ہیں کہ اس راہِ نجات سے وہ راہ مراد نہیں ہے جس کو حضرت عیسٰی تیار کی کرائی پہلی بار لائے تھے۔ اور اس دعوے کے دو گواہ عادل ہمارے پاس موجود ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ثابت کر آئے حضرت عیسٰی پہلی بار جو آئے اور شریعت لائے تو صرف بنی اسرائیل کے لیے لائے اور عہد قدیم کی میعاد تمام ہو کر وہ عہد جدید جو مقرر کیا گیا تو صرف بنی اسرائیل کے لیے مقرر کیا گیا۔ اور ملکوت السمٰوات بالاتفاق سارے جہاں کے لیے ہے۔ سو شریعت عیسویہ پر جو پہلی بار وہ لائے کیوں کر صادق آوے گی۔ دوسرا یہ کہ اعمال کے پہلے باب کے ورسوں سے ظاہر ہے کہ ملکوت السمٰوات اس زمانے تک بھی نہیں آئی تھی۔ جس زمانے تک کہ حواریوں میں روح القدس نے بعد واقعہ صلیب کے حلول کیا۔ اور دوسرا دعوےٰ ہم یہ کرتے ہیں کہ ملکوت السمٰوات سے وہ راہ بھی مراد نہیں ہے جس کو اب عیسائی لوگ عیسائیت کہتے ہیں اور اس دعوے کے چار گواہ ہیں دو تو وہی جو ہم بیان کر چکے اور باقی تیسرا یہ کہ پہلی انجیل کے آٹھویں باب کے گیارہویں اور بارہویں ورس میں حضرت عیسٰی فرماتے ہیں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آویں گے اور ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں بیٹھیں گے۔ پر اس بادشاہت کے لوگ باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔“ دیکھو ان کا یہ اشارہ اپنی امت کی طرف ہے اور اس انجیل کے ساتویں باب میں ہے۔ بشمارہ ۹ ورس ۲۱ ”نہ ہر ایک کہ مجھے خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوگا مگر وہی جو میرے باپ کی مرضی پر جو آسمان پر ہے عمل کرتا ہے یعنی صرف میرا ماننا اور فقط مجھ پر ایمان لانا نجات کے لیے کفایت نہیں کرتا جو میرے بعد آوے گا اور اس کا ماننا اور اس پر بھی ایمان لانا شرط ہے۔ اس لیے کہ خدا کی مرضی بھی یہی ہے اور اگر مجھے خداوند جانا اور میری بات نہ مانی تو صرف مجھے خداوند جاننا کام نہیں آوے گا۔“ چوتھا یہ کہ اکیسویں باب کے تمثیل میں حضرت عیسٰی فرماتے

ہیں کہ اس طرح تم سے بادشاہت آسمانی چھین کر دوسروں کو دی جائے گی. یہ اشارہ بھی آپ کا صریح اپنی امت کی طرف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سے پہلے طبقے والے عیسائی مراد نہیں ہو سکتے اس واسطے کہ وہ بالاتفاق بادشاہتِ آسمانی کے فرزندوں میں تھے. پس یہاں مخاطبین سے نہیں مراد ہیں مگر پچھلے طبقے والے عیسائی جو مثل تلخ دانوں کے گیہوں کے ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور سوائے اس زمانے کے کہ حضرت عیسیٰ تشریف لاویں گے اُن کے اکھڑنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی. ہرگاہ دونوں باتیں ثابت ہولیں یعنی ایک یہ کہ ملکوت السمٰوات سے راہِ نجات مراد ہے بدیں حیثیت کہ آخر خوب پھیل کر قائم ہوگی نہ صرف اس کا پھیل جانا. اور دوسرے یہ کہ اس راہ نجات سے مراد وہ راہ نجات مراد نہیں ہو سکتی جو حضرت عیسیٰ پہلی بار لائے تھے جس میں انہوں نے شہادت[1] کا مرتبہ پایا اور نہ وہ مراد ہو سکتی ہے جس کا نام اب عیسائیت ٹھہر گیا ہے. پس بطریق اجماعِ مرکب اس ملکوت السمٰوات اور آسمانی بادشاہت سے نہیں مراد ہو سکتی مگر وہ راہِ نجات جس کی یہ صفتیں ہیں:۔

① جس کو حضرت عیسیٰ نے بطور تخم کے بویا تھا یعنی پیشین گوئی اور خوشخبری ہی دی تھی اور تیار کی کرائی نہیں لائے تھے.

② وہ ایسی ہو کہ حضرت عیسیٰ اور جگہ سے چھینے جائیں اور اسے دیئے جائیں نہ ایسی کہ اس میں سے چھینے جائیں.

③ ایسی راہِ نجات ہو جو بصورت بادشاہت کے ظہور میں آوے.

④ ایسی بادشاہت ہو جس کی بنا آسمانی بادشاہ کی راست و درست ثنا خوانی کے لیے پڑی ہو اور جنگ و جدال بادشاہانہ اس میں صرف اسی بابت یعنی آسمانی بادشاہ کے لیے ہو.

⑤ اس بادشاہت کے قوانین کا ماخذ آسمانی کتاب ٹھہرائی جاتے.

⑥ ایسی راہ ہو کہ جس کے برپا ہونے سے یہ اعتقاد کیا جائے کہ بنی اسرائیل کے خاندان سے سلسلہ نجات کا منقطع ہو گیا ہے اور وہ ان سے چھین لی گئی اور حضرت عیسیٰ اس سے نکال لیے گئے.

⑦ اور وہ ایسی ہو کہ اس میں داخل ہونے والے امتِ عیسویہ نہ کہلا دیں، کیونکہ ان کو فرمایا ہے کہ تم سب اس میں داخل نہ ہونے پاؤ گے.

---

[1] لہ

⑧ اور وہ ایسی ہو کہ بسبب اس کی بے سروسامانی کے اس کے برپا ہونے کو سب لوگ یہی کہیں گے یہ صرف آسمانی قدرت ہے۔ چنانچہ پارسیوں کا قول فردوسی نے نقل کیا۔

پس ایسی بادشاہت کوئی نہیں ہے سوائے بادشاہت محمد رسول اللہ والذین معہ کے۔ جس کے حق میں فرمایا۔ مثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطاءہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم الکفار۔ دیکھو یہ وہی مثل انجیل کی ہے جو پہلے میں نے بیان کی اور حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں سے آخر زمانے میں اس کی ترویج کی تکمیل ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ شریعت اسرائیلیہ سے نکال لیے گئے اور اسی بادشاہت کی حمایت کے لیے متعین ہوتے ہیں اور لیغیظ بہم الکفار کا مضمون کیسا چسپاں ہوتا ہے اس مضمون سے جو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ وہ موجب درد و اَلم کا اپنے مخالفوں کے لیے ہوگا۔ اور یہ جو حضرت عیسیٰ نے کہ فرمایا کہ تمہاری نظروں میں عجیب ہے مطلب یہ کہ اکثر تم باور نہ کرو گے اور یہ کہو گے یہ کیسی بات ہوئی کہ خاندان اسرائیلیہ سے سلسلہ نبوت کا منقطع ہو گیا۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ پتھر سر زاویہ ہو گیا اس کے معنی یہ کہ جو کونہ عمارت کا بلندی کی طرف خالی تھا سو اس سے بھر جائے گا۔ یہ وہی بات ہے جو پیغمبر خدا سے بخاری و مسلم وغیرہ نے باسناد متصل نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں عمارت نبوت کا تکملہ ہوں اور میں وہ اینٹ ہوں جس سے عمارت نبوت کا خالی کونہ بھر گیا۔

اب دیکھو یہاں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی بڑی بزرگی ثابت ہوتی ہے یعنی حضرت عیسیٰ کا قول پہلی انجیل کے تیرہویں باب کے سترہویں ورس میں یہ مذکور ہے کہ آپ کے عہد سعادت مہد کے ادراک کی تمنا اگلے انبیاؤں کو تھی سو اسی طرح حضرت عیسیٰ کو اس ملکوت السموات کے اجراء کی اپنے ہاتھوں سے تمنا تھی خدا نے قبول کی کہ آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں سے ملکوت السموات کا رواج تکمیل کو پہنچے گا اور اس بات کی آنحضرت کو ایسی تمنا تھی کہ نماز میں اس کے آنے کی دُعا کو داخل کیا۔ جیسے ہمارے پیغمبر خدا نے اپنے واسطے مقام محمود کی دعا کرنے کا حکم دیا۔

دوسری خوشخبری جس کا ذکر قرآن مجید میں یُوں ہے۔ اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التورٰۃ ومبشراً برسول یاتی من بعد اسمہ احمد۔ یعنی کہا عیسیٰ ابن مریم نے کہ اے بنی اسرائیل میں مقرر خدا کا رسول ہوں تمہاری طرف

تصدیق کرنے والا ہوں اس بات کو جو توریت میں ہے اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آوے گا اور اس کا نام احمد ہے۔ اس آیت کا مصداق چوتھی انجیل میں ہے مگر عیسائیوں کے ہاتھ سے جس طرح انجیل کے اور مقاموں میں اور توریت میں بھی خرابیاں واقع ہوئی ہیں جیسا اگلے استفساروں میں ہم بیان کر آئے اسی طرح اس جگہ کئی طرح کی خرابیاں واقع ہوئیں۔

پہلی خرابی۔ وہ تو وہی ہے جس نے ساری انجیل کو گھیر لیا یعنی حضرت عیسیٰ کا کلام بعبارتہ و بلفظہ کہ عبری تھا باقی ہی نہ رہا۔ صرف اس کا ترجمہ یونانی زبان میں اصل قرار پایا ہے۔ اس جہت سے یہاں بھی احمد کا ترجمہ یونانی کر ڈالا بلفظ فارقلیط اور ناموں کا ترجمہ کر ڈالنا بائبل والوں کا ہتھکنڈا پڑ گیا ہے۔ چنانچہ اس استفسار کے آغاز میں اسی دن کے لیے اس کا بیان معلوم ہوا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ بہ نیت فاسد نہیں گیا بلکہ بموجب عادت کے کیا گیا۔ اس واسطے کہ یہ لفظ یونانی کئی معنوں میں مشترک ہے کہ وہ سب معنی احمد مصطفیٰ پر صادق آتے ہیں بعضے لفظاً اور معناً دونوں اور بعضے صرف معناً۔ کیونکہ اس کے واسطے اتنے معنی ہیں۔ ۱۔ تسلی دینے والا۔ ۲۔ شفاعت کرتے والا۔ ۳۔ وکالت کرنے والا۔ ۴۔ بڑا سراہنے والا۔ ۵۔ بڑا سراہا گیا کہ اسم تفضیل بمعنی فاعل اور مفعول دونوں آتا ہے۔ چنانچہ بعضے یونانی کے واقف کاروں نے اور فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

دوسری خرابی۔ ترجمے انجیل کے جو اور زبانوں میں ہوئے تو اکثروں میں فارقلیط کے لفظ کا بھی ترجمہ کر ڈالا مگر بعضوں میں باقی ہے۔ چنانچہ بندے کے پاس جتنے نسخے ہیں ان میں سے صرف عربیہ قدیمہ رومیہ مترجمہ سنہ ۱۶۷۱ء والے میں وہ لفظ بعینہ لکھا ہے اور باقیوں میں اس کا ترجمہ ہے۔ کسی میں تسلی دہندہ اور کسی میں شافع اور کسی میں وکیل اور بعضے ثقہ آدمیوں سے میں نے سنا ہے کہ بعضے ترجمے میں امید گاہِ عوام اور بعضے نسخوں میں رسول بھی ہے۔

تیسری خرابی۔ ان ترجموں میں سے وہ ترجمہ جو اسماً اور رسماً دونوں طرح آنحضرت پر صادق آوے یعنی بڑا سراہنے والا یا سراہا گیا نہیں لکھتے ہیں۔

چوتھی خرابی وہ بڑی خرابی ہے۔ یعنی کہ حضرت عیسیٰ نے شاید حواریوں سے وعدہ کیا تھا کہ تم پھر روح القدس کے فیض سے تازہ دم ہو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہو گا کہ احمد موعود روح راستی ہے سو عیسائیوں نے فارقلیط کا مصداق اس روح القدس کو جس سے بعد واقعہ صلیب کے حواری لوگ

تازہ دم ہوئے سمجھ کر جہاں کہیں فارقلیط کا لفظ وارد ہے وہاں بطور تفسیر کے روح القدس کے لفظ کو بھی مقارن اس کے لاحق کر دیا اور الحاق تفسیرات کی بھی میں اسی دن کے واسطے اس استفسار کے آغاز میں ثابت کر چکا ہوں۔

پس جس جگہ الحاق تفسیر کے لیے کوئی سبب ظاہری نہیں بوجھا جاتا وہاں ہر گاہ الحاق ثابت ہو گیا تو جہاں کہیں کہ حسد اور عداوت کا سبب ظاہر ہے وہاں تو خواہ نخواہ الحاق بالیقین کہا جائے گا بلکہ ایسا گمان کیا جاتا ہے کہ ایسے مقامات کو خراب کر دینے کے لیے اور مقاموں کو جہاں تخریب سے کچھ فائدہ نہ تھا خراب کر ڈالا تاکہ حسد اور عداوت پر پردہ پڑا رہے۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ قبل از بعثت حضرت سرور کائنات کے بعضے لوگوں نے دعوے کیا تھا کہ ہم فارقلیط ہیں ہوا گئے عیسائیوں نے ان کو اس کا مصداق نہ سمجھ کر ایک تفسیر اپنی سمجھ کے موافق اس کے ساتھ لاحق کر دی پچھلے لوگ یہ نہ سمجھے کہ تفسیر مفسر کی علی الاطلاق قابل حجت اور ہر جگہ واجب التسلیم نہیں ہو سکتی اور اس کی سند نہ ڈھونڈھے کہ یہ تفسیر حضرت عیسےٰ کے شاگردوں کی ہے یا یونانی ترجمے والے نے یہ تفسیر اپنی سمجھ کے موافق لگا دی ہے یا بعد اس کے اور کسی نے۔

پانچویں خرابی شخص موعود کے بعضے آثار اور لوازم حضرت عیسیٰ نے آپ سے فرمائے ہیں کہ وہ بتاویل بعیدہ اور توجیہہ دور از کار سے بھی اس روح القدس پر جس نے حواریوں میں بعد واقعہ صلیب کے پھر حلول کیا تھا صادق نہیں آتے تو عیسائی اس کے معنی اپنی ذہن سے اس طرح پر کہ مثلاً انبہ بولیں اور املی مراد لیں اور ہی کچھ بے ہودہ ناحق مراد لینے لگے۔ مگر غنیمت ہے کہ یہ مراد لینا ان کا صرف زبانی ہے اس انجیل میں وہ معنی انہوں نے آج تک مندرج نہیں کئے مگر بعضے بعضے نسخوں کے حاشیوں پر چھاپنا شروع کیا۔ چنانچہ نسخے ۱۸۳۹ء میں کیا شاید آئندہ رفتہ رفتہ کتاب کے متن میں داخل ہو جاتے گا۔ پس اس مقام پر تین باتیں قابل غور ہیں:۔

اول یہ کہ اس شخص موعود کے نام کا ترجمہ انہوں نے فارقلیط کیا ہے یا اصلی نام اس کا فارقلیط حضرت عیسےٰ نے فرمایا تھا۔ سو یہ بات تو حل چکی کہ اصل عبری کلام کہ حضرت عیسیٰ اور یوحنا اور متی وغیرہ مخصوص حواریوں کی بولی تھی باقی ہی نہ رہا اور فارقلیط لفظ یونانی ہے نہ عبری تو ترجمہ ہونا اس کا ثابت ہو لیا اور یہ بات بھی کہ بائبل والوں کی عادت ہے کہ نام کا ترجمہ کر ڈالتے ہیں ثابت ہو چکی۔

دوسری یہ کہ روح القدس پر جس نے حواریوں میں حلول کیا تھا لوازم اور آثار فارقلیط کے جو حضرت عیسیٰ نے فرمائے منطبق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

تیسری یہ کہ وہ لوازم اور آثار جو شخص موعود کے لیے حضرت عیسیٰ نے فرمائے ہیں وہ حضرت محمد رسول اللہؐ پر صادق آتے ہیں یا نہیں۔

سو میں ان روایتوں کو جو چوتھی انجیل کے مؤلف نے حضرت عیسیٰ سے نقل کی ہیں بیان کرتا ہوں اس کے ضمن میں دوسری بات کی تحقیقات بخوبی ہو جائے گی اور تیسری کچھ تحقیق طلب نہیں ہے بلکہ آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے۔

انجیل چہارم باب شانزدہم [16] ۱۸۱۶ء ورس ۷، "لیکن بشما راست می گویم شمارا مفید است کہ من بروم کہ اگر من نروم آں تسلی دہندہ بنزد شما نخواہد آمد اما اگر بروم او را بنزد شما خواہم فرستاد۔ ۸. و او چوں بیاید جہانیاں را بگناہ وصدق و انصاف ملزم خواہد ساخت۔ ۹. بگناہ زیرا کہ بمن ایمان نمی آرند۔ ۱۰. بصدق زیرا کہ بنزد پدر خود میروم و شما مرا دیگر نمی بینید۔ ۱۱. بانصاف زیرا کہ بر رئیس ایں جہاں حکم جاری شدہ است۔ ۱۲. و دیگر خبر ہا بسیار دارم کہ بشما بگویم حالا نتوانید متحمل شد۔ ۱۳. اما چوں او یعنی روح راستی بیاید او شمارا بتمامی راستی ارشاد خواہد نمود کہ او از پیش خود سخن نخواہد گفت بلکہ ہر آنچہ کہ می شنود خواہد گفت و شمارا از آئندہ خبر خواہد داد۔ ۱۴. او مرا جلال خواہد داد کہ او آنچہ را از آں من است خواہد یافت و شمارا خبر خواہد داد۔ ۱۵. و ہر آنچہ پدر دارد از آں من است از ہمیں سبب گفتم کہ آنچہ از آں من است خواہد یافت و شمارا خبر خواہد داد"، اور نسخہ ۱۶۷۱ء ورس ۷. لکنی اقول لکم انہ خیر لکم ان انطلق لانی ان لم انطلق لم یاتکم الفارقلیط فان انطلقت ارسلتہ الیکم۔ ۹. فاذا جاء ذلک یوبخ العالم علی خطیئتہ وعلی بر وعلی حکم الخ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۷: اقول لکم الصدق وھو ان انصرافی اولی لکم لانی ان لم انصرف لن یاتیکم الشافع۔ ۸. فاذا سرت ارسلتہ الیکم وھو اذا جاء الزم الدنیا بالذنب والعدالۃ والدینونۃ۔ ۹. اما الزامہ بالذنب فانھم لم یؤمنوا بی۔ ۱۰. واما بالعدالۃ فلانی منطلق الی ابی ولن تروننی بعد ذلک۔ ۱۱. واما بالدینونۃ فلان ملک ھذہ الدنیا یدان"۔ نسخہ ۱۸۱۱ء ورس ۱۱. فاما علی الحکم فان رئیس العالم یدان"۔ اور اس نسخے میں بجائے فارقلیط

تسلی ہے یعنی تسلی دہندہ اور معزّی انہیں معنوں پر ہے تعزیت سے. اور نسخہ ۱۸۱۴ء میں وکیل کا لفظ ہے اور نسخہ ۱۸۳۹ء میں تسلی دینے والا لکھا ہے اور اس نسخے والے نے یہاں عجیب کام کیا ہے کہ جہاں کہیں ضمیر مذکر کی فارقلیط کی طرف راجع ہے اس کو مؤنث کی ضمیر کر ڈالی ہے تاکہ روح پر از روئے محاورے ہندی کے جچے.

اب یہاں مترجموں کی نحوی خطاؤں اور اختلاف الفاظ سے جو انہوں نے کیا ہے یعنی صدق کی جگہ عدالت اور دینونۃ کی جگہ انصاف اور رئیس العالم کی جگہ ملک ہذہ الدنیا لکھا اور ہر عربی اور فارسی دان جانتا ہے کہ یہ لفظیں آپس میں مترادف نہیں ہیں. اور حکم جاری شدہ است یدان کا مترادف نہیں ہے قطع نظر کر کے اصل مطلب کی رو سے غور کیجئے کئی باتوں پر.

اوّل یہ کہ از روئے بائبل کے بالاتفاق ثابت اور بالبداہۃ ظاہر ہے کہ روح القدس سینکڑوں دفعہ حضرت عیسیٰ سے پہلے بنی اسرائیل کے انبیاء کے پاس اور ان کے توسط سے سب بنی اسرائیل کے پاس آتا تھا اور ہمارے اصول پر حضرت عیسیٰ کے ساتھ برابر رہا کرتا تھا اور عیسائیوں کے اصول پر روح القدس اور حضرت عیسیٰ ایک ہی تھے اور ان کا بہمدیگر اتحاد ازلی تھا پس بہرحال حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل کے پاس ہونا اور روح القدس کا ہونا ایک ہی بات تھی. اور استفسار یازدہم کو دیکھو اس میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ ایک بار حضرت عیسیٰ کے سامنے بھی روح القدس سے حواری لوگ ممتلی ہوئے تھے پس یہ فرمانا حضرت عیسیٰ کا کہ جب تک میں نہ جاؤں گا فارقلیط تم پاس نہ آوے گا ہزار زبان سے گواہی دیتا ہے کہ مصداق فارقلیط کا وہ شخص ہے جو قبل حضرت عیسیٰ کے مرتفع ہو جانے کے کبھی کسی کے پاس دنیا میں نہیں آیا تھا اور نہ کوئی حواری اس سے کبھی ممتلی ہوا تھا. بلکہ اس کا آنا موقوف تھا حضرت عیسیٰ کے جانے پر.

دوسری یہ کہ یہ فرمایا کہ مجھ پر ایمان نہ لانے پر لوگوں کو الزام دے گا. یہ کلام صاف گواہی دیتا ہے کہ فارقلیط حضرت عیسیٰ کے منکروں پر بھی ظاہر ہو گا. حالانکہ استفسار یازدہم میں ہم بیان کر آئے کہ روح القدس نے جو حلول کیا تھا تو صرف حواریوں میں حلول کیا تھا وہ بھی ایک گوشہ مکان میں جس طرح جن کا حلول کسی آدمی میں ہوتا ہے.

تیسری یہ کہ فرمایا. یوبخ العالم علیٰ حکم والزم الدنیا بالدینونۃ یعنی بحکومت لوگوں

کی توبیخ اور سرزنش کرے گا۔ یہ مضمون اہل انصاف کی نظر میں نفس جلی ہے اس بات پر کہ وہ روح القدس، جس نے حواریوں میں حلول کیا تھا مصداق فارقلیط کا نہیں۔ اس لیے کہ روح القدس کا عموماً آدمیوں پر ظاہر ہو کر حکومت کرنا کسی کے اصول کی رُو سے کہیں ثابت نہیں اور حواریوں کا بھی منصب حکومت نہ تھا اور نہ انہوں نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ کی بلکہ صرف واعظانہ لوگوں کو سمجھاتے تھے کچھ حکومت کا میل اس میں ذرا بھی نہ تھا۔

چوتھی یہ کہ جو لوگ روح القدس کے فیض سے مستفیض ہونے کی کیفیت سے مطلع ہو چکے ہیں ان سے یہ کہنا کہ میں تم سے قبل از وقوع واقعہ کہے رکھتا ہوں۔ تاکہ بروقت وقوع واقعہ تم کو شبہ نہ پڑے کہ روح القدس جھوٹ بولتا ہے۔ کوئی شخص جس کو ذرا بھی بات کرنے کا سلیقہ ہو گا نہ کہے گا چہ جائیکہ پیغمبر خدا جس کو تم خدا کہتے ہو اس صورت میں فارقلیط کی نسبت دفع دخل کرنا حضرت عیسیٰ کا اس طرح پر ہے کہ وہ اپنے جی سے کچھ بنا کر نہیں کہے گا جو کہے گا سو خدا سے سن کر کہے گا۔ بزرگی عقل کے نزدیک گواہی دیتا ہے اس بات پر کہ فارقلیط وہ شخص ہے جس پر احتمال کذب کا بنی اسرائیل کریں گے۔ چنانچہ خود اپنے حق میں حضرت عیسیٰ نے اپنے منکروں سے فرمایا کہ میں آپ سے کچھ نہیں کہتا ہوں جو باپ سے سنتا ہوں سو کہتا ہوں۔ اور اس مقام پر دو باتیں باریک اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ روح القدس کے نازل ہونے کے قصے کو رسالہ اعمال کے پہلے باب میں دیکھو کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اول ایک طوفان سا چلا اور بعد اس کے آگ کی سی آمیں حواریوں پر نمود ہوئیں اور وہ ہر طرح کی زبانیں بولنے لگے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں واقع ہوا۔ پس دیکھیے کہ یہاں سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس روح نازلہ نے مانند حضرت عیسیٰ کے جسم پکڑ کر حواریوں سے کلام کیا کہ اس پہ وہ شبہ کذب کا کرتے تاکہ دفع دخل حضرت عیسیٰ کا مقتضائے حال کے موافق ٹھہرے۔ دوسری یہ کہ روح القدس اس طرح جس پہ آتا ہے اسے اس کی بات کا خود بخود یقین ہو جاتا ہے۔ اور اس کا آنا بالخاصہ مفید یقین کا ہوتا ہے۔ اور اگر نہ ہو تو انبیاء کو اپنی نبوت کا کیوں کر یقین ہو۔ پس اس کی نسبت ان لوگوں سے جن پر وہ جن کی طرح آنے والا تھا یہ دفع دخل کرنا کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور جب وہ آوے گا تو اسے باور کرنا محض بے ہودہ اور بے معنی بات ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ او آنچہ از آن من است خواہد یافت یعنی میرا سا منصب

وہ پاوے گا۔ یہ جملہ بھی عیسائیوں کی سب تاویلوں کو بیخ بن سے برکندہ کرتا ہے۔ اور تھوڑی سی عقل والوں کے نزدیک بھی یہ جملہ نفس جلی معتبر ہے اس بات کے لیے کہ روح القدس اور ہے اور مصداق فارقلیط کا اور ہے۔ اس لیے کہ جہاں میں جتنے لوگ روح القدس کو مانتے ہیں اور مانتے تھے سب کے اتفاق سے ثابت ہے اور جس دلیل سے عقلاً روح القدس کا ثبوت ہے وہ دلیل بھی یہی کہتی ہے کہ روح القدس کا جو کمال ہے سو اس کے آغاز پیدائش سے ہے۔ اس کو اپنے کسی کمال کے لیے حالت منتظرہ نہیں ہے بلکہ اس کا ہر کمال جو اس کے موافق ہے ہمیشہ سے بالفعل ہے نہ بالقوہ۔ اور حضرت عیسیٰ کے بعد کسی کا کمال پانا اس کی نسبت عقلاً بھی نہیں صحیح ہے چہ جائیکہ شرعاً۔ یہ تو ہمارے اصول پر ہوا اور عیسائیوں کے اصول پر روح القدس قدیم اور غیر مخلوق اور غیر محاط القیاس اور قادر مطلق اور خدا ہے۔ اس کے لیے حالت منتظرہ واسطے حصول کمال کے زمانہ آئندہ میں کیوں کر جائز سمجھی جا سکتی ہے۔

قربان حضرت عیسےٰ کے کس کس طرح سے فارقلیط کے پتے دیئے کہ پردہ امتحان کا بھی باقی رہے۔ اور تامل کے وقت کوئی جگہ عذر کی بھی نہ رہے۔ علاوہ اس کے حضرت عیسیٰ کے منصبوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ آدمی تھے اور لباس انسانی میں انہوں نے ظہور کیا اور روح نازلہ اس طرح پر نہیں آئی تھی بلکہ صرف جن کی طرح اس نے حواریوں میں حلول کیا تھا۔ پس حضرت عیسیٰ کا مطلب یہ ہے کہ میری طرح وہ بھی بہ پیکر انسانی دعوت اور تسلی کے لیے آوے گا اور اس کا مصداق اس روح راستی کو نہ سمجھنا جو جن کی طرح تم میں حلول کرے گی۔ اور حضرت عیسیٰ نے اس مقام پر ایک اور کرامات کی یعنی اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت خاتم النبیین کو تو کافہ اہل عالم کے لیے مبعوث کیا اور یہاں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ وہ میرا منصب پاوے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف بنی اسرائیل کا ہو گا۔ یا کوئی شبہ کرے کہ حضرت خاتم النبیین سے انجیل کے بعضے ظاہری حکموں کی میعاد تمام ہو گئی یعنی وہ احکام منسوخ ہو گئے ہیں اور یہاں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں جو میرا منصب ہے سو وہ پاوے گا تو چاہیئے کہ ایک حکم ظاہری بھی شریعت عیسویہ کا منسوخ نہ ہوتا۔

یا کوئی شبہ کرے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل میں سے تھے اور بن باپ پیدا ہوئے۔ اور حضرت خاتم النبیین ایسے نہ تھے۔

سو ان شبہوں کو خود حضرت عیسٰی نے ایک جملے میں رفع کر دیا۔ یعنی کہ فرمایا کہ یہ جو میں نے کہا کہ آنچہ ازاں من است خواہد یافت۔ سو اس واسطے کہا کہ آنچہ نزد پدر من است ازاں من است یعنی جو خدا کے پاس ہے سو میرا ہے۔ اس صورت میں فارقلیط کو جو کچھ خدا سے ملے گا سو میرا ہی ہے چنانکہ مشہور ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ۔ یعنی جو اللہ کا ہو رہتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پس غرض آنحضرت کی یہ ہے کہ ان شبہوں میں سے کوئی شبہ فارقلیط پر نہ کرنا اور اس کہنے سے میرے کہ وہ میرا منصب پاوے گا دھوکا نہ کھانا۔

چھٹی یہ کہ حضرت عیسٰی نے اس جگہ ورس ہشتم میں فرمایا کہ فارقلیط جو میرے بعد تم پاس آوے گا تو بگناہ اور بصدق اور بحکومت اہل دنیا کو الزام دے گا اور سرزنش کرے گا۔ بعد اس کے بطور لف نشر مرتب کے اس کی تفصیل کی کہ وہ گناہ جس پہ وہ الزام دے گا مجھ کو نہ ماننا ہے اور وہ سچی بات جس کا وہ الزام دے گا میرا جانا ہے آسمان پر۔ بعد اس کے ورس یازدہم میں اس تیسری بات یعنی بحکومت الزام دینی کی وجہ بیان کی۔ پس اس طرز بیان اور اس کلام کے سیاق و سباق سے پُر ظاہر ہے کہ رئیس العالم سے وہی شخص مراد ہے جس کی حکومت سابقۃ الذکر کی وجہ بیان کرنی مقصود ہے۔ اور جو ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لانا خلاف محاورہ اہل بلاغت کے نہیں ہے۔ اس لیے اس مضمر کو یہاں برئیس العالم تعبیر کیا۔ پس اس کے حق میں جو فرمایا کہ بروحکم جاری شدہ است۔ یا فرمایا رئیس العالم میدان۔ تو بالیقین یہ مترجم کی غلطی ہے غالباً عبرانی بلکہ یونانی میں بھی یہ جملہ اس طرح پہ ہوگا جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اس کو سزا دینے کا حکم ہو چکا ہے۔ چنانچہ نسخہ ۱۸۳۹ء والے نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔ کہ اس پر سزا کا حکم ہو چکا ہے پس اس پہ کا لفظ مترجم نے بے سلیقگی کی جہت سے لکھا اصل مطلب وہی ہے جو میں نے کہا کہ اس کو سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ یعنی حضرت عیسٰی فرماتے ہیں کہ مجھے سزا دینے کا منصب نہیں ہے۔ چنانکہ اوپر گزرا اور وہ شخص موعود جو آوے گا تو اہل عالم کو بحکومت الزام دے گا اس لیے کہ سزا دینے کا حکم اسی کے نام نکل چکا ہے اور وہ جو عیسائی لوگ بعضی وجہ فاسد سے جس کی بحث آگے آوے گی از روئے تبدیلی اور تحریف معنوی کے جس کی خبر لیطرس حواری نے دی تھی اور اس کے آثار پولوس نے قرن اول کے بعضے عیسائیوں میں پائے تھے۔ رئیس العالم سے شیطان مراد لیتے ہیں تو یہ محض سرکشی کی بات ہے اس لیے کہ کوئی قرینہ ان معنوں کے قرار دینے کا یہاں نہیں ہے۔

اور نہ رئیس العالم شیطان کا مترادف ہے اور بحکومت الزام دینا تو فارقلیط کے لیے ورس ہشتم میں حضرت عیسیٰ فرما ہی چکے اور بڑی دلیل بطلان عیسائیوں کی اس تحریف معنوی کی یہ ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ فارقلیط کے لیے بحکومت عام الزام دینے کی تعلیل بیان کرتے ہیں۔ پس شیطان کو کہ جس پر سزا کا حکم حضرت آدم کے وقت سے ہو چکا ہے اور بالاتفاق اس کا ظہور قیامت کو ہونے والا ہے فارقلیط کے ہاتھوں سے کون سی سزا بحکومت دنیا میں دی گئی جس کی جہت سے وہ تعلیل حکومت عامہ کی صحیح ہو۔

بالجملہ ورس یازدہم میں اسی فارقلیط کو رئیس العالم کہا ہے اور شیطانی مراد محض از راہِ جہالت ہے۔ ہرگاہ یہ بات ٹھہر چکی تو اب ورس سیزدہم کے آغاز کو دیکھیے کہ ضمیر غائب کی یعنی او فارسی میں اور وہ اردو میں اور ضمیر مستتر جاء کی بعضے عربی ترجموں میں اور ڈلک جو اور بعضے نسخوں میں ہے کدھر پھرتی ہے۔ ورس دوازدہم میں کوئی شخص مذکور نہیں ہے جدھر وہ ضمیر پھر سکے۔ پس یہ نہیں پھرتی ہے مگر اسی رئیس جہاں کی طرف جس کا ذکر ورس یازدہم میں ہے۔ لیکن جب دیکھا عیسائیوں نے کہ اس ضمیر غائب کے بعد کا مضمون اس شخص پر نہیں صادق آتا ہے جسے وہ اپنے گمان فاسد میں از راہِ نافہمی مصداق رئیس العالم ٹھہراتے ہیں تو لاچار اس کی تفسیر بڑھا دی۔ بدیں عبارت یعنی کہ روح القدس۔ اور یہ نہ سمجھے کہ ہرگاہ روح القدس کا کہنا منظور تھا تو ضمیر کو کیوں لائے مگر اعجازِ عیسوی اس کلام سے ظاہر ہے کہ جس طرح بعضے گواہ خود اپنے اظہار سے متہم ہو جاتے ہیں اور بعضے دستاویز کے بعضے لفظوں کی جعلیت خود اس کی عبارت سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دیونت کا مضمون اور آنچہ از آں من است خواہد یافت۔ اور یہ مضمون کہ تا من نخواہم رفت او نخواہد آمد۔ اور آغاز ورس سیزدہم کی ضمیر اور حصول منصب دیونت کی تعلیل۔ یہ پانچوں باتیں فارقلیط کی تفسیر کو جو بروح القدس کی ہے باطل ٹھہراتی ہیں۔

انجیل یوحنا باب پندرہواں ۱۸۱۶ء ورس ۲۴ ”اگر من درمیان ایشاں آں کارہائے کہ ہیچ کس نکردہ است نکردہ بودمی گناہی نمیداشتند وحال کہ دیدند ہم مرا وہم پدر مرا دشمن داشتند۔ ۲۵۔ واین چنیں می شود تا کہ آں سخن کہ در آئین آنہا نوشتہ شدہ است کامل گردد کہ مرا بے سبب دشمن کردہ اند۔ ۲۶۔ چوں آں تسلی دہندہ کہ من از جانب پدر شما خواہم فرستاد یعنی روح راستی کہ از

طرف پدر می آید او در بارہ من شہادت خواہد داد۔ ۲۷۔ وشما نیز شہادت خواہید داد۔ زیرا کہ از آغاز شما بامن بودہ۔ بسنہ ۱۶۷۱ء ورس ۲۶۔ فاذا جاء فارقلیط۔ بسنہ ۱۸۱۶ء ورس ۲۶۔ فاذا جاء الشافع الذے انا ارسلہ الیکم من الاب اعنی روح الصدق الصادر من الاب فانہ یشہد لی۔ ۲۷۔ و تشہدون انتم ایضاً لانکم کنتم معی من الابتداء۔ بسنہ ۱۸۱۴ء ورس ۲۶۔ پھر جب کہ وہ وکیل جسے میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح صدق جو باپ سے نکلتا ہے آوے تو میرے لیے گواہی دے گا۔ ۲۷۔ اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم ابتدا سے میرے ساتھ ہو۔" یہاں دو باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تفسیر الحاقی غلط ہے اور محض جعلی ہے جیسا کہ بعضی دستاویز کے بعضے لفظوں سے بنظر اس کے مضمون کے بعضے اور لفظوں کی جعلیت ثابت ہوا کرتی ہے اور وہ دو باتیں یہ ہیں۔ اول سیاق اور سباق کلام عیسوی صاف گواہی دیتا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسےٰ کے دشمنوں پر بھی ظاہر ہو گا۔ اور روح القدس صرف آنحضرت کے حواریوں پر ظاہر ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ حواریوں کے ہاتھ سے جو گواہی حضرت عیسیٰ کے حق میں ظاہر ہوئی تھی۔ سو وہی گواہی روح القدس کی جس طرح جس شخص پر جن مسلط ہوتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں۔

اور روح القدس نے علیحدہ شخصہ کوئی صورت بکڑ کے حضرت عیسیٰ کے حق میں گواہی نہیں دی چنانکہ سب عیسائیوں کا اس پر اتفاق ہے اور عہد جدید کے کسی رسالے سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ روح القدس نے علیحدہ حواریوں سے کسی کے سامنے گواہی دی ہو۔ جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب دیکھیے ایک لفظ جو ورس بست وہفتم میں واقع ہے یعنی بھی اور نیز اور ایضاً۔ جس کو ۱۶۷۱ء والے نے حذف کر دیا مگر ابھی تک الحمد للہ وہ لفظ حضرت عیسیٰ کی کرامات سے بعضے نسخوں میں باقی ہے کہ علانیہ قطعی گواہی دیتی ہے کہ روح القدس اور شخص ہے جس کی گواہی وہی ہے جو حواریوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئی اور فارقلیط اور شخص ہے کہ اس کی گواہی بہ نسبت حواریوں کی گواہی کے دوسری گواہی ہوئی۔ اور ایک اعجاز عیسوی۔ یہاں یہ دیکھیے کہ اسے گواہ قرار دیا اور اس کی بات کو اپنے حق میں گواہی کہا۔ اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ گواہی اسی بات کو کہتے ہیں جس سے اصل معاملہ کھل جائے۔ پس عیسائیوں کے اصول موضوعہ کی راہ سے حضرت عیسیٰ کے حق میں تو حواریوں سے کوئی بات گواہی نہیں ٹھہرتی۔ اس لیے

کہ انہوں نے تثلیث کی حقیقت کی تعلیم کی۔ اور تثلیث کو خود عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سو یہ گواہی کا ہے کو ٹھہری بلکہ معمہ کہنا ٹھہرا جس کے معنی اب تک نہیں کھلتے۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ تثلیث کا انتساب حواریوں کی طرف جھوٹ ہے اور حواریوں نے بھی وہی گواہی دی جو فارقلیط نے دی یعنی کہا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر ہے کہ اس سے ان کی حقیقت کھلتی ہے اور معمہ نہیں ٹھہرتا کہ سمجھ میں نہ آوے۔

انجیل مذکور باب چہاردہم سنہ ۱۸۱۲ء۔ ۲۵۔ "من ایں سخن ہارا چونکہ نزدیک شما بودم بشما گفتہ ام۔ ۲۶۔ لیکن آں تسلی دہندہ یعنی روح القدس کہ پدر او را باسم من خواہد فرستاد۔ شمارا ہر چیز خواہد آموخت و ہر چہ من شمارا گفتم بیاد شما خواہد آورد۔ الی قولہ۔ ازانجا کہ گفتم کہ من نزد پدر میروم زیرا کہ پدر من بزرگتر است۔ ۲۹۔ وحالا قبل از وقوع بشما خبر دادم تاکہ چوں وقوع یابد باور کنید۔ ۳۰۔ دیگر بسیار با شما گفت گو نخواہم کرد زیرا کہ رئیس ایں جہاں می آید و در من حصہ ندارد۔" یہاں بھی سنہ ۱۶۷۱ء میں فارقلیط اور سنہ ۱۸۱۶ء میں شافع اور سنہ ۱۸۱۴ء میں وکیل ہے۔ مگر سنہ ۱۸۱۱ء والے نے یہاں پہ تھوڑی سی کاریگری کی یعنی کہتا ہے۔ ۲۶۔ اذا جاء روح القدس المعزی۔ سب کہیں وہ اور اور بھی مترجم معزی کے لفظ کو کہ مرادف تسلی دہندہ کا ہے اور اور لفظوں کو جو اس کی جگہ پڑا یا کرتے ہیں یعنی شافع اور وکیل سب کو پہلے لکھتے اور اس کے اس کی الحاقی تفسیر لگاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۱۱ء نے یہاں روح القدس کے لفظ کو اصل فارقلیط کی جگہ لکھ دیا اور معزی کے لفظ کو اس کی صفت کا شقہ ڈال دی شاباش بڑا کام کیا۔ ایسا کسی سے کا ہے کو ہو سکتا۔

دیکھئے یہاں بھی تین چار لفظوں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ تفسیر محض جعلی ہے۔ جیسا کہ بعض گواہ کے اظہار سے اس کا جھوٹ پکڑا جاتا ہے اور بعضی دستاویز کے بعضے لفظوں کی جعلیت اسی دستاویز کے دوسرے لفظوں سے ثابت ہو جاتی ہے۔

اول یہ کہ جو لوگ روح القدس کے فیض سے پہلے ایک بار مستفیض اور حضرت عیسیٰ کی برکت صحبت سے اس کی حقیقت سے خوب مطلع ہو چکے تھے اور علاوہ اس کے روح القدس کا حلول بالخاصہ مفید تعین کا ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں یہ کلام کہنا کہ میں تم کو پہلے سے کہے جاتا ہوں کہ تا اس کے آنے کے وقت باور کرو کوئی شخص جسے ذرا بھی بات کرنے کا سلیقہ ہو گا نہیں کہے گا۔ چہ جائیکہ پیغمبر خدا

جسے تم خدا جانتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ فارقلیط وہ شخص ہے جس کا آنا بالخاصہ مفید یقین کا نہ ہو اور جن کے پاس وہ آوے وہ لوگ پیشتر سے اس کی حقیقت کو بطور عین الیقین اور حق الیقین کے نہ جان چکے ہوں بلکہ وہ ایسے لوگ ہوں کہ اس کے باور کرنے میں شبہ کریں۔

دوسری یہ کہ یہ کلام سر تا سر دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ جب حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے پاس تھے تو وہ شخص موعود ان کے پاس نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ روح القدس نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل کے پاس ہونا اور روح القدس کا ہونا ایک ہی بات ہے خصوصاً عیسائیوں کے اصول پر۔

تیسری یہ کہ وہ کون سی بات تھی جسے حواری لوگ بھول گئے تھے اور روح القدس کے ان پہ اُترنے سے انہیں یاد پڑی۔ عہد جدید کے کسی رسالہ سے کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں مگر ایک بات یعنی حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمان پہ اُٹھ جانا اس میں البتہ انہیں شبہ پڑا تھا۔ اس لیے کہ وقت گرفتاری حضرت عیسیٰ کے حواری لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے تھے اور پھر جو بعضوں نے پھر کر دیکھا تو آنحضرت ہی کی صورت کا آدمی دیکھا۔ سو وہ شبہ بعد واقعہ صلیب اور قبل نزول روح القدس کے حضرت عیسیٰ نے آپ ہی ظاہر ہو کر رفع کر دیا تھا پس معلوم ہوا کہ یہاں سے طبقہ اولیٰ والے عیسائی مراد نہیں۔ بلکہ مخاطبین کے اخلاف مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ کی توحید بھول گئے اور تثلیث کی تہمت ان پہ لگانے لگے۔ سو ان کے پاس روح القدس نہیں آیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ فارقلیط وہ شخص ہے جو حضرت عیسیٰ کی باتوں کے بھول جانے والوں پہ علانیہ ظاہر ہو گا نہ وہ کہ جو حواریوں پہ نازل ہوا، یعنی روح القدس۔

چوتھی یہ کہ فرمایا رئیس ایں جہاں مے آید و در من حصہ ندارد۔ اور بعضے نسخوں میں حاکم دنیا کا لفظ ہے اور نسخہ ۱۸۱۱ء میں رئیس العالم کا لفظ ہے۔ دیکھو یہ وہی لفظ ہے جو اسی انجیل کے سولہویں باب کے گیارہویں ورس میں ہے یعنی بر رئیس ایں جہاں حکم جاری شدہ است اور اسی کی طرف پھرتی ہے ضمیر غائب کی جو اس باب کے تیرہویں ورس میں واقع ہے۔ یعنی و او چوں بیاید او شمارا بتمامی راستی ارشاد خواہد نمود۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو اس انجیل کے بارہویں باب کے ورس ۳۱ سے وکم میں یوں ہے۔ ۱۸۱۴ء ”اب اس جہان کا انفصال ہے اب اس جہان کا حاکم نکالا جائے گا یعنی

ظاہر کیا جائے گا اور یہاں فرمایا کہ وہ مجھ میں کچھ حصہ نہیں رکھتا مطلب حضرت کا یہ ہے کہ وہ شخص موعود وہ نہیں ہے جس کی جہت سے میری ہستی ہوئی اور ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے یعنی کہ روح القدس. یہ خدا کی قدرت ہے کہ ایسا لفظ اب تک اس مقام پر دست برد اہل تصرف سے از راہِ غفلت محفوظ رہتا چلا آیا.

اب یہاں ایک بحث بہت ضروری ہے. وہ یہ کہ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ یہ لفظ یعنی درمن حصہ ندارد خدا کی قدرت سے اب تک محفوظ رہتا چلا آتا ہے اور نسخے لاکھوں پھیل پڑے. اب اس کو نکال ڈالنا گویا محال ہو گیا ہے اور کہیں کہیں سے نکال ڈالنے میں رسوائی ہو گی تو جس طرح کوئی انبہ بولے اور انبلی مراد لے، اور زمین بولے اور آسمان مراد لے یا کوئی دشمن حضرت عیسٰی کا اشعیا کی کتاب میں جہاں عزرا کا لفظ بنا یا گیا ہے وہاں سے بن زُر کی کبوتری مراد لے اور عمانوئیل سے معاذ اللہ اس کا انڈا مراد لے. اسی طرح عیسائیوں نے از راہِ عداوت اور حسدِ موروثی کے یہ قرار دیا کہ رئیس العالم اور حاکم جہاں سے شیطان مراد ہے. چنانچہ نسخہ ۱۸۳۶ء کے حاشیوں پر لکھا ہے مگر ہنوز متن میں نہیں ملایا آئندہ دیکھا چاہیئے. ہر گاہ ان کی یاوہ گوئی کا مرتبہ یہاں تک پہنچا تو ان کے الزام دینے کے لیے اس مقام پر کئی باتوں کی تحقیقات ضروری ہے تاکہ عقلاً فیصلہ ہو جائے وہ مانیں خواہ نہ مانیں.

اوّل یہ کہ بائبل بھر میں کہیں شیطان کو رئیس العالم اور حاکم جہاں اس طرح پر بھی کہا ہے کہ سوائے شیطان کے اور کوئی احتمال وہاں نہ ہو سکے.

دوسری یہ کہ بائبل بھر میں کہیں رئیس العالم اور حاکم دنیا ایسے کسی کو بھی کہا ہے جو بالاتفاق بزرگ اور واجب التعظیم ہے.

تیسری یہ کہ اس مقام پر رئیس العالم سے شیطان مراد ہو سکتا ہے یا نہیں.

چوتھی یہ کہ فارقلیط کے حق میں بھی ایسی صفت کہیں بیان کی ہے جس کی جہت سے حاکم دُنیا کا لفظ اس کی صفت میں واقع ہو سکے.

پہلی بات کی تحقیق: میں نے جو بائبل بنظر سرسری دیکھی اس میں تو کہیں ایسا نہیں پایا. کہ رئیس العالم کا لفظ وارد ہو اور وہاں شیطان مراد لینا مستحسن ہو چہ جائیکہ واجب. کہ دوسرا احتمال قائم نہ ہو سکے. مگر نسخہ اردو ۱۸۳۹ء والے نے حسب عادت ملتزمہ اپنی کے حاشیہ پر ایسے مقام میں پتہ دیا

ہے کہ فلانی فلانی جگہ یہ لفظ آیا اور وہاں بھی شیطان مراد ہے اور اس کے مطابق ایک عیسائی ذی علم نے مجھے کئی پتے لکھوا دیئے کہ فلانی فلانی جگہ شیطان کو حاکم جہاں بلکہ بعض جگہ خدائے جہاں کہا ہے اب مجھے ضروری ہوا کہ ان مقاموں کو نقل کروں تاکہ دانشمندوں کے سامنے ان کے استدلال کی صحت اور غلطی ظاہر ہو جائے۔

نشان اول۔ انجیل یوحنا باب دوازدہم درس ۳۱ ولیم ۱۸۱۴ء۔ اب اس جہان کا انفصال ہے اب اس جہاں کا حاکم نکالا جائے گا۔ ۱۸۱۶ء اکنوں بریں جہاں حکم مے شود و اکنوں رئیس ایں جہاں افگندہ خواہد شد۔ ۱۸۳۹ء اب اس دنیا کا انصاف ہو گا اب اس دنیا کا حاکم نکال دیا جائے گا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہاں سے شیطان مراد ہونے کی کیا وجہ۔ مگر یہ کہ ترجموں میں تحقیراً خود مترجمین یہ لفظین لائے ہیں کہ نکال دیا جائے گا اور افگندہ خواہد شد۔ میں کہتا ہوں کہ ذرا انصاف کیجئے کہ آیا شیطان کہیں مقید تھا جو نکالا جائے گا یا کسی مرتبہ بلند پر اس وقت تک تھا جو بعد حضرت عیسیٰ کے اس مرتبہ سے گرا دیا جائے گا۔ ہرگاہ کہ ایسا کچھ نہیں ہے تو یہاں سے بھی شیطان مراد لینا صرف واسطے دفع الزام اسی جملے کے ہے جو باب چہارم کے درس سی ام۳۰ میں وارد ہے۔ یعنی کہ درمن حصہ ندارد۔ اور یہاں اصل مطلب حضرت عیسیٰ کا یہ ہے کہ رئیس العالم پردہ غیب سے ظہور میں آئے گا مترجموں نے از راہِ عداوت یا بلادت کے ترجمہ خراب کر ڈالا۔ اور یہ جو حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ روز انفصال آپہنچا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دور آخر الزمان آپہنچا۔ چنانکہ حضرت سرور کائنات نے فرمایا کہ بعثت انا والساعۃ کھاتین یعنی میں اور قیامت ایسا ساتھ ہوں جیسے وسطی اور سبابہ۔ اس مقام پر ایک لطیفہ یہ ہے کہ افگندہ خواہد شد کے لفظ کو مترجمین از راہِ تحقیر کے خود ہی لکھ کر استدلال کرتے ہیں اپنے اس مطلب باطل پر۔ حالانکہ اعمال کے رسالے کے دوسرے باب میں بہ نسبت روح القدس کے بھی اس مضمون کا لفظ وارد ہے۔ چنانکہ اس کے نسخہ ۱۸۱۶ء درس ۲۳ میں ہے " روح القدس معہود را از پدر یافتہ ریختہ است " دیکھو افگندہ شدن اور ریختہ شدن دونوں متقارب المعنیٰ ہیں۔ بس جیسا یہاں ریختہ شدن سے ظاہر اور نازل ہونا مقصود ہے ویسے ہی وہاں نکالے جانے سے ظاہر ہونا مقصود ہے ورنہ جھوٹ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ شیطان حضرت عیسیٰ کے زمانے سے بالاتفاق ہزاروں برس پیشتر سے نکالا ہوا ہے۔

بالجملہ کوئی قرینہ شیطان مراد لینے کا یہاں بھی نہیں بلکہ درصورت مراد لینے شیطان کے حضرت عیسیٰ کی نسبت معاذ اللہ کذب لازم آتا ہے۔ پس یہاں بھی رئیس العالم سے فارقلیط مراد ہے۔

دوسرا نشان۔ اسی انجیل کے باب شانزدہم کا درس یازدہم سو اس کی بحث ہوچکی۔ اور ثابت ہوچکا کہ وہاں رئیس العالم سے فارقلیط مراد ہے۔

تیسرا نشان۔ پولوس کا دوسرا خط قرنتس کے نام کا جو ہے اس کے چوتھے باب کا چوتھا درس ۱۸۱۶ء۔ خدا فہما ئے بے ایمان سٹا نرا کورکردہ است۔ ۱۸۱۶ء طمس الٰہ العالم علی اذہم تمہ۔ یعنی جہان کے معبود نے ان کو اندھا کر دیا۔" دیکھو کیا غضب خدا کا ہے کہ اپنے اصول فاسدہ کی راہ سے الٰہ العالم سے بھی شیطان مراد لیتے ہیں اور کچھ خدا کا خوف نہیں کرتے۔ اس کی وجہ جو بعضے عیسائیوں سے میں نے پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ یہاں برائی کی نسبت الٰہ العالم کی طرف ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ مراد نہیں ہے میں نے کہا۔ برائی کی نسبت بائبل میں کئی جگہ اللہ کی طرف ہے چنانچہ کتاب خروج کے ساتویں باب کے درس سوم اور چہارم سے ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا وہ تمہارا شنوانہ ہوگا۔ اور اشعیا نبی کی کتاب کے پینتالیسویں؎ باب کے درس ہفتم میں یوں لکھا ہے ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوں میرے سوا کوئی نہیں میں روشنی بناتا ہوں اور تاریکی پیدا کرتا ہوں اور سلامتی بناتا ہوں اور شر پیدا کرتا ہوں۔"

اور پہلی انجیل کے باب یازدہم کے درس ۲۵، ۲۶ سے ظاہر ہے کہ اچھی بات خدا نے حکیموں سے چھپائی اور لڑکوں پر کھولی۔ خدا کی بھی مرضی تھی۔ اس کے جواب میں عیسائی صاحب ساکت ہوگئے۔

چوتھا نشان۔ پولوس کا خط جو افسس کے نام ہے۔ اس کے چھٹے باب کا بارہواں درس ۱۸۳۶ء "ہمیں صرف آدمیوں سے کشتی نہیں بلکہ سرداروں اور زور آوروں سے اور اس دنیا کی تاریکی کے بادشاہوں سے اور ہوا کی بری روحوں سے۔" دیکھو یہاں تاریکی کے بادشاہ اور ہوا کی بری روحیں بولا ہے تو البتہ شیاطین پر صادق آتا ہے۔ سو اس عبارت سے یہ استدلال کرنا کہ جہاں انجیل میں رئیس العالم کہا ہے وہاں سے شیطان مراد ہے دعوے بے دلیل ہے۔ اس لیے کہ رئیس العالم کا لفظ کچھ مترادف بادشاہ تاریکی کے نہیں ہے۔

اور ذرا غور کیجیے کہ اس عبارت کے ناتمام ہونے سے قطع نظر کرکے اس کے بطلان پر بھی ایک دلیل قائم ہے وہ یہ کہ تاریکی کے بادشاہ اور ہوا کی بُری روحیں تو ہمیشہ سے چلی آتی ہیں اور حضرت عیسیٰ نے جہاں رئیس العالم کا ذکر کیا وہاں فرمایا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ پس لفظاً اور معنیً دونوں طرح سے یہ ورس پولوس کے خط کا کسی طرح رئیس العالم موعود سے شیطان مراد لینے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

پانچواں نشان۔ اسی خط کے دوسرے باب کا آغاز سنہ ۱۸۱۶ء ورس۔ ۱۔ اشمارا کہ در خطایا و گناہاں مردہ بودید بزخیزانیدہ است۔ ۲۔ کہ دراں ہا برحسب در روزگار برحسب رئیس قدرت ہوا پیش ازیں رفتار مے کردید کہ آں روحی است کہ حال در ابنائے بغاوت تاثیر می کند۔" اس عبارت کا تخبط جو ہے اس سے قطع نظر کرکے میں کہتا ہوں کہ یہاں بھی وہی دونوں باتیں لحاظ کیجیے۔ یعنی ایک یہ کہ رئیس قدرت ہوا مترادف رئیس العالم کا نہیں ہے دوسری یہ کہ رئیس قدرت ہوا تو حضرت عیسیٰ کے پیشتر سے موجود ہے نہ یہ کہ بعد حضرت عیسیٰ کے آنے والا تھا۔ پس درحقیقت پولوس کا مطلب یہ ہے کہ تم حضرت عیسیٰ کی دعوت سے پیشتر حرص و ہوا میں مبتلا تھے اور خبیث روحیں رکھتے تھے اس نے تم کو زندہ کیا یعنی حرص و ہوا سے نکالا۔ سو یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خبیث روحیں پیشتر سے آدمیوں میں اختلاط رکھتی تھیں۔ اور رئیس العالم کو حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ زمانہ مستقبل میں آوے گا اور ظاہر کیا جاوے گا۔ پس یہ کلام بھی لفظاً اور معنیً دونوں طرح سے عیسائیوں کے استدلال کو باطل ٹھہراتا ہے۔

چھٹا نشان۔ یوحنا کے پہلے خط کے پانچویں باب کا انیسواں ورس سنہ ۱۸۳۹ء "ہم جانتے ہیں کہ ہم خدا سے ہیں اور ساری دُنیا اس خبیث کے قبضے میں ہے۔ نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۱ء اس کے موافق ہے" یہاں سے البتہ بوجھا جاتا ہے کہ شیطان کو دنیا کا قابض کہا۔ مگر یہ ورس تحریفی ہے۔ کیونکہ دو نسخوں میں تو یہ ہے جو لکھا گیا اور باقی نسخوں میں ایسا نہیں ہے۔ نسخہ فارسیہ سنہ ۱۸۱۶ء "میدانم کہ از خدا می باشیم و تمام خلق در معصیت خوابیدہ است۔ نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۶ء نعلم انا منسب الی اللہ وان العالم کلہ ملقی فی الشرارۃ۔ یعنی ہم جانتے ہیں کہ ہم منسوب الی اللہ ہیں اور سارا عالم شرارت میں گرایا گیا ہے سنہ ۱۸۱۴ء "ہم جانتے ہیں خدا سے ہیں ساری دُنیا برائی میں پڑی ہے۔" دیکھو دو نسخے ایک طرف اور تین نسخے ایک طرف، ترجیح کس کو ہے اور دیکھو یہاں سے تحریف کیسی ثابت ہوتی ہے اسی کو ہم

تحریف کہتے ہیں۔ انتہٰی

ان مقاموں کے سوا نہ کوئی نشان نسخہ ۱۸۳۹ء والے نے لکھا ہے اور نہ ان عیسائی صاحب نے مجھے بتایا۔ اب انصاف دانشمندوں کے اختیار میں ہے کہ ہرگاہ بائبل بھر میں کہیں یہ محاورہ نہیں ہے کہ رئیس العالم اور حاکم جہاں بولے ہوں اور مراد لیا ہو شیطان۔ تو اس مقام خاص میں جہاں حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ رئیس العالم آتا ہے یا آنے والا ہے شیطان مراد لینا بجز گالی گلوچ کرنے کے اور کیا ہے۔ یُوں تو حضرت عیسٰی کے سب دشمن کہہ سکتے ہیں کہ عمانوئیل سے معاذ اللہ شیطان مراد ہے اور عزرا سے معاذ اللہ شیطان کی ماں۔

دوسری بات کی تحقیقات

یعنی دیکھا چاہیئے کہ بائبل میں کہیں ایسا بھی ہے کہ حاکم دنیا کسی ایسے کو کہا ہو کہ وہ بالاتفاق اچھا ہو۔ سو دیکھئے کہ زبور میں بیسیوں جگہ اس طرح کے الفاظ وارد ہیں اور بالاتفاق وہاں سے خدا مراد ہے مگر یہ دعوے میرا بنظر ان ترجموں کے ہے جو میرے پاس ہیں اور آئندہ کی خبر خدا جانے کہ کچھ اور نہ لکھا جائے۔ سو ان میں سے جو بعضے مقامات بنظر سرسری مجھے معلوم ہوئے ہیں انہیں نسخہ ۱۸۳۹ء سے لکھتا ہوں۔

از انجملہ زبور بست و دویم ورس ۲۷۔ تمام اقصائے زمین یاد خواہند کرد و بسوئے خداوند خواہند برگشت و تمامی خاندانہائے قبائل و یا سجدہ خواہند نمود۔ ۲۸۔ زیرا کہ سلطنت از آنِ خداوند است و او درمیان مردم حاکم است۔

ازانجملہ زبور بست و چہارم ورس ۱۔ زمین و معموری آں ازانِ خدا است۔ الیٰ قولہ۔ ۹۔ ای دروہای سراہائے خود را بالا کنید تا بادشاہ ذوالجلال داخل شود۔

ازانجملہ زبور چہل و ہفتم ورس ۲۔ خداوند تعالی سہمگیں است و بادشاہ عظیم تمامی روئے زمیں۔ الیٰ قولہ۔ ۷۔ خدا بادشاہ تمام زمین است۔

ازانجملہ زبور پنجاہ و ہشتم ورس ۱۱۔ فی الحقیقت خدائے ہست کہ بر زمین حکمرانی می کند۔

ازانجملہ زبور شصت و ششم ورس ۷۔ او بہ نیروئے خود بادشاہ عالم است تا آبد۔

ازاں جملہ زبور نود و چہارم[۹۴] ورس ۱۔ ای خدائے انتقام گیرندہ ہویدا شو۔ ۲۔ ای حاکم زمین بلند شو متکبراں را مکافات بدہ۔

ازاں جملہ زبور نود و ششم[۹۶] ورس ۱۔ درمیان قبائل ندا کنید خداوند بادشاہ است۔ الیٰ قولہ ۱۳۔ میرسد تا برزمیں حکمرانی کند۔

ازاں جملہ زبور نود و ہشتم[۹۸] ورس ۹۔ در حضور خداوند کہ او میرسد تا برزمیں حکمرانی کند۔

ازاں جملہ زبور یکصد و سیوم[۱۰۳] ورس ۱۹۔ خداوند تخت خود را بر آسمان قرار دادہ است ملکوتش بر ہمہ تسلط دارد۔ الیٰ قولہ ۱۳۔ بر خداوند آفریں بخوانید ای ہمہ مصنوعاتش در ہر مکان است سلطنتش انتہیٰ۔

دیکھیئے کہ ان سب مقاموں سے ظاہر ہے کہ خداوند حاکم کہلاتا ہے دنیا کا۔ اور ان مقاموں سے کسی جگہ شیطان مراد نہیں ہو سکتا۔ پس ظاہر ہو گیا کہ رئیس العالم سے شیطان مراد لینا صرف تعصب کی راہ سے ہے۔ اس لیے کہ بائبل بھر میں شیطان کو رئیس العالم کہیں نہیں کہا۔ اس طرح پر کہ قطعاً وہاں سے شیطان مراد ہو اور جہاں کہیں کہا وہاں خدا کو کہا۔ پس مثلاً قانون سرکاری میں اپیل خاص مرافعہ ثالث کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قانون کے ان چند مقاموں میں سے ایک مقام پر اپیل خاص سے مرافعہ ثانی مراد لے تو وہ شخص یا تو بے وقوف ہے یا سرکش ہے کہ قانون سے بحیلہ سرتابی کرتا ہے۔

سخن لطیف

جس لفظ کو اگلے انبیائے بنی اسرائیل خدا پر بولتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ لفظ فارقلیط کے حق میں بولے یعنی کہ حاکم جہاں رئیس العالم فرماں فرمائے جہانیاں۔ سو اس سے ہمارا ایک بڑا عقیدہ ثابت ہوتا ہے یعنی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم حضرت حق جل و علیٰ کے ہیں۔

تیسری بات کی تحقیقات

یعنی دیکھا چاہیئے کہ اس مقام خاص پر رئیس العالم سے شیطان مراد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہر چند اس نظر سے کہ رئیس العالم بائبل بھر میں کہیں شیطان کو نہیں کہا اس طرح پر کہ قطعاً وہاں سے

شیطان مراد ہو۔ اور بیسیوں جگہ جو کہا تو حضرت حق جل و علیٰ کو کہا ہے۔ اس مقام خاص میں جہاں حضرت نے فرمایا کہ رئیس العالم آتا ہے اگرچہ احتمال شیطانی مراد کا ممکن ہوتا تو بھی وہ احتمال واجب الرد اور بطلان اس کا ضروری التسلیم ہوتا۔ مگر فضل الٰہی یہ ہے کہ اس مقام خاص میں بھی شیطانی مراد کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ رئیس العالم کا لفظ اس مقام پر مبتداء ہے اور اس کی خبر میں نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء اور ۱۸۱۱ء میں آتٍ کا لفظ ہے یعنی آنے والا ہے۔ اور اور اکثر نسخوں میں لفظ آتا ہے یا لفظ می آید ہے اور ہر آدمی بخوبی سمجھتا ہے کہ ان دونوں لفظوں سے لازم آتا ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا اس سے پیشتر وہ شخص دنیا میں آیا ہوا نہیں تھا۔ اور از روئے بائبل کے باتفاق یہودیوں اور عیسائیوں بلکہ تمام ملتین کے لیے ثابت ہے کہ شیطان بدو آفرینش افراد بشری سے ان کے درمیان میں مختلط ہے۔ ہرگاہ یہ دونوں باتیں بالبداہتہ ثابت ہو چکیں تو ذرا اللہ انصاف کیجئے کہ اس مقام میں کہ آئندہ آنے کی خبر ہے رئیس العالم سے شیطان کیونکر مراد ہو سکتا ہے مگر اس طرح کہ کوئی یہودی کہے کہ عزرا سے کبوتری بن تر والی اور عمانوئیل سے اس کا انڈا مراد ہے۔

چوتھی بات کی تحقیقات

یعنی دیکھا جائے کہ فارقلیط کی نسبت اور کہیں ایسی صفت کہی ہے جس سے بطور عیسائیوں کے بھی اس پر حاکم دنیا ہونے کا اطلاق صحیح ہو سکے۔ سو اسی انجیل کے سولہویں باب کے آٹھویں ورس میں فارقلیط کے حق میں یوں ہے نسخہ ۱۶۷۱ء یوبخ العالم علی حکم۔ ۱۸۱۲ء الزم الدنیا بالدینونۃ جیسا اوپر ذکر اس کا ہو چکا۔

پس ہر کوئی جانتا ہے کہ دینونۃ کے معنی ہیں حکومت اور توبیخ بحکم کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی دنیا پر حکومت کرے گا وہ دنیا کا حاکم کہلائے گا۔ جب یہ بات ٹھہر چکی تو کیا وجہ کہ حاکم دنیا در من حصہ ندارد تو وہاں سے شیطان مراد ہو۔

بالجملہ ہرگاہ رئیس العالم سے اس مقام میں شیطان مراد لینا غلط ٹھہرا تو مراد نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی فارقلیط جس کو فرمایا۔ یوبخ العالم بالدینونۃ یعنی عالم کی توبیخ بحکومت کرے گا۔ اور جب فارقلیط مراد ہوا تو جملہ آئندہ یعنی در من حصہ ندارد بالبداہتہ دلالت کرتا ہے کہ روح القدس

مصداق اس کا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھا اور تار پود آپ کی ہستی کا اسی سے تھا۔ الحاصل اتنی صفتیں جو اس شخص موعود کے حق میں حضرت عیسیٰ نے فرمائیں یعنی۔ ۱۔ امت کی وکالت کرنے والا۔ ۲۔ گنہگاروں کی شفاعت کرنے والا۔ ۳۔ اس کا آنا موقوف ہے میرے جانے پہ۔ ۴۔ جب حضرت عیسیٰ آدمیوں کے پاس تھے تو وہ نہ تھا۔ ۵۔ حضرت عیسیٰ کا سا منصب آنحضرت کے زمانے تک اس شخص کو نہ ملا تھا اور بعد آنحضرت کے جب وہ آوے گا تو وہ منصب عالم شہادت میں اسے عنایت ہوگا۔ ۶۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بہ پیکر انسانی آئے تھے اسی طرح وہ بھی آئے گا۔ ۷۔ جب آوے گا تو حضرت عیسیٰ کے نہ ماننے والوں پر بھی آوے گا صرف خاص حواریوں پر نہیں آوے گا۔ ۸۔ حضرت عیسیٰ کے ایمان نہ لانے والوں اور ان کے آسمان پر جانے کے نہ ماننے والوں کو بحکومت توبیخ کرے گا اور بحکومت اس لیے توبیخ کرے گا کہ دنیا کی حکومت کرنے کا حکم اس کی نسبت جاری ہو چکا ہے اور وہ عالم کا حاکم ہوگا۔ ۹۔ اور وہ ایسا ہوگا کہ جن کے پاس وہ آوے گا وہ لوگ اس پہ شبہ کذب کا کریں گے۔ ۱۰۔ اور وہ ایسا ہوگا کہ جو لوگ عیسائی کہلا کر حضرت عیسیٰ کے احکام کو بھول گئے تھے وہ انہیں وہ باتیں یاد دلا دے گا۔ ۱۱۔ اس کی گواہی حضرت عیسیٰ کے حق میں دوسری گواہی ہوگی بہ نسبت اس گواہی کے جو حواری لوگ دیتے تھے۔ ۱۲۔ اور اس کو حلول یا اتحاد کا علاقہ کچھ حضرت عیسیٰ کی ذات سے نہیں ہے۔ یہ بارہوں باتیں اس روح القدس پہ جو بارہوں حواریوں پر اترا تھا کیوں کر صادق آتی ہیں تاکہ وہ تفسیر الحاقی درست سمجھی جاوے۔ بلکہ ان میں سے ایک بھی اس پہ درست نہیں آتی۔ اور صاحب انصاف کو اس تفسیر الحاقی کے غلط جاننے کے لیے صرف اتنی ہی بات کفایت کرتی ہے کہ بائبل میں بیسیوں جگہ روح القدس کا مذکور ہوتا ہے اور کہیں کسی ترجمہ یونانی وغیرہ میں کسی مقام پہ سوائے اس جگہ کے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد ایک شخص کے آنے کا ذکر کیا ہے فارقلیط کا لفظ نہیں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ رسالہ اعمال میں جہاں روح القدس کا حواریوں میں حلول کرنے کا ذکر ہے جس کو عیسائی لوگ ناحق مصداق ظہور فارقلیط کا ٹھہراتے ہیں وہاں بھی فارقلیط کا لفظ نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ وہ تفسیر الحاقی محض بے جا اور غلط ہے۔

میں مباہلہ کرنے کو موجود ہوں اس بات پر کہ یہ تفسیر الحاقی غلط اور فارقلیط احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا ترجمہ ہے۔

آمدم بر اینکہ

اس مقام پر عیسائیوں کا صرف ایک عذر اور باقی ہے وہ یہ کہ اسی چودھویں انجیل کے چودھویں باب میں پہلے جہاں ذکر فارقلیط کا ہے وہاں یوں ہے۔ ۱۶۷۱ء ورس ۱۶۔ و انا اطلب من الاب فیعطیکم فارقلیط اخرلیثبت معکم الی الابد۔ ۱۷۔ روح الحق الذی لن یطیق العالم ان یقبلہ لانہ لیس یراہ ولا یعرفہ وانتم تعرفونہ لانہ مقیم معکم وھو ثابت فیکم ۱۸۱۶ء ورس ۱۶۔ وانا التمس الاب لکم شافعا اخر لیمکث معکم الی الابد۔ ۱۷۔ اعنی روح الصدق الذی لا یستطیع الدنیا ان تتقبلہ لانہا لا تراہ ولا تعرفہ لکنکم انتم تعرفونہ لانہ مستقر معکم وسیکون فیکم ۱۸۱۱ء ورس ۱۶۔ انا اسئل ابی فیعطیکم مسلیاً اخرلیمکث معکم الی الابد۔ ۱۷۔ روح الحق الذی لن یطیق العالم ان یقبلہ لانہ لم یرہ ولم یعرفہ وانتم تعرفونہ لانہ مقیم معکم وھو ثابت فیکم ۱۸۱۱ء ورس ۱۶۔ من از پدر خود خواہم خواست و او تسلی دہندہ دیگر بشما خواہد داد کہ تا ابد باشما خواہد بود۔ ۱۷۔ روح راستی کہ اہل جہان نمی تواند پذیرفت زیرا کہ او را نمی بینند ونمی شناسند اما شما او را می شناسید زیرا کہ نزد شما میماند و در شما خواہد بود۔ ۱۸۴۲ء ورس ۱۶۔ اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل دے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ ۱۷۔ یعنی روح قدس جسے خلق قبول نہیں کر سکتی کیونکہ اسے دیکھتی نہیں اور نہ اسے جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے پاس رہتا ہے اور تم میں ہووے گا۔ ۱۸۳۹ء ورس ۱۶۔ اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرے تسلی دینے والے کو بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ ۱۷۔ یعنی روح حق جسے دنیا قبول نہیں کر سکتی کیونکہ اسے دیکھتی نہیں اور اسے جانتی نہیں لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں رہے گی۔ پس اس مقام پر ان کے دو عذر ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں فارقلیط کے شان میں وارد ہے کہ دنیا اسے نہیں دیکھتی ہے۔ تو یہ بات محمد رسول اللہ پر صادق نہیں آتی۔ دوسرا یہ کہ اسی فارقلیط کی نسبت حواریوں سے فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے ساتھ رہے گا۔ یہ بھی محمد رسول اللہ پر صادق نہیں آتا۔ سو یہاں پہلے

ترجموں کے لفظوں کا اختلاف دیکھنا چاہیئے۔ ۱۔ نسخہ سنہ ۱۶۷۱ء اور سنہ ۱۸۱۶ء عربی میں اب کا لفظ بدون الحاق یائے متکلم کے ہے کہ اس سے سب کا باپ بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ معنی تثلیث کے معنی کو باطل ٹھہراتے ہیں۔ اور نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء میں یائے متکلم اس کے ساتھ لگائی گئی اور اسی طرح باقی سب نسخوں میں ہے کہ یہ الحاق من وجہ تثلیث کے مسئلے کو ثابت کرتا ہے۔ ۲۔ جتنے نسخے عربی کے ہیں اور نسخہ سنہ ۱۸۱۴ء والا اردو کا گواہی دیتا ہے کہ فارقلیط کے لفظ کی طرف جتنی ضمیریں غائب کی پھرتی ہیں سب مذکر کی ہیں اور سنہ ۱۶۳۹ء والے نے انہیں مؤنث کر ڈالا کہ ثابت ہو جائے کہ یہاں وہ چیز مراد ہے جو مونث سماعی ہے یعنی روح۔ ۳۔ ورس ہفتدہم کے سرے پر نسخہ سنہ ۱۸۱۶ء والے عربی اور نسخہ سنہ ۱۸۱۴ء اور نسخہ سنہ ۱۸۳۹ء میں یعنی اعنی کا لفظ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ وہ ورس تفسیر ہے ورس شانزدہم کی اور باقی نسخوں میں وہ لفظ نہیں ہے۔ ۴۔ نسخہ سنہ ۱۶۷۱ء اور نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء اور نسخہ فارسیہ سنہ ۱۸۱۴ء اور سنہ ۱۸۱۶ء میں عالم اور جہان اور خلق کا لفظ ہے اور نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۶ء اور نسخہ سنہ ۱۸۳۹ء میں اس کی جگہ دنیا کا لفظ ہے جو علماء اعلی کو شامل نہیں ہو سکتا۔ ۵۔ نسخہ سنہ ۱۸۱۱ء اور نسخہ سنہ ۱۸۱۶ء فارسی کے ورس ہفتدہم میں جو ضمیر غائب کی راجع عالم یا جہان کی طرف ہے سو جمع کی ہے اور باقی سب میں مفرد کی۔ اس اختلاف میں اگرچہ کچھ ہمارا ضرر اور عیسائیوں کا فائدہ نہیں ہے۔ مگر غرض ہماری اس کے لکھنے سے یہ ہے کہ اس طرح کے اختلاف سے بھی بعضی جگہ بڑے حکم میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ ۶۔ ورس ہفتدہم کے اخیر جملے میں جو اختلاف واقع ہے وہ ایک بڑے مطلب کو بگاڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سنہ ۱۶۷۱ء اور سنہ ۱۸۱۱ء میں وارد ہے کہ ھو ثابت فیکم۔ یعنی وہ تم میں ٹھہرا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ تاکید ہے پہلے جملے یعنی ھو مقیم معکم کی اور سنہ ۱۸۱۶ء والے عربی مترجم نے اور جگہ پر لکھ دیا سیکون فیکم۔ کہاں جملہ اسمیہ اور کہاں جملہ فعلیہ اور اس کے ساتھ سین استقبال کا۔ اور باقی نسخے گویا اسی کے ترجمے ہیں۔ ہر چند ایسے اختلافوں پہ ہم نظر نہیں کرتے ورنہ بائبل سے بچگنی کتاب ہم کو اس کے بیان میں بنانا پڑے۔ لیکن ہم نے یہاں اس واسطے سے اختلاف لکھے کہ قطع نظر اگلی کمی اور بیشیوں کے جو ہم اوپر سرے سے بیان کرتے چلے آتے ہیں اس مقام خاص میں بھی اتنا کچھ اختلاف ہے کہ صرف یہی اختلاف کفایت کرتا ہے واسطے عدم صحت ان لفظوں کے جنہیں عیسائی لوگ اس مقام میں ہمارے مطلب کے مضر سمجھتے ہیں۔ خصوصاً بمقابلہ کریمہ مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد اور قطع نظر اس اختلاف کے یہاں کئی باتوں کی

تجویز چاہیئے.

اوّل بات یہ کہ عیسائیوں کا عقیدہ اگر مسلّم رکھا جائے تو اس مقام خاص کے کسی جملے سے اور اگلے ورسوں کے کسی جملوں سے تعارض ہوتا ہے یا نہیں. سو دیکھیے کہ باب شانزدہم کے ورس ہفتم میں فارقلیط کی نسبت فرمایا کہ اگر میں نہ جاؤں گا وہ تم پاس نہ آوے گا. یعنی وہ اس وقت ان حواریوں کے پاس نہ تھا. اور یہاں ورس ہفتدہم کے اخیر جملے کے ماقبل فرمایا. نسخہ ۱۶۷۱ء و نسخہ ۱۸۱۱ء مقیم معکم اور نسخہ ۱۸۱۶ء مستقر معکم اور نسخہ ۱۸۱۲ء نزد شما می ماند اور نسخہ ۱۸۱۴ء وہ تمہارے پاس رہتا ہے. اور نسخہ ۱۸۳۹ء وہ تمہارے پاس رہتی ہے. پس ناگزیر احد الورسین کو اپنے ظاہری معنوں سے پھیرنا پڑے گا.

دوسری بات یہ کہ ان دونوں یعنی ۱۶ اور ۱۷ ورسوں کے لفظوں کے معنی حقیقی بلا تاویل عیسائیوں کے عقیدہ کے موافق درست ہوتے ہیں یا ان کو تاویل کی حاجت پڑتی ہے. سو اس کا حال یہ ہے کہ ان دونوں خاص ورسوں کے الفاظ بھی اگر مدلولات حقیقیہ پر رکھے جائیں اور مجاز اس میں نہ مانا جائے تو کئی وجہوں سے سراسر جھوٹ ہو جاتے ہیں.

ازاں جملہ یہ ہے کہ یہاں فرمایا کہ دوسرا فارقلیط اور دوسرے کے معنی حقیقی وہی ہیں جیسے بولتے ہیں معلم اوّل اور معلم ثانی، صاحب قرانِ اوّل اور صاحب قران ثانی، جارج اوّل، جارج چہارم حالانکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ روح القدس دو شخص نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے. پس ضروری ہوا کہ اس مقام پر تاویل کی جائے.

ازاں جملہ یہ کہ جو کوئی کسی کی نسبت کہے گا کہ وہ اس کے ساتھ قیامت تک رہے گا تو اس کلام کا مفاد حقیقی مقتضی ہے اس بات کو کہ دونوں تا قیامت باقی رہیں گے. پس یہاں ورس شانزدہم میں جو فرمایا. لیثبت معکم الی الابد. یعنی اُبد تک تمہارے ساتھ رہے. یہ مفاد حقیقی کی رو سے مقتضی ہے کہ مخاطبین اس کلام کے ابد تک باقی رہیں گے. سو حواری لوگ اب تو باقی نہیں رہے چہ جائیکہ ابد تک. اور اگر مخاطبین سے مطلق عیسائی لوگ مراد لیجیے تو یہ بھی مجاز ٹھہرا. اس واسطے کہ مدلول حقیقی خطاب کا وہی طبقہ اولیٰ ہے. بایں ہمہ یہ درست بھی نہیں ہوتا اس واسطے کہ روح القدس کی معیت تو مقتضی ہے کمال ایمان کو اور کمال ایمان کے آثار وہ ہیں جو حضرت عیسیٰ نے فرمائے کہ جا ہو

تو دریا پر چلے جاؤ اور چاہو تو دریا کو اپنی جگہ سے ٹال دو۔ سو یہ بات کسی عیسائی میں نہیں پائی جاتی۔
اور اگر کہیے کہ مخاطب حواریوں کی روحیں ہیں تو یہ بھی تاویل ٹھہری کہ بشر اگر بشر سے خطاب کرتا ہے تو مخاطب اس خطاب کا حقیقۃً وہی بشر ہوتا ہے نہ کہ روح مجرد اس کی اس لیے کہ روح مجرد ادراک بشر سے خارج ہے اور بشر عبارت ہے مجموع جسم و جان سے۔ پس ضمیر خطاب بشری کا موضوع حقیقی مجموع جسم و جان ٹھہرتا ہے نہ روح مجرد۔

تیسری بات یہ کہ ہم بھی تھوڑی سی تاویل کریں تو ہمارا بھی مطلب بن سکتا ہے کہ نہیں۔ سو اس کا حال یہ ہے کہ درس شانزدہم میں جو آخر اور دیگر اور دوسرے کا لفظ وارد ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح میں تمہارا شافع اور وکیل اور تسلی دہندہ اور ستودہ اور ستائندہ خدا ہوں اسی طرح دوسرا بھی آوے گا کہ اسم باسمیٰ ہو گا اور اس درس کا جو جملہ اخیرہ ہے یعنی تا ابد باشما خواہد بود وہ اس محاورے پہ ہے۔ جیسے مثلاً دو شخصوں میں جب تنازعہ ہوتا ہے اور تھوڑے تھوڑے لوگ ہر ایک طرف ہو جاتے ہیں تو ہر طرف والے کے لوگوں کو کہتے ہیں کہ یہ ان کے ساتھی ہیں یعنی ان کے حامی اور مددگار ہیں نہ یہ کہ ان کے ساتھ لگے لگے پھرا کرتے ہیں۔ سو ویسے ہی حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ فارقلیط ہمیشہ کے لیے تمہارا ساتھی ہو گا یعنی تمہارے موافق اور تمہارا حامی ہو گا جس طرح کہ میں ہوں۔

اور درس ہفتدہم کی ایک توجیہہ یہ ہے کہ یعنی کا لفظ اس کے اوپر غلط ہے۔ چنانچہ بعضے نسخوں میں نہیں ہے غالباً وہاں حرف عطف کا ہو گا تو مطلب یہ ٹھہرا کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ فارقلیط آوے گا اور روح القدس یعنی دونوں باتیں ہوں گی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ روح القدس حواریوں پر اترا اور فارقلیط بھی ظاہر ہوا اور فارقلیط کے ذکر کو روح القدس کے ذکر پہ باوجودیکہ وہ اس کے بعد آیا بہ مقتضائے حال مقدم کیا یعنی فارقلیط میں تردد پڑنے والا تھا اس واسطے اس کو متہم بالشان سمجھ کر پہلے ذکر کیا کہ یہی قاعدہ ہے بلاغت کا۔

اور دوسری توجیہہ یہ ہے کہ وہ فارقلیط روح صدق اور روح راستی اور روح حق ہے یعنی روح خبیث نہیں ہے اور جھوٹ نہیں بولے گا اور اس میں کوئی دیو بھوت نہیں ہو گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کو دنیا کے لوگ دیکھتے نہیں اور پہچانتے نہیں ہیں۔ اس میں تو ہمیں کچھ توجیہہ کی حاجت نہیں

اس لیے کہ یہ ویسا ہی کلام ہے جیسا حضرت عیسیٰ نے اپنے حق میں اپنے زمانے کے لوگوں کی نسبت پہلی انجیل کے باب سیزدہم کے ورس تیرہویں اور چودہویں میں فرمایا ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء با آنہا در مثلہا سخن میرانم زاں کہ می نگرند و نمی بینند و گوش می نہند و نمی شنوند اخبار اشعیا درباره آنہا کامل گردید میگفت پیوستہ خواہند شنید و نخواہند فہمید و پیوستہ خواہند نگریست و نخواہند دید۔ سو ویسی ہی بات حضرت عیسیٰ نے فارقلیط کے حق میں فرمائی جو وہاں معنی ہیں وہی معنی یہاں بھی ہیں۔ چنانکہ قرآن شریف میں بھی اسی کی تصدیق لکھی ہے۔ ینظرون الیك وھم لا یبصرون یعنی مینگرند و نمی بینند۔

اور حضرت عیسیٰ نے اپنے حق میں فرمایا۔ انجیل اول باب یازدہم ورس بست و ششم ۱۸۱۶ء۔ غیر از پدر پسر را ہیچ کس نمی شناسد۔ حالانکہ یہودی لوگ ان کو دیکھتے تھے اور ان کی باتیں سنتے تھے اور آپ کو پہچانتے تھے کہ فلاں کے بیٹے، فلانے کی اولاد ہیں فلانی جگہ رہتے ہیں اسی طرح فارقلیط کا حال بھی آپ نے یہاں فرمایا کہ اس کو سب لوگ نہ دیکھ سکیں گے اور سب اس کو نہیں پہچانتے ہیں اور مطلق نہ دیکھنا یعنی کسی طرح اس کا حاسہ بصر میں نہ آنا یہ تو روح القدس مزعوم پر بھی نہیں صادق آتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ پر جو روح اتری وہ کبوتر کی صورت پر اتری۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ سب دُنیا دار اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ مگر تم اسے پہچانتے ہو اس کے معنی یہ کہ میرے بتائے ہونے سے یا بطور کشف مستقبلات کے اسے تم بخصوصیات شخصیہ جانتے ہو۔ یہ اس تقدیر پر کہ مخاطبین سے حواری لوگ مراد ہوں۔ اور اگر مطلق بنی اسرائیل مراد ہوں تو اس کے معنی یہ کہ دنیا کے سب لوگ اسے نہیں جانتے ہیں یعنی اور مذہب والوں کے یہاں اس کی خبر ایسی نہیں لکھی جیسے تمہارے یہاں ہے۔ وانتم تعرفونہ صیغہ مضارع بمعنی استقبال ہے۔ یعنی تم اے بنی اسرائیل اسے پہچانو گے اور دل میں کہو گے کہ یہ وہی ہے جس کا ذکر اگلے انبیاء کرتے آئے ہیں جیسے قرآن نے ایسی خبر کی بصیغہ مضارع بمعنی حال تصدیق کی کہ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ اور اہلِ کتاب جو اپنی خوشی سے ایمان لائے انہوں نے اس کی گواہی دی اور یہ جو فرمایا کہ تمہارے پاس ہے اس کے معنی یہ کہ تمہارے دلنشین ہے یا زمانہ اس کا دور نہیں ہے اور یہ جو فرمایا کہ تم میں ہو گا اس کے معنی یہ کہ تمہارے

درمیان میں بھی وہی شخص مقرر ہوگا۔ یہ نہ جاننا کہ جو وہ بنی اسرائیل سے نہیں ہے تو ہم میں اسے کچھ دخل نہیں پہنچتا۔

بالجملہ اس ورس شانزدہم اور ہفدہم کا مضمون جتنا عیسائیوں کے مطلب کے منافی ہے اتنا ہمارے مطلب کے منافی نہیں اور جتنا وہ کلام عیسائیوں کے طور پر محتاج تاویل کا ہے اتنا ہم کو ارتکاب تجوز اس میں نہیں کرنا پڑتا پس قطع نظر اس بات کے کہ انصاف کی راہ سے جتنی منافات ان ورسوں کو تمہارے عندیے سے ہے اُتنے ہمارے مطلب سے نہیں ہے۔ جب الفاظ اُن ورسوں کے مختلف المحامل ہوتے تو دونوں جانبین برابر ٹھہریں تو پھر بنظر ان صفات دوازدہ گانہ کے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں جس کی جہت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر فارقلیط کی بروح القدس قطعاً غلط ہے۔ ہماری تاویل کو ترجیح ہوئی یعنی ہمارا تاویل کرنا حق بجانب ہوا اور ہر گاہ عقلاً بمقتضائے محاورہ ہماری تاویل صحیح ہوئی تو الحاقیت کا سبب بہ نسبت تفسیر متنازع فیہ کے یہاں سے باطل نہیں ہو سکتا اور جب الحاقیت کا شبہ باطل نہ ہوا اور صفات دوازدہ گانہ کے نظریے سے الحاقیت ثابت ہوئی تو مضمون اس آیت کا یعنی اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انّی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدیّ من التوریٰة ومبشّراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد نظر انصاف درست میں مصدق انجیل کا ہو گیا اور یہی ہمارا مطلب ہے اب اگر آپ کے پاس کوئی دلیل واسطے تصحیح تفسیر الحاقی مذکور کے یعنی واسطے اس بات کے کہ مصداق فارقلیط کا وہی روح القدس ہے جو دوسری بار حواری اس سے ممتلی ہوئے تھے۔ اگر ہو تو بیان کیجئے۔

۱۷
سترہواں استفسار

عیسائی لوگ دینِ اسلام پر جو شبہے کیا کرتے ہیں ان کو رفع کرتا ہوں اس خیال سے کہ اگر محض عقل کی رو سے وہ شبہے ان کے دلوں میں گزرتے ہیں تو رفع ہو جائیں یا مجھے جواب لکھ دیں اور اگر وہ شبہے صرف الف و عادت موروثی تعصب کی راہ سے ہیں تو اور لوگوں کے لیے جو اُن

کی مغالطہ دہی سے مشوش ہو جاتے ہیں موجب رفع تشویش اور تردد کا ہو گا۔ سو میں پہلے ان سب شبہوں کا ایک جواب کلی دیتا ہوں اور آئندہ جوابات جزئیہ ان کے لکھوں گا۔

جواب کلی: کوئی شبہ اور کوئی اعتراض کسی بات پر ہو دو حال سے خالی نہیں عقلی ہے یا نہیں۔ اگر عقلی نہیں ہے تو کچھ کام کا نہیں۔ بہتیرے دیوانے واہی تباہی بکا کرتے ہیں اس کا کیا اعتبار۔ اور اگر عقلی ہے سو بالبداہت ظاہر ہے کہ عقلی ہونے کے یہی معنی ہیں کہ کسی بات کے بطلان پر کوئی برہان عقلی قائم ہو یا وہ بات بدیہی البطلان ہو جیسے تسلسل اور اجتماع نقیضین۔ اور وہ بات کسی مذہب میں حق ٹھہرتی ہو تو وہ مذہب عقلاً باطل کہلاوے گا۔ یا یہ کہ کوئی بات برہان یا بداہت عقلی کی رو سے واجب الثبوت ہو اور کسی مذہب میں اس کی نفی وارد ہو تو وہ مذہب بھی عقلاً غلط اور باطل کہلاتا ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ اصول اسلامیہ میں کوئی بات منجملہ ممتنعات عقلیہ کے ممکن اور منجملہ ضروریات عقلیہ کے ممتنع نہیں ہے اور اگر آپ لوگ اپنے عندیے کے موافق کوئی اعتراض اسی قسم کا اصول اسلامیہ پر رکھتے ہوں تو پہلے بطلان الوہیت خاصہ عیسویہ اور امتناع ان کی ملعونیت اور سکونت کا جہنم میں جیسا ہمارے پہلے اور دوسرے اور چوتھے استفسار میں مذکور ہے جواب دے لیجئے۔ بعد اس کے کوئی اعتراض کسی دین پر کیجئے۔ اور اگر یہ کہئے کہ تثلیث اگرچہ عقل کی رو سے درست نہیں ہے مگر چونکہ نقل کی رو سے ہمارے دین میں ثابت ہے لہٰذا اس کو مانتے ہیں۔ چنانکہ بعض اہل علم عیسائیوں کو بھی کہتے   میں نے سنا ہے تو مخاطب آپ کا جس کے دین پر آپ اعتراض کرتے ہیں کہے گا کہ اگرچہ فلانی بات عقلاً ممتنع یا واجب ہے مگر چونکہ ہمارے دین میں نقلاً اس کا امکان یا امتناع ثابت ہے لہٰذا ہم مانتے ہیں۔ پس مقتضائے غیرت دینی یہ ہے کہ پہلے مسئلہ الوہیت اور ملعونیت عیسویہ سے توبہ کر لیجئے۔ بعد اس کے کسی اور ملت اور مذہب پر کوئی اعتراض کیجئے۔

اور اگر اعتراض عقلی سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک بات کہ اگرچہ اس کے امتناع یا ضروریات پر برہان بھی نہ قائم ہو۔ مگر عقل سلیم اس کے ہونے یا نہ ہونے کو مستحسن جانتی ہے۔ سو در صورت استحسان اس کے ہونے کے جس مذہب میں وہ بات مذموم ہو اور در صورت استحسان اس کے نہ ہونے کے جس مذہب میں وہ منجملہ ضروریات ہو تو وہ مذہب مذموم ہے۔ سو ایسے شبہے کا

جواب فرع ہے۔ پہلی قسم کے شبہے کے جواب کا یعنی ہرگاہ ملتِ عیسایئہ میں ممتنعات عقلیہ کے جواز بلکہ وجوب کا عقیدہ داخل ہے تو استحسان عقل کے خلاف ہونے پر کچھ گنجائش ملامت کی اُن کو نہیں ہے اس لیے کہ ممتنع عقلی کو واجب کہنے سے بدتر عقلاً کوئی بات نہیں ہے۔ علاوہ بریں استحسانات عقلیہ موافق اختلافِ عقول کے مختلف ہوا کرتے ہیں علی الاطلاق اس استحسان کا اعتبار کسی عاقل کے نزدیک نہیں ہے۔ مثلاً جانور کو کھانے کے لیے ذبح کرنا ملت قدیمہ پارسیہ میں اور جین دھرمیوں کے یہاں عقلاً بھی نہایت ظلم اور ناانصافی ہے اور توریت اور انجیل میں درست لکھا ہے اور پارسی لوگ بیٹی بہن سے نکاح کرنے کو عقلاً نہایت مستحسن جانتے ہیں اس لیے کہ غیر کے پاس جانے دینے سے آپ رکھنا بہتر ہے اور سوائے علاقہ جزئیت کے ایک اور علاقہ محبت کا ہوتا ہے۔ اور ہندو لوگ کئی پشت اُوپر کی قرابت میں بھی نکاح کو بے حیائی جانتے ہیں۔ اور مسلمان لوگ بول و براز اور خون سے آلودہ رہنے کو عقلاً بھی نامستحسن جانتے ہیں اور عیسائی لوگ اس بات پر انہیں ہنسا کرتے ہیں۔ بالجملہ استحسانِ عقلی کا علی الاطلاق کچھ اعتبار نہیں بعہدہ اسلام میں کوئی بات نامستحسن عقلی علی الاطلاق واقع نہیں ہے۔

ہرچند ذہین آدمی کے لیے یہ جواب کلی ہمارا کفایت کرتا ہے مگر بنظر بعض وجوہ کے جوابات جزئیہ عیسائیوں کے شبہوں کا لکھنا مناسب ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ کوئی کتاب عیسائیوں کی جس میں انہوں نے جی بھر کے ملتِ اسلامیہ پر اعتراضیں لکھی ہوں ہماری نظر سے نہیں گذری بجز رسالہ میزان الحق پادری فنڈر صاحب کا جو بزبان فارسی ۱۸۳۳ء میں اور پہلا حصہ رسالہ تحقیق دین حق پادری اسمتھ صاحب کا جو ۱۸۴۳ء میں بزبان اردو تصنیف اور منطبع ہوا لیکن الاعتراض اس دوسرے رسالے میں بہ نسبت اُس کے زیادہ ہیں اور ضبط اور ربط تمہیدات کا اپنے طور پر پہلے رسالے میں زیادہ ہے اور اس پہلے رسالے میں جو اعتراضات ہیں سو اس کے صرف باب اول اور سوم میں ہیں۔ لہٰذا انہیں دو بابوں اور دوسرے رسالے کے پہلے حصے کے اعتراضوں کا جواب لکھتا ہوں۔ فہمیدہ آدمی کو یہی بہت ہے اور تمام بیسیوں رسالے جو پادری لوگ بانٹا کرتے ہیں ان کا بھی جواب اسی میری کتاب سے نکل سکتا ہے۔ سب کی باتیں نقل کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔

میزان الحق کے پہلے اور تیسرے باب کا جواب

درحقیقت اس کتاب کے جواب لکھنے کا لطف ہوتا جب کہ ساری کتاب کے لفظ لفظ سے بحث کی جاتی۔ مگر صرف اتنی فرصت اور اتنا دماغ کس کو۔ لہٰذا باب اول اور سوم میں جو پادری صاحب نے بطور استدلال کے اپنے دعوے کے ثبوت یا ہمارے کسی مسئلے کے ابطال میں لکھا ہے صرف اسی کو معہ ان کے خلاصہ دعوے کے بالفاظہ نقل کر کے گفتگو کرتا ہوں اور ضمناً جو کچھ پادری صاحب نے فضول عبارتیں لکھی ہیں وہ التفات کے قابل نہیں ہیں مگر واسطے دریافت ان کے رتبہ روایت اور درایت کے ایک مضمون ان کی تمہید کا جو قبل از شروع مطلب انہوں نے اپنے عندیے میں بڑی آب و تاب سے لکھا ہے بطور مشتے نمونہ پہلے لکھتا ہوں۔ پادری صاحب اس تمہید میں لکھتے ہیں کہ بُت پرست لوگ اتنا بھی ایمان نہیں رکھتے کہ خدا کو واحد اور قدیم اور قادر اور علیم اور حکیم اور رحیم اور عادل اور مقدس جانیں اور کتابیں اُن کی خدا کی ذات وصفات کی نسبت بدگمانیوں کا ثمرہ دیتی ہیں اور آدمی کو بُت پرستی کی طرف دلالت کرتی ہیں۔ فقط

ظاہرا بت پرستوں سے ہندو لوگ مراد ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس مضمون پہ دو شبہے ہیں۔ ایک یہ کہ جتنی صفات خداوند تعالیٰ کی پادری صاحب نے یہاں لکھی ہیں ہندوؤں کے دین کی کتابیں جو اس باب میں ہیں سب میں وہ لکھی ہیں اور سب برا ہمہ ہنداس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بس معلوم ہوا کہ پادری صاحب بالکل خلاف واقع بھی روایت کیا کرتے ہیں۔ دوسرا شبہ یہ کہ ہندوؤں کی مُبت پرستی کا ہیں شناعتِ عقلی کیا ہے۔ آیا یہ ہے کہ احجار وغیرہ کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر اُسے خدا جانتے ہیں سو یہ محض غلط ہے۔ اُن کی کسی کتاب معتبر میں یہ نہیں لکھا۔ رہا یہ کہ قبلہ عبادت قرار دینا یہ تو زبور کی رو سے بھی جائز ہے۔ چنانکہ اس میں لکھا ہے بسوئے کوہ مقدس او سجدہ نمائید و خداوند جیہول است یا یہ شناعت ہے کہ ہندو لوگ بعضے شخصوں کو جو مظہر امور غریبہ کے تھے خدا کر کے مانتے ہیں تو یہی عقیدہ عیسائیوں کا حضرت عیسٰی کی نسبت ہے۔ بالجملہ پادری صاحب کی روایت کا یہ حال ہے کہ جو مضمون ہندوؤں کی دینی کتابوں میں لکھا اور مسلم الثبوت ہے اس کی نفی کرتے ہیں اور درایت کا یہ حال ہے کہ مریم کے بیٹے کو خدا تصور کرنے کو بُت پرستی نہیں جانتے اور کوشلیا اور دیو کی کے

بیٹے کو خدا تصور کرنے کو بُت پرستی جانتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب

باب اول فصل اول صفحہ ۱۵۔ قولہ قرآن نیز مقر است کہ انجیل و کتب عہد عتیق کہ درمیان مسیحیان مستعمل است از خدا می باشد۔ میں کہتا ہوں قرآن صرف اسی بات کا مقر ہے کہ کلامِ الٰہی اہل کتاب کے پاس ہے۔ یہ اقرار اس کا اس طرح پر ہے جس طرح بعضے نوشت جات کا احد المتخاصمین کو اقرار ہوتا ہے کہ میرا لکھا ہوا ہے مگر طرف ثانی نے اس کو مخدوش اور خراب کر دیا ہے اب اس کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح قرآن بھی مقر ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں کلامِ الٰہی ہے مگر انہوں نے اسے مشکوک اور مخدوش کر ڈالا ہے۔ اگر پادری صاحب کا یہی مطلب ہے فنعم الوفاق۔ اور اگر یہ مطلب نہیں بلکہ یہ ہے کہ قرآن مقر ہے اس بات کا کہ توریت و انجیل میں کچھ خرابیاں بھی نہیں واقع ہوئی ہیں تو محض غلط ہے۔ قرآن ہرگز ہرگز مقر اس بات کا نہیں ہے

قولہ صفحہ ۱۶۔ دریں جا محض آں مواقع قرآن را ذکر خواہم کرد کہ از انہا معلوم و مشخص میگردد کہ خود قرآن مقر است کہ کتب مقدسہ مستعملہ مسیحیاں و یہودیاں از خدا است۔ چنانکہ در سورۃ شوریٰ مسطور است قل اٰمنت بما انزل اللہ من کتاب و امرت لاعدل بینکم اللہ ربنا و ربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا و بینکم۔ دیکھیے اس آیت کے شروع میں ہے کہ ایمان لایا میں ہر کتاب پر جو خدا نے اُتاری ہے۔ جس کو ذرا بھی حرف شناسی ہوگی وہ سمجھتا ہوگا کہ یہ جملہ اتنی ہی بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلامِ الٰہی آگے بھی اُتر چکا ہے اور یہ مطلب اس سے کسی طرح نہیں بوجھا جاتا ہے کہ جو آگے اُتر چکا ہے اس میں کسی طرح کی خرابی نہیں واقع ہوئی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم یہ بعینہٖ ویسے ہی ہے جیسے سورۂ کافرون میں مطلق کافروں اور مشرکوں کی نسبت خطاب کر کے فرمایا۔ لکم دینکم ولی دین جو وہاں مطلب ہے سو یہاں بھی ہے۔

اور یہ جو فرمایا۔ لا حجۃ بیننا و بینکم یہاں حجۃ بمعنی حجاج ہے یعنی آپس میں جھگڑا

کرنا۔ پس یہ دونوں جملے بعینہٖ ایسی محاورے پر ہیں جو اردو میں مروج ہے کہ جب کوئی کسی کو اچھی بات سمجھاتے سمجھاتے تنگ ہوتا ہے اور مخاطب لایعنی گفتگو سے باز نہیں آتا تو سمجھانے والا تھک کر کہتا ہے کہ تم جانو، ہمارا کام جانے۔ جو ہمیں کرنا ہے کریں گے کچھ تکرار کی جگہ نہیں گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔ اور یہ معنی ان جملوں کے کسی طرح نہیں ثابت ہوتے کہ ہماری کتاب اور ہمارا دین درست ہے اور صحیح ہے جیسا ہماری کتاب اور ہمارا دین۔

قولہ۔ در سورۂ عنکبوت است لا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الآیہ۔ اس کا اتنا ہی مطلب ہے کہ اہل کتاب سے گفتگو شائستہ طور پر کرنا چاہیئے۔ تو کسی وجہ خاص سے اس مقام میں اہل کتاب کو بالتخصیص مذکور کیا ہے۔ ورنہ علی العموم مکلفین کی نسبت بھی ایسا ہی فرمایا۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔ یعنی بلاؤ ان کو حکمت اور موعظت شائستہ سے۔ پس جو معنی یہاں ہیں وہی وہاں بھی ہیں۔

رہا یہ جملہ اس آیت کا قولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم۔ سو اس سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے یہاں آگے بھی کلام الٰہی اُتر چکا ہے نہ یہ کہ جو کچھ اُترا تھا اس میں کچھ خلل نہیں واقع ہونے پایا۔

قولہ صفحہ ۱۷۔ در سورۂ المائدہ مرقوم گشتہ است طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم۔ اس سے بھی اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو کتاب دی گئی گئی تھی نہ یہ کہ اس میں کسی طرح کا فتور نہیں آنے پایا۔

قولہ۔ و در سورۂ بقرہ مذکور است وھم یتلون الکتاب۔ اس سے تو اتنا بھی نہیں ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو کتاب خدا کی طرف سے دی گئی تھی چہ جائیکہ یہ ثابت ہو کہ اس میں کچھ فساد نہیں پڑنے پایا۔

قولہ در سورۂ آل عمران وارد است انزل التورٰیۃ والانجیل من قبل ھدی للناس۔ اس سے بھی اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل کے لیے آگے کلام اپنا خدا نے اتارا تھا جس کا نام توریت اور انجیل تھا نہ یہ کہ توریت اور انجیل جس طرح کی اتاری تھی اسی طرح اب تک محفوظ ہے بالجملہ ان آیتوں کے کوئی آیت معارض آیات تحریف نہیں ہو سکتی۔

اور اگر غور کیا جائے تو جن آیتوں کو پادری صاحب نے نقل کیا وہ تو اتنی بات پر بھی دلالت نہیں کرتیں کہ جو کچھ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرف اُترا تھا وہ کچھ بھی باقی ہے۔ اس لیے کہ قرآن شریف میں اسی طرح دوسری جگہ فرمایا۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب الاٰیۃ۔ حالانکہ سب یہودی اور عیسائی اور محمدی متفق ہیں کہ انبیائے موصوفین کی نسبت جو وحی الٰہی ہوئی تھی سو کہیں کسی کے پاس اس طرح پر بھی نہیں پائی جاتی ہے جس طرح توریت اور انجیل پائی جاتی ہے۔ ان پادری صاحب کی تقریر سے بہتر تو صاحب دلائل وافیہ لندنی کی تقریر ہے کہ وہ ان آیتوں کو درباب الزام نقل کرتا ہے جو فی الجملہ بادی النظر میں آیات تحریف کے معارض معلوم ہوتی ہیں جیسے مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے۔ واٰمنوا بما انزلت مصدقاً لما معکم اور سورہ آل عمران میں ہے وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتاب۔ سو ان آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ اہل توریت کی توریت میں تحریف کرنے کی اور اس نبی کی آنے کی اور اہل انجیل کی انجیل میں تحریف کرنے کی اور اس نبی کے آنے کی اور توحید اور قیامت کے آنے کی جو خبریں ان میں لکھی ہیں قرآن اور صاحب قرآن دونوں اس کی تصدیق کرتے ہیں یعنی یہ وہی نبی ہیں جسکی خبر توریت اور انجیل میں ہے اور جس طرح ان میں اہل کتاب کے تحریف کی خبر ہے اسی طرح قرآن میں بھی کہا گیا کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ۔ پس صاحب دلائل وافیہ کا بھی سخن لغو اور باطل ہو گیا۔

قولہ صفحہ ۱۸ فصل دوم۔ مشتمل است بر ثبوت اینکہ انجیل وکتب مقدسہ عہد عتیق در ہیچ وقتی منسوخ نگشتہ اند۔ پہلے یہاں ضروری ہے کہ ہم اپنے اصول کے موافق نسخ کے معنی اور توریت وانجیل سے اس کا ثبوت بیان کریں۔ بعد اس کے پادری صاحب کا اضطراب جو اس بحث میں ہے اور ان کے استدلال کو رفع کریں۔

ہمارے یہاں یہ بات دین میں عقلاً اور نقلاً داخل ہے کہ خداوند تعالیٰ فاعل مختار ہے جس طرح اور کارخانوں میں اپنے وہ تقلیبات کیا کرتا ہے یعنی تندرست کو مریض اور مریض کو تندرست اور غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کرتا ہے اور جاڑوں کے بعد گرمیاں اور گرمیوں میں برسات اور بعد اس کے پھر جاڑے لاتا ہے۔ اسی طرح اپنی بندگی کے اقرار اور شیوۂ عبودیت کی ورزش کے لیے جن کسی سے

جس کام کو چاہتا ہے کرنے کو کہتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے اس کام کو موقوف کر کے دوسرے کام کے لیے حکم اور اگلے کاموں کی میعاد کو جو اس کے علم میں قرار پا چکی تھی ظاہر کر دیتا ہے اور جس طرح بعضے امور تکوینیہ کے مناشی اور مصالح ہمیں معلوم اور بعضوں کے نہیں معلوم ہوتے ہیں اسی طرح منجملہ امور شرعیہ کے بھی بعضی باتوں کے مصالح اور مناشی ہمیں معلوم ہوتے ہیں اور بعضی باتوں کے نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

اور یہ بات وہ اس جہت سے نہیں کرتا ہے کہ اس کو اپنی امضائے قدرت میں کچھ عجز ہے یا علم میں اس کے کچھ نقصان ہے بلکہ صرف اپنے اختیار مطلق کی جہت سے ایسا کرتا ہے اور ہر بات اور ہر وقت کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے ہمیں ان مصلحتوں پر مطلع ہونا کچھ ضروری نہیں ہے تابعدار کو خدمت بجالانے سے کام حجتیں نکالنے سے کیا مطلب۔

اور یہ موقوفی اس کی اگلے کاموں کی کئی طرح پر ہوتی ہے۔ کبھی تعمیم کی تخصیص اور کبھی تخصیص کی تعمیم اور کبھی تحلیل کی تحریم اور اور بہت سی طرحوں پر ہوا کرتی ہے۔

اور یہ معاملہ صرف کاموں کی نسبت ہوتا ہے نہ کہ عقائد اور اخبار کی نسبت ورنہ کذب اور خلف وعدہ لازم آوے۔

اور نسخ کے معنی یہ نہیں ہیں جس طرح حکام عدالت اپیل کے حکام ماتحت کے حکموں کو منسوخ کیا کرتے ہیں یا بعضے قوانین سرکار انگریزی بعضے اگلے قوانین کو منسوخ کرتے ہیں۔

اب دلائل اس کے سنیئے:۔

پہلی دلیل، کتاب پیدائش کے پہلے باب میں خطاب خداوندی حضرت آدم کی نسبت یوں نقل کیا ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۳۔ "و زمین کے ہر ایک جاندار اور آسمان کے ہر ایک پرندے کو اور زمین کے ہر ایک رینگ کے چلنے والے کو اور جس میں نفس حیوانی ہے اور ہر ایک قسم کی سبزی بھی تمہیں کھانے کو دی" اور اسی کتاب کے نویں باب میں خطاب خداوندی حضرت نوح کی نسبت یوں نقل کیا نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۳۔ "جو چیز زمین پر چلتی ہے اور جیتی ہے تمہارے کھانے کے لیے ہے اور ہری ترکاری کی مانند تم کو سب چیزیں عنایت کیں" یہ دونوں حکم اباحت عامہ کے توریت سے منسوخ ہوئے کتاب لاویین کے گیارہویں باب کو پڑھ کر دیکھئے کتنے جانور حضرت موسےٰ کے بعد حرام ہوئے کہ اس میں

سُور بھی داخل ہے۔

دوسری دلیل : کتاب پیدائش کے باب بست و نہم ورس شانزدہم سے سی ام[۳۰] تک جو قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح کا لابان ارمنی کی بیٹیوں سے لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جمع بین الاختین اس وقت میں درست تھا کیونکہ حضرت یعقوب کے نکاح میں لابان کی دونوں بیٹیاں راحیل اور لیاکہ انہیں کی اولاد میں حضرت عیسیٰ کی والدہ اور حضرت موسےٰ ہیں۔ ایک وقت میں معاً مجتمع تھیں۔ معہذا توریت میں جمع بین الاختین حرام ہوا چنانچہ کتاب لاویین کے اٹھارہویں باب میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۸ "تو کسی عورت کو اس کی بہن سمیت مت لے کہ اس کی بھی برہنگی ظاہر کرے پہلی کے جیتے جی کہ یہ اُس کا جلانا ہے"

تیسری دلیل : کتاب پیدائش کے ورس ہفتم میں لکھا ہے کہ حضرت نوح کی نسبت بوقت تیاری سفینے کے کا حکم ہوا کہ ہر قسم کے جانوروں سے ایک ایک جوڑا تیرے ساتھ داخل ہو۔ اور باب ہفتم کے ورس سوم میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے جانوروں سے سات سات تیرے ساتھ داخل ہوں۔ اور اسی باب کے ورس ہشتم اور نہم سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح نے اپنے ساتھ ایک ایک جوڑا سب جانوروں کا داخل کیا۔ پس یہ یا نسخ ہے یا تناقض ہے۔ دونوں طرح سے ہمارا مطلب ثابت ہوا یعنی یا نسخ ثابت ہوتا ہے یا مؤلف توریت کا کذب ظاہر ہوتا ہے

چوتھی دلیل کتاب پیدائش کے پانچویں باب سے ظاہر ہے کہ آدم کی صلبی اولاد سے سلسلہ توالد اور تناسل آدمیوں کا جاری ہوا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا مگر اس طرح پر کہ بھائی نے بہن سے بیاہ کیا ہو۔ اور کتاب لاویین کے باب ہجدہم میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۹۔ "تو اپنی بہن کی برہنگی اور اپنے باپ کی بیٹی اور ماں کی بیٹی کی برہنگی خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں زینہار ظاہر مت کر" دیکھو شریعت موسویہ میں اخوات اعیانی اور علاتی اور اخیافی سب ممنوع النکاح ہوئیں۔

پانچویں دلیل، ارمیا نبی کی کتاب کے باب سی و یکم میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۱۔ "اینک ایامی میرسد کہ با خاندان اسرائیل عہدی جدید مے بندم۔ ۳۲۔ نہ موافق عہدی کہ با پدران ایشاں بستم روزی کہ ایشاں را دستگیری نمودم تا از زمین مصر بیروں آرم" عہد سے یہاں بالاتفاق شریعت مقرر

کرنا مراد ہے بس اس جملے کو دیکھئے کہ نہ موافق عہدی خواہد بود کہ با پدران ایشاں بستم یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ احکام موسویہ کی میعاد کی تمامی خداوند تعالیٰ ظاہر کردے گا یہاں تک کہ دلیلیں جو میں نے نقل کیں تو یہود دلیل اور عیسائیوں دونوں کے الزام کے لیے نقل کیں اور صرف عیسائیوں کے لیے اور بھی نقل کرتا ہوں۔

چھٹی دلیل: پولوس اپنے نامہ موسومہ اہل افسس کے نام باب دوم میں لکھتا ہے۔ نسخہ ۱۸۱۱ء ورس ۱۵۔ ابطل شریعۃ الوصایا بمعتقداتہ۔ یعنی عیسیٰ نے اپنے دین و مذہب کے سبب سے شریعۃ الوصایا یعنی احکام توریت کو بیکار کر دیا۔ دیکھو یہی معنی ہیں منسوخ کرنے کے۔

ساتویں دلیل: وہی پولوس نامہ موسومہ عبرانیوں کے نام باب ہشتم میں لکھتا ہے نسخہ عربیہ ۱۸۱۶ء ورس ۸۔ فلو کان العھد الاول غیر معترض فیہ لم یوجد للثانی موضع الخ یعنی شریعت موسویہ پر اگر اعتراض نہ کیا جاتا تو شریعت عیسویہ کے لیے جگہ کہاں سے آتی۔ یہ اشارہ ہے ارمیا نبی کے قول کی طرف جو ابھی مذکور ہوا بس معترض فیہ کے معنی پایہ ہیں کہ موقوف کئے گئے تو نسخ ثابت ہوا یا یہ معنی ہیں کہ اس کی صحت پر اعتراض کیا گیا تو تحریف ثابت ہوئی۔ دونوں طرح سے ہمارا مطلب نکلتا ہے۔

آٹھویں دلیل اسی نامے کے باب ہفتم میں وہ لکھتا ہے نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۸۔ بس اگلے حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہیں۔ اوپر سے ذکر ہے حضرت موسےٰ کی شریعت کا اور حضرت عیسیٰ کے آنے کا۔ سواس کو کہتا ہے کہ ان کے آنے سے اگلی شریعت منسوخ ہوئی۔ دیکھو یہاں منسوخ کا لفظ وارد ہے۔

نویں دلیل، کتاب استثناء کے باب بست و چہارم کے ورس یکم سے سوم تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ عورت مطلقہ سے نکاح کرنا دوسرے کو جائز ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کا قول پہلی انجیل والا باب نوزدہم کے ورس نہم میں نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے زنِ مطلقہ سے نکاح کیا اس نے زنا کیا۔

دسویں دلیل: موسےٰ کی کتاب میں دیکھ لیجئے کہ کس طرح کی تاکیدیں چند اعیاد مقررہ کی بجا آوری اور قربانیوں کے ادا کرنے کی ہیں اور کتنے جانور حرام ہوئے اور یوم السبت کے احکام کتنے

ہیں۔ اور دیکھو کہ پولوس حواری اپنے نامہ موسومہ قلسیوں کے نام باب دوم کے ورس شانزدہم میں لکھتا ہے بنسخہ فارسیہ ۱۸۱۶ء "ہیچ کس شمارا در بارہ خوراکی یا آشامیدنی یا در خصوص عید ہا یا ہلال یا سبتہا مجرم نسازد کہ اینہا اظلال اشیاء آئندہ است کہ حقیقت آنہا مسیح است" یعنی سب احکام مسیح کے آنے تک تھے اب نہیں باقی رہے۔

گیارہویں دلیل: کتاب پیدائش کے باب ہفتدہم کے ورس ۹ سے ۱۴ تک جو ختنے کا حکم بہ نسبت حضرت ابراہیم کے لکھا ہے تو یہی بدنی ختنہ لکھا ہے۔ اور پولوس اپنے نامہ موسومہ غلاطیہ کے باب پنجم میں لکھتا ہے بنسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۲ "اگر مختون شدید مسیح در بارہ شما سود مند نخواہد بود" اگرچہ اس کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں کہ صرف ختنہ کرنے سے نجات نہیں ہونے والی ہے۔ بلکہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا چاہیئے۔ مگر عیسائی لوگ یہاں سے اور بھی اس کے اور خطوں سے ختنے کی موقوفی مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل کا ختنہ چاہیئے۔ بالجملہ بدنی ختنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔

بارہویں دلیل۔ جو معنی نسخ احکام شرعیہ کے میں نے اوپر لکھے ہیں ان معنوں کر کے عقلاً جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ شرعی حکموں کو منسوخ کرے اور کوئی برہان عقلی امتناع بر صدور نسخ احکام کے واجب تعالیٰ سے قائم نہیں۔ پس ہر گاہ عقلاً جائز اور غیر ممتنع ٹھہرا تو کسی نبی کی صحت نبوت میں در صورتیکہ وہ مدعی اگلی شریعت کی منسوخی کا ہو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اظہار نسخ کا عقلاً اس کی نبوت کا قادح نہیں ٹھہر سکتا۔ ہر گاہ یہ بات ٹھہر چکی تو میں کہتا ہوں کہ ثبوت نسخ بعض احکام موسویہ اور عیسویہ کی وہی دلیل ہے یعنی ظہور معجزات حضرت مدعی نسخ کی ذات سے۔ انتہیٰ

ہمارا دعوےٰ اور اس کی دلیلیں تمام ہوئیں۔ اب پادری صاحب کے دعوے مضطرب کو دیکھئے صفحہ ۲۱ میں لکھتے ہیں:۔

قولہ احکام ظاہری بعد از ظہور مسیح بدیں معنی منسوخ گردیدند کہ دیگر محافظت آنہا لازم نشد لیکن بدیں تغیر در احکام ظاہری احکام باطنی توریت منسوخ نگشتہ اند۔ دیکھو یہاں تو خود وجوب احکام ظاہریہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہوئے۔ چنانکہ ہم بھی صرف احکام ظاہریہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں نہ احکام دلی کے۔

اور صفحہ ۲۴ میں کہتے ہیں۔ قولہ انجیل کتب عہد عتیق را منسوخ لے سازد بلکہ بانجام میرساند بدیں نحو کہ چیزہائے کہ در کتب مقدسہ عہد عتیق ظاہری می بود حال در عہد جدید مبدل گشتہ آں چیزے کہ در آنجا بحسب تصویر دیدہ مے شود این جا وجوداً ملاحظہ می گردد۔" اس قول کے سرے کا جملہ معارض اس جملے کے ہے جو پہلے میں نے نقل کیا۔ یعنی وہاں وجود احکام ظاہریہ کے منسوخ ہونے کی خود ہی تنصیص کی ہے اور یہاں تنصیص انہیں کے عدم منسوخیت کی کرتے ہیں علاوہ اس کے مبدل ہوجانا ظاہر سے باطن کے ساتھ یہ بھی نسخ ظاہریت کا ہوا اس تقریر پہ انکار منسوخیت کا سرے سے غلط ہوگیا۔ اور اس قول کے اخیر کا جملہ یعنی آں چیزے کہ در آنجا بحسب تصویر دیدہ مے شود اینجا وجوداً ملاحظہ می گردد محض بے معنی ہے یا ایک معمہ ہے کہ اس کے معنی پادری صاحب کے ذہن میں ہوں گے ایسا معمہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن چیزے از عہد عتیق و جدید منسوخ نمی سازد و آں چیزے کہ در آنجا بہ یکے دیدہ می شود ایں جا بہ یکے دیگر ملاحظہ میگردد۔ دیکھو صرف رنگ کا فرق ہوا اصل چیز ویسی ہی باقی رہی اور دیکھئے کہ میرا جملہ بامعنی ہے اور پادری صاحب کا جملہ بے معنی ہے۔

اور پادری صاحب اس فصل کے آغاز میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۹: قولہ معانی کتب مقدسہ متضمن ہمدیگر است و در مطالب باہم موافقت و مناسبت کلی دارند۔" اگر موافقت سے یہ مراد ہے کہ اصل غرض شریعت کی احکام ظاہریہ سے اتنی ہی ہے کہ بندوں کی بندگی ظاہر ہو اور خصوصیت احکام ظاہریہ کے تغیر و تبدیل سے اس اصل غرض میں کچھ فتور نہیں آتا ہے تو ہم بھی یوں کہیں گے کہ قرآن شریف باکتب مزبورہ در احکام شرعیہ موافقت کلی دارد۔ اور اگر موافقت کے یہ معنی ہیں کہ احکام ظاہریہ جزیہ کا لزوم محافظت اگرچہ منسوخ ہوگیا ہے یا ظاہری سے وہ احکام مبدل بباطن ہوگئے ہیں جب بھی موافقت ظاہریہ میں خلل نہیں آیا تو دن کو رات اور رات کو دن کہنا ہے۔ ایسی بات کا کہنے والا قابل خطاب کے نہیں ہوسکتا۔

اور پادری صاحب نے صفحہ ۲۱ کے آخر سے صفحہ ۲۴ کے اوائل تک بعضے احکام ظاہریہ توریت کو پھیر کر کے ان کی تاویلیں بے معنی کی ہیں وہ ہم پر حجت نہیں ہوسکتیں اور الزام نسخ احکام کا ایسی تاویلوں سے اٹھ نہیں سکتا اور بعضی تقریر اس میں بالکل مہمل ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۲۱۔ در توریت امر شدہ بود کہ بجہت امرزش گناہان حیوانات را قربانی نمایند۔

البتہ بدیہی است کہ قربانی ہا گناہاں رانمی تواننند پوشانید و منظور اصلی از قربانیہا نیز ایں نبودہ است بلکہ نمونہ آں یک قربانی بود کہ مسیح در وجود خود بعمل آورد. چنانکہ در عہد عتیق وعدہ دادہ شدہ است مسیح آئندہ جسم خود را بجہت تمامی گناہاں مردم قربان خواہد ساخت۔" یہاں کئی باتیں سمجھنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ہی لکھتے ہیں کہ گناہوں کے کفارے کے لیے قربانیاں مقرر ہوئی تھیں اور آپ ہی اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ قربانیاں گناہوں کو چھپالیں۔ اور منظور اصلی بھی یہ نہ تھا۔ پس یہ توریت کی تغیر کا ہے کو ٹھہری تبدیل ٹھہری۔ اس طرح تو ہر ملحد اور ہر بے دین کہہ سکتا ہے کہ انبیاء نے جو شریعتیں عاقبت کی نجات کے لیے مقرر کی ہیں یا عیسٰی نے اپنے پر ایمان لانے کو ذریعہ نجات کا کہا ہے تو مقصود اصلی ان سب باتوں سے یہ نہیں ہے جو اہل ملت سمجھتے ہیں بلکہ صرف بندوبست دنیا کا منظور ہے۔ مگر مخاطبین ایسے بے وقوف ہیں کہ صرف ان کے کلام سے ظاہری معنی سمجھ بیٹھے اور مغز سخن کو نہ پہنچے۔ دوسری یہ کہ پادری صاحب کا یہ جملہ بلکہ نمونہ آں یک قربانی بود کہ مسیح در وجود خود بعمل آورد کتنا بے معنی ہے ایسا جملہ ہر ملحد بھی کہہ سکتا ہے کہ عیسٰی مسیح نے جو اپنے ماننے کو کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہشوں کے مطابق کام کیا کرو کیونکہ عیسٰی مسیح خواہشوں کا نمونہ تھا جیسے ہم لوگ عمل میں لاتے ہیں۔ تیسری یہ کہ عہد عتیق میں کہیں نہیں لکھا کہ عیسٰی مسیح اپنے تئیں سب کے گناہوں کے لیے قربان کرے گا۔ یہ محض پادری لوگوں کا عندیہ بے اصل ہے۔ چوتھی یہ کہ عیسٰی مسیح اگر گناہوں کے لیے فدیہ ہوا ہے تو چاہیئے کہ احکام باطنیہ بھی توریت کے فرض و واجب نہ رہیں۔ اس لیے کہ ان کا عمل میں نہ لانا بھی گناہ ہے۔ یا چاہیئے کہ احکام ظاہریہ توریت کی بھی فرضیت اور وجوب ساقط نہ ہو۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے بہت سے احکام ظاہریہ توریت کے منسوخ کئے ہیں اور باقی یہ تقریریں پادریوں کی صرف اوہام باطلہ اور خیالات واہیہ ہیں۔ غایت الامر یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو جو مرتبہ شہادت کا ملا اسی کی جہت سے وہ مستحق اس کے بھی ہوئے ہوں گے کہ گنہگاروں کی شفاعت کرا دیں۔

بالجملہ پادری صاحب کے دعوے کا حال تو یہ ہوا اور تقریر استدلال کی جو انہوں نے کی سو انہیں کتابوں سے کی جن کی تحریف کالشمس فی نصف النہار ثابت ہے۔ پس چاہیئے تھا کہ پہلے

تحریف کا امتناع ثابت کر لیتے بعد اس کے ان کتابوں سے امتناع نسخ کے لیے دلیلیں لاتے۔ تو یہ استدلال ان کا ہمارے مقابلے میں محض لغو ہے۔ معہذا ان کتابوں کے ان درسوں سے بھی جنہیں پادری صاحب نے لکھا ہے امتناع نسخ نہیں بوجھا جاتا ہے چہ جائیکہ ثابت ہونا۔ بلکہ بعضوں سے بالعکس مطلب ظاہر ہوتا ہے اور آخر میں جو دلیل عقلی امتناع نسخ کی انہوں نے لکھی اس کو تو کچھ نسخ کے معنی سے علاقہ ہی نہیں۔ لیکن بہر حال ان کے استدلال کی تقریر کے بعضے جملے نقل کرنا مناسب ہے۔

قولہ صفحہ ۲۰: اینکہ عبادت ظاہری توریت بعبادت باطنی تبدل خواہد یافت مطلب نو نبود زیرا کہ سابقاً در بعض مواقع کتب عہد عتیق مذکور گشتہ کہ بعوض عبادت ظاہری عبادت باطنی متقرر خواہد گردید مثلاً در آیۃ ۳۱ تا ۳۳ فصل ۳۱ کتاب ارمیا پیغمبر ذکر شدہ است کہ خداوند میگوید نہ مانند آں عہدے کہ با پدراں ایشاں نہادہ ام۔ الیٰ قولہ۔ ایشاں آں عہد را محافظت نمودند و لازم بود کہ من با آنہا از ورنمایم خداوند می گوید بلکہ عہد من ایں خواہد بود کہ در آں وقت با خانہ اسرائیل خواہم نہاد یعنی شریعت خود را بر قلب ایشاں درج خواہم نمود۔ دیکھو یہ مقام وہی ہے جسے میں نے اپنی پانچویں دلیل میں نقل کیا پس ظاہر ہے کہ اس جملے سے کہ نہ مانند آں عہدی کہ با پدراں ایشاں نہادہ ام کہ نسخہ ۱۸۳۹ء میں بجائے نہ مانند کے نہ موافق کا لفظ ہے بالبداہۃ موقوفی اگلے احکام کی بوجھی جاتی ہے نہ کہ تبدیل ظاہر احکام کی باطن سے اور لو فرضنا اگر مراد یہی ہو تو بھی منسوخیت ظاہریت کی ثابت ہوئی اور اس جملے سے کہ شریعت خود را بر قلب ایشاں درج خواہم نمود یہ کیونکر بوجھا گیا کہ اس جگہ سے شریعت سے وہی شریعتِ قدیمہ مراد ہے تاکہ فی الجملہ پادری صاحب کے مطلب کی بو اس سے پیدا ہو۔ بلکہ سیاق سخن صاف دلالت کرتا ہے کہ پہلی شریعت والوں نے جب احکام الٰہیہ کی محافظت نہ کی۔ اس لیے فرمایا کہ دوسری شریعت والوں میں ایسے لوگ ہوں گے کہ بدل وجان اس کی محافظت کریں گے۔

اور اگر کہیے کہ چونکہ پہلے سے کہہ دیا گیا تھا کہ شریعت جدید مقرر ہو گی تو نسخ نہ ثابت ہوا بلکہ اگلی شریعت کی تعمیل ثابت ہوئی تو ہم کہیں گے کہ یہ تقریر محض دھوکا دینے کی ہے۔ اس لیے کہ اس کہہ دینے سے ہمارا مطلب اور بھی قوت سے ثابت ہو گیا یعنی کہ شریعتِ آسمانی کے منسوخ ہونے کا

جواز نسخ پیغمبر ثابت ہوا۔ ہاں اگر پہلی شریعت کی میعاد کی سرے سے تصریح ہوتی کہ یہ احکام صرف اتنے برسوں تک بجالایا کرنا تو البتہ نسخ کے معنی بخوبی نہ حاصل ہوتے۔ بلکہ اگر غور کیجئے تو در صورت تعین میعاد بھی منسوخیت کے ثبوت میں فتور نہیں آتا۔ اس لیے کہ اصل معنی منسوخیت احکام شرعی کے تو یہی ہیں کہ خداوند تعالیٰ پہلے ایک طرح کے احکام صادر کرتا ہے بعد اس کے انہیں موقوف کر کے دوسرے احکام صادر کرتا ہے اور بالبداہتہ ظاہر ہے کہ یہ بات عام ہے اس سے کہ اس کی موقوفی پر پہلے سے وہ کسی کو مطلع کرے یا نہ کرے۔

علاوہ بریں ارمیا نبی نے جو مضمون مفسرٌ لکھا سو موسٰے کی کتاب میں اس کا شائبہ بھی نہیں اور نہ داؤد کی کتاب میں۔ پس یہ کہنا پادری صاحب کا کہ مطلب نُو نبود بہ نسبت حضرت موسٰے اور حضرت داؤد کی کتابوں کے غلط ہو گیا۔

اور دیکھیے کہ ایک وجہ سے تو عیسائیوں کے اصول کے مطابق یہ سخن ارمیا نبی کا عہد عیسوی پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ ارمیا نبی تصریح کرتے ہیں کہ جس طرح عہد قدیم خاندان اسرائیلی اور یہودا کے لیے مقرر ہوا تھا اسی طرح عہد جدید خاندان اسرائیل اور یہودا کے لیے مقرر ہو گا اور عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ شریعت عیسویہ سارے جہان کے لیے مقرر ہوئی آور ایک وجہ سے عقلاً بھی کسی طرح عہد عیسوی پر یہ خبر صادق نہیں آتی کیونکہ اس مقام پر ارمیا کی کتاب میں ورس ۳۴ جسے پادری صاحب نے نقل نہیں کیا یُوں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "و ہر کس ہمسایہ خود برا و ہر کس برادر خود را نخواہد آموخت کہ خداوند را بشناسد زیرا کہ ہمگی ایشاں از صغیر تا کبیر مرا خواہند شناخت"۔ اس ورس سے ظاہر ہے کہ عہد جدید ایسا ہو گا کہ اس کے ظہور کے وقت لوگ بالطبع اس کے مطیع اور منقاد ہو جائیں گے۔ کچھ حاجت افہام و تفہیم کی بھی نہ رہے گی۔ حالانکہ حضرت عیسٰی کے عہد میں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اب تک کوئی آدمی کرسٹن بے سمجھائے بجھائے نہیں ہوتا اور جو ہوتا ہے تو وہ بھی صرف بطبعِ نان نہ بدل و جان۔

اور اگر کوئی کہے کہ ذکر خاندان اسرائیل اور یہودا کا ارمیا کے کلام میں بطور تخصیص اور حصر کے نہیں ہے بلکہ محض اتفاقی ہے اور بالطبع مطیع و منقاد ہونے کو جو کہا تھا تو باعتبار آخر زمانے کے کہا یعنی اس عہد کے ظہور پر ایک زمانہ ایسا بھی آوے گا کہ سب بالطبع شریعت کے تابعدار ہو جائیں گے

تو ہم کہیں گے چشم ما روشن تم نے خوب تاویل کی یہ تو ہمارا عین مطلب ہے یعنی اس توجیہ سے حضرت عیسیٰ کی خصوصیت بالکل غلط ہو گئی اور جائز ہو گیا کہ یہاں سے اور ہی عہد مراد ہو کہ ہمارے نزدیک حضرت خاتم النبیین کا عہد ہے اور یہودیوں کے طور پر ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا۔

قولہ آیت ۴ فصل ۴۴۔ اشعیا پیغمبر و آیت ۴۔ زبور ۱۱۰۔ ان ورسوں کو پادری صاحب نے ناحق اپنے استدلال میں لکھا۔ اس سے ان کا بھرم بالکل جاتا رہا کیونکہ اشعیا نبی کی کتاب بھر میں ارمیا نبی کا سا سخن نہیں مذکور ہے یعنی شریعت جدیدہ کا وعدہ کہیں نہیں ہے۔ چنانچہ اس فصل ۴۴ میں کہ دوسرے نبی کے آنے کی بھی خبر اس میں نہیں ہے اور ورس ششم تو اس کا یہ ہے نسخہ ۱۸۳۹ء "شمال خواہم گفت کہ بدہ و بجنوب کہ مانع مشو پسران مرا از دور و دختران از اقصائے زمین بیارید" بھلا کچھ بھی شائبہ تبدیلی شریعت ظاہرہ کا باطنیہ سے بوجھا جاتا ہے۔

اور زبور میں بھی کہیں شریعت جدیدہ کا وعدہ نہیں ہے۔ چہ جائیکہ زبور ۱۱۰ میں کہ اس کا ورس ۴ یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء "خداوند سوگند یاد کرد راست و پشیمان نخواہد شد تو برسم ملک صدق تا ابد الاباد کاہن ہستی" ملک صدق بنی اسرائیل میں ایک کاہن بیتو اور متقدا گزرا تھا اس کے ساتھ حضرت داؤد کسی کی تشبیہ دیتے ہیں سو وہ احکام ظاہریہ توریت کا بڑا مروج تھا تبدیلی شریعت ظاہریہ کی باطنیہ سے یہاں سے کیونکر بوجھی گئی۔

قولہ کہ معنی آنہا یعنی معنی ورسہائے مذبورہ در انجیل در فصل ہفتم نامہ عبرانیاں تماما واضح گردیدہ" یہ اس سے بھی زیادہ گم ہو گئی اس فصل ہفتم میں تو تنصیص ہے اس بات کی کہ اگلی شریعت منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ ہماری دلیل ہشتم میں گزرا اس کا ذکر کرنا اس مقام پہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

ع چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد۔

قولہ و آیات ۱۸، ۱۹۔ فصل ۱۸ کتاب پنجم موسے اشارہ بہمین مطلب است۔ ہم استغفار شانزدہم میں لکھ آئے ہیں کہ یہ خبر موسوی سوائے حضرت سرور کائنات کے کسی پر صادق نہیں آتی۔ سو اس میں صرف ایک نبی کے اخوان بنی اسرائیل سے ظاہر ہونے کی خبر ہے کچھ اس میں تبدیل شریعت ظاہریہ کا باطنیہ سے ذکر نہیں اور اگر بقول پادری صاحب کے ہے تو ہمارا مطلب ثابت ہوا

یعنی شریعت مصطفویہ کو بھی یہی سمجھو کہ جس قدر خلاف توریت اس میں احکام ہیں تو وہ درحقیقت تبدیل مجاز کی حقیقت کے ساتھ ہے۔

قولہ صفحہ ۲۷۴۔ خود مسیح گفت کہ تصور نکنید کہ من از بہر الطال توریت و رسائل انبیاء آمدہ ام از جہت الطال نہ بلکہ بجہت تکمیل آمدہ ام۔ چنانکہ در آیت ۱۷ فصل ۵ متی مذکور گشتہ است۔ الحمد للہ کہ یہاں پادری صاحب الطال کا لفظ بولے کہ یہی ہمارا مطلب ہے یعنی منسوخ کرنے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اگلی شریعت کو باطل ٹھہراویں بلکہ ان کی ختم میعاد ظاہر کر دینے کو نسخ کہتے ہیں۔ مگر بعضی انجیل کے بعضے ترجموں میں اس جگہ منسوخ کا لفظ ہے سو اس کی تفصیل استفسار دہم میں دیکھ لیجیے۔

قولہ صفحہ ۲۷۴۔ از قبول نسخ دو فقرہ صادر می شود۔ اوّلاً ایں کہ ارادۂ خداوندی قرار گرفتہ بود کہ با دادن توریت امر نیک و مفیدے را انجمل آورد لیکن میسر نگردید۔ پس بعد ازیں کہ مراد ازاں حاصل نگشت بہتر از آنے را داد کی زبور باشد و چوں ایں نیز مقصد و مطلب را بانجام نرسانید پس ایں را ہم منسوخ نمود انجیل را داد چوں احوالات او نیز بدستور سابق مانند آنہا گردید ازیں ہم فائدہ حاصل نگشت آخر الامر بسبب ظہور قرآن مطلب را بانجام رسانید ہرگاہ احیاناً العیاذ باللہ چنیں تصور در کارگاہ خیال کشیدہ شود۔ پس حکمت و قدرت خدا باطل خواہد گردید۔ الیٰ قولہ ثانیاً اگر قول مذکور غیر ممکن است پس از قانون منسوخی ایں تصور لازم می آید کہ خدا نظر بمصلحت و ارادت خود عمداً خواست کہ چیزے ناقص و مطلب نارسانندہ بدہد و بیان نماید آیا ہیچ نوع امکان وارد کہ کسی چنیں تصورات باطلہ و ناقصہ را در بارۂ ذاتِ قدیم کامل الصفات خداوندی باید" جس کو ذرا بھی سمجھ ہے وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ قباحتیں اس صورت میں لازم آتیں کہ نسخ ہماری شریعت میں ان معنوں پر جائز قرار دیا جاتا جن معنوں پر حکام عدالت اپیل حکام ماتحت کے حکموں کی نسبت لکھا کرتے ہیں کہ وہ حکم منسوخ یا بعضے قوانین سرکاری میں لکھا جاتا ہے کہ فلانے قانون میں جو یہ قباحت ظاہر ہوئی یا یہ مصلحت فوت ہوتی ہے اس لیے وہ منسوخ۔

اور ہرگاہ یہ معنے منسوخیت شریعت سابقہ کے نہیں ہیں بلکہ وہ معنی ہیں جو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ چنانکہ اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے اور علم کلام کی کتابوں میں بھی۔ پس یہ اعتراض پادریوں

کا یا از راہ ناواقفیت کے ہے یا صرف مغالطہ دہی منظور ہے: ظاہراً صرف مغالطہ دہی کے لیے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بہت بعید از عقل ہے کہ ہمارے یہاں کی شرعی باتوں سے بالکل پادری لوگ واقف ہوں اور ہماری اصطلاح نسخ کی انہیں نہ معلوم ہو۔

اب عیسائیان با انصاف سے امید وار انصاف کا ہوں کہ آیا پادری صاحب کا سخن تمام ہوا یا ہمارا سخن۔ اور یہ جو پادری صاحب نے خدا تعالیٰ کی طرف نقصان کی نسبت سے مسلمانوں کی طرح سخاشی اور زیہنلد کی اور کلمہ العیاذ باللہ زبان پر لائے۔ کیا بائبل کے مضمونوں کو بھول گئے کہ بعضے مجھے یاد ہیں۔

ازاں جملہ کتاب پیدائش باب ششم ورس ششم نسخہ اربانو سیہ ۱۶۲۵ء فندم علی عمل الانسان علی الارض فتاسف بقلبہ داخلاً۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ازاں رو کہ انسان را بر زمین بوجود آوردہ بود پشیمان شد و دل آزردہ گشت۔ نسخہ ۱۸۲۵ء تب یہواہ آدمی کے زمین پر پیدا کرنے سے پچھتایا اور دل گیر ہوا۔ دیکھو خداوند تعالیٰ کی نسبت مؤلف نے اس کتاب کی کیسی بے ادبی کی اور تین نسخوں سے اس واسطے میں نے لکھا کہ مترجم کی نالائقی پر کہ وہ بھی پادری ہی تھا محمول نہ ہو۔

ازاں جملہ یعقوب سے کشتی نہ لڑنے اور بے دانوں کے مغلوب نہ کر سکنے کا قصہ دیکھیے جو استفسار ہفتم میں گزرا۔

ازاں جملہ جو حضرت یعقوب کی جعل سازی سے اسحٰق کی دعا کو جو عیص کے حق میں انہوں نے کی تھی خداوند تعالیٰ نے حضرت یعقوب کے حق میں سمجھا اس کو یاد کیجیے کہ وہ بھی اسی استفسار میں مذکور ہے۔

ازاں جملہ اول نامہ پولوس بنام اہل قرنتس باب اول ورس بست و پنجم نسخہ ۱۸۱۱ء لان تحامق اللہ اوفر حکمۃ من الناس وضعف اللہ ھو اشد قوۃ من الناس۔ نسخہ ۱۸۱۲ء لان حماقۃ اللہ اعقل من الناس وضعف اللہ اشد قوۃ من الناس۔ نسخہ ۱۸۱۴ء خدا کا احمقانہ کام آدمیوں سے عاقل تر اور خدا کا ضعیفانہ کام آدمیوں سے قوی تر۔ دیکھیے انجیل میں خدا کی طرف احمقانہ کام کرنے کی نسبت کی علاوہ برایں مریم کے پیٹ میں جنین بن کر مہینوں رہنا اور بطور عادت انسانیہ متولد ہو کر بتدریج بڑھنا اور بعد اس کے یحییٰ نبی کا مرید ہونا اور اپنے بندوں کے لیے ملعون

ہو کر تین دن دوزخ میں رہنا جیسا آپ لوگوں کا خداوند تعالیٰ کی نسبت اعتقاد ہے اور اسی اعتقاد کی ترویج کے لیے پادریوں کی کوشش ہے۔ کیا ان خرافاتوں سے شاید کچھ نقصان عاید حال حضرت حق جل وعلیٰ نہیں ہوتا۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا سبحٰنک ھٰذا بہتان عظیم۔

قولہ فصل سیوم صفحہ ۱۲۱۔ ادعائے متابعان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ گویا کتب مقدسہ تحریف وتبدیل گشتہ باطل است۔ یہاں بھی اوّلاً ہم اپنا اعتقاد درباب تحریف توریت اور انجیل کے مع دلائل بیان کرتے ہیں اور بعد اس کے پادری صاحب نے جو اس دعوے کے لیے دلیلیں بیان کی ہیں ان کی بے اصلی اور لغویت بیان کریں گے۔

ہمارا عقیدہ از روئے مشاہدہ اور قرآن شریف کے یہ ہے کہ حضرت موسےٰ اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ اور انبیائے بنی اسرائیل کی طرف وحی الٰہی نازل ہوئی اور یہودیوں اور عیسائیوں کی جو دین کی کتاب ہے اس میں کچھ کچھ وہ کلام ہے مگر مؤلفین کے ہاتھوں یا اور کسی کے ہاتھوں سے تالیف اس کلامِ الٰہی کی جو شرح وارد واقع ہوئی اس میں بسبب عدم تمیز اور عدم تحریر علامتِ فارقہ بینہ کے کلام الٰہی کلام بشری سے ایسا مخلوط ہو گیا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں ایک قسم حدیث کی جسے مدرج کہتے ہیں۔ یعنی راوی اس کا اس میں اپنا مضمون اس طرح پر ملا کر بیان کرے کہ ظاہراً وہ بھی منجملہ قال رسول اللہ سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح کی تخریب اہلِ کتاب کے ہاتھوں سے صرف اتفاقیہ نہیں واقع ہوئی۔ بلکہ ازراہِ خیانت اپنی باتوں کی ترویج کے لیے بھی انہوں نے ایسا کیا ہے اور اپنے ہاتھوں سے جو موقع ومناسب جانا خراب کر دیا اور کہا کہ روح القدس نے ایسا ہی خراب کلام القا کیا ہے۔ غرضکہ ایسی خرابیاں اس میں پڑیں کہ جس سے قابل حجت نہیں رہا۔ فقط

میرے اس دعوے کو یاد رکھیے انشاء اللہ کالشمس فی رابعۃ النہار ثابت ہوا جاتا ہے۔ مگر دلائل ذکر کرنے سے پہلے کتنی باتیں اور بھی سمجھ لیجیے۔

پہلی بات: ان خرابیوں کے واقع ہونے کے کئی مرحلے ہیں۔ ایک حضرت موسےٰ کے بعد سے اس زمانے تک کہ انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ منقطع ہوا۔ دوسرا حضرت عیسےٰ کے بعد سے حواریوں کے قرن کے منقضی ہونے تک۔ تیسرا اس زمانے سے حضرت خاتم النبیین کے ظہور تک۔ چوتھا ان کے ظہور کے وقت سے اب تک۔

دوسری بات، یہ خرابیاں کئی صورت سے وقوع میں آئیں. ایک یہ کہ خدا کے کلام کو بطرفہ علیحدہ بین الدفتین نہیں لکھا. بلکہ اس میں نبیوں کا کلام بھی ملادیا. دوسری یہ کہ بطور تفسیر اور بمصداق سخن اور متممات قصص اور اگلا پچھلا حال اس نبی کا جس کی وہ کتاب تھی بلا تنقید روایت اور بلا انضباطِ قواعد استخراج روایت کے اس میں ملاکر لکھ دیئے. تیسری یہ کہ کوئی رسالہ کسی نے کسی نبی کے حالات یا مقتدایان ملتِ اسرائیلیہ کے حالات یا کسی عورت یا مرد صالح کے حالات کا لکھا. سو باوجودیکہ محض کلام غیر نبی اور بلا انضباط قواعد تصحیح روایت کے تھا اس کو کتاب آسمانی کے ہم لحنت کردیا. چوتھی یہ کہ مفردات اور جملوں کو اصل کلام الٰہی میں بعضی جگہ ڈالا یا کم و بیش کردیا. پانچویں یہ کہ اصل کلام کو مفقود کردیا اور کچھ محافظت اس کی نہ کی اور اس کے ترجمے کو اصل قرار دیا. حالانکہ ظاہر ہے کہ کسی دو لغتوں میں بجمیع الفاظہا ترادف کا پایا جانا از روئے استقرار کافہ اہل علم کے غیر ممکن. چھٹی یہ کہ افعال کو اسماء کے ساتھ اسماء کو افعال کے ساتھ ایک طرح کے حروف کو دوسری طرح کے حرفوں کے ساتھ بدل ڈالا. سو اس طرح کی تغییر و تبدیل سے تو کسی کتاب کا کوئی ترجمہ اور کسی ترجمے کا کوئی باب یا کوئی ورس طولانی خالی نہیں ہے. ساتویں یہ کہ عام کو خاص کے ساتھ خاص کو عام کے ساتھ مجمل کو مفسر کے ساتھ اور مفسر کو مجمل کے ساتھ بدل ڈالا. یہ بھی ہر ترجمے میں ہوا ہے. آٹھویں یہ کہ مرفوع کو منصوب کے ساتھ اور منصوب کو مرفوع کے ساتھ اور علیٰ ہذا القیاس مجرور کے ساتھ بدل دینا اور مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کردینا یہ بھی سب کو شامل ہے.

تیسری بات: اسباب ان خرابیوں کے بھی بہت سے معلوم ہوتے ہیں. ایک یہ کہ بسبب عدم تجربہ کاری کے اہل کتاب کو کتابوں کی تالیف اور جمع کرنے کا سلیقہ نہ تھا کہ بدون علامت فارقہ بیّنہ کے کلام بشری کو کلام الٰہی کے ساتھ ملاکر جمع کیا اور یہ نہ سمجھے کہ آئندہ یہ کیا فساد لاوے گا. دوسرے یہ کہ اعراب دینے کا یعنی اس علامت کے لکھنے کا جس سے ہر کلمے کا محل معلوم ہو التزام ان میں نہ تھا بلکہ اب بھی خوب نہیں ہے. حالانکہ عبرانی بہت اشبہ بعربی ہے. تیسرے یہ کہ کتابوں کا ترجمہ سرتاسر کر ڈالا اور یہ نہ کیا کہ اصل کو نقل کرکے ترجمہ اس کا لکھیں. پس ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر ہم لوگ کلام اللہ کی تفسیر مانند کشاف وغیرہ کے بانضمام قصص اور حکایات نبویہ وغیرہ عربی میں لکھیں اور اس کا ترجمہ سرتا سر فارسی یا اردو میں کریں، اور اس کتاب کو بنامزد کتاب آسمانی چھپواکر امریکہ میں بھیج دیں یا یہیں پھیلاویں

اور اصل مصحف کے نسخوں کو رفتہ رفتہ کھو بیٹھیں۔ بھلا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ اس کتاب میں یہ کلام الٰہی ہے اور یہ کلام نبوی ہے اور یہ کلام مؤلف کا ہے حاشا وکلا۔ کسی کو منجملہ علمائے حفاظ کے بھی تمیز اس میں حاصل نہ ہو سکے گی چہ جائیکہ اور حرف شناسوں کو۔ چوتھے یہ کہ قاعدہ تنقید روایت اور اسناد وغیرہ کا جسے ہم نے استفسار دوازدہم میں لکھا مؤلفین بائبل کے یہاں نہیں تھا۔ پانچواں یہ کہ ان کتابوں کی اصل زبان کے قاعدے صرف اور نحو اور معانی اور بیان کے اور اسی طرح مفردات لغت بھی اس زبان کی اہل زبان کے یہاں منضبط نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ کوئی کتاب ان فنون کی جو ان کتابوں کے سمجھنے کے لیے مفید ہو عہد اسلام سے پیشتر کی کسی یہودی اور عیسائی کے پاس نظر نہیں آتی۔ چھٹی یہ کہ بغیر ان کے کہ دوسری زبان کا ملکہ ہو یا اس کے قواعد فن ادب کے بخوبی معلوم ہوں۔ جس نے چاہا جس زبان میں ترجمہ کر ڈالا اور جہاں اور کسی کے مطلب کے مفید کوئی لفظ آ گیا تو اس کو غلط بتانے لگے اور جتنی لفظیں اپنی مفید ہیں ان کو قطعاً صحیح بتایا۔ اور کہا کہ خدا کے کلام کا یہی ترجمہ ہے۔ یہ آفت تو اب تک ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ ساتویں یہ کہ آفتاب سے زیادہ تر یہ بات روشن ہے کہ شرعی اور دینی باتوں کے نسبت خیانت کرنے کا سبب صرف دوسری ہی ملت والوں سے حسد اور عداوت نہیں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ آپس میں بھی ہر ملت کے ظاہری علماء میں حسد اور عداوت باسباب مختلفہ اور انحاء متنوعہ ہو جایا کرتی ہے۔ اور کیا کچھ شرعی مسئلوں اور کتابوں کے معنی اور مطلب کہنے اور لکھنے اور جھوٹی جھوٹی باتیں بنانے میں دخل اور تلبیس نہیں کیا کرتے ہیں۔ پس اس طرح آگے بھی بنی اسرائیل کے علماء نے آپس کے حسد اور عداوت کے مارے جس کے جی میں آیا دوسرے کی کتاب کو غلط اور اپنی بات کو سرسبز کرنے کو اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ رفتہ رفتہ وہی نسخے محرفہ پھیل پڑے۔ آٹھویں یہ کہ علمائے ظاہر یہ نے اولیاء اور انبیاء کی عداوت کی جہت سے منصب مشیخت کا حسد کر کے کتابوں میں جو چاہا بنا دیا۔

اور ان دو باتوں کا بہ نسبت ان اصل کتابوں کے پیش رفت جانا اس سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اسلام سے پیشتر فراوانی تحریر کتب اور کثرت نقول آسمانی اور حکمت کی کتابوں کی اس طرح پر نہ تھی کہ کمتر کوئی قریہ ہو جس میں دو تین نسخے اس کتاب کے نہ ہوں جیسا کہ اسلام

ہیں ہوا۔ بلکہ صرف علماء یا امراء کے پاس ویسی کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ چنانکہ پارس اور ہند کا حال بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔ بو اس جہت سے دخل و تصرف خائنین کا فوراً برملا نہیں ہو جایا کیا اور بعد ایک مدت کے بسبب قلت یا فقدان اصل الاصول نسخوں کے وہی نسخے محرفہ پھیل پڑے اور اس عرصے میں جو کوئی حقانی ربانی ہوا وہ اپنی اصلاح نفس اور ترک و تجرید میں رہا نقلی علوم سے کچھ سروکار اسے نہ ہوا۔ اور اگر کچھ ہوا بھی تو طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے۔

پس اگر اسناد متصلہ مشہورہ سے کوئی نسخہ ابتداء کا کسی کے پاس باقی رہتا چلا آتا۔۔۔ تو البتہ کسی نہ کسی زمانے میں اس کا تدارک ہو جاتا۔ اور اہل دل احتیاطاً بھی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے۔ اور اگر دو ایک نسخوں کی انہوں نے اصلاح کی بھی ہو گی تو خائنین اور مفسدین کے شور و شغب سے پھیلنے نہ پائے بلکہ انہوں نے وہ نسخے مردود اور مطرود کر ڈالے۔

آمدم بر سر مطلب

یعنی اب اس دعوے کے دلائل بیان کرتا ہوں۔

پہلی دلیل: بالاتفاق مسلم ہے کہ بائبل اول سے آخر تک سب کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ کلام بشر اس میں ممزوج اور مخلوط ہے۔ پس اس سے زیادہ اور کون سی خرابی ہو گی کہ جو کلام دروغ و کذب سے معصوم تھا وہ ممزوج اور مخلوط ہو گیا۔ ایسے کلام سے جو معصوم عن الکذب نہیں ہے۔ اور اگر یہ کہیئے کہ وہ کلام بشر کا انبیاء کا کلام ہے تو اول کوئی سند چاہیئے بلکہ کئی سندیں اس طرح سے کہ مثلاً موسیٰ نے یہی کتاب اپنے فلانے کو سنائی اور اس نے فلانے شخص کو اور اس سے فلانے شخص نے پڑھی یہاں تک کہ فلانے زمانے میں اس کے نسخے پھیل پڑے اور جب تک اس کی سندیں کوئی ایک نہ پیش کیجئے گا تب تک ہمارا الزام در باب اثبات بے اعتباری بائبل کے تمام ہے۔ ثانیاً آپ کے اصول کے موافق انبیاء لوگ سچ تبلیغ پیغام الٰہی کے اور کسی بات میں معصوم کذب اور معصیت سے نہیں ہیں پس مخلوط ہونا ان کے اور غیر نبی کے کلام کا برابر ہے۔ سو یہ عذر آپ کا اگرچہ ثابت بھی ہو تب بھی آپ کے اصول کے موافق ہمارے الزام کو اٹھا نہیں سکتا۔ ثالثاً بائبل میں بہتیرے رسالے ہیں جن کی نسبت شارحین بائبل مدعی بھی اس بات کے نہیں کہ نبی کا کلام

ہے جیسے رعیت اور سلاطین اور قضاۃ کی کتابیں. بلکہ بطورِ ظنِ غالب جو ان کتابوں کو کسی کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں تو غیر نبی کی طرف حالانکہ وہ ہم لحنت انبیاؤں کی کتابوں کے ہو کر سبھی واجب التسلیم ٹھہری ہیں. بس اس بات سے جن کتابوں کو تم نبیوں کی تالیف بتاتے ہو اس میں بھی شک پڑ گئے اور جب اس میں شک پڑے تو وہ کتابیں اس قابل نہ رہیں کہ صاحبِ معجزات کے سخن کا معارضہ کریں چہ جائیکہ تکذیب.

دوسری دلیل: منجملہ رسائل بائبل کے زبور اور اشعیا اور ارمیا اور نحمیا اور حزقیل کی کتابوں اور بھی حواریوں کے خطوط سے ظاہر ہے کہ آگے بھی یہی طرز تھا تالیف کا جو مسلمانوں میں رائج ہے یعنی کتاب کا لکھنے والا جو اپنی باتیں یا اپنے دیکھے معاملات آپ لکھتا ہے تو کتاب بھر میں کہیں نہ کہیں ایسا جملہ لکھتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے لکھنے والے نے آپ لکھا ہے اور اپنے دیکھے ہوئے معاملات لکھے ہیں. اور جو اور کسی کا کلام بلا واسطہ سُن کر نقل کرتا ہے تو درصورت عدم التزام اس بات کے کہ سوائے اس کلام کے اور کوئی حرف اس میں نہ لایا جائے. کتاب بھر میں کہیں نہ کہیں ایسا جملہ لکھتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے بلا واسطہ صاحبِ کلام سے سُن کر لکھا ہے. جب یہ بات ٹھہر چکی تو دیکھئے کہ موسےٰ کی کتاب بھر میں کہیں ایسا جملہ نہیں وارد ہے جس سے ظاہر ہو کہ جو جملہ قال اللہ یا قال موسیٰ سے بظاہر خارج معلوم ہوتا ہے جس کی نظیریں اگلے استفساروں میں گزریں. وہ بھی موسےٰ کا لکھا ہے بلکہ ظاہر اس کتاب کا گواہی دیتا ہے کہ موسےٰ نے جو کتاب لکھی تھی اسی کو کسی نے شرح وار پھیلا کر متممات قصص اور شانِ نزول وغیرہ روایات غیر مستندہ بیچ بیچ میں خلط کر کے لکھا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس انجیل کے کسی جملے سے نہیں ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ حضرت عیسے کے ساتھ تھے، انہوں نے اپنے دیکھے ماجرے اور کلام عیسوی بلا واسطہ سُن کر لکھا ہے. بلکہ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب عیسوی جس کا نام انجیل تھا اس کو لے کر اور اور حالات حضرت عیسیٰ کے اور اپنی طرف سے جملے بطور تفسیر کے آگے پیچھے بیچ میں ملا کر غیر حواری نے یہ کتابیں تالیف کی ہیں.

اور میں سچ کہتا ہوں کہ میری اس بات کی تصدیق ان کتابوں کے پڑھنے والوں کو ایسی حاصل ہوتی ہے جیسے ہر آدمی کو اپنی ہستی کی تصدیق ہوتی ہے. اس سے زیادہ کون سا مرتبہ

تحریف کے ثبوت کا درکار ہے اور کون سی حالت منتظرہ اس کے ثبوت میں باقی رہتی ہے۔
اور بالفرض اگر کوئی بطور مکابرے کے کہے کہ گو کہ ظاہر حال ان کتابوں کا ایسا ہی ہے مگر واقع میں اس کے خلاف ہوا ہے تو اس کا ثبوت اس کے ذمے ہے۔ جب تک اس کا یہ بیان بپایۂ ثبوت نہ پہنچے تب تک ہمارا الزام تمام ہے۔

تیسری دلیل: موسیٰ کی کتاب میں اس طرز کا التزام ہے کہ خدا کی بات کو قال اللہ کر کے شروع کرتا ہے اور موسیٰ کی بات کو قال موسیٰ کر کے پس جو بات قال اللہ اور قال موسیٰ کے تحت سے خارج ہے وہ بے شک کلام غیر موسیٰ کا ہے۔ پس نسبت ساری کتاب کی تالیف کی محض موسیٰ کی طرف غلط ہو گئی۔ چنانچہ اس کی تفصیل استفسار پنجم میں ہے۔ پس اس سے زیادہ کیا خرابی موسیٰ کی کتاب کی ہو گی۔

چوتھی دلیل: اناجیل اربعہ کی روایتوں میں باہم بڑا ایسا اختلاف ہے جیسا ہمارے یہاں کے روایت کنندوں کی احاد روایتوں میں جس کی تفصیل استفسار یازدہم میں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کی تالیف بقوت روح القدس نہیں ہوئی ہے اور جب ایسی نہ ہوئی اور کلام عیسوی کے ساتھ ان روایتوں کا غلط واقع ہوا تو اس کا بھی وہ اعتبار جو کلام رسالت کے علی صرافتہ رہنے کا اعتبار ہوتا ہے نہ رہا اور جب وہ اعتبار نہ رہا تو وہ صاحب معجزات کی تبلیغ رسالت کے کلام کے ساتھ انجیلیں معارضہ نہیں کر سکتی چہ جائیکہ تکذیب کریں۔

پانچویں دلیل: اکثر شراح بائبل لکھتے ہیں کہ موسیٰ کی کتاب کے بعضے جملے از روی سلاست اور انسجام اور ادائے محاورے کے موسیٰ کے کلام سے میل نہیں کھاتے اور اس کے بعضے جملوں کو بالیقین والقطع لکھتے ہیں کہ موسیٰ اور یوشع کے نہیں ہیں مگر کہتے ہیں کہ بظن غالب وہ جملے عزرا نبی کے معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ جس جہت سے کہ عزرا نبی کے لکھنے کا گمان کرتے ہیں وہ جہت مظنون بظن غالب بھی نہیں، چنانکہ اس کی تفصیل استفسار دوازدہم میں ہے۔

چھٹی دلیل: اربانمس ٹامن صاحب کلیسائے روم اور سرکیش پادری اور علمائے مسیحی سب متفق اللفظ والمعنی لکھتے ہیں کہ بائبل کے اصل نسخوں میں کچھ کچھ خلل اور فساد پڑ گیا ہے۔ کیا عبرانی میں کیا یونانی میں۔ اور سبھی میں بعضی جگہ اس زبان کے صرف و نحو اور لغت کے خلاف بلکہ ضد اور اُس کے

عبارت اور لفظیں پائی جاتی ہیں۔ بس دیکھیے ہمارا دعوے کیسا از روئے اقبال دعوے مدعا علیہوں کے ثابت ہوگیا اور باقی یہ عذر ان کا کہ کاتبوں کی کم محنتی اور مترجموں کی بے استعدادی سے ایسا ہوا یہ مجرد احتمال وہمی ہمارے دعوے کے ثبوت میں کچھ خلل نہیں لا سکتا۔ اور تیسرا عذر یعنی روح القدس اور انبیاء ایسا ہی غلط پلط لکھاتے اور لکھتے آئے ہیں۔ یہ تو گویا ہمارا عین دعوے ہے کہ یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ۔ یعنی اپنے ہی لکھے کو کہتے ہیں کہ خدا نے ایسا فرمایا ہے اس لیے کہ روح القدس اور پیغمبروں کی طرف منسوب کرنا عین خدا کی طرف منسوب کرنا ہے اس کی بھی تفصیل استفسار دوازدہم میں ہے۔

ساتویں دلیل۔ اشعیا نبی کی کتاب کے چوبیسویں باب کا پانچواں ورس نسخہ ۱۸۱۱ء انھم تعدوا ناموس الرب وبدلوا وامر العھد الابدی۔ یعنی یہودیوں نے تجاوز کیا حکم شریعت سے اور بدل ڈالیں توریت کی باتیں۔ دیکھو ہر طرح کے فاسق فاجر کو یہ کہنا کسی محاورے میں صحیح نہیں ہے کہ تو نے خدا کی باتوں کو بدل ڈالا۔ جب تک وہ خدا کی باتوں کو کچھ پھیر کر نہ لکھے۔

آٹھویں دلیل۔ کتاب ارمیا کے باب بست وسیوم میں یوں وارد ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۰۔ اینک من مخالف آن پیغمبرانم کہ ہر یک از ہمسایہ کلمات مرا می دزدید۔ ۳۱۔ اینک من مخالف آن پیغمبرانم کہ زبان خود را دراز میکنند و می گویند کہ او گفتہ است۔ ۳۶۔ الی قولہ۔ کلماتِ خدائے حی خداوند افواج خدائے ما را تغیر میدہند۔ دیکھو قرآن شریف اسی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اتمہ اہل کتاب حق بات کو چھپاتے ہیں اور اپنی بنائی باتوں کو کہتے ہیں کہ خدا نے کہا ہے اور خدا کی باتوں میں تغیر و تبدیلی کرتے ہیں۔

نویں دلیل۔ پہلی انجیل پندرہواں باب نسخہ ۱۸۱۱ء ورس ۳۔ ابطلتم کلام اللہ لاجل سنتکم۔ یعنی اے یہودیو! تم نے ناکارہ کر دیا کلام الٰہی کو اپنی بدعتوں کے لیے۔ دیکھو یہاں سے ہمارا دعوے کیسا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ ہر فاسق و فاجر کو یہ کہنا کسی محاورے میں نہیں درست ہے کہ تو نے کلام اللہ کو خراب کر ڈالا ہے جب تک وہ مثلاً کلام اللہ میں لفظیں بیجا مخلوط نہ کر دے یا اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔

اور عیسائی لوگ اشعیا اور ارمیا اور عیسیٰ علیہم السلام کی ان گواہیوں کی تاویل کرتے ہیں اس

طرح پر کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ شروح اور تفاسیر میں تم یہ خرابیاں کرتے ہو تو اولاً میں یہ کہتا ہوں کہ یہ احتمال بمقابلہ اظہار صاحب معجزات باہرہ کے اور اس کی کتاب یعنی قرآن شریف کے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اور اظہار تحریف کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اور ثانیاً یہ کہتا ہوں کہ تم شاید سچ کہتے ہو۔ مگر اتنی بات بے شک تمہاری غلط ہے کہ تم اس توریت یعنی کتاب موسےٰ کو متن سمجھے ہوئے ہو۔ حالانکہ یہ کتاب متداول وہی شرح ہے اس کی اور شرح ہونا اُس کا مثل آفتاب نیمروز کے روشن ہے اور متن خاص مدت سے گم ہے۔ پس بہر صورت ہمارا مطلب ثابت ہوا کہ موسےٰ کی کتاب ایسی خراب ہوگئی ہے کہ کچھ اُس کا اعتبار نہیں رہا۔ شاید عزرا وغیرہ بعضے انبیائے بنی اسرائیل کو زبانی یاد ہو گی۔ دیگر مکتوب بین الدفتین خالص متن توریت کا دُنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اور متداول مدت سے جو ہے سو وہی شرح ہے۔

دسویں دلیل۔ پطرس حواری اپنے دوسرے خط کے دوسرے باب کے شروع میں کہتا ہے عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہ تم میں جھوٹی باتیں تعلیم دینے والے پیدا ہوں گے جیسے آگے جھوٹے نبی گزرے ہیں۔ اور وہ لوگ ہلاک کرنے والی راہیں خفیہ داخل کریں گے کہ اس میں خداوند کے حقوں سے جس نے اپنے تئیں ان کے لیے فدیہ کیا ہے انکار کیا جائے گا۔ یہاں دو لفظوں پر غور کیجئے ایک خفیہ اور دوسری داخل کرنا کہ مجموع دونوں لفظین دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ اُن کی جھوٹی تعلیم صرف زبانی اور بجائے خود بطور ایک مذہب جُدا گانہ کے نہ ہوگی بلکہ لکھی جائے گی اور اصل کتاب میں دین کی لکھی جائے گی۔

اور پولوس اپنے نامہ موسومہ غلاطیہ کے پہلے باب میں عیسائیوں کی طرف مخاطب ہو کر لکھتا ہے کہ تم ایک نئی انجیل کی طرف انتقال کئے جاتے ہو کہ وہ مسیح کی انجیل نہیں ہے اور تم میں بعضے ایسے ہیں کہ مسیح کی انجیل کی تحریف کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دیکھو پطرس صاحب کرامت آدمی تھا اس کے کہنے کے موافق ہوا چاہئے۔ اور پولوس نے بھی اس کے آثار از روئے کشف کے دریافت کئے پس قرآن شریف اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی فرماتا ہے کہ پطرس اور پولوس کے کہنے کے موافق واقع ہوا۔ پس اگر پادری لوگ بہ نسبت اناجیل اربعہ کے بھی وہی کہیں جو بہ نسبت توریت کے درباب ان گواہیوں کے جو اشعیا اور ارمیا اور عیسیٰ علیہم السلام نے دیں کہتے ہیں تو ہمارے وہی دونوں جواب یہاں بھی ہیں

یعنی ظاہرا الفاظ حواریوں کے کلام کے ہمارے موافق ہیں۔ پس صرف احتمالی معنی تمہارے مکذب ہمارے نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً بمقابلہ قرآن اور صاحب قرآن کے اور انجیلیں بھی بطور شرح ہیں کما ہو اظہر من الشمس اور پولوس نے یہودیوں کی نسبت بھی کہا ہے کہ یہ تحریف کرتے ہیں۔ ان سب کی تفصیل استفسار نہم میں ہے۔

گیارہویں دلیل۔ بائبل کے نسخ مختلفہ اور السنہ متعددہ کے ترجمے بہت جگہ باہم دیگر ایسا اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ نہ اصل الفاظ کے مشترک المعانی ہونے پر محمول ہو سکتے ہیں اور نہ کاتب اور مترجم کی غلطی پر۔ پس وہ اختلاف نہیں ہے۔ مگر باعتبار اصل عبرانی اور یونانی نسخوں کے۔ اور اگر شاید اور اہل فرنگ کی انجیلیں یکجا کی جائیں تو نہیں معلوم کتنا اختلاف ظاہر ہو۔ چنانچہ اس کا نمونہ کچھ استفسار ششم و ہفتم میں بالاستقلال اور اکثر استفساروں میں ضمناً دکھلا دیا گیا ہے۔

بارہویں دلیل۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کتاب مثلاً شاہنامے کو فرض کیجیے کہ سارے جہان کے ہر ایک آدمی کے پاس ہو اور ہر ایک اپنی جگہ پر کچھ اُس میں دخل و تصرف کرے تو عقلاً ممتنع نہیں ہے۔ غایۃ الامر یہ کہ محال عادی ہوگا اور اگر کوئی ممتنع عقلی کہے تو چاہیے کہ کوئی برہان اس کے امتناع پر قائم کرے اور ہر گاہ محال عقلی نہ ٹھہرا تو تحریف کا ثبوت ویسی ہی دلیل سے ہے جیسی دلیل سے حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی صاحب لوازم نبوت اور صاحب معجزات باہرہ حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازروئے وحی الٰہی کے اس کی خبر دی ہے اور جس حالت میں وہ کتاب اتنی کثرت سے جیسی اب ہے نہ پھیلی ہو۔ بلکہ اکثر صرف انہیں لوگوں کے پاس رہی ہو جن کی بے ایمانیاں حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں نے بیان کیں یعنے علمائے یہود اور بعد اس کے اکثر انہیں لوگوں کے ہاتھ سے آپ لوگوں کو پہنچی جن کی بے ایمانیوں کی دین کی بابت خود آپ لوگ گواہی دیتے ہیں۔ یعنی پوپ لوگ کہ سینکڑوں برس برابر صرف انہیں کا تسلط اس کتاب پر رہا تو اس کی خرابی محال عادی بھی نہ رہی۔ بریں تقدیر بطریق اولیٰ صاحب لوازم نبوت کا سخن اس بات میں عقلاً واجب التسلیم ہے اور کسی طرح عقلاً مخل صحت نبوت نہیں ہو سکتا ہے اور بڑا ظلم اور بڑی بے انصافی اور راہ راست سے بہت کہ آپ لوگ وقوع محال عقلی کے خبر دینے کو مخل صحت نبوت نہیں سمجھتے ہیں اور محال عادی کے واقع ہونے کی خبر کو آپ مخل صحت نبوت جانتے ہیں یعنی خدا کے مجسم ہو کر ظاہر ہونے کی خبر اور اس خبر کو کہ صادر مصدر سے بجمیع الوجوہ مساوی الرتبہ ہے جیسا آپ لوگوں کا ادعائے

دستاویز بائبل حضرت عیسیٰ کی نسبت اعتقاد ہے خبر دینے والوں کی نبوت کا موجب بطلان یا صرف اس استنباط کو باطل نہیں سمجھتے ہیں اور تحریف کی خبر دینے کو کہ عندالانصاف وہ محال عادی بھی نہیں ٹھہرتی محل صحت نبوت حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں ان ھٰذا الشئ عجاب.

اب میں بیان کرتا ہوں پادری صاحب کے خلاصہ دعوے کو اور ان کے استدلال کے خلاصہ تقریر کو.

دعوے یہ ہے کہ تبدیل اور تحریف واقع ہونے کا دعوے محمدیوں کا بہ نسبت رسائل بائبل کے باطل ہے. چنانچہ اس فصل کے آغاز میں گزرا.

خلاصہ تقریر استدلال کا جو صفحہ ۳۱ سے صفحہ ۳۹ تک انہوں نے لکھا یہ ہے کہ محمدیوں سے جو ہم تحریف کے ثبوت کی دلیل مانگتے ہیں تو کوئی شخص کوئی دلیل نہیں بیان کرتا ہے اور سخن بے دلیل قابل اعتبار کے نہیں ہوتا ہے. معہذا از روئے قرآن شریف کے معلوم ہوتا ہے کہ مدعیان تحریف وقوع تحریف کا زمانہ بعد مبعوث ہونے اپنے پیغمبر کے قرار دیتے ہیں. اس صورت میں ہم جو تفتیش کرتے ہیں کہ آیا یہودیوں اور نصرانیوں کے لیے کون امر باعث تحریف کا تھا تو کوئی باعث قرار نہیں پاتا. بلکہ تحریف غیر ممکن معلوم ہوتی ہے. علاوہ بریں کئی نسخے ان کتابوں کے لکھے ہوئے ظہور محمدی سے پہلے کے اب تک موجود ہیں. چنانچہ اڑھائی سو برس پیشتر کا بھی ایک نسخہ بائبل کا موجود ہے. ان نسخوں سے جو ان نسخوں کو جو بعد ظہور محمدی لکھے گئے مقابلہ کرتے ہیں تو کچھ فرق نہیں پاتے. پس معلوم ہوا کہ تحریف کا دعوے غلط ہے.

اس خلاصہ تقریر سے ظاہر ہے کہ اس بحث میں پادری صاحب کی تقریر مشتمل دو باتوں پر ہے. اول یہ کہ مدعیانِ تحریف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے. تو اس کا جواب یہ ہے کہ دلائل دوازدہ گانہ مذکورہ معہ ان استفساروں کے جن میں اُن کی تفصیل لکھی ہے ملاحظہ کیجئے. دوم یہ کہ دعوے تحریف قطع نظر عدم ثبوت کے بعضے وجوہ سے باطل بھی ہے اور بطلان کی دلیل پادری صاحب کی مشتمل ہے پانچ باتوں پر.

اول یہ کہ قرآن کے ظہور کے زمانے تک تحریف نہیں ہوئی.

دوم یہ کہ بعد ظہور محمدی کے کوئی سبب تحریف کا اہل کتاب کے لیے نہیں قرار پایا ہے.

سوم یہ کہ عادتاً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

چہارم یہ کہ اگلے نسخے قبل ظہور محمدی کے بھی موجود ہیں۔

پانچویں یہ کہ وہ نسخے نسخہائے متداولہ سے موافقت کلی رکھتے ہیں۔

سوال کی تقریر پادری صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ قولہ صفحہ ۳۴۔ ادعائے مذکور را تشخیص دادہ معلوم می سازم کہ آیا تحریف کتب مقدسہ دریک وقت واقع گردیدہ است یا نہ بلکہ بجہت زمان چناں تحریف دریں آیات قرآن اندکی خبر دادہ شدہ است در سورۃ الانبیاء است وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ الیٰ قولہ۔ در سورۃ یونس مذکور گشتہ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرؤن الکتٰب من قبلک۔ پس ازیں مواضع قرآن استنباط می گردد کہ تا ایام خروج محمد صلعم کتب مقدسہ اہل کتاب ہنوز تحریف نگردیدہ بود ند والا اگر قرآن بالفرض حق باشد چگونہ می تواند بود کہ خدا در آیات مذکورہ محمد و امتیانش حکم نماید کہ بکتب مسیحیان و یہودیاں رجوع کنند زیرا بیرون از امکان است کہ خدا احدی را بکتابی کہ منحرف گشتہ رجوع نماید۔

جواب: اگر ان آیتوں میں یہ حکم ہوتا کہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرو تو البتہ پادری صاحب کی تقریر فی الجملہ معقولیت رکھتی۔ سو اُس وقت اس کا جواب بھی دیا جاتا اور اب پادری صاحب ناسمجھی کے راہ سے یا عوام کو مغالطہ دہی کے لیے یہ تقریر کرتے ہیں۔ پہلی آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ ہم نے تجھ سے پیشتر کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر منجملہ رجال۔ یہ جواب ان کافروں کو ہے جو کہتے تھے کہ خدا کا پیغمبر چاہیئے کہ فرشتہ ہو اور اس کے بعد انہیں کافروں کی نسبت فرمایا کہ جن کو اگلی باتوں سے آگاہی ہے ان سے پوچھ لو یعنی کہ ایسا ہی ہوا کیا ہے یا نہیں کہ خدا کے پیغمبر مرد ہوتے رہے ہیں یا کوئی اور مرد کے لفظ کہتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ پیغمبران خدا ایسے آدمی ہوتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ فلاناً جوانمرد آدمی ہے۔ اور دوسری آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ اے مخاطب اگر تجھ کو اس آیت تنزیل میں شک ہے تو کتاب پڑھنے والوں سے پوچھ لے۔ توریت کے اکثر مقاموں سے خصوصاً کتاب استثنا کے اکثر بابوں سے ظاہر ہے کہ خطاب موسوی بندائے یا اسرائیل یا اسرائیل ہوتا تھا اور مراد اس سے بنی اسرائیل ہوتے تھی۔ اسی طرح یہ خطاب اگرچہ پیغمبر کی طرف سے ہے مگر مراد وہ لوگ ہیں جو مکلف بتصدیق پیغمبر ہیں۔

اور یہ کلام ان شک کرنے والوں کے خطاب میں ہوگا جو اس جہت سے شک کرتے ہوں گے کہ قرآن میں بہت سے باتیں ایسی لکھی ہیں کہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتی ہیں یا ہماری عقل میں دشوار معلوم ہوتی ہیں یا دنیا کے بندوبست کی ہیں یا مخاطبات آدمیانہ اس میں واقع ہیں اور خدا کا کلام چاہیئے کہ کچھ اور ڈھب کا ہوتا اور اس میں ایسی باتیں نہ ہوتیں. سو ایسے شک کرنے والے کو فرمایا کہ توریت اور انجیل کو جو پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لو کہ خدا ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے یا نہیں. اور یہ ظاہر ہے کہ علمائے یہود اور نصاریٰ بہ نسبت جمہور مشرکین عرب کے ان باتوں سے کہ خدا کے پیغمبر مرد ہوتے رہے ہیں یا کیا اور خدا کس طرح کا کلام انبیاؤں کے پاس اتارتا آیا ہے ایسے مطلع تھے جس کا بیان نہیں ہو سکتا. پس ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا ان آیتوں میں کچھ ذکر ہی نہیں ہے اور ان دو باتوں کے دریافت کرنے کو اہل کتاب کی وثاقت بھی شرط نہیں. اس لیے کہ یہ باتیں علوم غامضہ اور نکاتِ خفیہ میں سے نہ تھیں تا ان میں سے واقف کار کا چھپانا چل جاتا.

قولہ در سورہ بقرہ نوشتہ شدہ است یابنی اسرائیل لاتلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون. اس آیت کو ہر چند پادری صاحب اپنے اثبات دعوے میں نہیں نقل کرتے ہیں بلکہ در بیان ادعائے قرآن اس کا ذکر لائے ہیں مگر ناسمجھوں کے لیے یہاں بھی کہے دیتا ہوں کہ اس آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کو منع کرتا ہے کہ تلبیس بین الحق والباطل اور کتمان حق نہ کیا کرو جیسا کہ اشعیا اور ارمیا بنی منع کرتے تھے اور یہ بات کسی لفظ سے نہیں مستنبط ہوتی ہے کہ توریت وانجیل میں تغیر وتبدل اسی زمانے سے شروع ہوئی ہے. اول تو کتاب کا یہاں لفظ نہیں دوم یہ کہ کوئی ایسا کلمہ نہیں ہے جس سے نفی تلبیس سابقہ بوجھی جاتی ہو چہ جائیکہ ظاہر ہو.

قولہ در ہماں سورہ مسطور است افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون. اس آیت کو لانا بھی پادری صاحب کا اس مطلب سابق الذکر کے لیے نہیں معلوم ہوتا ہے. مگر اس مقام پر انہوں نے عبارت ایسی خراب لکھی ہے کہ اس سے کچھ صاف مطلب پادری صاحب کا نہیں کھلتا. اس لیے میں اس کے معنی بھی کہے دیتا ہوں. اس آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ ان لوگوں سے حق شنو ہونے کی امید کیا رکھتے ہو ان میں تو ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ جان بوجھ کے کلام الٰہی کو وضع حق سے منحرف کرتے ہیں. یعنی جیسے

کلام الٰہی جانتے ہیں اس میں خرابیاں ڈالتے رہے ہیں تو اور کسی کی کا ہے کو سنیں گے اور باپ دادوں کی شناعت کو اولاد کی طرف منسوب کرنا اور اسی طرح اسلاف کی محمدت کو اخلاف کے ساتھ نسبت دینا بروقت مشاہدہ آثار شناعت یا محمدت کے ہر زبان اور ہر محاورے میں مروج ہے۔ چنانچہ توریت اور انجیل میں بھی ہے۔ پس یہ آیت تو مکذب ہے پادری صاحب کے دعوے کی یعنی اس میں تنصیص ہے کہ آگے لوگ اس فرقے کی تحریف کرتے رہے ہیں۔

قولہ در سورۂ بیّنہ نوشتہ شدہ است۔ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ۔ الیٰ قولہ از آیات آخریں اگر بالفرض قبول نمائیم کہ ایں ادعائے قرآن درست است ایں صادر میشود کہ یہودیاں و مسیحیاں کتب مستعملہ خود شاں بعد از خروج و آغاز تعلیم نمودن محمد صلعم تحریف نمودہ اند زقبل نہایت مفسران قرآن ہمیں مطلب را بدیگر زیادہ بیان ساختہ می گویند کہ مسیحیان و ہم یہودیاں در انتظار ظہور محمد بودند لیکن بعد از خروج او از زیادہ نقص و عداوت او را رد کردہ تمامی یا اکثر آں آیاتے کہ در ضمن آنہا بآمدن محمد صلعم اشارہ رفتہ بود از کتب مقدسہ مستعملہ خود شاں اخراج نمودند۔ اس تحریر سے ظاہر ہے کہ محل استدلال پادری صاحب کا آیات سورۂ بیّنہ میں یہ جملہ ہے۔ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینۃ۔ سو اس آیت کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ اہل کتاب اپنے عقائد باطلہ سے جدا اور اپنے دین سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ مگر جب کہ یہ نبی مبعوث ہوئے بعضی یہودی تکذیب عیسوی اور بعضی نصاریٰ تثلیث سے باز نہیں آئے مگر بعد اس نبی کے ظہور کے۔ پس ان معنوں میں پادری صاحب کے استدلال کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور جب ایک معنے اس آیت کے یہ ٹھہرے تو یہ دعوے پادری صاحب کا کہ قرآن سے ان کا مطلب ثابت ہوتا ہے غلط ہو گیا۔

دوسرے معنی وہ یہ کہ اس نبی سابق الانتظار کے اعتقاد رکھنے سے جدا یا اس کے اعتقاد رکھنے میں مختلف و متفرق نہیں ہوتے مگر جب کہ یہ نبی آیا۔ ان معنی کی راہ سے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی آخر الزمان کی بشارتوں میں اس کے ظہور کے زمانے تک کچھ تحریف و تبدیل واقع نہیں ہوئی

ورنہ وہ اس کے منتظر نہ ہوتے اس طرح پر کہ وہ جب وہ آوے گا تو ہم مانیں گے اور اس پر ایمان لاویں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس استدلال سے در صورتیکہ صحیح اور درست کیا جائے۔ اتنا ہی ثابت ہوا کہ صرف نبی کے لیئے جو بشارتیں تھیں ان میں تحریف وتبدیل واقع نہیں ہوئی مگر بعد ظہور اس نبی کے۔ نہ یہ کہ بائبل بھر میں اور کہیں کسی طرح کی خرابی نہیں ڈالی گئی مگر بعد ظہور اس نبی کے۔ اور جب کہ ان معنوں سے بھی یہ نہ نکلا تو پادری صاحب کا استدلال اس آیت سے درباب مسلم رہنے تمام بائبل کے تحریف سے قبل بعثت مصطفوی کے غلط ہو گیا اور اگر کوئی کہے کہ آنحضرت کی بشارات کے مقاموں پر بھی اگلے نسخے جن کا پتہ پادری صاحب نے دیا موافق انہیں نسخوں کے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجرد دعوئے پادری صاحب کا درباب موجود ہونے کے اب تک تیرہ سو یا پندرہ سو کی لکھی ہوئی کتاب کے قابل سماعت کے نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کی روایت اور درایت اور تعصب کا حال معلوم ہو گیا اور اتنے دنوں کا غذ اور اس کے حروف کا باقی رہنا ایسا کہ اس کے پڑھنے میں شبہ نہ پڑے۔ منجملہ محالات عادیہ ہے کسی پوپ وغیرہ نے ابتدا میں مسلمانوں کے الزام دینے کے لیے کسی نسخے کو ظاہر کیا ہوگا کہ یہ ظہور محمدی سے پہلے کا ہے اور غالباً اس کا خط بھی اب کسی سے نہ پڑھا جا سکتا ہوگا۔ اور یہاں اتنا یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہم جو از روئے قرآن کے مدعی ہیں کہ توریت وانجیل میں ہمارے پیغمبر کی خبر ہے۔ تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح لکھی ہوئی ہے جیسے قبالوں اور چہرہ نویسیوں میں لکھی جاتی ہے۔ بلکہ ہماری وہی مراد ہے جو ہم اتقسار شانزدہم میں لکھ آئے ہیں۔

قولہ صفحہ ۳۶۔ آیا مسیحیان و یہودان بسبب مرتکب گشتن چنین امر حقیقتے و سببے داشتہ اند یا نہ آیا بعلت تحریف نمودن کتب مقدسہ از برائے خود شاں فائدہ تحصیل می نمودند تا پیش محمد صلعم و امت او محترم می گشتند یا دولت حاصل میکردند۔ الیٰ قولہ۔ رضامندی وخوشنودی خدا را بسبب این امر شامل حال خود می ساختند وحاشا و کلا۔ یعنی یہ دونوں باتیں بے جا ہیں۔ اقول۔ غور کیجیے یہاں تو بحث ہے پیغمبر خدا کے ساتھ حسد وعداوت کرنے کی۔ بس ان احتمالوں کے نکالنے کا سبب کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مگر پادری صاحب کی یا فہمید درست نہیں ہے یا عوام کو دھوکا دینا منظور ہے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی سبب نہیں تھا بجز ان سببوں کے جن سببوں سے یہودیوں نے اگلے تحریف

کی تھی جس کی گواہی اشعیا اور ارمیا اور عیلی اور پولوس حواری نے دی اور ویسے ہی اسباب ان کو پھر اور عیسائیوں کو بھی بعد حضرت عیلی کے پیش آئے جس کی خبر پطرس حواری نے دی تھی اور پولوس نے انہیں دنوں اس کے آثار عیسائیوں میں دیکھے تھے اور وہی اسباب تھے جن کی جہت سے موسےٰ کی کتاب میں وہ دخل و تصرف واقع ہوا جس کی گواہی بائبل کے شارحوں نے دی۔ اور وہی اسباب تھے جن کی جہت سے وہ خرابیاں بائبل میں پڑیں۔ جن کا اقرار ار بانوس شامن وغیرہ نے کیا اور ان سے کچھ ان خرابیوں کی توجیہ نہ بن پڑی سوائے اس کے کہ انبیاء اور روح القدس ایسی ہی غلط پلط بتاتے رہے ہیں اور وہی اسباب خرابی کے تھے جن کی جہت سے خدا کا کلام آدمیوں کے کلام سے مخلوط اور ممزوج کر کے لکھا گیا۔ اور وہی اسباب خرابی کے تھے جن کی جہت سے انجیلوں کی روایتوں میں اختلاف ہوا۔ اور وہی اسباب خرابی کے تھے جن کی جہت سے اب بھی وہی کمی بیشی اپنی آنکھوں سے ہم نسخہ ہائے مختلفہ میں دیکھتے ہیں بس بعد اتنی گواہیوں اور اپنے مشاہدے کے کچھ تعین اسباب کی ضرورت ہمیں آپ لوگوں کے مقابلے میں نہیں ہے۔ مگر تھوڑے سے احتمالات جائزہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں دیکھ لیجیے۔

اور ہر گاہ ایسی خرابیاں واقع ہوئیں اور اسباب بھی عقلاً بہت نکل سکتے ہیں تو محال عادی ہونے کی تقریر جو پادری صاحب بہ نسبت تحریف کے لکھتے ہیں۔ چنانچہ آخر کار صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے کہ تحریف ساختن کتب مقدسہ مستعملہ خود شان محال وغیر ممکن بود۔ محض فضول اور بے ہودہ ہوگئی اس لیے کہ استبعاد عقلی وہیں تک ہے جہاں تک دیکھا نہیں اور جب ہم نے اپنی آنکھوں سے بائبل کی خرابیاں دیکھیں اور اگلے پیغمبروں اور حواریوں اور علمائے ملت مسیحیہ کی گواہیاں سُنیں تو وہ استبعاد محض واہی ہو گیا اور اصل منشاء اس استبعاد کا یہ ہے کہ ظاہرا پادری لوگ جانتے ہیں یا مغالطہ دہی کے لیے ظاہر کرتے ہیں کہ نسخہ ہائے کتب دینیہ کی فراوانی جیسی اب ہے ایسی ہی ہمیشہ سے چلی آتی ہے حالانکہ یہ بات محض غلط ہے۔ ہر گز ایسی افراط نہ تھی صرف پوپوں کے پاس کتب دینیہ ہوا کرتی تھیں اور اور لوگوں کے پاس نہایت کم کہیں ہزاروں میں دو ایک کے پاس۔

اور دوسرا سبب اس استبعاد کا یہ ہے کہ جانتے ہیں کہ صرف دوسرے دین کے ساتھ عداوت رکھنے سے ایسا کچھ کیا کرتے ہیں۔ سو یہ نہ ہوا ہو گا مگر بعد ظہور دین محمدی کے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے صرف آپس کی عداوتوں کے سبب سے بھی اہل علم جو خدا سے نہیں ڈرتے اپنی بات کی سرسبزی

کے لیے تحریفیں کیا کرتے تھے۔ سو یہ ہوتے ہوتے وہ نسخے محرفہ پھیل پڑے اور اصل نسخے بسبب قلت کے کم ہو گئے اور بڑی خرابی تو یہی ہوئی کہ توریت و انجیل میں کلام الٰہی کو کلام نبی اور غیر نبی سے مخلوط اور ممزوج کر کے لکھا۔

قولہ صفحہ ۳۹۔ و ایں مرحلہ کہ کتب عہد عتیق و جدید فی الحقیقت تحریف و تبدیل نگشتہ اند بالتمام واضح و مشخص میگردد وقتی آں نسخہ ہائے کتب مقدسہ کہ از ایام القدیم الی الآن ماندہ رجوع کنیم زیرا کہ حال چناں نسخہ ہائے کتب قدیم موجود ہستند کہ بسیار قبل از ایام محمد در زبان یونانی کہ اصل زبانِ انجیل ست بدستیاری قلم نوشتہ شدہ تا ایں زماں ماندہ و در بعضی از انہا کتب عہد عتیق و جدید بالکلیہ مسطور اندر و در بعضی ہا چند حصہ از انہا ترقیم یافتہ است۔ از انجملہ یک جلد از ینگونہ کتب کہ دو بیست و پنجاہ سال پیش از ہجرت بتوسط قلم سمت تحریر یافتہ تا زمان ما باقی و مسمی بہ قدکس واطیکانوس گشتہ در کتب خانہ شہر روم واقع ست و یک جلد دیگری کہ دو بیست سال پیش از ہجرت بتوسط خامہ مرقوم گشتہ در کتب خانہ برطینہ موجود ست کہ در شہر لندن واقع است و آں را قدکس الکسندریونس می نامند۔ الیٰ قولہ۔ اگر آں نسخہ ہا را کہ پیش از محمد صلعم بتوسط قلم مرقوم گشتہ بان نسخہ ہائے کہ بعد از وے ہماں دستور تحریر یافتہ اند مقابلہ می نمایم الیٰ قولہ موافقت کلی دارد۔

معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب کو صاحبان عالی شان جو عدالتوں کا کام رکھتے ہیں اُن سے صحبت نہیں رہی ہے تا کہ انہیں معلوم ہوتا کہ متخاصمین جو بہت پُرانی دستاویزیں بعضے مقدمات میں پیش کیا کرتے ہیں تو کیا صرف پُرانے کاغذ ہونے اور اگلے زمانے کی تاریخ لکھے ہونے سے وہ اسی زمانے کی سمجھ لی جاتی ہیں اور ان پر یقین یا ظن غالب ہو جایا کرتا ہے حاشا و کلا۔ پس ہرگاہ کہ دُنیا کی نزاع میں صرف پُرانا ہونا کاغذ کا مثبت اس امر کا نہیں سمجھا جاتا ہے کہ بہت دنوں کا یہ لکھا ہوا ہے تو دین کی نزاع میں یہ کیونکہ سمجھا جائے گا۔ خصوصاً جب کہ وہ زمانہ ایسا ہو کہ مقتدایانِ دین عیسائی اس زمانے کے ایسے نہ ہوں جیسے صاحبانِ انگریز ہوتے ہیں بلکہ وہ دین کے بڑے خائن اور دغا باز ہوں جنہیں پوپ اور پاپا کہتے ہیں۔ پس بلا ثبوتِ اسناد ان نسخوں کی قدامت مظہرہ پادری صاحب قابل تسلیم نہیں۔ خصوصاً بمقابلہ اقرار شارحین بائبل اور اراونس شامن وغیرہ کے کہ اگر وہ کتابیں اگلی صحیح ہوتیں تو یہ خرابیاں جن کا مشار الیہوں کو اقرار ہے۔ کیونکہ واقع

ہونے پاتیں، اور یہ گفتگو اس وقت ہے جب کہ فرض کیا جائے کہ پادری صاحب سچے ہیں اور وہ کتابیں موجود ہیں اور ان میں تاریخ ختم کتاب کی بھی لکھی ہوئی ہے اور وہ کتابیں بخوبی پڑھی بھی جا سکتی ہیں۔ ورنہ ابھی ہم کو تو یہ روایت ہی غلط معلوم ہوتی ہے۔

علاوہ بریں بڑی خرابی بائبل میں یہ واقع ہوئی کہ کلام معصوم اور غیر معصوم ممزوج اور مخلوط لکھا گیا اور یہ خرابی تو ابتدا سے واقع ہوئی ہے اور خاص انجیل کی نسبت بڑی دوسری خرابی اور ہوئی کہ صرف اس کا ترجمہ یونانی اصل قرار پایا اور کلام عیسوی بلفظہ جو عبرانی تھا باقی ہی نہیں رہا پس حضرت سرور کائنات کا نام تو پہلے ہی سے بدل دیا گیا گو کہ از راہ خیانت نہ بدلا، بلکہ صرف عادۃً بدلا۔ پس اناجیل کے اگلے نسخوں کی صحت اور ان نسخوں کی مطابقت اس تغیر اور تبدل کو کیا کرے گی اور کیا فائدہ بخشے گی۔ علاوہ بریں ایک بڑی دلیل پادری صاحب کی غلطی کی ہے وہ یہ کہ وہ ان نسخوں کو جو بالفعل متداول ہیں باہم دیگر متوافق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ہمدیگر نہیں متوافق ہیں چنانچہ ہمارے اگلے سب استفساروں سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہو گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسی طرح پادری صاحب کا یہ بھی دعوے ہے کہ نسخہائے متداولہ اگلے نسخوں سے ملتے ہیں۔ بالجملہ پادری صاحب کی بڑی مضبوط دلیل دعوے سابق الذکر کے لیے جو تھی سو وہ بالکل نکمی ہو گئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

قولہ صفحہ ۴۰۔ دلیل دیگر جہت ثبوت مطلب مزبورہ از آں کتب مرقومہ معلمان و کشیشانیکہ بعد از حواریاں بودہ اند یافت میشود۔ الیٰ قولہ و ہمگی آں معلماں یا شاگرداں حواریاں عیسٰی یا شاگرداں شاگرداں حواریاں بودہ اند۔ الغرض از نود سال بعد از صعود مسیح ہستند۔ الیٰ قولہ۔ و دیگر در سنوات صدِ ثالث سنہ مسیحیہ۔ الیٰ قولہ بعضے کتب تصنیف گشتہ تا حال ماندہ اند و ہمچنیں ایں اشخاص الیٰ قولہ کہ در سنوات ۴۰۰ و ۵۰۰ مسیحیہ کہ ۲۰۰ و ۱۰۰ قبل از ہجرت بودہ باشد کتب بسیاری تصنیف نمودہ گذاشتہ اند کہ تا حال نیز باقی می باشند۔ الیٰ قولہ و اکثرے از انہا مشتمل بر تفسیر کتب عہد جدید و عتیق می باشند و بہمیں علت اکثر مواضع عہد عتیق و جدید در آں تستطیر یافتہ است و اکثر مواضع مسطورہ کتب مقدسہ کہ در انہا است باں نسخہ ہائے کتب مقدسہ کہ الی الآن درمیان مسیحیاں مستعمل است مقابلہ می نمایم سر آئینہ آشکار می گردد کہ تمامی آں آیات کہ معلمان مذکورہ در کتب خود از کتب

مقدسہ ذکر کردہ اند بعینہ چناں اند کہ حال در نسخہ ہائے مستعملہ مسیحیان مرقوم اند۔

جواب: جو لوگ کہ تین سو چار سو برس بعد مسیح کے تھے ان کے لکھنے کا تو کچھ اعتبار ہی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اُن پر شبہ بھی دیانت کا نہیں جاتا۔ اس لیے کہ وہی پوپ لوگ تھے یا مثل ان کے اور جو اواخر قرن اول یا اوائل قرن ثانی مسیحی میں تھے ان کے کلام کی ان تک سندیں چاہیے اس لیے کہ ان کی خود کی لکھی ہوئی بقید تاریخ اور نام کاتب کوئی کتاب نہیں ہے اور ظاہرا پادری صاحب کی تقریر سے یہ بوجھا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا ظاہری حال یعنی ان کا منجملہ تابعین ہونا مشتبہ ہے۔ پس وثاقت ان کی جس کا ثبوت موقوف ہے بہت تفتیش پہ بالکل مشکوک ہوگئی بریں تقدیر مستور الحال لوگوں کی روایتوں کا از روئے ضابطہ سابقۃ الذکر کے کچھ اعتبار نہیں۔

علاوہ بریں میں کہتا ہوں کہ ان کتب قدیمہ کے ہوتے ہوئے وہ خلل جس کو شارحین بائبل اور صاحب کلیسائے روم معہ جماعت علمائے مسیحی بیک زبان نقل کرتے ہیں اور وہ فساد جو اختلاف نسخوں سے ظاہر ہے کیونکہ واقع ہوا اور ہرگاہ واقع ہوا تو ان کتابوں کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ یقین ہے کہ ان کے نسخے بھی ایسے ہی مختلف ہوگئے ہوں گے اور ان میں بھی ایسا ہی فساد ہو گیا ہوگا۔

اور قطع نظر اس کے خود ہی پادری صاحب کے لکھنے سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں عہد عتیق اور عہد جدید کی عبارتیں اس طرح نہیں لکھی ہیں جیسے شروح حامل المتن میں لکھی جاتی ہیں بلکہ شاید کلام عیسوی اسی طرح اس میں ہوگا جیسے حکمت یا وعظ کی کتاب میں ہوتا ہے کہ اکثر جگہ قرآن یا حدیث کے جملے لے آتے ہیں۔ بس ہم اس کے کب قائل ہیں کہ توریت و انجیل سراسر بالکل بدل ڈالی گئی ہے یا انجیل خالص کسی حواری نے نہیں لکھی تھی۔ سو اگر وہ کتابیں بفرض محال صحیح اور درست پائی بھی جاتی ہوں اور اُن کے لکھنے والوں کی وثاقت بھی مسلم رکھی جائے تب بھی منطبق ہونا ان کا بعض مواقع میں نسخہ ہائے متداولہ سے نہ ہمارے مضر ہو سکتا ہے اور نہ پادری صاحب کے مفید۔ معہٰذا وہ خرابی جو ابتدا سے پڑی یعنی مخلوط ہو جانا کلام معصوم کا کلام غیر معصوم کے ساتھ اس کو وہ کتابیں کیا کریں گی اور کیونکر اصلاح کر سکتی ہیں اور یہ سب تقریریں اس صورت میں ہیں جب کہ ایسی کتابیں واقع میں موجود ہوں ورنہ ہمیں ابھی اس میں شبہ ہے کہ کوئی کتاب تصنیف اس زمانے

کی ہو. کیونکہ پادری صاحب کا جھوٹ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۲: قطع نظر ازیںہا بعد از وفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمر خلیفہ چند کتب خانہائے عظیم مسیحیاں آں ایام را بحیطہ تصرف درآوردہ۔ الیٰ قولہ۔ دریں صورت بجہت تابعاں محمد بکمال آسانی امکان داشت کہ از نسخہ ہائے قدیمی کتب مقدسہ واز کتب معلماں قدیمی مسیحیاں ضبط نمودہ در وقتی ادعائے تحریف باباز آں نسخ قدیم ادعائے مطلب خود شاں را ثابت سازند۔ حالانکہ بعد از ضبط وتصرف کردن آں کتاب خانہ ہا عمر بسوزانیدن آنہا حکم داد۔

جواب: سرگاہ پیغمبر خدا کو تئیس برس دعوت کرتے گزرے اور کئی برس بعد ان کے حضرت عمرؓ کی اس حرکت کے زمانے تک گزرے اور اس عرصے میں بڑے بڑے اہل علم اور اہل دولت عیسائی اور کتنی ایک بڑے بڑے اہل علم یہودی بلا اکراہ اور بلا اجبار صرف بطوع ورغبت مسلمان ہوئے اور پیغمبر خدا کی پیغمبری کی گواہی دی اور اپنی قوم کو الزام دیتے رہے اور اور مسلمانوں کو از روئے ان کی گواہیوں اور بھی از روئے دلیل دوازدہم تحریف کے تحریف معلوم ہو چکی تھی تو پھر حضرت عمر کیوں ایسی کتابوں کو جو بمقابلہ قرآن شریف از روئے دلائل مزبورہ ردی تھیں باقی رکھتے اور اہل کتاب کو الزام دیا کرتے اور جائز ہے کہ بعد الزام دینے کے جلا دیا ہو اور جو کتابیں انہوں نے جلائیں سو وہ تھیں جو ضبطی میں آئی تھیں نہ یہ کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر خانہ تلاشی کروا کر جلائی ہوں اور جو کوئی یہ ظاہر کرے تو جھوٹا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کتب یہودیہ بقول تمہارے حضرت عیسیٰ کے زمانے تک بلکہ اب تک صحیح اور درست باقی ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ کی خبریں اس میں لکھی ہیں. معہذا باوجود مشاہدہ معجزات عیسویہ کے لاکھوں کروڑوں یہودیوں میں سے صرف سو سوا سو آدمی چند سال میں حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے اور حضرت سرور کائنات کی خبر اس تحریف کے بعد بھی اب تک تمہاری کتابوں سے اس کیفیت سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حق میں ایک خبر بھی ویسی مفسر اور جلی عہد عتیق میں نہیں ہے معہذا کوئی عیسائی نہیں مانتا۔ اور حضرت سرور کائنات کا نام جس کے ہونے کی انجیل میں قرآن شریف خبر دیتا ہے. وہ تو مترجم یونانی نے موافق اپنی عادت کے پہلے بدل ڈالا تھا اور اس کی تفسیر روح القدس کر کے شاید سوء فہمی کی جہت سے پہلے ہی انجیل میں داخل کر دی ہوگی۔ پس اگر

تصرفات حضرت سرور کائنات کی خبروں کی نسبت اس وقت تک نہ بھی ہوئے ہوں تو بھی اتنا تصرف واسطے ساقط اور فوت ہوتے ہمارے مطلب کے کیا کم ہے۔ سوان کتابوں کو باقی رکھنا حضرت عمر فضول سمجھے۔

بالجملہ پادری صاحب کی یہ تعریض حضرت عمر کی طرف محض مغالطہ دہی کے لیے ہے عقلاً کسی پادری صاحب کے مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔

اور پادری صاحب نے اس فصل کے آغاز میں لکھا ہے۔ صفحہ ۴۱: ایشان یعنی مسلمان در باب اداے جواب قاطع ایں چہار مسئلہ کہ آیا کتب مقدسہ عہد عتیق و جدید در چہ زمان و بواسطہ کیان و بچہ نوع تحریف گشتہ و کلمات منحرفہ کدام اند تاحال مدیون مسیحیان می باشند۔

جواب: یہ دین مسلمانوں کے ذمہ ایسا ہے جیسے یہودیوں کا اشعیا اور ارمیا اور عیسٰی علیہم السلام اور پولوس کے ذمے باقی رہا اور بے ادائے دین وہ سب کے سب اس جہان سے چلے گئے۔ اور ایسا ہی دین در باب انجیل پطرس اور پولوس کے ذمے عائد ہوتا ہے یعنی پطرس نے خفیہ راہیں داخل کرنا عیسائیوں کا بتایا اور یہ نہ بتایا کہ کیسی باتیں اور کب کس طرح داخل کریں گے۔ اور پولوس نے کہا کہ بعضے عیسائی لوگ ارادہ کرتے ہیں یا کریں گے کہ انجیل حقیقی کو منحرف کریں اور یہ نہ کہا کہ کس طرح کی تحریف کریں گے اور یہ سب دیون بہت کم ہیں اس دین سے جو حضرت عیسٰی کے ذمے در باب پیشین گوئی ہو کے باقی رہا۔ یعنی حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ میرے بعد زلزلے آویں گے اور لڑائیاں ہوں گی اور ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کرے گی اور کچھ تعین اشخاص اور تصریح زمان و مکان کی نہ کی تاکہ ان کی صداقت اس خبر میں ظاہر ہوتی اور اس طرح مجمل تو ہم بھی کہہ کر سچے ہو سکتے ہیں۔

اور ذرا انصاف کیجیے کہ عدم تعین و تصریح زمان و مکان اور خصوصیات مورد و مصداق کے سبب سے پیشین گوئی میں جو خلل لازم آتا ہے کیا ویسا ہی خلل عدم تعین مانع تحریف میں بھی لازم آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا بالا جمال بتایا اور چاہتا تو تفصیل وار بتا دیتا۔

اور پادری صاحب نے صفحہ ۴۲ میں جو اہل تشیع اور اہل سنت جماعت کا جھگڑا بنسبت قرآن شریف کے لکھا ہے سو قطع نظر اس بات سے کہ اہل تشیع کا سخن اس بات میں کیا ہے اور

ان کے جمہور جہابذہ علماء کا مختار کون سا امر ہے اور عند الاستدلال قرآن شریف سے بڑھ کر ان کے یہاں کوئی کلام کسی معصوم کا ہے یا نہیں۔ اور نماز میں قرآن کی جگہ اور کلام کوئی ان کے یہاں پڑھنے کے لیے ہے یا نہیں. اگر بفرض محال سارے اہل اسلام درباب صحت او صال اس قرآن شریف کے متردد ہوں تب بھی پادری صاحب کا مطلب نہیں نکلتا. ہاں اگر درباب تحریف یا جواز تثلیث نصاریٰ یا ثبوت اعجاز مصطفوی کے سُنّی اور شیعوں میں اختلاف ہوتا تو البتہ پادری صاحب کے مفید مطلب تھا. جیسے بعضے عیسائیوں کا انکار کرنا مسئلہ تثلیث سے بمقابلہ مذہب نوعی نصاریٰ کے ہمارے مفید ہے.

علاوہ اس کے درباب ابطال گمان شرذمہ قلیلہ شیعوں کے جو بہ نسبت حضرت قرآن شریف کے ان کو ہے سہم لوگوں کا جو استدلال ہے اس کو دیکھ لیجیے یہاں محل اس کے ذکر کا نہیں ہے بالاجمال اس کا ذکر اٹھارہویں استفسار میں آوے گا۔

خلاصہ اس باب کا یہ ہے کہ قرآن کی رو سے توریت انجیل کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے اور منسوخ ہونا شریعت سابقہ کا کسی طرح جائز نہیں مگر یہ کہ ظاہر سے مبدل بباطن ہو جائے اور تحریف کا دعوے ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس نظر سے کہ از روئے قرآن معلوم ہوتا ہے کہ تحریف کا زمانہ محمدیوں کے نزدیک بعد ظہور مصطفوی کے ہے. سو اگلی کتابیں قدیم موجود ہیں وہ انہیں نسخہ ہائے متداولہ کے مطابق ہیں. پس قطع نظر عدم ثبوت اس دعوے کے وہ دعوے بجائے خود غلط بھی ہے.

اور خلاصہ اس باب کے جواب کا یہ ہے کہ قرآن سے کہیں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ توریت وانجیل میں کچھ خلل نہیں آنے پایا ہے اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زمانہ تحریف کا بعد ظہور مصطفوی کے ہے اور تحریف بارہ دلیلوں سے ثابت ہے اور نسخ بھی اگلی شریعت کا پچھلی شریعت سے از روئے بارہ دلیلوں کے ثابت ہے.

آمدم بر باب سوم

قولہ فصل اول صفحہ ۱۹۱: در تحقیق و تشخیص آں ادعا است کہ میگویند کہ خبر رسالت محمد صلعم در کتب عتیق و جدید مسطور است. اس فصل کے مراتب مندرجہ کی تحقیق ہمارے استفسار شانزدہم میں دیکھ لو.

مگر انصاف کی نظر سے دیکھو۔

قولہ فصل دوم در تفتیش و تشخیص اینکہ آیا عبارت قرآن دلیل از خدا بودن آں می تواند یا نہ۔

قولہ صفحہ ۲۰۲: اولاً اگر بالفرض قبول کنیم کہ عبارت قرآن دلیل از برائے حق بودن آں باشد باز دلیل ناقص است بسبب آنکہ محض آں کسانیکہ زبانِ عربی را تماماً و کاملاً خواندہ سررشتہ کلی دراں زباں دارند ایں دلیل را مے توانند فہمید و بس لیکن سائر اشخاص عالم فی نفسہ خود شاں بفہمیدن ایں دلیل ابداً قادر نخواہند بود۔ اس قول میں اتنی بات درست ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن کو عربی دانی کی نہایت تکمیل ہے وہ تو البتہ کچھ وجوہ اعجاز عبارت قرآن کے سمجھ سکتے ہیں اور کوئی تحقیقاً نہیں سمجھ سکتا مگر بایں معنی کہ عربوں کی گواہیاں اسباب میں متواتر اور بکمال شہرت ثابت ہیں اور یہ جو پادری صاحب نے کہا کہ دلیل ناقص ہے۔ پس ناقص ہونا اگر اس سبب سے ہے کہ سوائے مہرہ زبان عربی کے اور کوئی برسبیل تحقیق اس کے اعجاز کو نہیں سمجھ سکتا۔ مگر اس طرح کہ جو ماہران زبان عربی اس کے اعجاز کے از روئے عبارت کے قائل ہیں تو یقیناً یہ معجزہ ہے۔ تو چاہیئے کہ جتنے معجزات فعلیہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ اور انبیائے بنی اسرائیل کے ہیں بالکل بہیئت مجموعی بھی در باب ثبوت اُن کی نبوت کے دلیل ناقص ٹھہریں۔ چہ جائیکہ ہر واحد ان معجزوں سے۔ اس لیے کہ سوائے ان لوگوں کے جن کے سامنے وہ معجزے ظاہر ہوئے تھے جس نے ان پیغمبروں کا اعجاز قبول کیا محض اس طرح قبول کیا کہ اگلوں نے اس کی گواہی دی ہے۔ پس اس معجزے کو ناقص کہنا سب انبیاؤں کے دلائل نبوت کو ناقص ٹھہرانا ہے۔

اور غور کیجیے کہ قرآن کی عبارت کا اعجاز اب بھی ماہر لسان عربی کو برسبیل تحقیق معلوم ہو سکتا ہے بخلاف اگلے انبیاء کے سب معجزے کہ اب کسی کے تسلیم کی صورت بجز اگلوں کی گواہیوں کے برسبیل تحقیق دگرگوں نہیں نکل سکتی۔ تو بہ نسبت قرآن کے معجزات موسویہ اور عیسویہ انقص ٹھہرے۔ اور تقریر اعجاز قرآن کی از روئے قرآن کے استفسار پانزدہم میں دیکھیے۔

قولہ صفحہ ۲۳: ثانیاً اگرچہ قبول نمایم کہ بلے تا حال در لسان عربی مانند قرآن کتاب یا عبارتی نہ نوشتہ شدہ است از یں محض ایں صادر می شود کہ قرآن در لسان عرب از تمامی کتب عرب در عبارت افضل است نہ آنکہ عبارت قرآن از تمامی کتب لسانہائے مختلف کہ در جہاں می باشند افضل یا

کلام الٰہی باشند پوشیدہ نماند کہ در زبانہائے یونانی ولاطینی وانگلش وغیرہ وسائر لسانہا چنیں کتاب تصنیف گشتہ اند کہ در عبارت بالمراتب از قرآن افضل اند۔

افسوس پادری صاحب معجزے کی حقیقت سے نہیں مطلع ہیں اور نہ اس بات سے کہ الزام حضرات انبیاء کا نسبت مکلفین دربارہ تصدیق ان کی نبوت کے از روئے معجزات کے کیونکر تمام ہو جاتا ہے اور ہمیں بیان کرنا بھی ضروری نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بڑا دانا جانتے ہیں ان سے انبیاء کی باتیں چھپی رہیں۔ پس اس سے اغماض کر کے میں پوچھتا ہوں کہ آیا جس طرح صاحب قرآن نے سرًا وعلانیتہً واولاً وآخرًا قرآن کی عبارت سے بدعوئے نبوت اپنے عہد کے منکروں کی تحدی کی اور حکم ناطق دیا کہ ہرگز ایسا کلام تھوڑا سا بھی یعنی جس قدر کہ اہل انشاء کے نزدیک واسطے دریافت طرز ہمدیگر کے درکار ہے۔ تم لوگ نہ لا سکو گے اسی طرح کیا ان کتاب والوں نے بھی جس کا ذکر پادری صاحب نے کیا بدعوئے نبوت اپنے کلام کو معجزہ قرار دے کر تحدی کی تھی۔ حاشا وکلا یہ بات محض غلط ہے کسی نے تحدی نہیں کی۔ من قال فعلیہ الاثبات۔

اور اگر پادری صاحب کا یہ مطلب ہے کہ بنظر ظاہر وہ کتابیں اپنی اپنی زبانوں کی راہ سے فصاحت اور بلاغت میں قرآن شریف کے مشابہ ہیں سو قطع نظر اس بات سے کہ پادری صاحب کی روایت اور درایت کا اعتبار ہے یا نہیں اور بھی قطع نظر اس بات سے کہ پادری صاحب کو ان میں سے کسی زبان کی بلاغت اور غیر بلاغت کے پہچاننے کا سلیقہ ہے یا نہیں چہ جائیکہ بلیغ اور ابلغ میں امتیاز کرنا کہ یہ تو بالیقین پادری صاحب کو حاصل نہیں۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ بالاتفاق ثابت ہے اور سب عقلاء جانتے ہیں کہ بہت سی اقسام سحر کے مشابہ ہیں معجزات سے خصوصًا معجزات موسویہ وعیسویہ سے مثلاً خروج کے ساتویں باب کے بیسویں اور اکیسویں ورس میں جو معجزہ حضرت موسےٰ کا لکھا ہے۔ سو اسی باب کے بائیسویں ورس میں لکھا ہے کہ ساحروں نے بھی ویسا ہی کر دکھلایا۔ اور اس میں وہ مغلوب نہیں ہوئے اور اشعیا اور ارمیا اور عیسٰی علیہم کی سی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں بلکہ اس سے بہتر یعنی بہ تعیین زمان ومکان اور ذات وصفات معلوم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ بعضے بندے

نے خود دیکھیں اور اکثر اس طرح پر سُنیں کہ جس طرح بائبل کی ایک خبر بھی کسی کو تحقیق نہیں ہوئی اور حضرت عیسیٰ کا سا معجزہ احیائے میت کا بعینہٖ بہامنتی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا، بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا کہ اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور سانپ کو نیولے سے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا۔ بعد اس کے سب ٹکڑے اس کے برابر رکھ کر تونبی بجائی وہ رینگنے لگا اور اچھا بھلا ہو گیا اور منتر سے جھاڑ پھونک کر کے دیو بھوت کو دفع کرنا اور بعض بیماریوں سے چنگا کرنا یہ تو سینکڑوں سے ہوتے دیکھا ہے۔ بلکہ انجیل دوم کے باب نہم کے ورس ۳۸ سی و ہشتم سے ظاہر ہے کہ ایک آدمی حضرت عیسیٰ کے وقت میں دیو بھوت جھاڑتا تھا اور نہ وہ نبی تھا اور نہ عیسیٰ کا شاگرد۔

اب بتایئے کہ مابہ الفرق حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزوں اور ساحروں اور نجومیوں اور رمالوں کے کاموں میں کون چیز ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ لوگ کچھ بتا نہ سکیں گے اس لیے کہ آپ معجزے کی حقیقت سے نہیں مطلع ہیں اور نہ اس بات سے مطلع ہیں کہ معجزات سے ثبوت نبوت کا الزام کیونکر تمام ہوتا ہے۔ اور ہر گاہ ان میں کچھ فرق نہ نکلا تو اعجاز موسوی اور عیسوی بہ نسبت اعجاز قرآن کے دو وجہ سے انقص ٹھہرا۔ ایک یہ کہ اعجاز قرآن کا اگرچہ سارے جہان کی نسبت نہ ہوگا تو ماہرین لسان خوبی کے سامنے تو ہوگا بخلاف معجزات موسویہ اور عیسویہ کے کہ بسبب مشاہدہ کارخانہ سحر اور نجوم وغیرہ کے کسی کی نظر میں اس کا اعجاز ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسری یہ کہ معجزات موسویہ اور عیسویہ کی سی حرکات یہاں بہتوں نے کر دکھلائیں اور قرآن کی سی عبارت آج تک کسی نے ایسی نہیں بنائی کہ جوق جوق لوگ اس زبان کے جاننے والے گواہی دیں کہ یہ بنہایت ابلغ ہے۔ ایسا یا اس سے زیادہ کسی بشر سے نہیں ہو سکتا، اور پادری صاحب اگر گواہی دیں کہ جن کتابوں کا ہم نے ذکر کیا ان کے ابلغ ہونے کی بھی جوق جوق لوگوں نے گواہی دی ہے تو بے شک جھوٹ ہے اس لیے کہ ان کی روایت کی بے اعتباری اُن کی اسی کتاب سے ظاہر ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۰: ہر گاہ بالفرض قبول نمایم کہ عبارت قرآن در زبان بے مثل و مانند است و کلام خدا بودن او را فقط عبارت گواہ و دلیل باشد۔ الیٰ قولہ۔ لازم کہ ہمگی آں کُتب مشہورہ

الیٰ قولہ۔ کہ تا حال در عبارت مانند آں کتابے در آں زبانہا نوشتہ نشدہ است باید کہ تمامے نیز از جانب خدا بودہ باشند۔

جواب: ہر ایک بے دین بے وقوف ایسی ہی تقریر اور انبیاء کی نسبت بھی لکھ سکتا ہے۔ پس جو جواب اس کا عقلاً ہے وہی پادری صاحب کی تقریر کا جواب ہے اور وہ تقریر یہ ہے۔ ہرگاہ بالفرض قبول نمایم کہ موسےٰ چند بار چوب را مار نمود و عیسٰی دو مُردہ را زندہ ساخت و پیشین گوئی ہا کرد و صرف ہمچو حرکات بر نبی بودن آنہا گواہ و دلیل باشد لازم آید کہ ہمگے آں ساحراں و منجماں کہ ہمچو حرکات شاں بمشاہدہ اہل روزگار رسیدہ و زیادہ از خبر ہائے بائبل بحد تواتر و قوت شہرت فائز گردیدہ و مردم از مقابلہ آنہا عاجز آمدند۔ باید کہ تمامی آنہا پیغمبراں خدا باشند۔

قولہ صفحہ ۲۰۵: رابعاً ممکن است کہ مطالب ناحق و معانی زشت و سخنان کفر انگیز بچنین کلمات رنگین و عبارت شیریں گفتہ نوشتہ شود۔ الیٰ قولہ۔ یعنے بایست کہ ایں چنیں سخناں ناحق و کفر انگیز بسبب افضلیت عبارت حق و کلام خدا بودہ باشند۔ ہر ایک بے دین اور بے وقوف ایسی ہی تقریر کر سکتا ہے اس طرح پر۔ ممکن است کہ مطالب ناحق و معانی زشت و سخنان کفر انگیز ہمچنیں کساں کہ خوارق عادات ایشاں مانند خوارق عادات موسویہ و عیسویہ ظاہر مے شود بمردماں تعلیم دہند مے بایست کہ ایں چنیں سخناں ناحق کفر انگیز بسبب ظاہر شدن از دست صاحب خوارق عادات ہمچو کہ توریت و انجیل از موسےٰ و عیسےٰ شمردہ مے شود حق و کلام خدا بودہ باشد۔ جو جواب عقلی اس کا ہے ویسا ہی جواب ہماری طرف سے بھی ہے۔

قولہ صفحہ ۲۰۶: عبارت قرآن خواہ بے مثل و مانند باشد و خواہ نباشد بجہت از خدا بودن آں و رسالت محمد قطعاً دلیل نمی تواند شد۔

جواب: ہر ایک بے دین ایسا ہی کہہ سکتا ہے کہ خرق دریائے قلزم و اژدہا کردن عصا و زندہ کردن مردہ و دُور کردن دیواں و شفائے بیماراں از موسےٰ و عیسٰی شدہ باشد خواہ نشدہ باشد بجہت نبی بودن موسےٰ و عیسےٰ بسبب مشابہت سحر ساحراں دلیل قطعی نمی تواند شد فقط۔

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسٰی کے جو معجزات تھے سو

سوائے کلام کے تھے کہ جنہوں نے دیکھے وہ جانتے ہیں اور پھر کوئی سبیل ان کے اعجاز کے دریافت کرنے کی بر سبیل معائنہ نہیں باقی رہی۔ بخلاف حضرت سرورِ کائنات کے کہ اُن سے اور اور معجزات بھی ہوئے اور کلام کا معجزہ ان سب پر علاوہ ہے کہ اب تک ماہرین لسان عربی کے لیے بقول خود پادری صاحب کے اُس کے اعجاز کے دریافت کی راہ بر سبیل معائنہ باقی ہے اور وہ ایسا معجزہ ہے کہ اس کے اعجاز پہ گواہیاں گزر چکیں اور کلام موسوی اور عیسوی یعنی توریت اور انجیل کے معجزہ نہ ہونے میں کچھ گفتگو بھی نہیں ہے۔ پس از راہِ انصاف فرمایئے کہ ترجیح کس کے اعجاز کے ثبوت کو ہوئی۔

قولہ صفحہ ۲۰۶ فصل سوم: مبنی است بر کلمات چند در باب اظہار معنی قرآن۔ اس فصل میں صفحہ ۲۱۳ کی آخری سطر تک جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ خود ہی پادری صاحب کے دو فقروں میں ہے۔ فقرۂ اولیٰ صفحہ ۲۰۸: قرآن از تعلیمات و حکایات کتب عہدِ عتیق و جدید و ہم از احادیث یہودیاں و مسیحیاں کہ در آں ایام بودہ اند و ہم از وقائع و عادات عربیاں و مجوسیاں جمع گشتہ و تالیف شدہ است۔

جواب: اگر معاذ اللہ یہ گمان فاسد قرآن شریف کی نسبت کیا جائے تو جو کچھ انجیلوں کی نسبت میں نے بڑے عالم یہودی سے سُنا ہے بالکل صحیح ہو جائے گا۔ اور اس کے بطلان کی کوئی وجہ ہاتھ نہ لگے گی۔

یعنی کہ در اناجیل دو گونہ سخن است یکے گفتہ ہائے عیسٰی دوم گفتہ ہائے مؤلفین اناجیل پس بہ نسبت گفتہ ہائے عیسٰی معاذ اللہ مے گوئیم کہ ازاں ہیچ سخنے کہ نزد عقل سلیم مستحسن باشد۔ چنیں نیست کہ پیش یہودیاں یا مجوسیاں یا یونانیاں از پیشتر نبودہ است پس آں ہمہ در اناجیل از تعلیمات یہودیاں و مجوسیاں و یونانیاں نبودہ است آں محض نامستحسن است و اما گفتہ مؤلفین اناجیل پس ہمہ روایات معاذ اللہ ہمچو داستان امیر حمزہ و افسانہ چہار درویش و ہفت سیر حاتم بر بستہ شدہ است۔ ہیچ وجہ ثبوتش نزد کسے نیست۔ فقط

پس جو جواب عقلی اس کا ہے مذہبی بلکہ قوی تر اس سے پادری صاحب کے اس فقرے کا ہے۔ عقل و دانش کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں اہل الحاد اور زندقہ کو کرنا پہنچتا ہے نہ کہ معتقدین

بعض انبیاء کو کہ وہ اُلٹ کر انہی پر پڑتی ہے اور الحاد اور زندقہ والوں سے یہاں گفتگو نہیں ہے۔ ورنہ بحول اللہ و قوتہ بتصدیق فرقِ مبارک غلامانِ مصطفوی کے ملحدین اور زنادقہ کے لیے بھی ہمارے پاس ایسا جواب ہے کہ جب تک وہ واقع میں سوفسطائی نہ ہو جائیں تب تک ان کو دم مارنے کی جگہ نہ رہے اور سوفسطائی واقعی یعنی وہ لوگ جن کے مدرکہ سے واقع میں امتیازات اذعانیہ جزئیہ ساقط ہو گئے ہیں۔ اور انہیں نفس الامر میں کسی بات کی تمیز نہیں باقی رہی غیر مکلف ہیں ان سے شارع کا خطاب نہیں ہے۔

فقرہ ثانیہ صفحہ ۲۱۱: باوجودے کہ در قرآن چند سخنان مطالب راست و استخراج شدہ از کتب مقدسہ مسطور اند باز تعلیم آں با اکثر مطالب و تعلیمات انجیل بالمرہ مخالف و ضد است و ہمیں دلیل عمدہ است کہ قرآن کلام خدا نیست۔

جواب: ایسے ہی مجوسی اور یہودی کہتے ہیں کہ باوجودے کہ در انجیل چند سخناں مطالب راست و استخراج شدہ از کلام انبیائے پیشین مسطور اند باز تعلیم آں با اکثر مطالب و تعلیمات انبیائے پیشین کہ مثلاً در دساتیر مجوسیاں یا توریت یہودیاں مذکور است بالمرہ مخالف و ضد است و ہمیں دلیل عمدہ است کہ انجیل کلام خدا نیست۔ فقط۔ جو جواب اس کا ہے ویسا ہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیجیے۔

قولہ صفحہ ۲۱۴: دلائلے چند ذکر خواہم نمود کہ از انہم یقین کلی گردد کہ قرآن کلام خدا نیست۔ اولاً اینکہ الیٰ قولہ قرآن تقاضا و تمنائے روح آدمی را رفع نمی سازد۔ تقاضائے روح کے معنی جو کہ پادری صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اور اجمالاً یہاں بیان کیے اس میں اکثر باتیں ایسی ہیں کہ سمجھ میں آتی ہیں مگر بعضے جملوں سے پھر اس میں شک پڑتا ہے۔ لہٰذا میں بطور کلیہ کے اس کا جواب دیتا ہوں۔ کیونکہ پادری صاحب کی ساری عبارت کے نقل کرنے اور اس کے ہر ایک لفظ سے بحث کرنے میں کتاب بے فائدہ محض بڑھتی ہے۔

جواب: تقاضائے روح کے رفع کرنے والی باتیں بھی دو قسم کی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک اعتقادیات کی اور دوسری عملیات کی۔ سو اعتقادیات کے باب میں حضرت مبدء جل و علیٰ کی صفات اور افعال ایسے ہیں کہ جنہیں عقل مستحسن جانے اور روح انسانی کی تکمیل منحصر ہو۔ انہیں کے جاننے پر میں سچ کہتا ہوں کہ حضرت قرآن شریف میں آیتیں کہ ساری بائبل ان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

اور عملیات کی دو قسم ہیں۔ ایک اخلاق مثلاً توکل اور صبر اور زہد اور حلم اور تواضع اور قناعت اور اخلاص اور رحم وکرم اور ایثار اور تہذیب افعال۔ اس طرح کی باتیں قرآن شریف میں اتنی ہیں کہ بنسبت الفاظ انجیل کے اضعاف و مضاعف ہوں گی اور بہ نسبت معنوں کے تو ساری بائبل سے زیادہ اور دوسرے افعال جوارح تو ان میں بڑا عمدہ کام خدا کی یاد اور اس کی یاد سکھانا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا۔ سو قرآن میں اس کی اتنی تاکیدیں ہیں کہ انجیلوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ توریت میں کہ اس میں تو کچھ ہی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اخلاق اور افعال مذکورہ کے حسن میں کسی کا اختلاف نہیں تھا اور بہت بڑا اختلاف جو تھا سو صرف توحید الٰہی اور شناعت میں اس کے خلاف اختیار کرنے میں تھا کہ سارے جہان والے الا ماشاء اللہ اس کے خلاف تھے۔ لہٰذا بڑا عمدہ مطلب قرآن شریف میں اول سے آخر تک بار بار پھیر پھیر کر یہی بیان کیا۔ پس اگر پادری صاحب ازراہ ناواقفیت اس کا انکار کرتے تو میں قرآن کی آیتیں اس بات میں بہت سی نقل کرتا۔ مگر ظاہراً وہ صرف عناداً اس سے انکار کرتے ہیں۔ اس لیے اُن کا جواب اس طور پر دیا جاتا ہے کہ اگر رافع تقاضائے روح وہی باتیں ہیں جو میں نے لکھیں تو قرآن ایسی باتوں سے مالا مال ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپر چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور اگر تقاضائے روح رفع کرنے والا وہ امر ہے جو صرف نصرانیوں کے نزدیک مستحسن ہے تو قرآن میں اس کے نہ ہونے سے کچھ قباحت عقلی نہیں لازم آتی۔ کیونکہ ایسی بات ہر ملت والا کہہ سکتا ہے۔ مثلاً مجوسی کہے کہ جانور کا ذبح کرنا اپنے کھانے کے لیے خلاف تقاضائے روح ہے پس توریت و انجیل میں چونکہ یہ مندرج ہے لہٰذا وہ کلام خدا کا نہیں ہے۔ اسی طرح اتباع ارسطو کہیں کہ شرک اور بت پرستی پہ بے دعوت کیے ہوئے اور بدوں افہام تفہیم کے مار ڈالنا کسی کا اور اس مار ڈالنے کے درست جاننا اور بجا سمجھنا خلاف تقاضائے روح ہے۔ معہٰذا توریت میں اس کا حکم لکھا اور انجیل میں اس کو درست اور بجا سمجھا ہے۔ اس لیے کوئی ان میں سے کلام خدا نہیں ہو سکتا۔ پس جو جواب اس کا ہے ویسا ہی ہماری طرف سے بھی ہے۔

القصہ پادری صاحب نے اوّلا سے لگا کر تا آخر صفحہ ۲۱۶ جو کچھ لکھا ہے سو صرف اپنا عندیہ لکھا ہے کچھ اس کی دلیل نہیں لکھی۔ پس اس کا نقل کرنا بے فائدہ ہے۔ یہی جواب کفایت کرتا ہے کہ

مختصات ملت عیسائیہ کے خلاف جو قرآن میں ہے تو بجا ہے اور پادری صاحب کا جواب بے جا ہے اور اس کے سوا کوئی بات عقلاً اچھی نہیں ہے جس کا اجمالاً یا تفصیلاً قرآن میں ذکر نہ ہو اور اس کی نفی محض غلط ہے۔

قولہ صفحہ ۲۱۷ : بسبب اینکہ محمد صلعم از جنس بنی نوع بشر است سہو و گناہ در و یافت می شود. پس دریں صورت خود او نیز بشفاعت برہانندہ محتاج است دریں حال چگونہ ممکن مے شود کہ چنیں شخص وسیلہ و سبب شفاعت دیگراں باشد و در قرآن بآشکارا گفتہ شدہ کہ محمد صلعم صاحب گناہ بودہ است بطریقے کہ در سورۃ المومن مذکور است واستغفر لذنبك. الیٰ قولہ و در سورۃ انفال است واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات. الیٰ قولہ و در سورۃ الفتح نوشتہ شدہ است ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر. الیٰ ان قال در حصن حصین در فصل صلوٰۃ مذکور است کہ محمد صلعم بگناہ خود اقرار نمود فاغفرلی ما قدمت وما اخرت یہاں کئی باتیں قابل بحث کے ہیں۔

پہلی بات : پادری صاحب کا اصل مقصد اس گفتگو کا تا آخر صفحہ ۲۰۲ یہ ہے کہ امت کا کوئی شفاعت کرنے والا چاہیئے۔ اور ضرور ہے کہ شفاعت کرنے والا خود گنہ گار نہ ہو۔ ورنہ وہ خود بھی محتاج شفاعت کا ہوگا اور حضرت خاتم النبیین سے صدور گناہ ثابت ہے تو وہ قابل شفاعت نہیں ہو سکتے۔ پس اس کا جواب بطور سابق کے یہ ہے کہ آیا یہ سب باتیں برہان عقلی کی رُو سے ثابت ہیں یا نہیں۔ اگر برہان کی رُو سے ثابت ہیں تو وہ برہان نقل کیجیئے تا دیکھا جائے کہ اس کے مقدمات صحیح اور درست ہیں یا نہیں اور اگر برہان عقلی کی رُو سے نہیں ثابت ہیں بلکہ صرف پادری صاحب کا عندیہ ہے تو ہم پر حجت نہیں ہو سکتا۔ اور برہان عقلی کی رو سے جیسا واجب الوجود ہونا تین شخص کا اور مجسم اور ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہنا اس کا بندوں کی شفاعت کے لیے محال ہے ویسا یہ محال نہیں ہے کہ ایک آدمی سب کا شفیع ہو اور اس ایک کے گناہ اللہ اپنی عنایت سے آپ بلا شفاعت دوسرے کے بخش دے۔ پس بالفرض اگر عقلاً بھی یہ تسلیم کیا جائے کہ امت کی شفاعت کے لیے کوئی شخص درکار ہے۔ اور فرض کیا جائے کہ معاذ اللہ پیغمبر خدا موافق عندیہ پادری صاحب کے گنہگار ہوئے تو بھی کوئی دلیل عقلی اس بات کے امتناع پر قائم نہیں ہو سکتی کہ

ان کے گناہ خدا نے بلا شفاعت کسی کے بخش دیئے اور باقی سب کے لیے ان کو شفیع مقرر کیا۔

دوسری بات، ہمارے پیغمبر خدا کو پادری صاحب لکھتے ہیں کہ بنی نوع بشر سے تھے اور یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے تئیں انجیل میں بیسیوں جگہ ابن آدم کہا ہے۔ بس آدمیت کی جہت سے جو قباحت عقلاً یا نقلاً لازم آتی ہے وہ قباحت حضرت عیسیٰ کے لیے بھی ثابت ہوگی۔ اور اگر یہ کہیئے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے تئیں خدا بھی کہا ہے تو اُن کی تکذیب کے لیے ہمیں کچھ اور درکار نہیں اور ان کے ماننے سے از روئے عقل کے جس پر مدار ہے تکلیف کا ہم سبکدوش ہوتے اور حضرت موسےٰ پہلے ہی سے کہہ گئے ہیں کہ جو حادث کو معبود کہے اسے نہ مانیو۔ اگرچہ بڑے معجزے دکھلائے۔

تیسری بات، عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ تو خدا ہیں اور وہی بندوں کے آپ ہی نجات دینے والے ہیں۔ پس کوئی گنہگار محتاج شفاعت کرنے والے کا نہ ٹھہرا۔ چہ جائیکہ موجبہ کلیہ صحیح ہو کہ ہر گنہگار شفاعت کرنے والے کا محتاج ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ پادری صاحب کا ان کے اصل الاصول دین کو جھوٹا ٹھہراتا ہے نہ یہ کہ اس قاعدے سے اور کسی کو الزام ہو۔

چوتھی بات، سہو اور نسیان میں عقلاً کچھ گناہ نہیں ہے تا کہ منافی منصب شفاعت ہو۔ ہاں اگر نبوت کی بات میں سہواً ہو اور اس کا تدارک معاً نہ کیا گیا ہو تو البتہ نقصان بعض احکام کا لازم آوے گا نہ یہ کہ لیاقت شفاعت کی نہ رہے۔ اور ذرا انصاف کیجئے کہ کہاں سہو اور کہاں عمداً احکام الٰہیہ کو ضائع کرنا۔ چنانچہ کتاب خروج کے باب سی ۳۲ و دوم کے ورس نوز دہم میں لکھا ہے کہ حضرت موسےٰ نے مارے غصے کے الواح خداوندی سب کے سب پھینک دیئے کہ وہ چور چور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ صاحب نے پھر اور تختیاں لکھ کر دیں۔

پانچویں بات، گناہ میں قباحت وہیں تک ہے کہ آقا اس پر عتاب کرے اور اگر محض اپنے عنایت سے جس کی وجہ ہم کو نہ معلوم ہو اس گناہ کو کان لم یکن تصور کرے اور عتاب کے عوض کسی جہت سے کہ منافی قاعدہ عدالت نہ ہو برحمت و شفقت خطاب کرے۔ چنانچہ خود پادری صاحب نے سورۃ الفتح سے آنحضرت کے حق میں نقل کیا۔ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر تو عقلاً کوئی قباحت اس گناہ میں نہ رہی بخلاف حضرت موسےٰ کے کہ اہل کتاب کے

نزدیک باعتبار بشریت افضل الانبیاء والمرسلین ہیں معہذا کتاب خروج کے چوتھے باب میں دسویں ورس سے تیرہویں ورس تک لکھا ہے کہ حضرت موسےٰ نے بروقت صدورِ حکم خداوندی کے فرعون کے پاس جانے سے انکار کیا۔ اس پر خدا نے فرمایا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ موسےٰ کو اس پر بھی اطمینان نہ ہوا اور پھر دوبارہ امتثال حکم خداوندی سے انکار کیا بس اس پر چودہویں ورس میں لکھا ہے۔ نسخہ سنہ ۱۶۲۵ء فاشتد غضب الرب علیٰ موسٰی۔ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء۔ یہواہ کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا۔

چھٹی بات: پادری صاحب کو گناہ کی نسبت کچھ اعتراض نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ اُن کے اصول میں انبیاء کے لیے عصمت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نوح اور حضرت لوط اور حضرت ہارون اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی نسبت جو واہی روایتیں توریت میں شرح وار ملائی گئی ہیں اسی سے ظاہر ہے۔ اور خود ہر ایک عیسائی کو اقرار ہے اور اگر کوئی عیسائی کہے کہ یہ بات اگرچہ عیسائیوں کے خلاف نہیں ہے مگر مسلمانوں کے اصولوں کے خلاف تو ہے یعنی صدور گناہ کا نبی سے عصمت کے منافی مسلمانوں کے یہاں تو ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح عصمت کی اصطلاح ہمارے یہاں ہے اسی طرح گناہ کی اصطلاح بھی جاننا چاہیئے۔ وہ یہ کہ گناہ ہمارے یہاں اس کا نام نہیں ہے کہ حسب اقتضائے نوع بشری اس کی اصلاح کے لیے جو مقرر ہو اس کے خلاف کرنا۔ بلکہ ایک طرح کا گناہ وہ بھی کہلاتا ہے جیسا مشہور ہے حسنات الابرار سیئات المقربین اور مشہور ہے۔ وجودک ذنب۔ یعنی تعین شخصی بھی اطلاق کمالات کے منافی ہے تو اس کے معاف ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا میں فنا ہو جانا جس طرح مطلوب ہے وہ شخص مغفور میں حاصل ہے اور ہمارے یہاں استغفار اور مغفرت کے یہ بھی معنی ہیں کہ گناہ مرتبہ امکان میں چھپا رہے اور ظہور میں نہ آنے پاوے اس لیے کہ غفران کے معنی ڈھانپنا۔ پس جس طرح گناہ پر سزا نہ دینے میں اس کا ڈھانپنا ٹھہرتا ہے اسی طرح اصل مرتبہ امکانی سے ظہور میں نہ آنے دینا بھی اس کا ڈھانپنا ہے بلکہ عند الغور دوسری صورت میں ڈھانپنے کے معنی بہت درست بنتے ہیں بہ نسبت پہلی صورت کے کہ وہاں بخشش دینے کو جو ڈھانپنا کہا تو گویا مجازاً کہا۔ اس لیے کہ جب گناہ ظہور میں آیا تو حقیقۃً ڈھپنا اس کا نہ ہوا۔ اور ہمارے یہاں ایک طرح کی استغفار یہ بھی ہوتی ہے۔ جیسے سعدی نے فرمایا۔

؎ عاصیاں از گناہ توبہ کنند　　عارفاں از عبادت استغفار

بالجملہ ہمارے یہاں جو عصمت انبیاء کے لیے ضرور ٹھہرائی ہے تو صرف پہلی قسم کے گناہوں سے ہے اور اس قسم کے گناہوں سے نہیں ہے جنہیں کہا کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور کہا کہ وجودك ذنب اور غفر اللّٰہ ذنوب فلان کے صرف یہی معنی نہیں کہ گناہ کا ظہور ہوا بعد اس کے سزا سے درگزر کیا گیا۔ بلکہ یہ بھی معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے فلانے کے گناہ ڈھانپ دیئے۔ یعنی مرتبہ امکان سے مرتبہ ظہور میں نہیں آئے اور اللّٰھم اغفرلی ذنوبی کے یہی معنی نہیں ہیں کہ مجھ سے گناہ ہوئے ہیں بلکہ یہ بھی کہ تیری عبادت جیسے چاہیئے ویسی مجھ سے نہیں ہو سکتی اس کو بخش دے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اے خداوند میری نسبت جن گناہوں کا امکان ہے انہیں وہیں ڈھنپا رکھ مرتبہ ظہور میں نہ آنے دے۔ القصہ پادری صاحب کو اپنے اصول کے موافق گناہوں پر اعتراض نہیں پہنچتا۔ اور ہمارے اصول کے موافق ہر طرح کا گناہ منافی عصمت نہیں ہو سکتا اور نہ غفران اور استغفار سے گناہ کا تحقق مرتبہ ظہور میں لازم آتا ہے چہ جائیکہ منافی منصب شفاعت کے۔

ساتویں بات، بڑی بات پادریوں کے الزام کے لیے واجب التعرض بھی ہے کہ آیا عقلاً اور نقلاً یہ بہتر ہے کہ اگرچہ کوئی گناہ اپنی استطاعت بشری کے موافق ظہور میں نہ آیا ہو۔ مگر تواضعاً اقرار کرنا اور اس کی مغفرت مانگنا اور اس کے ظہور نہ ہونے کو یوں تعبیر کرنا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے تا مرتبہ اقرار عبدیت کا بھی ثابت ہو اور عصمت بھی۔ یا یہ بہتر ہے کہ پہلے چنگے گناہ کرنا اور مطلق اقرار گنہگار ہونے کا نہ کرنا بلکہ اُلٹا کہتا کہ میں تم سب کا خدا ہوں۔ گناہ کا میں خود مالک ہوں جیسا انجیلوں سے بہ نسبت حضرت عیسٰی کے نکلتا ہے اور یہودی لوگ اس کو دستاویز کیا کرتے ہیں۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے تیسرے باب سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی شیطان کے کہنے سے وہ حرکتیں جن سے کچھ فائدہ ان کے بندوں کے لیے نہ تھا کرتے رہے۔ حالانکہ آسمان والے خدا کے پاس سے کبوتر کی صورت کا خدا اسی تیسرے خدا پر اُتر چکا تھا۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے بارہویں باب کے ورس ۴۶ سے ۵۰ تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم نے دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت عیسٰی کو بُلایا اور وہ نہ گئے اور اپنے یاروں کو

ماں پر ترجیح دی اور ماں سے اس وقت بے اعتنائی محض کی۔ حالانکہ منجملہ احکام عشرہ ابدیۃ الوجوب اکرام والدہ بھی ہے۔

ازآں جملہ اسی انجیل کے آٹھویں باب کے درس بستم میں ہے کہ یسوع نے کہا کہ لومڑیوں کے لیے گھر ہیں اور پرندوں کے لیے بسیرے ہیں پر میرے لیے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ دیکھو یہ شاعرانہ مبالغہ ہے اور صریح دنیا کی تنگی سے شکایت کرنا کہ اقبح ترین امور ہے یہاں سے ثابت ہوتا ہے۔

ازآں جملہ پھانسی پانے کے وقت یاد ہوگا کہ اپنے تئیں خدا کہتے تھے عوام آدمیوں کی طرح پرگھبرا کر کہنے لگے کہ اے معبود میرے اے معبود میرے مجھے تُونے کیوں چھوڑ دیا پس اگر سچے خدا تھے تو اُن کا معبود کون ہوگا۔ اور اگر سچے پیغمبر تھے تو شہادت کے وقت جو کمال مقبولیت کا وقت ہے اپنے تئیں متروک الٰہی کیوں کہا۔

ازآں جملہ اپنے حق میں ایسے جملے کہے کہ جس سے بسبب نادانی کے ایک عالم گمراہ ہوگیا اور ان کو خدا سمجھنے لگا چنانچہ ہمارے یہاں ثابت ہے کہ صرف اسی جہت سے کہ تمام عیسائی ان کو خدا سمجھنے لگے حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں سے فتحباب شفاعت نہیں ہوگا۔ فقط۔ جن باتوں کا پتہ میں نے انجیل سے اس مقام پر نہیں لکھا میری اسی کتاب کے اور مقاموں سے مل سکتا ہے۔ اب دیکھیے کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسے کسی گناہ کا صادر ہونا کسی روایت میں نہیں مذکور ہے اور حضرت عیسیٰ کے ان گناہوں کا معاذ اللہ انجیل میں ذکر ہے۔

قولہ صفحہ ۲۲۰۔ ثانیاً دلیل و علامت دیگر کہ قرآن از جانب خدانیست مطالب ناشائستہ است کہ در وے مرقوم یافتہ اند بطریقے کہ بہ رحمت و محبت و تقدس و عدالت خداوندی لائق و مطابق نیستند از قبیل حکایت بہشت۔ یہاں سے ۲۲۳ کے چھٹے سطر تک قرآن کی بعضی آیتیں جن میں نعمائے بہشتی مانند حور و غلمان اور زنان دوشیزہ اور شراب و کباب کا ذکر ہے۔ لکھ کر پادری صاحب لکھتے ہیں :-

قولہ کہ چنیں کلمات را کلام خدا گفتن لائق نیست زیرا کہ در جنب علم و تقدس خداوندی این قبیل مضامین و معانی لیاقت و مناسبت ندارد۔ ایسا اعتراض پادری صاحب کو نہیں

پہنچتا۔ اس لیے کہ ان کا اصل دین و ایمان اگر یہ ٹھہرا ہے کہ خدا مریم کے رحم میں جنین بن کر خون حیض کا کئی مہینے تک کھاتا رہا اور علقہ سے مضغہ بنا اور مضغے سے گوشت اور اس میں ہڈیاں بنیں۔ بعد اس کے مخرج معلوم سے نکلا اور ہگتا موتتا رہا۔ یہاں تک کہ جوان ہو کر اپنے بندے یحییٰ کا مرید ہوا اور آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔ اور یعقوب سے کشتی لڑنے میں بدوں اس کے کہ یعقوب کے پاؤں کی نس چڑھا دی اسے مغلوب نہ کر سکا۔ اور اسحٰق کی دعا جو عیس کے حق میں تھی یعقوب کی جعلسازی سے یعقوب کے حق میں سمجھا اور آدمیوں کو بنا کر پشیمان ہوا اور گئوسالہ اور بت پرستوں اور زناکاروں اور ولدالحرام لوگوں کو معاذاللہ شافع امت اور نبی بنایا۔ لوگو! خدا کے لیے انصاف کرو کہ اتنی باتوں میں کسی بات سے خدا کی قدوسیت میں فرق نہیں آتا اور جو صرف کواعب اور غلمان اور شراب وکباب کے بہشت میں ہونے کا ذکر کیا تو اس کی قدوسیت میں بٹہ لگا۔ اور جواب تحقیقی اس کا یہ ہے کہ پادری صاحب غلط کہتے ہیں۔ حور و غلمان اور شراب وکباب کے بہشت میں دینے سے خدا میں کچھ نقصان لازم نہیں آتا ہے۔ جو لوگ خدا کے لیے اپنے تئیں فنا کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں جو مزیداریاں ہوں سو تھوڑی ہیں۔ پادری صاحب کو جب تک اس کا ایمان نہیں ہو گا نہیں ملیں گی خاطر جمع رکھیں۔

قولہ صفحہ ۲۲۴، و روح آدمی کہ جہت تعبد ابدی خلق شدہ است و لذت و عیش روحانی را مے خواہد در چنیں لذات و عیش نفسانی بچہ طریق ساکت و خوشحال می تواند گردید۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ یہ سب باتیں یعنی بہشت میں لذائذ جسمانی کا ہونا اگر ممتنع عقلی ہے تو اس کی دلیل بیان کرنا اور تثلیث وغیرہ امور باطلہ مذکورہ سے توبہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ عقلاً وہ باتیں باطل ہیں۔ اور اگر اس جہت سے اُن لذائذ کا انکار ہے کہ انجیل میں مفسرًا مذکور نہیں ہے۔ تو چاہیئے کہ موسےٰ کی کتاب سے بھی انکار کیا جائے۔ اس لیے کہ اس میں کہیں قیامت اور بہشت اور دوزخ کا ذکر نہیں اور انجیل میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بطلیموس کی مداہنت کی راہ سے وہ منجملہ مستفیدان ارسطو تھا یہودیوں نے قیامت وغیرہ کے ذکر کو توریت سے نکال ڈالا۔ کیوں کہ ارسطو کے لوگ معاد جسمانی سے منکر تھے اور اگلے نسخے کم تھے گم ہو گئے اور پچھلے نسخے پھیل پڑے دوسرا جواب یہ عجیب بات ہے کہ توریت کے احکام ظاہریہ دُنیا میں مبدل بہ باطن ہو جائیں۔ اور

لذائذ جسمانی آخرت میں عین لذائذ روحانی نہ ہونے پاویں. نہیں معلوم یہ کس عقل کا مقتضیٰ ہے.
اور دیکھیے کہ پہلی انجیل کے نویں باب کے چودھویں اور پندرھویں ورس سے ظاہر ہے کہ جب حضرت یحییٰ کے شاگردوں نے حضرت عیسیٰ کے سامنے ان کے حواریوں پر روزہ نہ رکھنے کا اعتراض کیا. تو حضرت عیسیٰ نے جواب دیا. نسخہ ۱۸۳۹ء کیا براتی جب تک دولہا ان کے ساتھ ہے غم کا روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن وہ جب دولہا ان سے جدا ہوگا تب وہ روزہ رکھیں گے. دیکھیے کہ جو حواریین حضرت عیسیٰ کے بسبب صحبت عیسوی کے احکام روح کے مغلوب ہو رہے تھے تو ان کے لیے بے ریاضتی یعنی ہمیشہ کھاتے پیتے رہنا اور کبھی روزہ نہ رکھنا کچھ مضر ہوا؟ اسی طرح سمجھ لیجیے کہ بہشت میں جو حقیقی دولہا کے جدا ہونے کا کسی طرح کا احتمال بھی نہیں. اگر لذائذ جسمانی سے لوگ بے بہرہ نہ رہیں تو کیا مستبعد ہے اور کس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دنیا میں انہماک لذائذ جسمانی سے لذائذ روحانی میں خلل آتا ہے اسی طرح عاقبت میں بھی لذائذ جسمانی اور لذائذ روحانی میں کشاکشی اور تنازع ہوگا.

بلکہ عقلاً جائز اور نقلاً واجب التسلیم ہے کہ وہاں لذائذ روحانی اور لذائذ جسمانی دونوں ایک ہی ہو جائیں اور ہرگز کسی طرح کی کشاکشی اور نزاع ان میں باقی نہ رہے اور جس طرح کمال لذت جسمانی ہو اسی طرح عین اسی لذت میں وہ کیفیت جو دنیا میں بڑے بڑے عارفوں کو کمال ترقی کے وقت حاصل ہوتی ہے باحسن وجہ حاصل ہو بلکہ اس سے بمراتب زیادہ. چنانکہ حضرت عیسیٰ باوجودیکہ ہمہ تن روح تھے. بمعہذا انجیل اوّل کے باب یازدہم کے ورس نوزدہم میں لکھا ہے کہ بڑے کھاؤ اور بڑے شرابی تھے اور خود بھی اس بات کا اقرار کرتے تھے.

پس ہرگاہ اس عالم میں کھاؤ اور شرابی ہونا مضر نہ ہو تو اس عالم میں جو احکام روحانی سراسر غالب ہوں گے. ذرا بھی مضرت لذائذ جسمانی سے متصور نہیں ہو سکتی اور تکالیف شرعیہ تو صرف اسی دار العمل میں ہیں اور عاقبت تو دار الجزا ہے. اگر وہاں اعمالِ حسنہ کے صلے نہ ملیں تو عدالت الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے اور اس کی صفات کرم اور رحم اور مغفرت کی ناقص ٹھہرتی ہیں. پس جب تک کوئی برہان عقلی لذائذ جسمانی معاد کے امتناع پر نہ قائم ہو لے تب تک پادری صاحب کا عندیہ قابل التفات کے نہیں ہے.

اور اسی انجیل کے باب بست و دوم کے ورس سوم سے سیزدہم تک جو لکھا ہے اس سے

ظاہر ہے کہ زنا کے ساتھ شادی کے گھر میں شادی کے کپڑے پہننے چاہئیں اور جو کوئی ماتم کے کپڑے پہنے سو جہنمی ہے۔ پس بہشت وہی مقام دولہا کے ساتھ رہنے کا ہے اور ماتمی کپڑے پہننے کی وہی جگہ ہے جہاں رونا اور دانت پیسنا ہے۔

اور بعد اس کے صفحہ ۲۲۴ کی نویں سطر سے صفحہ ۲۲۶ کی دوسری سطر تک کئی آیتیں جہاد کے احکام اور کئی آیتیں تقدیر کے بیان کی لکھ کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

قولہ صفحہ ۲۲۷: پس یقین و آشکارا است کہ کتابے کہ چنیں آیات در آں مسطور گشتہ کلام خدا نیست۔ خلاصہ مطلب پادری صاحب کا اس مقام پر یہ ہے کہ جہاد کی رو سے یہ لازم آیا کہ آدمی کچھ نیک و بد کے سمجھنے کی فرصت نہ پاوے مارڈالا جائے خواہ مسلمان ہو۔ اور تقدیر کے مسئلے سے یہ لازم آیا کہ خدا خود ہی بری باتیں کرواتا ہے اور ازل سے بعضوں کو جہنمی بنا رکھا ہے۔ پس دونوں صورتوں میں آدمی کی خود مختاری اور حریت باطل ہوئی۔ سو ایسی بات خدا کے کلام میں نہیں ہوتی ہے۔

جواب اول: ایسی بات کا خدا کے کلام میں ہونا آیا عقلاً باطل ہے یا نہیں۔ اگر عقلاً نہیں باطل ہے تو اعتراض بے جا ہے اور اگر باطل ہے تو اس کے لیے برہان لانا اور ان امور باطلہ سے جن کو بائبل سے میں نے نقل کیا اور تمہارے عقیدوں میں داخل ہیں توبہ کرنا چاہیے۔

جواب ثانی: کافروں کو کفر پر جھٹ پٹ مارڈالنا اور پہلے اہتمام اور تفہیم نہ کرنا اور سمجھنے بوجھنے کی فرصت نہ دینا ہمارے دین میں نہیں داخل ہے اور نہ قرآن سے نکلتا ہے مگر توریت میں البتہ ہے۔ سو اس کی بحث تفصیل وار اسی رسالے کے جواب کے آخر میں آتی ہے اور تقدیر کے مسئلے کی بحث اور اس کا ثبوت بائبل سے دوسرے رسالے کے جواب میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔

قولہ صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹: مخفی نماند کہ در قرآن چنیں آیات نیز یافت میشود کہ مضمون آں بخلاف مضامین آیات مذکورہ یعنی آیات جہاد آمدہ ازیں قرار کہ در راہ دین اکراہ ظلم و ستم نمایند و بآں کسانیکہ از دین اسلام باز گشت نمایند زحمت ندہند۔ چنانچہ توضیح ایں معنی دریں آیات بیان گردیدہ است مثلاً در سورۃ بقر است وھو العلی العظیم لا اکراہ فی الدین۔ یہاں پادری صاحب نے دونوں طرح کی تحریف کی۔ اول یہ کہ قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ جو کوئی مسلمان ہو کر مرتد ہو جائے اس سے تعرض نہ کرو۔ اور دوسری یہ کہ ھو العلی العظیم کا جملہ مابعد سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

بلکہ اُوپر سے متعلق ہے۔ سو اُوپر کی آیت کی آیت چھوڑ کر مابعد کے جملے سے ملا کر لکھنا ان کی غلطی ہے۔ ایسی ہی تحریف بائبل کے ترجموں میں بہت ہے۔ بالجملہ آیت موصوفہ اور اور دو تین آیتیں جو صفحہ ۲۲۹ کے گیارہویں سطر تک لکھی ہیں وہ ہرگز آیات جہاد کی ضد نہیں ہیں۔ پادری صاحب کی سوءِ فہمی ہے جو انہیں ضد سمجھتے ہیں اس کا بیان بھی وہیں جہاد کی بحث میں آوے گا۔

قولہ در قرآن بعضے آیات مزبورہ یعنی آیات تقدیر چناں آیات نیز مرقوم اند کہ در آنہا بہ بے ایماناں چنیں تکلیف شدہ و بیان گردیدہ کہ اگر بقرآن ایمان نیاورند اصحاب جحیم خواہند شد چنانچہ بنابر مضمون ہمچو آیات اختیار قبول یا رد کردن تکلیف ایماں در ایشاں باقی است۔ اس کا جواب اسی تقدیر کی بحث میں آوے گا۔ خلاصہ یہ کہ اجرائے احکام تشریعی اور امضائے امور تقدیری میں عقلاً کچھ منافات نہیں ہے۔ اگر کچھ بالفرض ہے تو بہ نسبت عہد عتیق اور عہد جدید کے بھی بعینہ یہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو جواب وہاں ہوگا وہی یہاں بھی سمجھ لیجیے۔

قولہ ہرچندے کہ در اکثر آیات قرآن مسطور است کہ عیسیٰ مسیح محض بشر و بندہ و پیغمبر است لیکن بعضے آنہا باز در دو موضع قرآن بیان شدہ است کہ مسیح از جنس بنی نوع بشر نیست بلکہ مرتبہ اش اعلیٰ است چنانکہ در سورۃ النساء بیان گردیدہ است۔ انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ وکلمتہ القٰھا الی مریم وروح منہ۔ اس آیت سے یہ بات سمجھ کر تفسیراً لکھنا کہ مسیح از جنس بشر نیست تحریف کرنا کہلاتا ہے۔ اہل کتاب سے توریت اور انجیل کے شرح و تالیف کرنے میں ایسی ہی تحریف ہوئی۔ اور اگر جنس بشر سے ہونے کے لیے والدین کا ہونا ضروری ہے تو چاہیے کہ حضرت عیسیٰ میں آدمیوں کے خواص نہ ہوتے۔ حالانکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ ان میں اس حیثیت سے کہ حضرت مریم سے متولد ہوتے بہمہ جہت خواص آدمی کے تھے اور اپنے تئیں بیسیوں جگہ ابن آدم کہا ہے اور آخر کا پھانسی پا کر معاذ اللہ ملعون ہوتے۔ اور چاہیے کہ حضرت آدم آدم نہ ہوں اس لیے کہ نہ ان کا باپ آدمی تھا اور نہ ماں اُن کی آدمی تھی بلکہ صرف مٹی سے خدا نے ان کو بنایا تھا اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا کلمہ کہا سو ویسے ہی کہا جیسے قرآن شریف میں اور جگہ مطلق روح انسانی کے حق میں فرمایا۔ قل الروح من امر ربی یہ ویسا ہی محاورہ ہے جیسا ہر زبان میں جاری ہے کہ جب کوئی چیز بلا سابقہ اسباب ظہور میں آتی ہے یا اس کے آثار اشیائے

محسوسہ روز مرہ سے جُدا گانہ ہوتے ہیں تو بولتے ہیں کہ یہ صرف خدا کا حکم اور خدا کی قدرت سے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ چیز صفت قدیمہ خدا کی ہے۔ بوجیکہ مشرکین عرب اور یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمان لوگ بھی حضرت عیسیٰ کے بن باپ ہونے کے قائل ہیں تو اعتراض بے معنی کرنے لگے کہ بھلا یہ کیونکر ہوا۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ یہ صرف حکم خداوندی ہے کہ حضرت مریم پر ڈالا گیا یعنی بنا بر تکوّن جنین اس کے محل میں حکم خداوندی یعنی کُن پہنچا سو جنین اسی حکم سے بن گیا اور میں کہتا ہوں کہ بالفرض اگر کوئی پیغمبر خدا سے پوچھتا کہ یہ مخلوقات کثیرہ کیا چیزیں ہیں تو شاید یہی ارشاد ہوتا کہ کلمات اللہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً۔ پس اگر کلمۃ اللہ خدا ہو تو چاہیئے کہ غیر متناہی خدا ہو سکتے ہوں اور روح منہ جو کہا۔ سو یہ وہی لفظ ہے جو حضرت آدم کی نسبت کہا گیا کہ نفخت فیہ من روحی۔ جیسے روحی کے لفظ میں روح کی نسبت خدا نے اپنی طرف کی ویسی ہی روح منہ میں بھی روح کی نسبت جو مریم کے پیٹ میں ڈالی گئی اپنی طرف کی اور تکوّن جنین کو ماں کے پیٹ میں ہر محاورے میں بولتے ہیں کہ ایک جان اس کے پیٹ میں خدا کے یہاں سے آئی ہے۔

یہ محاورہ اس بنا پر ہے کہ جب تک جنین ماں کے پیٹ میں ہے تو اس کا جُزو ہے۔ بوجان پڑنے کی نسبت اسی کے پیٹ کی طرف کی جاتی ہے نہ جنین کے بدن کی طرف۔ اور حضرت آدم کا بدن جو بنا تو زمین سے اوپر کی طرف اور علیحدہ تھا کا جُزو نہ تھا۔ لہٰذا وہاں روح کے ڈالنے کی نسبت ان کے بدن کی طرف کی گئی ہے۔ بخلاف حضرت مریم کے کہ یہاں وہ جنین جب تک ان سے جُدا نہیں ہوا اُن کا جز تھا لہٰذا اُس روح کے ڈالنے کی نسبت مریم کی طرف کی گئی اور پیکر عیسوی کی طرف نہ کی گئی اس لیئے کہ وہ مستقل بالذات علیحدہ نہ تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ باعتبار بدن کے کسی کے نزدیک عین روح نہیں ہیں اور اس کی نفی خود انجیل میں موجود ہے۔

چنانچہ تیسری انجیل کے باب بست وچہارم میں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۶۔ جب وہ یہ کہہ رہے تھے یسوع آپ ان کے درمیان کھڑا ہوا تھا اور اس نے انہیں کہا تم پر سلام۔ ۳۷۔ وہ گھبرا کے ڈر گئے اور سمجھے کہ ہمیں روح نظر آتی ہے۔ ۳۸۔ اس نے انہیں کہا تم کیوں حیران ہو اور کیوں

تمہارے دلوں میں اندیشے پیدا ہوتے ہیں۔ ۳۹۔ میرے ہاتھوں کو اور میرے پاؤں کو دیکھو کہ میں آپ ہی ہوں مجھے ٹٹولو اور دریافت کرو کہ روح میں گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا تم مجھ میں دیکھتے ہو۔ ۴۰۔ یہ کہہ کے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو انہیں دکھلایا۔ ۴۱۔ ہنوز وہ خوشی سے یقین نہیں لائے تھے اور تعجب کرتے تھے اُس نے اُن سے پوچھا، تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز یہاں ہے۔ ۴۲۔ انہوں نے اسے تھوڑی سی بھونی ہوئی مچھلی اور شہد کا چھتا دیا۔ ۴۳۔ اس نے لے کر اُن کے سامنے کھایا۔ یہ ماجرا ہے ظہور عیسوی کا بعد واقعہ صلیب کے۔ لوگوں کے دلوں میں جو شبہ پڑا تھا کہ حضرت عیسٰی شہید ہو گئے۔ اس لیے آپ نے خود باذن اللہ از روئے کرامت اپنے خاص حواریوں پر ظاہر ہو کر فرمایا کہ میں اسی بدن عنصری سے موجود ہوں اور احکام عالم ناسوتی کے مجھ میں باقی ہیں یعنی کھانا کھانا۔

پس ذرا انصاف کیجئے کہ یہ وہی دلیل ہے جو قرآن شریف میں بہ نسبت بطلان اُلوہیت مریم کے کہ بعض فرقے عیسائیوں کے انہیں بھی خدا جانتے تھے اور بہ نسبت بطلان اُلوہیتِ عیسویہ کے معاً فرمائی ہے۔ کانا یاکلان الطعام یعنی وہ دونوں کھانا کھاتے تھے اور خدا کھانے سے منزہ ہے۔ سو یہاں حضرت عیسٰی نے روح کی عینیت کی اپنے سے نفی کی پس روح منہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عیسٰی خود ہی روح تھے۔ بلکہ جو مرتبہ جنین کا جزو مادر کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا روح کے ڈالنے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی گئی نہ کہ جنین کے بدن کی طرف۔ ہنوز وہ علیحدہ نہ تھا اور جب روح سے حضرتِ عیسٰی کی مبائنت ثابت ہوئی تو واجب الوجود کہ روح سے بھی زیادہ تر وہ مجرد اور منزہ ہے۔ اس کی مبائنت حضرت عیسٰی کے تعین شخصی سے بطریقِ اولیٰ ثابت ہوئی۔ بالجملہ حضرت عیسٰی جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے اور یہی ہمارا مطلب ہے۔

قولہ صفحہ ۲۲۰، نفطے کہ دریں آیت بمسیح کلمہ خدا خطاب شدہ است انتقال یافتہ انجیل است۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن جہاں کہیں انجیل کے موافق ہے تو وہ اس میں متہم بسرقہ ہو اور جہاں کہیں ناموافق ہو تو وہ غلط گنا جائے۔ یہ تو اسی شخص کو کہنا فی الجملہ پہنچتا ہے جو ایک نبی کا قائل ہو ورنہ جو کوئی متعدد نبیوں کا قائل ہوگا تو یہ قباحت بعینہا اس کی طرف عائد ہوگی۔ اس لیے کہ بحسر عقلی دو حال سے خالی نہیں۔ دوسرا نبی یا اول کے موافق ہوگا یا ناموافق۔ پہلی صورت میں سرقے کی

تہمت لگے گی اور دوسری صورت میں غلطی کی تہمت ہوگی، اس کا نام الحاد اور زندقہ ہے کہ نبیوں کے مقابلے میں صرف احتمالات وسمیہ پر چلنا بعد اس کے پادری صاحب نے جو صفحہ ۲۳۱ سے آخر فصل تک بطور دفع دخل مقدر کے لکھا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لوگ کبھی ایسے تعارضات اور قباحات کے جو قرآن کے معنوں کی نسبت ہم نے لکھے ہیں دفع کرنے کے لیے نسخ کے قائل ہوتے ہیں اور کبھی کہنے لگتے ہیں کہ قرآن کے سات بطن ہیں یعنے معنی در معنی بہت سے معنی ہیں۔ تو یہ پادری صاحب نے ناحق تکلیف اُٹھائی۔ اس لیے کہ جن آیتوں کو وہ متعارض سمجھے ہیں ان میں تعارض ہی نہیں ہے تا ہم کو ارتکاب نسخ کی حاجت پڑے۔ چنانکہ تقدیر وجہاد کی بحث میں معلوم ہوگا۔ مگر البتہ بعضی جگہ قرآن میں کہ سب ایک بارگی نہیں نازل ہوا ہے بعضی جگہ نسخ حکم سابق بھی ہے۔ مگر جن آیتوں کو پادری صاحب در باب جہاد یا مسئلہ تقدیر متعارض سمجھے ہیں سو غلط سمجھے ہیں اور بطن اندر بطن کا مضمون جو ہے سو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نصوص قرآنیہ کے جو ظاہری معنی ہیں اُس کی ضد اور متناقض باطنی معنی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارے یہاں اصول میں داخل ہے النصوص تحمل علی ظواھرھا بقید مراعات قاعدہ النصوص یفسر بعضھا بعضاً اور باستعانت عقل خالص کے کہ اول مخاطب صحیح اور مایہ التکلیف وہی ہے نہ باتباع ہوائے نفس اور توہمات واہیہ کے اور نہ بطور غترتوا اور لاتقربوا الصّلوٰۃ کے اور ہم نے خود بعضے عیسائیوں سے سُنا ہے کہ انجیل کے معنی کی تھاہ نہیں ملتی نت نئی بات نکلتی ہے۔

بالجملہ نفس الاعتراضات جو پادری صاحب نے بہ نسبت اعجاز قرآنی اور معانی قرآن کے کئے ان کا جواب ہو چکا اور مطاوی سخن میں جو کچھ انہوں نے اور لکھا وہ محض بے ہودہ اور وہ لکھنا بھی اُن کا فضول ہے۔

قولہ فصل چہارم صفحہ ۲۳۶: در ذکر کلمات چند در باب صفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم است۔

افسوس! پادری صاحب اس مقام میں اپنی عاقبت کی خرابی کی بنیاد اور مستحکم کرتے ہیں اور آفتاب پہ خاک ڈالتے ہیں جس طرح یہودی لوگ کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ آفتاب پر جو کوئی خاک ڈالتا ہے اس تک نہیں پہنچتی ہے بلکہ اسی خاک ڈالنے والے پر پڑتی ہے۔

قولہ نہایت نظر بکلام واضح قرآن ہیچ معجزہ از محمد صلعم صدور نیافتہ۔ الیٰ آخر ما قال تا سطر ۸)

صفحہ ۲۳۹۔ اس کا جواب دوسرے رسالے کے جواب میں جہاں اس کی بحث ہے لکھا گیا وہاں دیکھ لیجیے۔

قولہ صفحہ ۲۳۹ سطر ۹: بنہایت بعض اوقات محمدیاں آیہ سورۃ القمر را چنانکہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ الی قولہ۔ دلیل آوردہ می خواہند کہ از آیت معجزہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کنند باوجودے کہ از معنی خود معلوم ویقینی نمی گردد۔ کہ بمحمد نسبت داشتہ باشد بلکہ موافق قاعدہ تفسیر صحیح معنی آیت بروز قیامت منسوب است۔ الی قولہ قاضی بیضاوی وغیرہ کلمات اقتربت الساعۃ بمعنی بروز قیامت تفسیر نمودہ ونسبت دادہ ے گویند کہ یکے از علامات روز قیامت موافق مضمون این آیت این است کہ ماہ شگافتہ خواہد شد۔

جواب: اس آیت میں پیغمبر خدا کی طرف نسبت کی تصریح ہونے اور نہ ہونے کی گفتگو مفصلاً استفسار یازدہم میں ہے۔ اعادہ اس کا موجب تطویل ہے اسے وہیں دیکھ لیجیے۔ اور یہ جو پادری صاحب نے کہا کہ موافق قاعدہ تفسیر کے یہ خبر قیامت کی معلوم ہوتی ہے سو محض غلط کہا اس لیے کہ اس کے بعد والی آیت یہ ہے۔ وان یروا ایۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ یعنی نا انصاف بے دینوں کا یہ حال ہے کہ اگر دیکھتے ہیں کوئی معجزہ تو کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے پس قاعدہ تفسیر کا مقتضی ہمارے مطلب کی صحت کو ہے نہ کہ پادری صاحب کے۔ اور بعد اس کے جو اس سورت میں قیامت کا ذکر کیا تو اسی کی تمہید کے لیے اس معجزہ کو ذکر کیا ورنہ اس کے ذکر کی کچھ حاجت نہ تھی۔ یعنی قیامت سے بے دین لوگ جو منکر ہیں تو اپنی انکار کی وجہ یہ ہیں بعضے یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت مستلزم ہے اجرام علویہ کی خرابی کی اور اجرام علویہ کا خراب ہونا یعنی ٹوٹ پھوٹ جانا محال ہے پس قیامت بھی محال ہے۔

اس واسطے شروع سورۃ میں شق القمر کے معجزے کا ذکر کیا۔ یعنی استدلال اور استبعاد عقلی ماخوذ ہوتا ہے بدیہیات سے اور جب کہ بداہت عقل گواہی دیتی ہے کہ ٹوٹنا اجرام علویہ کا محال نہیں ہے تو تفکر اور فکر کی حاجت در باب اس کے استحالے اور عدم استحالے کے کیا رہی۔ پس معنی آیت کے یہ ہیں کہ دور آخر الزماں کا آپہنچا اور قیامت پاس آگئی اور چاند بھی پھٹ چکا یعنی وہ اصل فاسد امتناع خرق والتیام اجرام علویہ کا بداہۃ عقل باطل ہو چکا۔ اب اس کے آنے میں ویسے شبہات واہیہ نہ کیا کرو۔

اور یہ جو پادری صاحب نے لکھا کہ بیضاوی والے اور اور مفسروں نے اس آیت کو بمعنی سینشق القمر لکھا ہے یعنی آگے چل کر چاند پھٹے گا۔ سو پادری صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا کہ مغالطہ دینے کے لیے یہ تقریر انہوں نے لکھی ہے۔ اس لیے کہ کسی مفسر معتمد علیہ نے جن کی کتابیں متداول اور مستند ہیں اور جن کی جلالت شان اور وثاقت حال کمال شہرت سے ثابت ہے اپنا مذہب یا اپنی تحقیق اس طرح پر نہیں لکھی ہے کہ انشق القمر اس جگہ بمعنی سینشق القمر ہے بلکہ جس نے لکھا ہے بلا ذکر نام قائل یوں لکھا ہے کہ بعضے ایسا کہتے ہیں اور اس کے قول کو پھر رد بھی کیا ہے۔ لیکن بیضاوی والے نے بطور اپنی تفسیر کے دستور کے اس قول کو رد کیا مگر رد کی تقریر شد ومد سے نہیں لکھی بخلاف اور تفسیروں کے چنانکہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ سخن یعنی انشق القمر کو بمعنی سینشق القمر کہنا انہیں لوگوں کا قول ہے جن پر مسائل طبیعیات ارسطو کے غالب آگئے ہیں اور اسلام ان کا صرف برائے نام ہے۔ کسی صحابی یا عالم تابعی یا تبع تابعی جلیل القدر یا کسی مجتہد کا یہ قول نہیں ہے کہ انشق القمر بمعنی سینشق القمر ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اکنافِ عالم میں اسلام کے پھیلنے کے سبب سے بہت لوگ تبعاً ظاہر میں مسلمان اور باطن میں دشمن پیغمبر خدا کے ہوتے ہیں۔ خصوصاً مجوسی لوگ چنانکہ انہیں کے پیغمبر چہاردہم ساسان نخستین نے خبر دی ہے۔ پس جب تک کسی عالم کی حقیقتِ حال بکمال وضوح نہ معلوم ہو اور اس کی بات کے کئی شواہد اور متابعات بہم نہ پہنچیں تب تک ہر ایک طرح کی بات اس کی قابل سُننے کے نہیں ہے۔

اور جیسا کہ ڈاکٹر ٹمٹیلر صاحب نے لب التواریخ کے دفتر اول کے بیتالیسویں[45] باب کی چوتھی فصل میں لکھا کہ ابتداء میں ان قابل شخصوں کے سبب سے بھی جنہوں نے قصد کیا کہ احکام دین مسیح کو گبروں کے حکمار کی حکمت سے تطبیق دیں مسیحی کلیسیا نے بہت ضرر اُٹھایا۔ بعضے علمائے اسلام بھی اسی بلا میں پڑے اور بمؤدّای لتتبعن سنن من کان قبلکم کے حکمائے پارس اور یونان کے پچھلے مذہب کے موافق جس کا رواج بہت ہو گیا تھا حتی الوسع آیات قرآنی اور احادیث مصطفویہ کی پھیر پھار کے تاویلیں کیں۔ پس کسی اگلے شخص نے انشق القمر کے مضمون کو خلاف مسئلہ حکمت مشہورہ یونانیوں اور گبروں کے دیکھا اس کی توجیہ کی اور انشقاق اور انفطار جو قیامت کو ہونے والا تھا اس کو محمول تجوز پر کر کے کہنے لگے کہ یہ اشارہ ہے مصیبت عظمٰی اور واہیہ کبرٰی کے واقع ہونے کا جیسا کہ اکثر مسیحی

حضرت عیسٰی کی اس بات کو کہ آسمان کے تارے جھڑ پڑیں گے اور قوتِ فلکی بودی ہو جائے گی اور چاند سورج بے نور ہو جائیں گے بعضی جہتوں سے تاویل کر کے کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے ایک بڑی مصیبت سے جس کا ظہور بعد واقعہ صلیب کے پچاس برس گزرنے پر طیطوس رومی کے ہاتھ سے اور شلیم پر ہوا۔ بالجملہ ہر ایک مستور الحال کے کچھ کہنے سے قرآن اور حدیث کے لفظی معنی نہیں بدل سکتے ہیں۔ اور اگر کسی کو اپنے فہم ناقص کے موافق خدا کے کلام کی تاویل بے جا کرنے سے اصل مطلب میں فتور آتا ہو تو چاہیے کہ رومن کا تھلک اور پوپوں کی باتوں سے جو انجیل کے معنی اپنے طور پر کہا اور پھیرا کرتے ہیں اصل دین مسیحی یا انجیل میں خلل آجاوے۔ حالانکہ آپ لوگ کہتے ہیں کچھ خلل نہیں آتا۔ اسی طرح جس نے انشق القمر کے معنی پھیر کر سینشق القمر ٹھہرائے اس کے ٹھہرانے سے انشق کے لفظ کے معنی نہیں بدلے جا سکتے۔ وہ جس طرح پر ہیں اسی طرح پر ہیں۔

بالجملہ جس طرح معجزہ شق القمر کا صادر ہونا حضرت خاتم النبیین سے ثابت ہے اس طرح معجزہ توقف شمس وسط السماء میں چار پہر تک حضرت یوشع سے اور معجزہ رد الشمس دس درجے تک حضرت اشعیا سے اور تاریک ہو جانا آفتاب کا حضرت عیسٰی کی صلیب کے وقت بلکہ کوئی معجزہ کسی نبی کا نہیں ثابت ہے اس طرح پر کہ بدوں تصدیق مصطفوی کے اس کے ماننے کی کوئی سبیل ہو۔

قولہ صفحہ ۲۴ : ودیگر اخبار قبل از وقوع نیز در قرآن ذکر شدہ است۔ یہ جملہ محض غلط ہے پادری صاحب مغالطہ دیتے ہیں اس کی بحث استفسار پانزدہم میں دیکھ لو۔

قولہ یعنی چنین پیش گفتنیہا کہ مانند پیش گفتنیہائے کتب مقدسہ باشد در قرآن ذکر نگشتہ و تحریر نیافتہ است یہ جملہ صحیح ہے بایں معنی کہ بائبل میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اگر غیر الحاقی متصور کی جائیں تو مانند احادیث مصطفویہ مندرجہ مدارج النبوت کے ہیں نہ مانند ان پیشین گوئیوں کے جو در ضمن اس کلام کے ہیں جو بالفاظہ کلام الٰہی ہے۔ یہ تو فرق باعتبار ذات کلام کے ہے اور بنظر صفت کے یہ فرق ہے کہ بائبل کی پیشین گوئیوں کی جہان میں کوئی سند نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ درحقیقت اس نبی کی پیشین گوئی ہے جس کی طرف منسوب ہے اور بعد وقوع واقعے کے کسی نے نے اپنے مذہب کی رونق کے لیے نہیں ملا دی ہے اور ان معقول پر بھی وہ جملہ پادری صاحب کا ہے

کہ جس طرح اشعیا اور عیسیٰ علیہما السلام کی بعضی بلکہ اکثر پیشین گوئیاں ہیں صرف بطور معمہ یا خواب کے ہیں جس پر چاہو منطبق کر لو۔ یا باعتبار ظاہری معنوں کے محض جھوٹ ہیں یا مانند کلام یوحنا کے کہ محض مجذوبوں کی سے بڑھے ویسی ہی پیشین گوئیاں البتہ قرآن میں نہیں ہیں اور جس قلت کے ساتھ احادیث عیسویہ مندرجہ اناجیل بلکہ احادیث جملہ انبیائے بنی اسرائیل مندرجہ بائبل میں پیشین گوئیاں ہیں اتنی ہی کلام مصطفوی میں نہیں ہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں اور جس طرح احادیث انبیائے بنی اسرائیل کلام الٰہی سے مخلوط ہو کر لکھی گئی ہیں اسی طرح البتہ احادیث مصطفویہ مخلوط بکلام الٰہی نہیں قلمبند ہوئیں ان سب مراتب کی گفتگو تفصیلی اسی استفسار پانزدہم میں ہے۔

قولہ از آں جملہ در سورۃ القمر مذکور است سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ الیٰ قولہ محض جہت رفع خوف و دلیر ساختن لشکریاں آیت مذکورہ گفتہ شدہ۔ چنانچہ ایں قاعدہ درمیان ہر سردار و ہر لشکر کشے متداول است۔ اس خبر کو جو کہ محمدی لوگ پیشین گوئی کہتے ہیں تو اس طرح پر کہتے ہیں کہ جس طرح عیسائی لوگ بعضے ان تیرہ پیشین گوئیوں کو جو انجیل سے لے کر استفسار سیزدہم میں نقل کی ہیں۔ اور اسی دن کے لیے میں نے نقل کیں ہیں انہیں دیکھ لیجیے۔ یعنی بعض ان میں سے ایسی ہیں کہ ہر عاقل اور ہر متفرس ویسی باتیں کہا کرتا ہے اور سچی ہوا کرتی ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ انبیاء لوگ بھی بعضی خبر ایسی کہتے ہیں کہ متفرسین بھی ویسی باتیں کہا کرتے ہیں مگر متفرسین کو جو دعوئے اعجاز باظہار نبوت نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی ویسی باتیں کبھی سچی بھی ہو جاتی ہیں اور اگر ایسے متفرس بمقابلہ اور بمعارضہ انبیاء یا بادعائے کاذب نبوت کہیں تو خدا تعالیٰ بالکل انہیں جھوٹا کر دے۔ چنانچہ متنبیوں کے حالات سے جو قبل حضرت خاتم النبیین اور بعد حضرت عیسیٰ اور بعد حضرت خاتم النبیین کے گزرے ظاہر ہے اور اس کا کچھ ذکر استفسار چہاردہم میں ہے دیکھ لو اور انبیاء لوگ چونکہ ادعا عموم پیشوائے کار کہتے ہیں تو صرف تفرس سے ایسا حکم قطعی نہیں دیتے کہ خدانخواستہ اگر جھوٹ ہو جائے تو نافرمانی حضرت حق لازم آوے بلکہ جو خبر کہتے ہیں سو بنور نبوت کہتے ہیں اور حضرت موسےٰ نے اسی جہت سے توریت میں فرمایا کہ متنبی کی علامت یہ ہے کہ پیشین گوئی اس کی سچ نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر ایسی بات متفرس بھی کہے گا تو خدا اس کو جھوٹا کر دے گا گو کہ

وہ لوگ جو بلا دعوٰئے نبوت صرف تفرس سے کہتے ہیں اس میں سچے بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور بنظاہر ہے کہ انبیاء کے دانشمند ہونے میں ملاحدہ اور زنادقہ کو بھی شک نہیں۔ بس ایسی بات اس طرح پر کہنا کہ درصورتِ ظہورِ صدق کچھ فائدہ نہ ہو اور درصورت ظہور کذب ساری شخصیت خاک میں مل جائے۔ ایسے دانشمندوں سے نہیں ہو سکتا۔ اگر عیسائیوں کا حضرت عیسٰی کے ساتھ ایسا عقیدہ ہو تو ہمیں کسی نبی کے ساتھ ایسا خیال بھی نہیں۔ چہ جائیکہ معاذاللہ عقیدہ ہو۔

قولہ صفحہ ۲۴۱ درسورۃ الروم مرقوم است الخ۔ اس کی بحث مفصل استفسار پانزدہم میں ہے بالجملہ یہ دونوں اعتراض پادری صاحب کے ملحدانہ ہیں بعینہٖ حضرت عیسٰی کے طرف بھی عائد ہوتے ہیں جو اُن سب کا جواب ہے وہی یہاں بھی ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۳، نہایت معجزاتِ کثیرہ و علامات غریبہ و امُوراتِ عجیبہ کہ گویا از محمد صلعم صادر گشتہ باشد محمدیان بزبانِ احادیث نقل مے کنند اما درصحت و حقیقت آنہا بچند سبب شک کلی است۔ پہلے مجھے ضروری ہے کہ جس طرح پادری صاحب نے جو تقریر اس مقام پر تا سطر ۱۲ صفحہ ۲۵۱ کی ہے اس کی مثل میں بھی لکھوں بعد اُس کے اُن کی تقریر کا تفصیلی جواب دوں۔ نہایت معجزاتِ کثیرہ و علامات و امورات عجیبہ کہ گویا از عیسٰی صادر گشتہ باشد۔ عیسائیاں بطور احادیث نقل مے کنند کہ تالیفش را انجیل نامند اما در عدم صحت و ثبوت آں ہیچ شک نیست و بدوں تصدیق مصطفوی کسی عاقل ارادہ اثباتش نمی تواند کرد چہ جائیکہ باثبات رسانیدن تواند و امتناع ثبوتش را چند سبب است۔

پہلا سبب: یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ ہر بات سیاہی سے کاغذ پر لکھی ہوئی صحیح نہیں ہو سکتی۔ ورنہ حاتم کی ہفت سیر اور چار درویش کے قصے اور الف لیلہ کی کہانیاں اور امیر حمزہ اور عمر عیار کی داستان سب صحیح اور واقعی سمجھی جائیں اور جو نوشتہ مدعی یا مدعا علیہ عدالت میں پیش کرے وہ بمجرد پڑھے جانے کے مقبول ہو جائے۔ بس ضروری ہوا کہ سمعی بات کے لیے تحریری ہو یا تقریری جب سندیں بجمیع شرائطہا پائی جائیں تب ثابت گنی جائے۔ سو انجیل کے لیے ایک سند بھی صحیح مرفوع متصل کسی عیسائی کے پاس نہیں ہے چنانکہ اس کی تفصیل استفسار پانزدہم میں ہے۔

دوسرا سبب: یہ بات نہایت بظاہر ہے کہ نبی کی نبوت نہیں تسلیم کی جاتی مگر عقل کی رو

سے اور اگر عقل سے قطع نظر کی جائے تو جس کا جی چاہے جس کو سچا جانے اور جس کو چاہے جھوٹا بس ضرور ہوا کہ نبی کی نبوت کے دریافت کے لیے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا نبوت شے ممکن الوقوع ہے یا ممتنع الوقوع۔ اور جب اس پر مدار اس کا ٹھہرا تو ضرور ہے کہ نبی وہی شخص ہو جو ممکن کو واجب اور ممتنع کو واقعی نہ کہے۔ اور اگر بظاہر کہے بھی تو وہ درحقیقت مادل ہو نہ کہ محمول ہو ظاہر پر جب یہ بات ٹھہر چکی تو حضرت عیسیٰ بقول عیسائیوں کے اپنے تئیں واجب الوجود کہتے اور کہتے تھے۔ کہ واجب الوجود ایک بھی ہے اور تین شخص بھی ہیں۔ چنانکہ ایک ان تمینوں میں سے میں ہوں اور جو کوئی میرے سوائے ایسا دعوے کرے وہ جھوٹا ہے اور از روئے ہمارے استفسار یکم اور دوم کے اور بھی باتفاق کافہ عقلاء کے ممتنع ہے یہ بات کہ واجب الوجود ایک شخص بھی ہو اور تین شخص بھی ہوں کہ ایک آسمان پر بیٹھا رہے اور ایک کبوتر کی صورت پر اترے اور جس خدا پر وہ اترے وہ خدا ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہے۔ بس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کا سب بیان معاذ اللہ جھوٹ ہے اور کرامتیں اگر بالفرض ہوتی بھی ہوں تو ویسی ہی ہوں گی جیسے مسیح دجال سے ہونے والی ہیں۔

تیسرا سبب: جتنی روایتیں انجیلوں میں مشتمل بر کلام عیسوی ہیں ان میں سے بعضوں کو ایک انجیل والا مختصراً یا مطولاً نقل کرتا ہے اور اس کی دوسری انجیل والا اس کے خلاف کمی بیشی کرتا ہے حالانکہ وہ دونوں ایک ہی وقت کی باتیں نقل کرتے ہیں بس نہیں معلوم کہ کون ان میں سے سچا اور کون جھوٹا ہے۔

چوتھا سبب: بہت روایتیں انجیل میں باہمدیگر متعارض ہیں۔ چنانکہ استفسار یازدہم میں گزرا ہے۔

پانچواں سبب: بعضی باتیں اس میں محض جھوٹ ہیں جیسا کہ ترجمہ اشعیا نبی کی کتاب کے ایک لفظ کا کنواری کر کے اور یہ کہ جو بات ارمیا کی کتاب میں نہیں اسے لکھا ہے کہ ارمیا کی کتاب میں ہے اور یہ کہ عہد عتیق میں کسی نبی نے نہیں کہا کہ عیسیٰ ناصری کہلائے گا اور انجیل میں لکھا کہ اگلے انبیاً نے کہا ہے کہ عیسیٰ ناصری کہلائے گا اور یہ کہ بعضی باتیں جو اگلے انبیا نے اور وقائع کی نسبت لکھیں انہیں انجیل والے برغلط لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے حق میں ہیں۔ چنانکہ استفسار شانزدہم میں

اس کی تفصیل ہے۔

چھٹا سبب: بعض پیشین گوئیاں انجیل کی محض جھوٹ ہوگئیں۔ جیسے مثلاً کہا تھا کہ اس زمانے تک کہ آسمان کے تارے گر پڑیں اور قوتیں افلاک کی ہلودی اور چاند سورج بے نور ہوجائیں اور میں پھر کر آؤں۔ میرے اس زمانے کے لوگ جیتے رہیں گے۔ حالانکہ اب تک کوئی جیتا جی نہیں رہا۔ چہ جائیکہ قیامت تک اور نہ اب تک کسی نے اس حالت میں حضرت عیسیٰ کو آسمان پر سے آتے دیکھا۔ اور کہا تھا کہ میں تین دن تین رات برابر قبر میں رہوں گا۔ حالانکہ صرف دو راتیں اور ایک دن بھر لاش قبر میں رہی اور پھر نکل گئی۔ اور یروشلیم کے ہیکل کی نسبت کہا تھا کہ یہاں کچھ عمارت قائم نہ رہ سکے گی۔ حالانکہ عبدالملک بن مروان کی بنوائی ہوئی بڑی عظیم الشان مسجد وہاں اب تک قائم ہے۔ بالجملہ میری اس تقریر کو یاد رکھئے اور بعد اس کے پادری صاحب نے جو اسباب اپنے شک کے ہمارے یہاں کے احادیثِ نبویہ کی نسبت بیان کئے ہیں ان دونوں کو میزانِ عقل و انصاف پر رکھ کر تو لیئے اور دیکھیے کہ درباب امتناع ثبوت روایات مندرجہ اناجیل میری تقریر درست اور قوی ہے یا درباب شک روایات مستخرجہ ائمہ حدیث پادری صاحب کی تقریر درست اور قوی ہے۔

قولہ سبب اوّل اصل ناقلان حدیث زوجات و اقرباء و اصحاب محمد چنداں اعتبار ندارد۔

جواب: اس مقام پر پادری صاحب نے آنکھیں انصاف کی بند کردیں اور زبان ناانصافی کی کھول دی اور عقل کو اپنے پاس سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اقرباء آنحضرت کے نئے دین توحید کے جاری کرنے اور موروثی دین بت پرستی موقوف کرنے سے کیسے آپ کے دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے تھے۔ اگر اُن میں سے صرف دسویں حصے کے موافق بھی آنحضرت کا ساتھ دیتے تو کاہے کو آنحضرت کی نوبت ان مصیبتوں کے اُٹھانے کی آتی جو اُنہوں نے اُٹھائیں اور کاہے کو وطن چھوڑتے۔

پس ہر گاہ بایں ہمہ عداوت بعضے اس میں سے ایمان لائے اور اپنی دیکھی ہوئی باتوں کی گواہی دی تو اُن کی گواہی عقلاً بطریق اعلیٰ مقبول ہونے کے قابل ہوئی اور اگر وہ لوگ معجزے نقل نہ کرتے اور صرف اجنبی لوگ نقل کرتے تو اس وقت دشمن لوگ یہ کہتے کہ محرم راز اور گھر والوں نے تو کوئی ایسی بات دیکھی ہی نہیں۔ باہر والا کا کیا اعتبار ہے۔ پس تملق کی زبان سے کسی طرح بچاؤ نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہودی لوگ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جو لوگ توریت کے عالم تھے انہوں نے تو حضرت عیسیٰ سے کوئی معجزہ دیکھا ہی نہیں اور چند مچھوؤں اور ملاحوں احمقوں کا کیا اعتبار عوام الناس تو ذری سے شعبدے میں آجاتے ہیں. اور اگر صرف قرابت مستلزم کذب کی ہے تو انجیلیں بالکل جھوٹی ہیں.

اس لیے کہ یوسف اور مریم کے خوابوں کی روایتیں اور وقت ولادت عیسوی کی باتیں جو انجیل والوں نے لکھیں دو حال سے خالی نہیں یا انہیں سے سُن کر لکھیں یا اپنے جی سے بنا کر لکھیں بہر صورت ان کی دروغ گوئی ثابت ہوئی. در صورت اول صرف پادری صاحب کی اس اصل فاسد کی راہ سے اور در صورت دوم محض عقلا باتفاق اہل عقل. اور جب کہ اتنی باتیں قطعاً جھوٹی ہوئیں تو باقی روایتیں ان کی بقاعدہ اصول سمعیات کے سب واجب التکذیب ہوگئیں. کیونکہ جب کسی کا ایک بات میں کذب قطعی ثابت ہو جاتا ہے تو اس کی سب روایتیں بے اعتبار ہو جاتی ہیں. بس ساری انجیلیں جھوٹی ہوگئیں.

اور اصحاب کا جو ذکر کیا سو یہ اور بھی گم ہوئی. کیونکہ اس قاعدے سے کہ اصحاب کی روایتیں جھوٹی ہوتی ہیں ساری بائبل غارت اور غلط ہوگئی. اس لیے کہ از حال موسے تا حال عیسیٰ جو اچھی باتیں ان کی طرف منسوب کر کے توریت اور انجیل میں لکھی گئی ہیں بحصر عقلی دو حال سے خالی نہیں یا انہوں نے خود لکھی ہیں یا نہیں. اگر خود لکھی ہیں تو محض دعوے ٹھہرا اور دعویٰ بے گواہوں کے جھوٹا ٹھہرتا ہے اور اگر اس پر گواہیاں گزری ہیں یا صورتیکہ انہوں نے خود نہیں لکھیں بلکہ انہیں گواہوں نے لکھی ہیں تو بحصر عقلی دو حال سے خالی نہیں. وہ گواہ لوگ اُن نبیوں کے قرابت دار تھے یا نہ تھے تو بموجب پہلے قاعدے کے کہ قرابت والے کی گواہی ایسی باتوں میں پادری صاحب کے نزدیک جھوٹی ہوتی ہے وہ سب باتیں جھوٹی ہیں.

اور اگر قرابت دار نہ تھے تو حصر عقلی دو حال سے خالی نہیں یا اُن نبیوں کے دیکھنے والوں اور ایمان لانے والوں میں تھے یا نہیں. اگر دیکھنے والوں اور ایمان لانے والوں میں تھے تو اُن کے اصحاب ٹھہرے. سو اصحاب کی گواہی جھوٹ ہوتی ہے تو سب جھوٹ لکھا گیا.

اور اگر دیکھنے والوں میں سے نہ تھے تو پھر کس سے سُن کر انہوں نے لکھا. آیا انہیں نبیوں کے قرابت والوں یا اصحاب سے سُن کر لکھا یا اپنے جی سے بنا کر. بہر صورت ان منقول پہ بھی ان

کا کہنا بموجب تقریر سابق سب جھوٹ ہوا۔

اور اگر یہ کہیے کہ جنہوں نے وہ باتیں لکھیں وہ ایمان لانے والوں میں نہ تھے بلکہ سب کافر تھے تو یہ بات آپ کہہ نہیں سکتے اور اس میں بھی ساری کتابیں آپ کی جھوٹی ہوں گی۔ کیوں کہ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے ان کتابوں کے ایمان لانے والوں میں تھے۔

علاوہ بریں ملحد لوگ کہیں گے کہ ہر گاہ دیکھنے والے ایمان نہیں لائے تو معلوم ہوا کہ وہ حرکتیں جو بطریق خرقِ عادت کے تھیں ان کے نزدیک بہانتیوں کے چھل یا ساحروں کے سحر کے طور پر تھیں اور ان نبیوں کے حسنِ اخلاق جو انہوں نے لکھے تو وہ ان کے نزدیک محض مکاری اور فریب کاری کے لیے دُنیا دارانہ تھے۔

اور جب کہ دیکھنے والوں کی تشخیص میں ایسا ثابت ہوا تو سننے والے بطریق اولیٰ ویسا ہی جاننا چاہیں۔ بہر حال اُن نبیوں کی سب باتوں کو پادری صاحب نے یہاں بالکل جھوٹ اور بے اصل ہونا اچھی طرح ثابت کیا کیوں نہ ہو شاباش۔ حضرت عیسیٰ بہت خوش ہوں گے۔ ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی ۔۔۔ گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

پادری صاحب نے یہاں بیگانی بدشگنی کے لیے اپنی ناک آپ کاٹی اور حضرت خاتم النبیین کی عداوت سے سارے معاملات انبیائے بنی اسرائیل کے خاک میں ملائے اور اس بات سے بالکل کارخانہ علوم دینیہ کا غلط ہو گیا اور ساری تاریخیں جہان کی سب جھوٹی ہو گئیں۔

قولہ سبب دوم راویانِ احادیث چناں اشخاص ہستند کہ معجزات بچشم خود ندیدہ اند بلکہ بعد انقضائے صد یا دو بیست سال کہ از وفات محمد صلعم گذشتہ بود۔ راویان احادیث و نقلہائے معجزات محمدؐ را متواتر شنیدہ و جمع آوری نمودہ بعد نصف آنہا را بعلت بے اعتباری عمداً انداختہ و مابقی را معتبر شمردہ بتحریر آنہا اقدام ورزیدہ در کتب تالیف کردہ شان ضبط و ثبت نمودہ اند۔ الیٰ قولہ معجزات را کہ در کتب خود نقل می کنند بچشم خود ندیدہ و احادیثی کہ ترقیم کردہ اند خود شاں لفظاً از زبانِ محمدؐ نشنیدہ اند۔ پس شہادت آنہا در احادیث معتبرہ اعتبار تمام ندارد۔ یہ تقریر پادری صاحب کی تب صحیح اور موجب بے اعتباری روایاتِ مستخرجہ ائمہ احادیث ہوتی۔ جب کہ ان روایتوں میں بقاعدہ عقلیہ ثبوت سمعیات کی سندیں وہ نقل نہ کرتے جیسا کہ مؤلفین اناجیل نے کیا اور ہر گاہ

انہوں نے سندیں نقل کیں یعنی دیکھنے والوں سے بوسا ئط ثقات گواہیاں سُن کر نقل کیں پس بقاعدہ عقلیہ مزبورہ اس میں کچھ گفتگو نہ رہی۔ مگر سوفسطایانہ مجرد احتمال وہمی کذب کا باقی رہا۔ سو مجرد احتمال وہمی اخبار کی نسبت جیسا زبانی بیان کرنے میں ہوتا ہے ویسا ہی لکھنے میں۔ پس اگر انجیل کے مولفوں نے بالفرض اپنی دیکھی اور بلا واسطہ سُنی ہوئی کے لکھنے کا دعوے کیا ہے سو اس میں بھی وہی احتمال کذب قائم ہے اور جتنی گواہیاں جس مقدمے میں کیسے ہی معتبر آدمی کی نسبت معائنے کی گزریں۔ سب میں یہی احتمال جاری ہے۔ پس جو جواب اس کا ہے وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لیجیے اور میرے استفسار دوازدہم اور پانزدہم کو بغور پڑھ کر دیکھئے۔ اس میں کوئی دقیقہ گفتگو کا ضروری فرو گذاشت نہیں ہوا۔ اگر اس کا جواب پادریوں سے سرانجام کو پہنچے گا تو اس وقت البتہ اور گفتگو کی حاجت ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۴، سبب سیوم ایں ست کہ معنی اکثر احادیث بطریقے می باشد کہ ہر عاقل و فکر کنندہ اگر چنانچہ تعصب و جانب داری را کنار گذارد با آسانی خواہد فہمید کہ محال است کہ ہمگی آنہا راست و درست باشد۔ چنانچہ از مطالب احادیثے کہ در کتب حق الیقین و عین الحیات و سائر ہا ثبت گشتہ۔

اس کے بعد پادری صاحب نے تا سطر ۱۴ صفحہ ۲۴۶ چند روایتیں ان دونوں کتابوں سے نقل کیں۔ سو اس میں سے کوئی بات کسی طرح سے عقلاً محال نہیں ہے پس پادری صاحب کا یہ کہنا کہ یہ باتیں محال ہیں محض جھوٹ ہے اور کوئی بات کسی کتاب میں ہمارے یہاں ایسی نہیں لکھی ہے جو قطعاً ممتنع عقلی ہو جیسا خدا کا آدمی بن کر یعقوب علیہ السلام سے رات بھر کشتی لڑنا اور بے بس چڑھائی ان کے پاؤں کی انہیں مغلوب نہ کر سکنا اور اسحاق کی دعا کو بر غلط سمجھنا خدا کا اور نبیوں کا اور گوسالہ پرستی اور بُت پرستی کروانا اور خدا کا رحم مریم میں جنین بن کر رہنا اور پیدا ہو چکنے کے بعد یحییٰ کا مرید ہونا اور اپنے بندوں کی نجات کے لیے عدالت کی رو سے کوئی سبیل نہ دیکھنا بجز اس کے کہ آپ ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہے اور ایک شخص بھی خدا ہو اور وہی خدا تین شخص بھی ہوں اور ایسی ایسی بے ہودہ باتیں جو عقلاً ممتنع ہیں کہیں ہمارے یہاں نہیں لکھی ہیں۔

علاوہ بریں ہمارے اس قاعدے کو جو استفسار دوازدہم میں لکھا ہے۔ دیکھ لیجیے کہ حیاۃ القلو

اور عین الحیات کی جو تالیف ملا باقر مجلسی کی ہیں اس طرح کی روایتوں کا ثبوت نہیں ہے اور اس کے ثبوت نہ ہونے کے سبب سے اور سب روایتیں احادیث کی غیر ثابت ٹھہریں۔ ایسا بھی عقلاً نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت یوحنا صاحب شہادت کی سیر کیجیے کہ کوئی خلاف قیاس بات دنیا میں اس سے زیادہ نہیں ہوگی اور ہمارے یہاں کی روایتیں ایک طرح کی اگر غلط ہوتی ہیں تو ان کی غلطی سے باقی ہر طرح کی روایتیں غلط نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ سب روایتیں بیک صفت اور بیک سند مروی نہیں ہیں چنانکہ اسی لیے وہ قاعدہ عقلیہ ہمارے یہاں سمعیات کے ثبوت عقلی کے باب میں مقرر کیا گیا ہے جس کا ذکر استفسار دوازدہم میں گزرا۔

قولہ سبب چہارم اینکہ احادیث بسیار بخلاف وضد قرآن آمدہ مثلاً بایں قسم کہ در قرآن مرقوم شدہ است کہ از محمد صلعم ہیچ معجزہ بظہور نرسیدہ اما موافق احادیث نقل مے کنند کہ معجزہ بسیار وبے شمار از محمد صلعم ظہور یافتہ۔ پادری صاحب کی غلطی ہے کہ کسی آیت سے یہ نہیں نکلتا کہ معجزہ پیغمبر خدا سے نہیں صادر ہوا اور نہ ہوگا۔ بلکہ اجمالاً جس طرح جود حاتم اور بلی رستم اور سلطنت سکندر ثابت ہے اس طرح پر قرآن میں کئی جگہ اعجاز مصطفوی کی تصدیق ہے اور بعضے معجزات کا ذکر علیٰ سبیل التفصیل بھی ہے۔

قولہ وہ دیگر چنانکہ سابقاً ذکر کردیدہ کہ در قرآن بیان شدہ است کہ محمد گنہگار بودہ نہایت بنا برآں اکثر احادیث محمدیاں بخلاف آں ادعا مے کنند کہ محمد معصوم بودہ است۔ ہمارے یہاں عصمتِ انبیاء کی صرف اُن کے اس کہنے پر نہیں موقوف ہے کہ ہم معصوم ہیں بلکہ موقوف ہے لازم نبوت کے ثبوت پر اور جب لوازم نبوت ثابت ہو لیے تو واجب ہو گیا کہ وہ معصوم بھی ہوں اور ورنہ یہ لازم آوے گا کہ جس طرح مثلاً کوئی کسی شخص کو کہے کہ آدمی ہے اور اس کے ساتھ کہے کہ ضحک بالقوہ اس میں نہیں ہے اور جس عصمت کے ہم قائل ہیں اس کے منافی ہر طرح کے گناہ کو نہیں جانتے چہ جائیکہ استغفار اور غفران کو کسی طرح مستلزم ثبوت گناہ کا جانیں۔ چنانکہ گناہ اور استغفار کے جو معنی ہم نے پہلے بیان کیے ہیں عصمت اس کے منافی نہیں ہے۔ ہمارے اصول کے موافق اور آپ کے یہاں تو انبیاء میں عصمت شرط ہے ہی نہیں۔

اور احادیث میں تو کہیں تخصیص عصمت کی چنداں ہے بھی نہیں اور قرآن میں ہے۔ قولہ وافضل ترین کل مخلوقات بود بلکہ باعث ایجاد دنیا و ما فیہا ہماں است۔ یعنی حدیثوں سے ایسا نکلتا ہے سو باعث ایجاد عالم آنحضرت سے اپنے تئیں کہنا بخوبی ثابت نہیں ہے۔

ہاں مگر وہ لوگ جن کی بزرگیاں مثل حواریوں کی بزرگیوں کے تھیں اور ثبوت میں حواریوں کی بزرگیوں سے زیادہ تر ہیں۔ البتہ اس بات کے قائل ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ گویا علتِ مادیہ سارے عالم کی ہے اور شخص اقدس ظاہری آنحضرت کا لطور علتِ غائیہ کے ہے اور آنحضرت نے آپ خود یہ البتہ فرمایا ہے کہ مجھے خدا نے سیدِ اولادِ آدم بنایا ہے۔ سو اس کہنے پر طعن کرنا حماقت ہے اس لیے کہ آدمی کے لیے نبوت سے زیادہ کوئی مرتبہ نہیں ہے اور ہر نبی کے ذمہ واجب ہے کہ اپنے تئیں نبی کہے۔ مگر آنحضرت نے کہیں اپنے تئیں خدا یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا یا خدائے مجسم نہیں کہا ہے اور آنحضرت کی افضلیت اور سیادت مطلقہ انجیل سے ثابت ہے۔ چنانکہ استفسار شانزدہم میں گزرا۔ علاوہ اس کے اگر کوئی دانشمند صرف عقل کو اپنا پیشوا بنا دے اور تعصب مذہب موروثی سے علیحدہ ہو جائے تو آنحضرت کی افضلیت سب انبیاؤں پر بوجوہ عقلیہ جان سکتا ہے۔

ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ پہلا حکم شریعت کا جس کو حضرت عیسٰی نے حیاتِ جاودانی فرمایا ہے کہ سوائے واحد حقیقی کے کوئی معبود کل کائنات اور کوئی قابل عبادت کے نہیں ہے اور اسی کے لیے سب انبیاء آئے اور اسی پر اپنی جانیں دیتے رہے اور اسی کے رواج کے لیے اپنے آرام اور چین اور عزت اور آبرو و دنیا کی کھوتے اور اپنے جان و مال اور زن و فرزند سے دستبردار ہوتے رہے۔ سو یہ حکم جس طرح محمد رسول اللہ والذین معہ کے ہاتھوں پھیلا اور اس کا عشر عشیر بھی کسی نبی کے ہاتھوں سے نہیں پھیلا اور حضرت عیسٰی کے یہاں تو بالکل معاملہ الٹ گیا۔ یعنی مدار نجات اس پر آرہا کہ خدا ایک شخص بھی ہے اور تین شخص بھی خدا ہیں۔ چنانکہ ہمارے یہاں لکھا ہے کہ اسی جہت سے حضرت عیسٰی مارے شرم کے فتح باب شفاعت پر اقدام نہ کر سکیں گے۔ گو کہ بعد فتح باب شفاعت البتہ بہتیروں کے شافع ہوں گے۔

ازاں جملہ جس طرح کے ایمان کو حضرت عیسٰی نے حیاتِ جاودانی فرمایا یعنی معبودِ حقیقی پر دل و جان سے فدا ہونا اور جس ایمان کی نشانی یہ فرمائی تھی کہ اگر ذرا سا ایمان ہو تو سطح دریا پر آدمی چلا

جائے اور پہاڑ کو اگر کہہ کہ ہٹ جا تو اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور فرمایا کہ مجھ سے بہتر کام کرنے لگے اس طرح کے ایمان کے لوگ جتنے ہمارے حضرت کی کرامت میں ہوتے رہے ہیں اتنے کسی امت میں نہیں ہوئے۔ گو کہ اواسط قرون ہجریہ تک بہت ہوئے اور بعد اس کے کم ہوئے۔ چنانکہ اس نالائق نے بھی بعضے کو ایسے دیکھے ہیں۔

اول جملہ اگلے سب انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی بسبب فقدان اسناد اور ثبوت تحریف کے کوئی سبیل باقی نہیں رہی بجز تصدیق حضرت خاتم النبین کے۔

قولہ صفحہ ۲۴۲، چنانکہ در سورۃ والضحیٰ مرقوم است ووجدک ضالاً فھدیٰ۔

جواب: ہمارے یہاں راہ گم کرنے کے کئی معنے ہیں۔ ایک یہ کہ راہ حق نہ پانا اور شئے گم گشتہ کی مانند اس کو ڈھونڈنا۔ اور دوسرے یہ کہ راہ حق چھوڑ دینا اور اس پر نہ چلنا سو پہلے معنی منافی عصمت انبیاء کے قبل نبوت کے ہمارے یہاں نہیں ہیں۔ مگر دوسرے معنی البتہ منافی عصمت ہیں۔ سوآنحضرت پر دوسرے معنی صادق ہی نہیں آتے۔ اس لیے کہ قبل آنحضرت کی نبوت کے راہ حق کہیں کھلی ہوئی تھی ہی نہیں۔ جس کا چھوڑنا ان کی نسبت متوہم ہو سکے جتنی راہیں تھیں ان میں بڑے بڑے پہاڑ اور دریا شرک کے اور بدعت کے اور اختلاف اور احتمال اور تحریف اور خیالات کے پڑ گئے تھے مگر اس بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت نے بت پرستی کی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضلالت اور ہدایت سے یہاں لغوی معنی مراد ہوں پس جس طرح خداتعالیٰ نے اس آیت کے قبل اور بعد انعامات دینویہ کا ذکر کیا۔ یعنی فرمایا الم یجدک یتیماً فاویٰ اور فرمایا ووجدک عائلاً فاغنیٰ ویسا ہی شاید کبھی حضرت سرور کائنات قبل نبوت کے کہیں راہ بھول گئے ہوں اور بسبب مقابلہ ہلاکت کے گھبرانے لگے ہوں اور خدا نے اس گھبراہٹ سے نکال دیا ہو۔ اسی ماجرے کی طرف یہ اشارہ ہو۔ چنانکہ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ ایام رضاعت میں ان کی دایہ نے ایک بار اُن کو مکے میں گم کیا تھا اور بعد اس کے غیب سے پھر انہیں نے وہاں آپ کو رکھا ہوا پایا۔

قولہ در سورت شوریٰ است ماکنت تدری ماالکتاب ولاالایمان۔ ہمارے یہاں ایمان صرف خدا کے ایک جاننے کا نام نہیں ہے بلکہ رسالت اور معاد کا بھی اعتقاد منجملہ ارکان ایمان ہے اور یہ بھی ہمارے یہاں ثابت ہے کہ قبل ظہور نبوت نہ معلوم ہونا معاد اور رسالت کے

حال کا منافی عصمت انبیاء نہیں ہے اور وہ باتوں کا نہ جاننا مستلزم شرک اور بُت پرستی کو نہیں ہے تا کہ ہمارے اصُول پر منافات عصمت سے لازم آوے۔ بالجملہ عصمت کا مسئلہ ہمارے یہاں کا ہے۔ اس کے منافی اور غیر منافی ہونے میں بھی ہمارے یہاں کے اصول کو دیکھنا چاہیئے۔ اور عیسائیوں کے یہاں انبیاء میں سرے سے عصمت ہی نہیں مسلم ہے بلکہ بعد نبوت کے شرک اور بُت پرستی کروانا بھی جائز جانتے ہیں تو ان کو بطور خود کچھ جائے اعتراض نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۷، سبب پنجم اینکہ احادیث مختلف یک دیگر اند بمثلاً باین قسم کہ درمیان اہل تسنن احادیث غیر آں احادیث ہستند کہ درمیان شیعیان مشہور و مستعمل گشتہ اند۔

جواب: یہاں گفتگو معجزات کے باب میں ہے۔ سو معجزات مصطفویہ میں کچھ اختلاف شیعہ اور سُنی کا نہیں ہے اور اگر مطلق اختلاف بعض باتوں کا موجب سقوط قدر متفق علیہ کا بھی ہو تو چاہیئے انجیلیں بھی ساقط عن الاعتبار ہوں۔ اس لیے اہل انجیل یعنی عیسائیوں میں شیعہ اور سنی سے زیادہ تر اختلاف اور مکافرہ اور مضادّہ ہوتا چلا آیا ہے اور خود اناجیل کی روائتیں بھی آپس میں مختلف ہیں۔ چنانچہ استفسار یازدہم میں ہم نے بطور مشتے نمونہ بیان کیا ہے۔

قولہ علاوہ بریں درمیان احادیث شیعہ احادیث بسیار بعضد و خلاف یک دیگر وارد شدہ اند۔ الیٰ قولہ و ہمیں طریق احادیث سنی نیز مانند احادیث شیعہ است۔ درباب معجزات مصطفویہ جو روائتیں سنیوں کے یہاں ہیں ان میں تعارض نہیں ہے اور کسی قدر بعضے واقعہ کے بعضی خصوصیات میں جو اختلاف ہے۔ سو روایات مندرجہ اناجیل کے اختلاف سے زیادہ نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۲۴۹: چنانکہ بنا بر احادیث شیعہ علی ابن ابراہیم ابن ہاشم در خصوص اختلاف چند احادیث از علی ابن ابی طالب سوال کرد علی در جواب باو گفت کہ اگر تو معتبرے و غیر معتبرے احادیث را نمی توانی فہمید و درشک ہستی اولیٰ چناں است کہ الیٰ ظہور امام مہدی منتظر باشی۔ الیٰ قولہ۔ و ہمیں حدیث در کافی در باب اختلاف احادیث واضحا بدیں طریق مرقوم شدہ است۔ در صورت فرض کرنے صحت روایت کافی کے یہ سخن احادیث متعارضہ میں ہے اور سب احادیث متضمن معجزات مصطفویہ میں تعارض نہیں ہے۔ سینکڑوں روائتیں بلا تناقض اور بلا تعارض ہیں اور اور قرآن ان سب برعلاوہ ہے۔

بالجملہ ہر کوئی جانتا ہے کہ دس آدمی بالفرض اگر دس باتیں نقل کریں اور نُو میں ہمدیگر اختلاف کریں اور صرف دسویں میں لفظاً اور معناً اور حتماً اور جزماً اتفاق کریں تو ازروئے قاعدہ سمعیات کے ثبوت عقلی کے وہ دسویں بات غلط نہیں ہو سکتی اور بفرضِ محال اگر یہ صورت موجب سقوط قدر متفق علیہ کی بھی ہو تو چاہیئے کہ انجیلیں بھی سب جھوٹی ہو جائیں۔ اس لیے کہ ان کے آپس میں اختلاف کمی بیشی روایات اور مطالب کا حد سے زیادہ ہے۔ تھوڑا انصاف کرو کہ یہ گفتگو علاوہ از قرآن صرف بنظر احادیث کے ہے۔ وائے بر مذہبی کہ جس میں صرف حدیث ہی کی تالیف پر مدار ہو ایمان کا جس کا نام انجیل قرار پایا اور اس کی سند بھی کہیں نہ پائی جائے کہ کس نے تالیف کی اور وہ کون آدمی تھا اور معہذا ان میں اختلاف روایات اور اس کے ساتھ تحریف بھی ثابت ہو۔ ایسی باتیں اگر ملحد لوگ مسلمانوں کے سامنے کریں تو کچھ گنجائش بھی ہے ملیتین کو تو مسلمانوں کے سامنے سر اُٹھانے اور دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔ جو کوئی ذہین اور فہمیدہ ہو گا وہ میری بات کو خوب سمجھتا ہو گا۔

قولہ اگرچہ آنکہ احادیث بالکلیہ خلاف ہم نباشند باز چناں اعتبارے ندارند کہ آنہارا درخصوص اعتقاد دلیل تواں آورد۔ یہ کلیہ پادری صاحب کا محض غلط ہے اس لیے کہ سمعیات میں جس قدر اہل اختلاف کا متفق علیہ ہو وہ کسی دلیل سے ساقط عن الاعتبار نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ قدر متفق علیہ حسی اور سندی امر ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ در انجیل ہیچ گونہ اختلاف روایت فرض کردم کہ نباشد باز چناں اعتباری ندارد کہ آنہارا درخصوص اعتقاد دلیل تواں آورد۔ چہ ہیچیک سندش یافتہ نمی شود کہ تالیف کنندگانش کدام کسان وچگونہ بودہ اند ومعہذا دخل و تصرف و ادراج کلام غیر نبی وغیر مؤلف و اختلاف نسخہ ہا ازانہا کالشمس فی نصف النہار روشن است۔ دیکھتے یہ تقریر عقلاً قابل تسلیم کے ہے یا پادری صاحب کا وہ جملہ۔

قولہ اگر بالفرض قبول نمایم کہ محمد صلعم معجزہ نمودہ باشد باز قرآن او باطل است و خود او پیغمبر صادق نخواہد بود۔ زیرا کہ قرآن ضد و برخلاف انجیل است و سابقاً ذکر و ثابت نمودہ ایم کہ انجیل کلام خدا است و اصلاً منسوخ نشدہ و تحریف ہم نگردیدہ است۔

جواب مسلمانہ: امتناع نسخ اور تحریف کا سخن پادری صاحب کا باطل ہے اور اس انجیل کا کلام الٰہی ہونا بلفظہ بالاتفاق باطل ہے اور بطور حدیث عیسوی ہونا بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ وہ

عبری بولتے تھے اور انجیل عبری دُنیا میں رہی نہیں۔ اور تیسری فصل میں جو پادری صاحب نے انجیل کے کلام الہٰی ہونے کی دلیل لکھی ہے اس کا ذکر آگے آوے گا۔

جواب یہودیانہ: ذرا اس کو کان لگا کر سنیئے کہ کیسا مدلل ہے اور بدرل انکار کے اصُول ملت نصرانیہ سے کیسا متمنع ہے۔ اگر بالفرض قبول نمایم کہ عیسیٰ معجزہ نمودہ باشد باز انجیل او باطل است واو پیغمبر صادق نخواہد بود زیرا کہ انجیل ضد و بر خلاف کتاب موسےٰ است و بجائے خود ثابت و انجیل خود مقر است کہ کتاب موسیٰ کتاب الہٰی است و اصلاً منسوخ نشدہ و ہیچگونہ تحریف درآں راہ نیافتہ ومخالف بودن انجیل از کتاب موسیٰ بہزاراں وجوہ ثابت۔

ازانجملہ چند وجہ مخالف کہ خود عیسائیاں بداں اعتراف دارند بیان می کنم۔ اول اینکہ بسیاری از احکام ظاہریہ در توریت نوشتہ می نویسد کہ ہم چنیں تا ابدالآباد ہمہ کردہ باشند و عیسیٰ مے گوید کہ ظاہریت آں ممنوع ومبدل بہ باطن گشتہ و شرح ایں تبدیل عیسائیان بعجیب جملہ ہائے بے معنی می کنند کہ ہیچ مطلبش بفہم ہیچ مکلفے درآمدن نمی تواند مثلاً اینکہ گویند کہ قربانیہائے محکومہ توریت نمونہ آں یک قربانی بود کہ عیسیٰ مسیح بوجود خود بعمل آورد یا آنکہ میگویند کہ احکام ظاہرہ توریت سلیہ چیز آئندہ بودہ است و حقیقت آں مسیح است یا اینکہ از ختنہ ابدی الحکم ختنہ دل مراد است۔ برائے خدا انصاف باید داد کہ معنی ہیچ یک جملہ از جملہ ہائے مذکورہ ہیچگونہ بفہمید کسے درآمدن مے تواند حاشا وکلا۔ دوم اینکہ در توریت مذکورہ است کہ ہر کہ حادث را معبود گوید او محض دروغ گو و واجب القتل است۔ اگرچہ معجزات عظیمہ نمودہ باشد و عیسیٰ از بطن مریم و صلب یوسف نجار پیدا شد و حادث بود و می گفت کہ من خدا ہستم۔ معہٰذا بتقریب بے معنی ایں ہم گفت کہ سہ تا خدا ہستند۔ یکے از اں منم کہ در شکم مریم جسم گرفتم و یکے بر آسمان نشستہ مے ماند و یکی از پیش خدائے آسمان بر صورت کبوتر آمدہ در من حلول کرد۔ سیوم اینکہ در توریت مذکور است کہ پیغمبرے کہ دروغے بر خدا بندد او کشتہ شود۔ پس عیسیٰ چوں کشتہ شد معلوم گردید کہ دروغ گو بود۔ چہارم اینکہ بر وقت جان دادن دروغ گو گفت کہ اے معبود من چرا مترو کم ساختی۔ پنجم اینکہ در توریت مذکور است کہ بر مدعی نبوتے کہ پیشین گوئی کند و سخنش دروغ برآید او را نبی ندانند و عیسیٰ ہمچنین گفتہ بود کہ تا فرو افتادن ستارگان و منسوخی شدن قوتہائے فلکیہ و بے نور شدن نیرین بعض مردم زمانہ من باقی خواہند ماند تا اینکہ باز فرود آمدنم را از آسمان خواہند

دید وایں در وغ برآمد یعنی ہنوز کسے ازاں وقت زندہ نیست چہ جاکہ تاقیامت ونہ کسے ہنوز گاہی از آسمان فرود آمدن او دید دریں حال کہ گفتہ۔

صاحبو! انصاف کرو۔ یہ تقریر یہودیوں کی کتنی مدلل ہے۔ میں نہیں جانتا ہوں کہ جب تک عیسائی لوگ اپنے عقیدہ ہائے باطلہ سے توبہ نہ کریں تب تک اس تقریر کو بوجہ معقول بلا مکابرہ اٹھا سکیں۔

قولہ صفحہ ۲۵۱: درخصوص اینکہ خواص وصفات محمد صلعم کہ دریں آیت مرقوم گشتہ چہ گویم وچہ گمان بریم۔ مثلاً در سورۃ الاحزاب است کہ یاایہا النبی انا احللنا لك ازواجك اللاتی اتیت اجورهن وماملکت یمینك الآیۃ۔ یہاں سے لگا کر اس فصل کے آخر تک وہ آیتیں جن میں مذکور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر خدا کو چار عورتوں سے زیادہ نکاح کی اجازت دی اور زید بن حارثہ کی زوجہ سے بعد اُن کے طلاق دینے کے نکاح ہونے کا مذکور اور حضرت ماریہ قبطیہ کے قصے کا اشارہ اور بے مہر جائز ہونا آپ کے نکاح کا ذکر ہے لکھ کر پادری صاحب نے یہودیوں کی طرح بدگمانیاں اپنی واشگاف ظاہر کر کے اپنی عاقبت درست کی ہے۔ سو ان کی بدگمانیوں کا تو وہی جواب ہے جو یہودیوں کی بدگمانیوں کا جواب ہے اور باقی معقول جواب تحقیقی اور الزامی یہ ہے۔

جواب، تحقیقی کوئی دلیل عقلی یا نقلی توریت اور انجیل سے بھی اس بات پر نہیں قائم ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی نبی کو بہت سی بیبیاں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی توریت اور انجیل کی اس بات پر بھی قائم نہیں ہے کہ جو بہت سی بیبیاں کرے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ رہا مطلقہ سے نکاح کرنا، سو اگرچہ انجیل میں منع کیا گیا ہے مگر توریت میں درست ہے۔ اور عیسائیوں کا دعوےٰ ہے کہ توریت اور انجیل آپس میں متحد ہیں ناسخ منسوخ نہیں ہیں۔ اور ہمارے نزدیک توریت کا حکم بحال اور انجیل کا وہ حکم منسوخ ہوا ہے اور متبنی موجب حرمت نکاح اسکی زوجہ کے نہ عقلاً ہو سکتی ہے اور نہ کہیں توریت یا انجیل میں اس کی تحریم لکھی ہے۔ بس کوئی اعتراض صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور رہی بدگمانی جتنے ملحد اور بے دین اور بدنصیب ہیں انبیاء کے دشمن ہوتے رہے ہیں اور بدگمانیاں کرتے رہے ہیں اس کا جواب خدا کے پاس ہے اور محض عقلاً حلت اور حرمت نکاح کے مسائل کسی طرح نہیں ثابت ہو سکتے۔ اسی لیئے پارسیوں کے یہاں ماں، بہن، بیٹی سے بھی

نکاح درست ہے اور ہندؤں کے یہاں ست جگ میں عورتیں پابند اپنے شوہروں کی نہیں ہوا کرتی تھیں اور وہ زمانہ خیر محض تھا اور اب ان کے شاستر میں کئی پشت تک کی جزئیت میں بھی نکاح حرام ہے اور جمع بین الاختین شریعت یعقوبیہ میں درست تھا اور توریت میں حرام ہو گیا اور قلت اور کثرت نکاح میں شناعت عقلی یہ ہے کہ ضعیف القوی کو افراط صحبت عورت موجب حدوث امراض اور جمودت طبع ہوتی ہے اور شدید القوٰے کو تفریط موجب حدوث امراض اور جمودت طبع ہوتی ہے سو اس کا حال اسی کو معلوم ہوگا جو نکاح کرتا ہے اور کسی کو کیا معلوم۔

جواب الزامی: کتاب استشنا باب بست ویکم نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۱۔ ان اسیروں میں جو تو خوب صورت عورت دیکھے اور تیرا جی اس پر چلے کہ تو اسے اپنی جورو کرے۔ ۱۲۔ تو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا سر منڈوا اور ناخن کٹوا۔ ۱۳۔ وہ اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے۔ اور کامل مہینہ بھر اپنے باپ اور ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر۔ اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔

دیکھو حضرت موسےٰ بے انتہا عورتوں کے رکھنے کی اجازت دیتے ہیں کہ جس کافر کی بیٹی کوئی مومن پکڑ پاوے تو اس کو بے تکلف جورو بناوے اور کچھ تعداد اور شمار کی قید بھی نہیں لگائی۔

اور کتاب پیدائش کے باب ششم میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۲: خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت ہیں تو ان سبھوں میں سے جس نے جس کو پسند کیا اس نے اس سے بیاہ کیا۔ الیٰ قولہ ۴۔ اس کے بعد جب خدا کے بیٹے آدمیوں کی بیٹیوں سے ہم بستر ہوئے تو ان سے لڑکے پیدا ہوئے اور یہ وہ اقویا تھے جو قدیم سے نامور تھے۔

دیکھو جن کو توریت میں خدا نے اپنے بیٹے کہا وے بھی رنڈیوں میں سے پسند اور ناپسند کرنے کی تمیز رکھتے تھے اور یہ نہیں ہو سکتا ہے جب تک دل میں مزا نہ ہو۔ پس ہر گاہ حضرت عیسٰے کے علاتی بھائی عورتوں سے رغبت رکھتے تھے تو عبداللہ بن عبداللہ جو صرف رسول اللہ ہوا اس نے اگر رغبت کی تو کیا مضائقہ۔

اور کتاب خروج کے باب چہارم کے ورس بست و دوم میں لکھا ہے نسخہ ۱۸۲۵ء۔ اسرائیل

میرا پلوٹھا بیٹا ہے۔" اور اسی کتاب کے باب بست و نہم میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۷: راحیل خوشرو اور خوب صورت تھی۔ ۱۸۔ اور یعقوب راحیل پر عاشق تھا۔ سو اس نے کہا یعنی اپنے سسر سے کہ تیری چھوٹی بیٹی راحیل کے لیے سات برس تیری خدمت کروں گا۔" دیکھو باوجودیکہ یعقوب حضرت عیص پر رئیس تھے۔ کیونکہ پہلا بیٹا فرنگیوں کے اصول کے موافق مالک ریاست موروثی کا ہوتا ہے۔ معہذا صرف عورت کی محبت سے سات برس کی خدمت گاری اختیار کی۔

اور اخبار الایام کی پہلی کتاب کے بائیسویں باب میں حضرت داؤد کی نسبت خطاب کر کے یوں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۹: "اینک پسری برائے تو موجود خواہد آمد کہ او صاحب راحت خواہد بود و من او را از تمامی دشمنانش راحت خواہم بخشید چہ نام وے سلیمان خواہد بود، من در ایام وے سلامت و آرام بر بنی اسرائیل خواہم بخشید۔ ۱۰۔ او خانہ بنام من بنا خواہد کرد و او پسر من و من پدر وے خواہم بود و تخت سلطنتش را بر بنی اسرائیل تا ابدالآباد پائدار خواہم کرد۔"

اور کتاب اول سلاطین کے باب ششم ورس یازدہم میں ہے کہ یہواہ کی طرف سے سلیمان پر کلام اترا۔" دیکھیے یہاں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ سلطنت بنی اسرائیل کی اب کہیں ذرا بھی باقی نہیں رہی۔

دوم یہ کہ پادری لوگ مغالطہ دینے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں پس لونڈی کی اولاد کس طرح رئیس مطلق ہو سکتی ہے اور یہاں دیکھیے کہ سلیمان کو رئیس عام بنی اسرائیل کا ہمیشہ کے لیے لکھا ہے۔ حالانکہ از روئے بائبل کے ظاہر ہے غالباً کہ صموئیل کی کتاب میں ہو کہ معاذاللہ حضرت سلیمان اسی زنا سے پیدا ہوئے تھے جو معاذاللہ حضرت داؤد نے اوریا کی عورت سے کیا تھا۔

تیسری یہ کہ یہاں خدا نے حضرت سلیمان کو اپنا بیٹا آپ کہا اور حضرت عیسیٰ کی نسبت کہیں نہیں لکھا کہ خدا نے آپ انہیں اپنا بیٹا کہا ہے اور جس طرح عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو اسرائیل کا بادشاہ جانتے ہیں یہاں خدا نے خود حضرت سلیمان کو فرمایا پس افضلیت حضرت سلیمان کی یہاں سے ثابت ہوئی اور برابری میں تو کچھ گفتگو ہی نہ رہی۔

اور کتاب اول سلاطین کے گیارہویں باب کے تیسرے ورس میں لکھا ہے کہ سلیمان کی سات سو

آزاد جوروان تھیں اور تین سو لونڈیاں"۔

دیکھئے کہاں نو اور کہاں ہزار۔ خدا کے بیٹے نے ہزار عورتیں رکھیں تب اس کے پیغمبر نے اگر نو محل کئے تو کیا قباحت ہوئی اور اسی کتاب میں جو معاذ اللہ حضرت سلیمان کے رتبے کی نسبت انحطاط کی تہمت باندھی ہے تو صرف اس بناء پر ہے کہ بت پرست عورت سے انہوں نے نکاح کیا اور خود بھی بت پرستی کی نہ کہ کثرتِ ازدواج کی جہت سے ان کا رتبہ کم ہوگیا یہ کہیں نہیں لکھا ہے اور حضرت سلیمان کے رتبے کے گھٹ جانے اور ان کی نسبت بت پرست ہو جانے کی روایتیں اگر معاذ اللہ صحیح ہیں تو اس نظر سے کہ خدا نے ان کو اپنا بیٹا بنایا اور ریاست عامہ دی، وہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تو حضرت عیسیٰ پر بھی گمان صحیح ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ارتداداً اپنے تئیں خدا کہا ہو۔

اور پولوس کے نامہ موسومہ اہل افسس کے باب پنجم کے درس بست و ہشتم میں یوں ہے نسخہ ۱۸۱۶ء "بر مردان واجب است کہ زناں خود را دوست دارند ہمچو بدنہائے خود" اور پولوس کا قول عیسائیوں کے یہاں بعینہ روح القدس بلکہ تینوں خدا کے قول کے برابر ہے۔ پس اس واجب کے ادا سے محروم رہنا بہتر یا اس کا بجا لانا۔

اور یہ جاننا چاہیئے کہ توریت سے ظاہر ہے اور سب عیسائیوں کے یہاں مسلم الثبوت ہے کہ حضرت ابراہیم کی تین عورتیں تھیں اور حضرت یعقوب کی چار عورتیں۔ دو منکوحہ کہ آپس میں حقیقی بہنیں تھیں اور ان کی دو لونڈیاں آپ کی حرم میں تھیں اور سارے سب انبیائے بنی اسرائیل انہیں چار عورتوں کی اولاد ہیں نہ کہ صرف انہیں دو منکوحہ کی اور حضرت موسے کی ایک منکوحہ اور ایک حبشیہ حرم تھی۔ اور اسیروں میں جس عورت پر جی چلتا تھا اس کے رکھنے کی اجازت عام تھی۔ حضرت داؤد کی بہت سی بیبیاں تھیں۔

اور کتاب پیدائش کے باب بستم کے درس دوازدہم سے از روئے تین نسخوں یعنی ۱۲۲۵ء اور ۱۸۲۵ء اور ۱۸۳۹ء کے ظاہر ہے کہ حضرت سارہ زوجہ مطہرہ حضرت ابراہیم ان کی علاقی بہن تھیں پس تمام انبیائے بنی اسرائیل انہیں کی اولاد ہیں۔ از موسے تا عیسیٰ علیہم السلام۔ پس متبنی کی جورو کو بعد اس کے طلاق کے نکاح پر طعن کرنا محض بے جا ہے۔ یہ تو ہم نے اپنے طور پر جواب دیا۔ اور عیسائیوں کے اصول پر ہر گاہ خدا کا ایک عورت کے پیٹ سے نطفہ اور علقہ اور مضغہ اور جنین بن کر رہنا اور مخرج معلوم سے

نکلنا اور جوان ہو کر ملعون ہونا اور تین دن دوزخ میں رہنا جائز ہو تو حضرت خاتم النبیین کو اگر بے انتہا عورتوں کے نکاح کرنے کی خدا اجازت دے تو کون سی اس کی قدوسیت میں قباحت عائد ہوئی۔

اور تیسری انجیل کے آٹھویں باب کے دوسرے اور تیسرے ورس سے ظاہر ہے کہ بہتیری رنڈیاں اپنے مال سے حضرت عیسیٰ کی خدمت کرتی تھیں اور ساتھ ساتھ پھرا کرتی تھیں۔ پس اگر کوئی یہودی از راہِ خباثت اور بدباطنی کے کہے کہ حضرت عیسیٰ خوشرو جوان تھے رنڈیاں ان کے ساتھ صرف حرام کاری کے لیے رہتی تھیں اسی واسطے حضرت عیسیٰ نے بیاہ نہ کیا اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ مجھے عورت سے رغبت نہیں تو کیا جواب ہوگا۔

اور پہلی انجیل کے باب یازدہم کے ورس نوزدہم میں حضرت عیسیٰ نے مخالفوں کا خیال اپنے حق میں قبول کر کے کہا کہ میں تو بڑا کھاؤ اور شرابی ہوں۔ پس دونوں باتوں کے ملانے سے اور شراب کی بدمستیوں کے لحاظ سے جو کوئی کچھ بدگمانی نہ کرے سو تھوڑا ہے اور دشمن کی نظر میں ان باتوں سے کیسی تن آسانی اور بے ریاضتی حضرت عیسیٰ کی بوجھی جاتی ہے۔

قولہ صفحہ ۲۵۷ فصل پنجم: در بیان مشہور و منتشر گشتن دین اسلام است۔ یہ ساری فصل پادری صاحب نے بطور ملحدوں کے لکھی ہے یعنی صرف اپنی بدگمانی سے نبی کے لوازم نبوت سے چشم پوشی کر کے بعض افعال کو اس کے کہ سراسر عقلاً محمود ہیں تحکماً محمول کر نا دیا یہ کہ ملحدوں کا یہی قاعدہ کلیہ ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایک معارضہ موافق اصول ملحدوں کے کیا جائے۔ پس جو جواب عقلی اس کا ہوگا ویسا ہی عقلی جواب ہماری طرف سے بھی ہوگا۔

معارضہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اکثر اوقات اس طرح کے وقائع ہوئے ہیں کہ بعضے شخص اپنے موروثی دین میں بعضی باتیں صرف اپنے ہوائے نفس سے محض دنیا طلبی اور کسی مصلحت سے یا بسبب شغف قوتِ متفکرہ کے بطور مالیخولیا کے نئی نکالتے ہیں اور نئے نئے دعوے کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ پطرس حواری نے عیسائیوں میں ایسے لوگوں کے ہونے کی خبر دی ہے کہ وہ ہلاک کرنے والی راہیں پھیل پڑیں گی۔ پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس میں مذہب والوں کے ہاتھوں سے وہ شخص اس طرح مارا پڑتا ہے کہ پھر اس کے بعد اس کی سب باتیں صفحہ روزگار سے نسیاً منسیاً ہو جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بلا تخویف اور بلا تطمیع اس کی وہ باتیں پھیل پڑتی ہیں۔

اور یہ بھی تجربہ ثابت ہے کہ جو کوئی شخص کسی دین کا اس دین کے امہات اصول اور ان کے ماخذ کو مسلم رکھ کر نئی بات نکالتا ہے تو وہ بے تکلف بہت جلد پھیل سکتی ہے بلاخوف اور بلا طمع زر اور جو بالکل اپنے موروثی جمہوری دین کے اصل ماخذ یا امہات اصول کی تغلیط کرتا ہے یا اس کا موقوفی چاہتا ہے تو البتہ اس کی بات پھیلنا منجملہ محالات عادیہ ہے بلکہ بدوں اسباب قہریہ مطلق پیش نہیں جاتی۔

اور یہ بھی تجربہ ثابت ہے کہ طبائع آدمیوں کے تشبیہات کی طرف یعنی جسمانیات کی پرستش اور ظاہری طمطراق کی باتوں کی طرف میلان تمام رجوع ہوتی ہیں اور ان قیدوں سے جن میں کچھ دنیوی فائدے نہ ہوں بالطبع سبکدوشی چاہتے ہیں۔ بس جس طرح ہندوؤں میں اس سے گورکھناتھ اور کبیر اور پران ناتھ اور نانک شاہ اور مسلمانوں کے لباس میں خفی شان محمود اور رسول شاہ اور اسی طرح دونوں فرقوں میں اور اور لوگ اور اور دین والوں میں ایسے لوگ گزرے کہ اس اصل دین کو جس کی ذریت میں تھے مسلم رکھ کر اس کی نصوص محکمہ اور احکام مسلمہ کو تسلیم کر کے اس کی تاویلیں کیں۔ اور ظاہر کیا کہ ہم بھی صاحب الہام ہیں اور اپنے موافق ہوائے نفس کے کسی مصلحت کی راہ سے یا صرف بطور مالیخولیا کے چند مسئلے ایجاد کئے اور کہنے لگے کہ خدا اسی طریقے میں ملتا ہے اور مجھے اپنا مقتدا جانو۔ اور مجھے اپنا وسیلہ عنداللہ سمجھو۔ بس تھوڑے دنوں تک اور لوگ بسبب احداث نئی باتوں کے ان کے ساتھ عداوتیں کرتے رہے اور کچھ لوگ سرے سے بغیر خوف جان اور بدون طمع زر ان کے دام میں پھنس کر بقول شخصے کہ پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند۔ ان کی ہوا خواہیوں میں جان دینے لگے ہوتے ہوتے ان کا ایک جتھا ہو گیا اور اگر کچھ لوگ حکمت کی باتیں پڑھے ہوئے ان میں ہوئے تو اور بھی انہوں نے اس کی رونق دی۔ یہاں تک کہ ان میں اگر کوئی صاحب حکومت ہو گیا یا کوئی صاحب ریاست تو بھلا چنگا ایک دین ٹھہر گیا اور کچھ حاجت شمشیر زنی وغیرہ کی نہ ہوئی۔

اسی طرح معاذ اللہ عیسیٰ نے کہا کہ آؤ ہم بھی ایسی کچھ بات کریں یا شاید بطور مالیخولیا کے اس کے جی میں آئی کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں بعضے حمقا اس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے خادم خاص بنے۔ یہاں تک کہ اپنی حماقت سے اپنی جان دینے تک بھی دریغ نہ کیا اور عیسیٰ نے حکمت یہ کی کہ توریت کی نسبت بظاہر کچھ اعتراض نہ کیا اور دل میں یہ منظور رکھا کہ اس کو بالکل خاک میں ملائے۔ پس کہنے

لگا یہ سب احکام ماول ہیں۔ سو غلقت بھیڑیا دھسان جس طرح اور متنبیوں کے دام میں پھنس جایا کرتی ہے جوق جوق لوگ اس کے مریدوں کے دام میں آنے لگے اور یہ نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ خدا ہوتا تو پھانسی پانے کے وقت الٰہی الٰہی کر کے کاہے کو پکارتا اور اگر سچا نبی ہوتا تو مارے جانے کے وقت اضطراب میں وہ بات جو بسبب ملتِ موروثی کے اس کے جی میں تھی یعنی جانتا تھا کہ از روئے توریت کے میں متروکِ الٰہی ہوں کیوں کہتا۔

اور یہ بھی انہوں نے نہ خیال کیا کہ توریت میں جو علامتیں سچے نبی کی لکھی ہیں وہ مفقود ہیں یعنی اس میں منجملہ علامت صدق نبوت یہ بھی تھا کہ حادث کو معبود نہ کہے اور عیسیٰ تو اپنے تئیں معبود کہتا تھا اور یہ بھی تھا کہ پیشین گوئی اس کی کوئی جھوٹ نہ ہو اور یہاں ایسا بھی ہوا۔ چنانچہ اسی لیے جہابذہ علمائے یہود نے اس کے قتل کا فتوے دیا۔ بایں ہمہ آدمی جو بالطبع تشبیہات کی طرف مائل ہے بہت لوگ اس مذہب میں مانند سکھوں اور گورکھاپنتیوں اور رسول شاہیوں اور ختی شان ممدویوں کے در آئے۔ اور جو انہوں نے دیکھا کہ اس نے تو گرہ موت سے بھی احتراز کرنے کی قید نہیں رکھی اور نہ کسی جانور کے کھانے کی بلکہ سب کو جائز کہتا ہے اور عبادت میں سب کو خود مختار کرتا ہے چنانکہ اس کی تصریح ڈاکٹر ٹینیلر صاحب کی تاریخ سے ظاہر ہے بے تکلف اس مذہب کو سچا سمجھنے لگے۔ اور سمجھنے لگے کہ فی الواقعی خدا کو اس بات سے کیا کام ہے کہ فلانی چیز کھاؤ فلانی چیز نہ کھاؤ، یہ کام کرو یہ کام نہ کرو۔ صرف جو دنیا کے انتظام اور آپس کے متفق ہونے میں کام آویں انہیں کو بجا سمجھنا چاہیئے باقی سب واہیات ہے۔ تا اینکہ رفتہ رفتہ آخر مأۃ ثالثہ عیسویہ میں کوئی عیسائی دانشمند قیصر یعنی شہنشاہ فرنگ کے دربار میں جا گھسا اور جس طرح فیضی اور ابو الفضل نے اکبر کے دربار میں گھس کر اس کو مذہب موروثی سے باہر کر دیا۔ اسی طرح اس عیسائی نے قیصر کو بھی عیسائی کر ڈالا۔ اور مذہب موروثی سے باہر کر دیا۔

اور یہ بات بھی بتجربہ ظاہر ہے کہ اہل فرنگ اپنے بادشاہ کی تابعداری میں بہت غلو کرتے رہے ہیں۔ بس سینکڑوں فرنگی عیسائی ہو گئے مگر اس قیصر کے بعد اس کا بیٹا یا پوتا مجوسی ہو گیا۔ لیکن جانشین ششم اسی قیصر عیسائی اوّل کا پھر عیسائی ہوا اور فرمان عام القدغن بلیغ جاری کیا کہ جو کوئی میرے قلمرو میں رہ کر عیسائی نہ ہو وہ مار ڈالا جائے۔ چنانکہ اتنی بات تو سب انگریزی تاریخوں میں بھی لکھی

ہے۔ پھر اب کیا کہا جائے کہ کیا ہوا۔ تھوڑے دنوں میں جمہور اہل فرنگ دین موروثی کو چھوڑ کر ایک نئی بُت پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ یعنی عیسیٰ کو خدا سمجھنے لگے اور بعد اس کے ان میں ایک لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ دین کے حاکم ہوئے۔ جو اُن کے جی میں آیا وہ اُنہوں نے جاری کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا عہد ہوا اور سلطنت قیصر کی یعنی شہنشاہ فرنگ کی بالکل مبتذل ہو گئی۔ بعد اس کے تھوڑے دنوں کے ان کے سب دین کے حاکموں نے جہادِ مقدس نکالا کہ فرنگستان سے مسلمانوں کو مار کے نکال دو۔ اور جو نہ نکلے اور پھر عیسائیت کی طرف رجوع نہ کرے اسے مار ڈالو۔ چنانکہ ڈیڑھ سو برس تک تمام فرنگستان کے بادشاہ اسی بات پر متفق رہے کہ جہاں تک جو غیر عیسائی ہو اسے مار ڈالو۔ غرضکہ دین مسیحی کے پھیلنے کی یہی صورت ہوئی اور اہل تاریخ پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ بالغاما بلغ جہاں تک خبر لیجیے بت پرستی ایسی سہل طرح پھیل جایا کی ہے جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک ادنیٰ تحریک سے اس کا جھٹ پٹ رواج ہو جاتا ہے اور جب کہ اس کے ساتھ جبروت شہنشاہی بھی منضم ہو اور ایک ولایات عظیمہ کے تمام بادشاہ اس کے لیے ایک مدت تک شمشیر زنی کریں تو کیوں نہ پھیلے چنانچہ عیسیٰ پرستی اسی طرح پھیلی۔

اور ہم نے اور لوگوں نے بھی ہزاروں آدمی مذہب موروثی تبدیل کرنے والے اور ہزاروں بے دین اور ملحد اور دہریے ہوتے دیکھے کہ صرف صحبت کی جہت سے ہو جایا کئے ہیں اور کچھ طمع زر یا خوفِ جان نہیں ہوا کیا پس صرف صحبت کی تاثیر سے دین موروثی چھوڑنا مستلزم اس امر کو نہیں کہ دین موروثی غلط تھا اور نیا دین درست ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو چاہیئے کہ الحاد اور دہریہ بھی دین حق ہو۔ اس لیے کہ کسی ملحد اور دہریے کو ہم نے نہیں دیکھا کہ صرف بطمع زر یا بخوفِ شمشیر ملحد اور دہری ہو گیا ہو۔ حالانکہ باتفاق سائر ملیتین طریقہ الحاد اور دہر کا باطل ہے اور چاہیئے کہ قسطنطین اوّل کے بیٹے یا پوتے کا مجوسی ہونا بھی بجا سمجھا جائے۔ پس اسی طرح اب بھی لوگ بعضے بعضے عیسائی ہو جاتے ہیں اور ہر گاہ صرف صحبت سے ایسا ہوا کرتا ہے۔ تو در صورتیکہ حصول وجاہت پیش اہل حکومت بھی مطمح نظر ہو تو بطریق اولیٰ دین موروثی لوگ چھوڑا چاہیں۔ چنانکہ اس بات کی دلیل قاطع یہ ہے۔ کہ ہندوستانی عملداری میں کوئی ہندو مسلمان کرسٹین نہیں ہوتا رہا اور انگریزی عملداری میں کوئی عیسائی ہندو یا مسلمان نہیں ہوتا ہے الا ماشاء اللہ بسبیل شاذ و نادر۔ انتہیٰ

میں نے بہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ملحدانہ تقریر لکھی واللہ صرف الزاماً لکھی اور اللہ کی عنایت سے میرے دل میں اس کا وسوسہ بھی نہیں چہ جائیکہ گمان۔ اب میں جہاد کی بحث شروع کرتا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ پادری لوگ عوام مسلمانوں اور اپنے تابعداروں اور ہندوؤں کو اکثر اسی مسئلہ جہاد کو تبقاریہ رنگارنگ بیان کر کے دین اسلام سے بے زار کرتے ہیں اور عجیب وغریب مغالطے دیا کرتے ہیں اور بے وقوف لوگ اس مغالطے میں مارے پڑتے ہیں اور بہ نسبت حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدگمانیاں ان کے دلوں میں آجاتی ہیں۔ اس لیے مجھے ضروری ہوا کہ پہلے جہاد کی حقیقت اور اس کی صفت اپنے اصول کے موافق بیان کروں بعد اس کے اس کا استحسان بدلیل عقلی ثابت کروں اور اس کے لیے دلیل الزامی بھی لکھوں۔ حقیقت اور صفت جہاد کی ہماری شریعت میں از روئے قرآن شریف اور احادیث متواترۃ المعنی اور آثار خلفاء کے راشدین اور اجماعیات ائمہ دین کے یہ بات ٹھہر رہی ہے کہ جو لوگ منکر ہیں توحید عبادت مبدء سے یا معاد جسمانی اور عالم جسمانی کی اس صورت خاص کی تبدیلی سے جو ایک روز ہونے والی ہے یا تصدیق مصطفوی سے یا ان کے کسی حکم متواتر اور اجماعی الثبوت سے۔ مثلاً نماز یا روزہ یا زکوٰۃ یا حج سے ان لوگوں کو پہلے بموعظت حسنہ دعوت کرنا چاہیئے۔ اس انکار سے باز آنے کے لیے پس اگر بہدایت عقل سلیم مان لیں تو ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے لیے ہے سو ان کے لیے بھی ہے اور جو ہمارے اوپر ہے سو ان پر بھی ہے اور اگر موعظت حسنہ سے نہ مانیں تو ان کی مغلوبیت کے اظہار کے لیے ان سے موافق تصریحات فقہ علی اختلاف الروایات فی نفر چند روپے سالانہ حسب استطاعت

کتنا ہی بڑا آدمی ہو تو تیرہ روپے کئی آنے سال سے زیادہ نہیں ہے مقرر کر والینا چاہیئے اور جو کسب وعمل کی طاقت نہ رکھتا ہو اس سے کچھ بھی نہیں۔ اور اگر وہ اپنی مغلوبیت نہ گوارا کریں تو ان سے کہا جائے کہ آمادہ لڑائی کے ہو ہم تم سے لڑیں گے اور تمہیں لوٹیں گے اور تمہارے جورو لڑکے چھین لیں گے۔ بعد اس کے یہاں تک ان سے لڑے کہ حکومت اسلامیہ ان پر جم جائے۔ اور فتنہ ان کے استقلال حکومت کا فرو ہو جائے اور وہ احد الامرین جن کا اوپر ذکر ہوا قبول کر لیں۔ اور صرف خاص تبدیلی مذہب کی انتظار نہ کی جائے۔ فقط یہ تو صورت جہاد کی ہوئی۔ اس کے سوائے جو

تقریریں پادری لوگ مسلمانوں کے گمراہ کرنے کے لیے دربیان احکام جہاد کیا کرتے ہیں سب جھوٹ ہیں اور جو کوئی کچھ کہے بالکل غلط ہے اب آگے دلیل اس کے استحسان کی سنیئے۔ دلیل عقلی اس امر کے خوبی کی مشتمل ہے اوپر کئی مقدموں کے۔

پہلا مقدمہ: عقلاً اور شرعاً باتفاق سائر عقلاً اور جملہ ملیین مسلم الثبوت ہے کہ آدمی کے لیے قوت عملیہ کی اصلاح سے قوۃ نظریہ کی اصلاح مقدم ہے یعنی اعمال کی درستی سے عقائد کی درستی مقدم ہے اور اسی جگہ سے یہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی بڑا سخی اور مروت والا اور حلیم اور کریم الطبع اور فروتن اور ہنر مند ہو۔ اگر عیسیٰ کو جھوٹا اور فریبیا جانتا ہو تو عیسائیوں کے نزدیک وہ شخص آخرت میں بدتر گنا جائے گا اس شخص سے جو مثلاً بخیل اور بے مروت اور درشت طبع اور بدمعاملہ اور بے ہنر ہو مگر ساتھ ان سب باتوں کے حضرت عیسیٰ کو اپنے دل وجان سے سچا اور اپنے تئیں ان بُری باتوں میں بُرا اور خدا کا گنہگار جانتا ہو اور دہریہ کے نزدیک بھی دانشمند اچھا ہے بیوقوف سے۔

دوسرا مقدمہ: تمام اہل تجربہ کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ آدمی سے بعضی بات کے سمجھنے میں جو غلطی واقع ہوا کرتی ہے وہ سمجھانے سے کبھی نکل بھی جاتی ہے اور بُری بات بعض اوقات دل میں جم جاتی ہے وہ دوسرے کے سوجھانے سے دل سے مٹ بھی جاتی ہے

تیسرا مقدمہ: یہ بھی باتفاق اہل تجربہ کے بدیہی الثبوت ہے کہ آدمی کو اپنے خلاف طبع بہ نسبت امور مخصوصہ اپنی صنف کے دوسرے کی بات نہ ماننے کا بہت بڑا سبب اکثر اپنی صنف کی وجاہت اور سطوت واقع ہوا کرتی ہے کہ اس وجاہت اور سطوت کے سبب سے دوسرے غیر صنف کی بات پر کان دھرنے کو عار و ننگ جانتا ہے چہ جائیکہ اس کو قبول کرنا کہ یہ تو بہت دور ہے۔ اور جب تک جی لگا کر سُننے گا نہیں تو ماننے کی نوبت کاہے کو پہنچے گی۔

چوتھا مقدمہ: یہ بھی از روئے تجربہ ظاہر ہے کہ اپنے خلاف طبع امور مخصوصہ صنفیہ کے مخالف باتیں دوسرے کے کان رکھ کر سننا اس کا بہت بڑا باعث قوی کوئی مثل غلبہ وجاہت اور سطوت صنفیہ اس کہنے والے کے نہیں ہے۔

ہر گاہ یہ مقدمے عقلاً قابل پذیرائی ہوئے تو جو بات بہتر ہوگی اور اس کے خلاف کوئی شخص اپنی نادانی سے سمجھ بیٹھا ہوگا تو صورتیکہ وہ خلاف بات اس کے یہاں بطور رسوم صنفی اور لوازم

تو میت ٹھہر رہی ہوگی تو جب تک اس قوم کی سطوت اور وجاہت عالیہ باقی ہے تب تک اس اچھی بات کو کاہے کو سُنے گا اور جب کہ اس کے کان کو کسی کے سننے سے مایوسی ہے تو اُمید ماننے کی بہت دُور ہے اس صورت میں موافق مقدمہ سیوم اور چہارم کے اس کی قوم کی سطوت کو توڑنا اور اچھی بات والوں کی وجاہت اور سطوت کو بڑھانا بالبداہت مستحسن بلکہ ضرور ہے. بریں تقدیر نفس الجہاد پر جس کا مدار انہیں مقدمات چہارگانہ پر ہے کوئی اعتراض عقلی نہیں ہو سکتا. مگر یہ کہ جس بات کو جہاد والے اچھا سمجھے ہیں وہ بات اچھی ہی نہ ہو. سو یہ بحث دوسری ہے اور اس کے مباحثہ کی جگہ یہ نہیں ہے اس کو علیحدہ طے کرلینا چاہیئے اور ہرگاہ اس مسئلے کا حُسن عقلاً ظاہر اور از روئے تجربہ متحقق بھی ہوا.

اور اس بات پر کہ وہ فائدہ جو ہم نے از روئے مقدمات مذکورہ کے بیان کیا ہرگز جہاد سے نہیں حاصل ہو سکتا ہے بلکہ ممتنع ہے. کوئی برہان عقلی قائم نہیں ہو سکتی ہے تو پھر اس مسئلے کے اجراء میں اور نبوت اور رسالت الٰہیہ میں عقلاً کسی طرح کی منافات نہیں ثابت ہو سکتی. اور یہ مسئلہ عقلاً موجب بطلان نبوت الٰہیہ نہیں ہو سکتا. اور وہ لوگ جو نبی سے ممتنعات عقلیہ کے جواز بلکہ وقوع کے مسئلے کو مانتے اور مدار نجات کا مانتے ہیں یعنی واجب الوجود کا ایک شخص بھی ہونا اور تین شخص بھی ان کو تو دم مارنے کی جگہ نہیں ہے.

اور پادری صاحب نے جو اس باب کے فصل سیوم میں آیتیں معارض آیات جہاد کے نقل کیں سو وہ معارض نہیں اور ان کا بیان اس طور پر ہے.

قولہ صفحہ ۲۲۸ اور ۲۲۹ لا اکراہ فی الدین. اس آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ دین کے حاصل ہونے میں اکراہ کو دخل نہیں یعنی کسی کے دل میں اکراہ سے دین نہیں جمتا ہے. رہا یہ کہ جو قرآن شریف میں حکم ہے کہ فاقتلواھم حیث وجدتموھم سو یہ حکم خاص انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو وہاں بُت پرست تھے اور موسے اور عیسیٰ کو بھی نہیں مانتے تھے اور رسول اُن کو سمجھاتے گزرا. انہوں نے نہ مانا اور نہ ماننے کے سوا خُدا پرستوں اور توحید والوں پر ہزاروں طرح کے انہوں نے ظلم کئے اور کرتے تھے اور بُت پرستی کے لیے جس پر قابو پاتے اکراہ کرتے اور مار ڈالتے اور لُوٹ لیتے تھے اور انواع انواع فساد توحید کی موقوفی کے لیے برپا کرتے تھے. سو صرف ان کی تذلیل کے لیے حکم دیا کہ ان کو جہاں پاؤ لُوٹ لو مار ڈالو. ہاں اگر بظاہر اسلام قبول کریں تو اُن کو چھوڑ دو.

اس سے یہ غرض نہ تھی کہ دل میں ان کے ایمان آجاوے بلکہ صرف بطور غضب الٰہی کے ان کی نسبت یہ حکم ہوا تھا کہ ان کو ذلیل کرو اور یہ حکم قرآن کا عام نہیں ہے کہ جو کوئی جب کبھی اسلام نہ قبول کرے اسے مار ڈالو۔

اور مُرتد کے لیے جو حکم ہے کہ بعد فہمائش کے اگر نہ مانے تو مار ڈالو تو یہ بھی اس واسطے نہیں ہے کہ اس کے دل میں ایمان آجاوے۔ بلکہ صرف تذلیل کے لیے اور بطور سیاست مدنی کے یہ حکم ہے اور بڑے ظلم کی بات ہے کہ بادشاہ عادل سے بغاوت کرنے پر تو قتل باغی مستحسن سمجھا جائے اور خدا کے پیغمبر سے بغاوت کرنے والوں کا قتل مذموم۔

قولہ در سورۂ غاشیہ مسطور است فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے کچھ اُن پر تو متسلط نہیں ہے۔ بس ظاہر ہے کہ جہاد موقوف ہے حصول جماعت پر اور جماعت کا حاصل ہونا موقوف ہے نصیحت پر اور جب تک جماعت نہ حاصل ہو تو نبی سوائے نصیحت کے اور کیا کرے کسی طرح کا تسلط اس کو نہیں ہے۔ اب دیکھیے جہاد کی ممانعت تو یہاں سے بوجہی بھی نہیں جاتی چہ جائیکہ ظاہر ہو اور ہرگاہ ممانعت نہ ڈھی گئی تو آیات جہاد سے اس آیت کو تعارض نہ ہوا پادری صاحب کی نافہمی ہے جو اس کو معارض اس کا سمجھے ہیں۔

قولہ در سورۂ نور تحریر یافتہ است۔ ان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ۔ یعنی اگر رسول اللہ کی فرمانبرداری کرو گے تو منزل مقصود کو پہنچو گے اور اس رسول کے ذمے کچھ نہیں ہے بجز پیغام رسانی کے۔ سو اس پیغام میں یہ بھی داخل ہے کہ جب تک اجازت جواز جہاد کی حاصل نہ ہو اور شرطیں اس کی پائی نہ جائیں تو صرف خبر کرنا چاہیئے۔ اور ممانعت جہاد کی یہاں سے بھی نہ نکلی تا آیات جہاد سے تناقض پیدا ہو۔

دلیل الزامی: کافروں کا کفر کی جہت سے قتل کرنا صرف مخصوص بشریعت محمدیہ نہیں ہے۔ بلکہ اگلے دینوں میں ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کے یہاں بڑی پوتھی مہابھارت کے ساتوں پرب دوازدہم میں لکھا ہے کہ راجہ پریکشت جو راجہ جن کے بعد مہاراجا ہوا اور سارے صفتے اور پیشے دنیا کے اسی کے وقت سے نکلے ہیں۔ اس کو خداوند تعالیٰ نے حکم عام دیا کہ لوگوں کو میری بندگی کے لیے دعوت کر اور جو نہ مانے اسے مار ڈال اور سنکر اچارج جو بعد بجہ ماجیت کے ہوا اپنی پوتھی میں صاف لکھا ہے کہ توحید کے نہ

ماننے پر آدمیوں کا مار ڈالنا جائز ہے اور پارسیوں کے یہاں گشتاسپ اور لہراسپ کا زرتشت اپنے پیغمبر کے کہنے کے موافق دین کا رواج دینا بشمشیر زنی اور نوشیروان وغیرہ عادلین کا مروا ڈالنا مزدک متبنی وغیرہ کو صرف جھوٹے دعوے نبوت پر ثابت ہے۔

ان سب کی تفصیل لکھنا یہاں ہمیں ضروری نہیں مگر ملتِ موسویہ کے یہاں کی تفصیل اس مسئلے کی بائبل سے نقل کرتا ہوں۔

کتاب خروج باب بست وسیوم نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۲۳: فرشتہ من پیش تو خواہد رفت و بسر حد اموریان وحیتان وفرزیان وکنعانیان وحویان و یبوسیان ترا خواہد رسید۔ ۲۴۔ معبودانِ آنہا را سجدہ مکن وعبادت منمائے وباعمال شان موافقت مکن بلکہ مے باید کہ آنہا را بالتمام استیصال نمائی و بتہائے ایشاں را سرتا پا ریزہ ریزہ کنی۔

کتاب مزبور باب سی وچہارم نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۲: زینہار باسکنہ دیارے کہ متوجہ آں باشی عہدے مبند مبادا دام قوم تو شوند۔ ۱۳۔ وہ مذبحہائے ایشاں را خراب کنید واصنام ایشاں را بشکنید وغلہ ایشاں را ببرید۔ ۱۴۔ ازاں رو کہ پرستش معبود دیگر روا نیست بسبب اینکہ خداوندے کہ اسمش غیور است خدائے است غیور۔

کتاب عدد باب سی ویکم نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۷: انہوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا یہواہ نے موسے کو فرمایا تھا اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ ۸۔ اور انہوں نے اُن مقتولوں کے سوا آوی اور رقیم اور صور اور حور اور رابع جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے انہیں جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ ۹۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی رنڈیوں اور بچوں کو اسیر کیا اور ان کے مویشی اور چارپائے اور مال اور اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ ۱۰۔ اور ان کی ساری بستیوں اور گھروں اور محلوں کو پھونک دیا۔ ۱۱۔ اور انہوں نے ساری غنیمت اور سارے اسیر اور انسان اور حیوان سب لوٹ لیے۔ ۱۲۔ اور موسے پاس قیدی اور غنیمت لوٹ لائے۔ الیٰ قولہ۔ ۱۴۔ موسے اُن پر غصہ ہوا اور ان کو کہا کہ تم نے سب رنڈیوں کو جیتا رکھا۔ الیٰ قولہ۔ ۱۷۔ سو اُن بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب قتل کرو اور ہر ایک رنڈی کو جو مرد کے ساتھ سونا جانتی ہے جان سے مارو۔ ۱۸۔ لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کے ساتھ سونا نہیں جانتی ہیں انہیں اپنے لیے رہنے دو۔

دیکھو لڑکوں کے مارنے کو بھی کہا۔ اور ہماری شریعت میں لڑکوں کے مارنے کا حکم نہیں ہے اور نہ عورت کا۔ مگر یہ کہ سر منشاء فساد ہو۔

انصاف کرو جس طرح لڑکیاں قابل غضب الٰہی نہ تھیں اسی طرح لڑکے بھی نہ تھے معہذا لڑکے مار ڈالے گئے اور لڑکیاں صرف مزے داری کے لیے رکھ لی گئیں۔ اس پر بھی ہمارے یہاں کے مسئلہ جہاد پر ہنسنا کیا ناانصافی ہے۔ اگر کوئی ملحد ہنستے تو ہنسے عیسائیوں کو کچھ طعن کرنا نہیں پہنچتا۔

کتاب استثنا باب ہفتم نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱: جب کہ یہواہ تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں کہ تو جس کا وارث ہونے جاتا ہے داخل کرے۔ الیٰ قولہ ۲۔ اور جب کہ یہواہ تیرا خدا انہیں تیرے ہاتھ میں گرفتار کروا دے تو انہیں مار لیو اور ایک لخت انہیں نیست و نابود کیجیو اور نہ ان پر رحم کیجیو۔ ۳۔ نہ ان سے بیاہ کرنا نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا نہ اپنے بیٹوں کے لیے ان کی بیٹیاں لانا۔ ۴۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی کرنے نہ دیں گی یہاں تک کہ وہ اور معبودوں کی عبادت کرے اس وقت خدا کا غضب تجھ پر بھڑکے گا اور وہ تجھے یکایک ہلاک کر دے گا۔ ۵۔ سو تم یہ سلوک کرو کہ اُن کے مذبحوں کو ڈھادو اور ان کے بتوں کو توڑ دو ان کے باغوں کو کاٹ ڈالو اُن کی تراشی ہوئی مورتوں کو آگ میں جلادو۔

کتاب مزبور باب ہفتدہم نسخہ سنہ الیہ ورس ۲۔ اگر تمہارے درمیان تیری سرحدوں میں جو یہواہ تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے کہیں کوئی مرد یا عورت ہو جس نے یہواہ تیرے خدا کے حضور بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو۔ ۳۔ اور جا کے اور معبودوں کی بندگی کی ہو اور انہیں سجدہ کیا ہو جیسے آفتاب یا مہتاب یا آسمانی کوئی ستارہ جس کی پرستش کا حکم میں نے تجھے نہیں کیا۔ ۴۔ اور یہ تجھ سے کہا جاوے اور تو سُن پاوے اور تحقیقات کرے اور یہ سچ نکلے اور یہ بات یقین کو پہنچے کہ بنی اسرائیل میں ایسا گھنونا کام ہوا۔ ۵۔ تو تو اس مرد اور اس عورت کو جس نے تیری سرحدوں میں یہ بُرا کام کیا اپنے دروازوں پر نکالیو اور ان پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وے مر جائیں۔

یہاں اتنی بات اور غور کرنے کے قابل ہے کہ آیا علتِ قتل صرف کفر و شرک خدا نے بیان کی ہے یا صرف اور بداعمالیاں ان کی۔

اور واسطے بیان کرنے تفصیل جہادات موسوی اور یوشعی اور داؤدی ابواب توریت اور

کتاب یوشع اور کتب سموئیل اور سلاطین میں بخوبی مالامال ہے ایک بڑی اور کتاب چاہیئے جس کا جی چاہے ان کتابوں کو دیکھ لے۔

اور پولوس اپنے نامہ موسومہ عبرانیوں کے باب یازدہم میں تنوع حالات انبیاء کے بارے میں لکھتا ہے نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۳۲: ودیگر چہ گویم کہ مرا وقت کفاف نخواہد کرد۔ اگر درباره جدعون و بارک وسمسون و یفتح و داؤد و سموئیل پیغمبران خواہم کہ مفصلاً بیان نمایم۔ ۳۳۔ کہ ایشاں از راہ ایمان بر ممالک غلبہ نمودہ و بہ نیکو کرداری پرداختہ و آنجا وعدہ ہا گردیدند و دہن شیراں را بند نمودند و بد مہائے شمشیر رستگار شدند و از ضعف بقوت رسیدند و در جنگ دلیر شدند و قلعہائے بیگانگاں را منہدم ساختند۔

یہاں بھی دیکھنے اور یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ حضرت داؤد کی لڑائیوں کو پولوس نیکو کرداری میں گنتا ہے اور کہتا ہے کہ پیغمبر لوگ بزور مقاتلہ بھی فتحیاب ہوتے رہے ہیں۔ اب دیکھیے پادری فنڈر صاحب ان لڑائیوں کی کیا خوب تاویل کرتے ہیں۔

قولہ باب سیوم فصل پنجم صفحہ ۲۶۱: نہایت بر خے از علمائے اسلام مقدمہ جدال و قتال بنی اسرائیل کنعانیاں را و غزوات داؤد را بمیان آوردہ می گویند۔ چنانکہ بہ بنی اسرائیل قتل و جدال کنعانیاں جائز و حلال بود بہماں طریق جہاد در راہ دین محمدؐ نیز جائز گردید و حال آنکہ ادعائے مذکور محض از نادانستن و نفہمیدن مطلب توریت است۔ زیرا کہ خدا در توریت بہ بنی اسرائیل نفرمودہ بود کہ نخست بہ کنعانیاں تکلیف ایمان نمائند۔ ثانیاً ہرگاہ تکلیف را منقاد نگردند ایشاں را قتل و غارت سازند بلکہ حکم خدا ایں بود کہ آنہا را بجہت گناہاں کثیرہ و اعمال قبیحہ قتل عام سازند۔ پس مدعائے جنگ بنی اسرائیل تکلیف اہل کنعان نبود بلکہ غضب الٰہی بود کہ خدا بوساطت بنی اسرائیل در پاداش اعمال قبیحہ ایشاں بظہور و انجام رسانید و ہمچنین مدعائے جنگ و جدال داؤد در راہ دین نبودہ است بلکہ چوں بادشاہ بود جہت استقلال امر سلطنت خود جنگ و جدال مے نمود۔

پادری صاحب نے یہاں جی بھر کے داد تحریف کی دی اور توریت کے معنوں کو بدل ڈالا۔ میں پوچھتا ہوں کہ بالفرض اگر وہ مقابلے والے حضرت موسےٰ اور حضرت یوشع کے بالکل خدا کے مطیع اور منقاد ہو جاتے۔ جب بھی بجہت اپنے اگلے اعمال قبیحہ کے مستحق مار ڈالنے کے ہوتے یا نہ ہوتے

اگر نہ ہوتے تو ہمارا مطلب ثابت ہوا کہ صرف تکلیف شرعی کے لیے ان کے ساتھ مقاتلہ کیا گیا اور تکلیف شرعی کے لیے قتل کرنے کو کافروں کے حق میں ہم بھی غضب الٰہی جانتے ہیں رحمت الٰہی نہیں جانتے۔

اور اگر کہیے کہ اگرچہ وہ تابع ہوتے اور حضرت موسیٰ اور یوشع کی تابعداری کا اقرار کرتے تب بھی مارڈالنے کے قابل ہوتے تو ہمارے یہاں تین جواب ہیں۔

اوّل یہ کہ مجرد احتمال وہمی تمہارا ہمارے الزام کو رفع نہیں کرسکتا اس لیے کہ کوئی لفظ اور کوئی قرینہ توریت کے ان مقاموں میں ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے۔

دوسرے یہ کہ اس صورت میں شناعت عقلی اس مسئلے پر عائد ہوتی ہے یعنی ایک کافر مقہور اگرچہ بعاجزی پیش آوے تو بھی اسے مارڈالیے نہ کہ ہمارے یہاں کے مسئلے پر کہ اگر کوئی کافر حربی بعاجزی پیش آوے اور گڑگڑانے لگے اور اپنی جان بچانے کے لیے کہے میں اپنے بُرے کاموں سے باز آیا تو اس کو نہ ماریں گے اس لیے کہ شاید رفتہ رفتہ اس کے دل میں بھی اچھے کاموں کی خوبی جم جاوے اور بخوبی انہیں عمل میں لاوے۔

تیسرے یہ کہ یہ سخن غلط ہے۔ کیونکہ کتاب استثنا کے باب بستم میں یوں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱۰۔ اور جب تو قتال کے لیے کسی شہر سے نزدیک ہو تو پہلے صلح کا پیغام کر۔ ۱۱۔ تب یوں ہوگا کہ اگر انہوں نے صلح قبول کی اور دروازے کھول دیئے تو ساری خلق جو اس شہر میں ہے تیری خراج گزار ہوگی۔ اور تیری خدمت کرے گی۔ نسخہ اربا زسیہ ۱۶۲۵ء ورس ۱۱۔ فان قبلت یعنی الصلح وفتحت لك الابواب فكل الشعب الذی فیها یخلص ویکونوا لك عبیدا یعطوك الجزیة۔ یعنی سب غلام لونڈی ہو جائیں گے اور جزیہ دیا کریں گے۔

اور یوشع کی کتاب کے پہلے باب کا ورس آخر یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ہر آنکہ تمرد حکم تو کند و در ہر چہ بفرمائے کلمات ترا اطاعت نکند مقتول شود۔ نسخہ ۱۸۲۵ء جو کوئی کہ تیرے حکم کی مخالفت کرے اور تیری ساری باتوں کا جو تو اس سے فرماوے شنوا نہ ہو مارڈالا جاوے۔ دیکھو یہ سب جملے بعبارۃ النص مفید ہیں اس بات کے کہ اگر وہ لوگ مقتولین فرمانبرداری موسیٰ اور یوشع کی کرتے تو نہ مارڈالے جاتے یہاں سے صاف ثابت ہو گیا کہ پادری صاحب نے محض مغالطہ دہی کے لیے یہ کہا ہے کہ ان پیغمبروں کے مقاتلات میں دعوت اور استدعائے اطاعت کا مضمون نہ تھا۔

اور پادری صاحب نے جو لکھا ہے کہ صرف ان مقتولوں کے اعمال قبیحہ کے عوض میں یہ کیا گیا تھا۔ اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی بُت پرستیوں اور شرک کی باتوں سے یہ معاملہ ان سے ہوا تو تو ہمارا مطلب ثابت ہوا یعنی جہاد اسی کو کہتے ہیں۔

اور اگر مراد اُن کی یہ ہے کہ کُفر و شرک باعث ان کے قتل و غارت کا نہیں ہوا تھا بلکہ صرف اور اعمال قبیحہ باعث اس قتال و جدال کے ہوئے تو محض غلط ہے اس لیے کہ ان ورسوں سے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں صاف ظاہر ہے کہ صرف بُت پرستی اُن کی علت ان کے قتل و غارت کی واقع ہوئی یہاں تک کہ ایک عورت فاحشہ نے حضرت یوشع کے جاسوسوں کی مہمانداری کی تھی تو بوقت فتحیابی کے حضرت یوشع نے قتل عام کے حکم سے اس عورت کو مع اس کے لواحقوں کے مستثنیٰ کر دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل یوشع کی کتاب کے چھٹے باب کے ورس ۲۲ سے ۲۵ تک لکھی ہے اور پولوس کے خط موسومہ عبرانیوں کے باب یازدہم کے ورس ۳۰ میں اس کی تصدیق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بداعمالی کو مطلق ان معاملات میں دخل نہ تھا ورنہ عورت فاحشہ کا بچا لینا کیوں کر درست ہوتا۔

اور یہ جو پادری صاحب نے کہا کہ یہ قتل و غارت بطور غضب الٰہی کے تھا تو اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ بُت پرستوں کو بُت پرستی کے سبب سے تاوقتیکہ وے گردن زیر حکم نہ رکھیں مار ڈالنا ان کے حق میں خدا کا غضب ہے اور یہ ویسا نہیں ہے جیسے بےخبر لوگ مار ڈالے جاتے ہیں کہ وہ ان کے حق میں رحمت الٰہیہ ہے تو ہمارا عین مطلب ہے اور ہم بھی جہاد کو درحق کفار غضب الٰہی سمجھتے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ جس طرح قوم نوح اور قوم لوط پہ عذاب آسمانی آترا تھا اسی طرح اس قتل و غارت کا بھی معاملہ تھا۔ سو اس کے بھی تین جواب ہیں۔

اول یہ کہ یہ تمہارا مجرد احتمال وہی ہمارے الزام کو دفع نہیں کر سکتا ہے اس لیے کہ کوئی لفظ ان مقاموں میں اس طرح کا نہیں وارد ہے جس سے تشبیہ مذکور کا مضمون کچھ بھی صحیح بوجھا جائے۔

دوسرا یہ کہ وہی مضمون درگزر کرنے کا بروقت صلح اور عطائے جزیہ اور فتح باب قلعہ وغیرہ کا لحاظ کرو کہ یہ باتیں صاف دلالت کرتی ہیں کہ ان کے حق میں وہ مقاتلہ اسی طرح کا غضب الٰہی تھا جس پر ہم جہاد کو کہتے نہ کہ اس طرح پہ جو قوم نوح اور لوط پہ اُترے۔ اس لیے کہ کوئی شرط اس کے اُترنے کے باب میں نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ دفعۃً بعد سرتابیوں کے عذاب اُن پہ نازل ہو گیا۔

تیسرا یہ کہ اگر یہ معاملہ متقاتلہ مذکورہ کا بطور عذاب نوح ولوط کے ہوتا تو چاہیئے کہ بنی اسرائیل مثل ملائکہ کے کسی طرح سے اس میں مقصود قصور اور کسی طرح متضرر نہ ہوتے۔ حالانکہ کتاب یوشع کے ساتویں باب میں یُوں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء درس ۴، چنانچہ لوگوں میں سے تین ہزار کے قدر مرد چڑھ گئے اور عی کے لوگوں سے بھاگ آتے۔ ۵۔ اور عی والوں نے ان میں سے چھتیس آدمی مار لیے کہ وہ دروازے کے مقابل سے لے کے سبریم تک انہیں رگیدتے آئے۔ انہوں نے اترتے وقت انہیں مارا سو لوگوں کے دل پگھل گئے اور پانی سے ہو گئے۔ ۶۔ تب یوشع اور سارے اسرائیلی مشائخ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور یہواہ کے صندوق شہادت کے آگے شام تک اوندھے پڑے رہے اور اپنے سروں پر خاک اڑائی۔

بالجملہ پادری صاحب ستاری توجیہ غلط ہو گئی اور حضرت داؤد کی نسبت جو انہوں نے لکھا کہ دین کے واسطے وہ نہیں لڑے بلکہ سلطنت بڑھانے کے لیے تو آیا ان کا سلطنت بڑھانا نیکو کاری تھی یا بدکاری در صورت دوم پولوس کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ ان کے اس بات کو منجملہ نیکو کاری لکھتا ہے در صورت اوّل ہمارا مطلب حاصل ہوا کہ سلطنت بڑھانا بھی پیغمبروں کا منجملہ نیکو کاری ہوتا ہے اور جو کوئی نیکو کاری کو بدکاری کہے تو وہ خود بدکار ہے۔

رہا مسئلہ مرتد کا کہ وہ مار ہی ڈالا جائے تو وہ ایسی بات ہے جیسے کتاب خروج کے بائیسویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۵ء درس ۲۰: جو کوئی یہواہ کے سوا کسی معبود کی نذر چڑھاوے وہ مار ڈالا جاوے۔

اور کتاب استثنا کے باب ہفتدہم کے ان درسوں کو جو میں نے نقل کیے پھر ملاحظہ کیجیے کہ ان مقاموں میں کسی قوم خاص کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مطلق بنی اسرائیل کے حق میں یہ فرمایا ہے مگر ہمارا شریعت میں اتنا اور بڑھا دیا گیا کہ پہلے اس کو سمجھانا چاہیئے۔ شاید محض غلط فہمی سے وہ مرتد ہو گیا ہو اور توریت میں تو اتنا بھی نہیں ہے۔ پس عقلاً ہمارے یہاں کا مسئلہ مستحسن ٹھہرا یا توریت کا ذرا انصاف کیجیے۔

اور پادری لوگ اس مقام میں یہ بھی مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں شمشیر زنی نہ ہوتی تو ان کا دین نہ پھیلتا صرف تلوار کے زور سے وہ دین پھیلایا گیا ہے۔

جواب: اس تقریر کا مطلب میں آج تک نہیں سمجھا۔ ظاہراً یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ جو دین بلا شمشیر زنی پھیلے سو یقیناً حق ہے اور جو بشمشیر زنی پھیلے وہ عام ہے اس سے مشکوک اور باطل ہو یا نہ ہو۔ اگر یہی مطلب ہے تو محض جھوٹ ہے۔ کیوں کہ اگر یہ بات سچ کہی جائے تو چاہیئے کہ اگلے عربوں کی بُت پرستی اور اسی طرح انگلستان کی اگلی بُت پرستیاں اور ہندوستان کی بھی اور لانئے گرو اور بودھ کا مذہب اور نانک شاہی اور کبیر پنتھی اور ملاحدہ مانی نقاش اور خفی شان ہندیوں کا مذہب یہ سب حق ٹھہریں اس لیے کہ ان دینوں میں سے کسی کے لیے کسی نے شمشیر زنی نہیں کی۔ حالانکہ یہ بات بالاتفاق باطل ہے۔

اور چاہیئے کہ تیرہ برس کے اندر قبل اجرائے جہاد کے جو سینکڑوں آدمی مسلمان ہوئے کہ ان میں بعضے جہابذہ علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ بھی داخل ہیں اور سوائے مشرکین عرب کے جو اور لوگ مثل اہل فارس اور اشیائے روم اور ترکستان اور مصر اور حبش اور بعضے یہودی اور اور نصاریٰ جو بعد اجرائے جہاد کے مسلمان ہوئے تو یہ بھی حق سمجھا جائے، کیونکہ ان پہ اکراہ نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ آپ لوگ نہیں حق جانتے۔

اور جو قسطنطین اول کے جانشین ششم نے فرمان عام جاری کیا تھا کہ جو عیسائی نہ ہو وہ مار ڈالا جائے اور اسی طرح جو اکثر ملوک فرنگ نے آگے صرف دین کی بابت خونریزیاں کی ہیں اور ایسے ہی اسباب سے دین عیسائی فرنگستان میں بہت پھیلا اور مستحکم ہوا۔

چنانچہ انگریزی تاریخیں اس کی گواہ ہیں اور ڈاکٹر ٹیلر کی تاریخ میں بھی مجملاً یہ حال لکھا ہے تو چاہیئے بطریق اولیٰ باطل ہو اس لیے کہ دین اسلام میں بجز خاص مشرکین عرب اور اقوام عرب اور کل ماعدا کے لیے یہ حکم کسی نے نہیں جاری کیا تھا کہ جو مسلمان نہ ہو سو مار ڈالا جائے بخلاف فرمان جانشین ششم قسطنطین اول اور احکام ملوک فرنگ کے کہ وہ سب بسبیل اکراہ فی الدین کے جاری ہوئے تھے حالانکہ یہ بھی اب نہیں مانتے۔

اور اگر اس مغالطے کا یہ مطلب ہے کہ جو دین شمشیر زنی سے قائم ہو سو یقیناً باطل ہے اور جو بلا شمشیر زنی پھیلے وہ عام ہے اس سے کہ مشکوک اور باطل ہو یا نہ ہو تو اس کے دو جواب ہیں۔

اول یہ کہ سوائے مشرکین عرب کے اور کسی قوم کے لیے بطور اکراہ کے دین کے لیے شمشیر زنی

اصول اسلامیہ میں داخل نہیں ہے اور مشرکین عرب کے لیے جو شمشیر زنی بطور اکراہ کے ہوئی تو بعینہ ویسی ہی تھی جیسے حضرت موسےٰ اور یوشع نے کنعانیوں وغیرہ کے اُوپر کی۔ چاہیئے کہ دین موسوی بھی باطل ٹھہرے اور اگر کہیئے کہ بعضے جبابرہ ملوک اسلامیہ نے اور جگہ بھی بطور اکراہ کے شمشیر زنی کی تو اول اس کا ثبوت چاہیئے۔ علاوہ بریں اگر کسی نے کی تو خال خال کہیں اتفاقیہ بہ سبیل ندرت کے ہو گی۔ معہذا اس شمشیر زنی سے کچھ دین نہیں پھیلا جیسا بغیر شمشیر زنی کے خلفائے راشدین اور ان کے تابعین بالاحسان کے ہاتھ سے پھیلا پس جبابرہ کے اکراہ کرنے سے اصل دین باطل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ چاہیئے کہ قیصر وغیرہ کے ہاتھ سے بھی جو اکراہ ہوا تو دین عیسائی باطل ہو جائے۔ حالانکہ اس کے آپ قائل نہیں ہیں۔

دوم یہ کہ کوئی بُرہان عقلی اس بات پر قائم نہیں ہے کہ جس بات کے لیے شمشیر زنی کی جائے وہ باطل ہی ہو۔ بلکہ بداہتہً عقل حاکم ہے کہ حق یا باطل ہونا کسی مذہب کا اور سخن ہے اور شمشیر زنی کرنا یا نہ کرنا دوسرا سخن ہے اس کو مذہب کے حق و بطلان میں کچھ دخل نہیں ہے۔

اور اگر اس مغالطے کا یہ مطلب ہے کہ اگر حکومت اسلامیہ کا پایہ بلند نہ ہوتا تو دین اسلام نہ پھیلتا۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ہم پہلے کہہ آئے کہ جب تک وجاہت اور سطوت کا پایہ بلند نہیں ہوتا ہے تب تک مخالفین جن کی قوم بر سر سطوت ہوتی ہے کسی طرح بات کے شنوا نہیں ہوتے چنانچہ اسی جہت سے جب تک انگریز لوگ ہندوستان میں ملوکانہ داخل نہیں ہوتے کوئی کرسٹین نہیں ہوا اور جب تک امریکہ میں عیسائی لوگوں کی حکومت نہیں ہوئی کوئی شخص وہاں عیسائی نہیں ہوا اور جب فرنگستان میں شہنشاہ عیسائی نہیں ہوا تب تک مذہب عیسائی وہاں کچھ نہیں پھیلا تھا۔ اور جب تک ایجبرٹ شاہ نخستین انگلستان کا عیسائی نہیں ہوا کوئی وہاں کا آدمی عیسائی نہیں ہوا تھا اور قیصر ایجبرٹ کا نصرانی ہونا اس طور پر ہوا جس طرح اکبر بادشاہ ملحد ہو گیا یا اور بہت سے آدمی دیکھے کہ باوجود ثروت اور تمکنت کے صرف بسبب صحبت کے دین موروثی سے پھر جاتے ہیں۔

علاوہ بریں از روئے تجربہ ثابت ہے کہ جس مذہب میں پرستش مادیات کی اور اسقاط قیود شرعیہ کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ وہ مذہب بہ نسبت اس مذہب کے جس میں تشبیہات سے تبری اور تنزیہات پر دارومدار ہوتا ہے بہت زیادہ پھیلتا ہے۔ چنانچہ اسی جہت سے جب تک مذہب عیسوی

اصول حقہ پر رہا۔ یعنی حضرت عیسیٰ خدا نہیں ٹھہرائے گئے اور تکلیفات شرعیہ کے سقوط کا مسئلہ نہیں جاری ہوا مذہب عیسوی کچھ بھی نہیں پھیلا اور جب کہ حضرت عیسیٰ کی پرستش اور تکلیفات شرعیہ کا سقوط منجملہ اصول دین عیسوی ٹھہرائے گئے تو جوق در جوق لوگ اس میں داخل ہوئے اور جب کہ اس کے ساتھ سلطنت قیصریہ منضم ہوئی تو پھر وہ مذہب عموماً پھیل پڑا۔ چنانکہ میرے اس مضمون کی تصدیق ان لوگوں کو جنہوں نے تواریخ اہل فرنگ کی دیکھی ہوگی اور شیوع ملت عیسویہ کے وجہوں کی ان تاریخوں سے تفتیش کی ہوگی۔ ایسی ہوگی جیسے دوپہر کے آفتاب کی تصدیق ہوتی ہے۔ دو ایک جملے ڈاکٹر نیٹلر صاحب کی تاریخ کے میں بیان کرتا ہوں کہ اس سے بھی فی الجملہ میری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے اور بعضے حالات اور بھی متعلق اس کے ظاہر ہوتے ہیں۔

دفتر اول باب چہل و پنجم فصل سیوم، اس بات میں رواۃ کی آراء مختلف ہیں کہ ابتداء میں مسیحی دین کی رسوم کس ڈھب کی تھیں اور انتظام اس کا کس نوع کا تھا اور نہ فقط کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان اس امر میں رائے کا اختلاف ہے بلکہ پچھلے فرقے کے مختلف گروہوں میں بھی۔ چنانچہ لودری اور کالومینی میں بھی ردو بدل ہے علاوہ اس کے ایک رائے یہ بھی ہے کہ ہمارے مسیح اور اس کے حواریوں نے اپنے دین کے خالص احکام کے مطابق وعظ اور نصیحت کی ترویج پر اکتفا کی اور اس بات پر مسیحوں کو مختار چھوڑا کہ اپنے اپنے ملکی رسوم کے موافق اپنے لیے قواعد عبادت کے ٹھہرا لیں۔

پس حضرت عیسیٰ اور حواریوں کی طرف منسوب کرنا اس طریقہ اباحت عامہ کو تو غلط اور محتاج بہ ثبوت ہے۔ ہاں شاید پولوس نے ایجاد کیا تو کیا ہو۔ چنانکہ اس کے بعضے خطوں سے مستنبط ہوتا ہے اور پھیلنا دین کا صرف اباحت عامہ کے سبب سے باقرار مورخ مسیحی ثابت ہوگیا۔

اور وہی مورخ دفتر دوم میں لکھتا ہے "اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ دین مسیحی نے اول خیال عظمت کو بحال نساء کے لوگوں کے دلوں میں جگہ دی اور تب ہی سے نسوان تزئین المجلس گنی جاتی ہیں۔ اور بہر وجہ ذکور کے طرف سے ان کی حفاظت ہونے لگی۔ الیٰ ان قال۔ اور بہادری کے لیے اس سے کوئی بڑی بہادری نہ تھی کہ ان پری زادوں کی عفت اور عصمت کی نگہبانی اور عزت کریں بس اس بہادری میں عشق بازی بھی مدام ہم آغوش رہی۔ الیٰ ان قال۔ بس یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عشق بازی نے اس سبب سے بہت سی ترقی حاصل کی۔"

اور وہی مورخ دفتر اول کے باب چہل و پنجم کے فصل چہارم میں لکھتا ہے "دوسرے قرن میں مذہب کے قواعد اور رسوم کے ٹھہرانے کے لیے لوگوں کو مجتمع کیا اور ایک اجتماع ملقب سینوڈی اور کونسلیا ہونے لگا اور ان میں علمائے دین سے ایک سردار ٹھہرا۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک عمدہ تر فرقہ آباؤں کا یعنی وے کہ جنہیں پوپ کہتے ہیں نکلا جو کہ مسیحی ملکوں میں کامران تھے اور ان میں بھی درجے اوتر کے مقرر ہوئے اور سب آباؤں کا سردار روم کا اسقف ٹھہرا"

اور فصل ہشتم میں لکھتا ہے "پھر کلیسا نے ایک بدعت نکالی جو منجر بسوئے شرک تھی اور انہوں نے بہت سے مقدسوں اور تبرکوں کی پرستش آغاز کی اور علاوہ اس کے بہت سے نئے احکام نکالے"

اور صاحب سیر المتقدمین عیسائی اور اور بھی ان کے مورخین لکھتے ہیں کہ ۳۷۹ء مسیحی میں بعد اس کے کہ قسطنطین اول جو عیسائی ہوا تھا اس کا جانشین سوم جولین نامی صحبت میں مجوسیوں کے مرتد ہو گیا۔ جانشین ششم نے باتفاق اہل دربار کے ایک فرمان جاری کیا کہ ساری رومی سلطنت مسیحی ہو جائے اور جو مسیحی نہ ہو سو مار ڈالا جائے۔ پس دیکھیے جس طرح قسطنطین اول ایک عیسائی کی صحبت سے عیسائی ہو گیا تھا۔ اسی طرح اس کا پوتا مجوسی ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف صحبت کی جہت سے بھی دین ناحق متعدی ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ شمشیر زنی سے جو دین پھیلے سو وہ ناحق نہیں بھی ہوتا ہے اور خصوصاً جب کہ پری زادوں کی عشق بازی بھی ہم آغوش ہو تو اور بھی عیسائیوں کے نزدیک وہ دین ناحق نہیں ہوتا ہے۔

بالجملہ رواج مذہب کا بغیر شمشیر زنی نہ موجب اس کی حقیقت کا ہوتا ہے اور نہ رواج اس کا بشمشیر زنی موجب اس کے بطلان کا ہے اور صرف سطوت فرماں روائی کی جہت سے دین کا پھیلنا بھی دو طرح پر ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ اہل حکومت کی فروتنی اور مروت اور سخاوت اور عدم تنگ گیری اور تہذیب اخلاق اور حسن اعمال اور زہد اور بزرگیاں باعث ہو جاتی ہیں۔ جیسا ہمارے یہاں پہلے طبقے والوں کے ہاتھ سے ہوا۔ جوں جوں ان کے آثار کم ہوتے گئے دین کی تدریج کم ہوتی گئی کہ سطوت اور طمطراق ظاہری اور جبر و قہر مسلمانوں کا بڑھتا گیا اور بعد اس زمانے کے جو پھیلا تو اکثر بزرگوں کی کرامتوں سے پھیلا۔

اور دوسری طرح یہ کہ تنگی معاش رعایا اور ترفع حکام اور زر کشی حاکم کی باعث ہو جیسا اب

ہم دین عیسائی کے رواج میں دیکھتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو تنگئے مجبور کے بہت رہے اور ابواب معیشت کے ان پر بند ہوئے اور کوئی بہت کم تر عیسائی ہوتا ہے مگر شاذ و نادر اس طرح پر جیسا قسطنطین اول کا یا مجوسی یا اکبر بادشاہ بے دین ہو گیا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کتاب خروج کے بابوں سے ظاہر ہے کہ سب بنی اسرائیل بموجب حکم یہواہ اور موسٰے کے مصریوں سے کروڑوں روپے کا چاندی سونا از قسم زیور اور ظروف اور اسکا طرح کپڑے بھی عاریت لے کر مصر سے روپوش ہو کے بھاگے۔ سو عاریت لے کر کافروں کا اسباب اور دغے سے بھاگنا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے اور توریت میں اس کا حکم ہوا۔ پس شناعت عقلی کس میں ہے اور تقاضائے روح کر ایسے ہی احکام رفع کرتے ہیں۔

اور انجیل اول کے باب بست و یکم کے درس ہیجدہم اور نوزدہم میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی ایک انجیر کے درخت پر صرف اس جہت سے کہ اس میں پھل نہ تھے خفا ہوئے۔ پس جمادات پر خفا ہونا عقلاً کمال جہالت کی بات ہے۔

اور اسی انجیل کے تیئسویں باب میں دیکھئے کہ حضرت عیسٰی نے کون سا مرتبہ درشت گوئی کا اٹھا رکھا جو یہودیوں کے خطاب میں ان کے کفریات پر نہیں کیا اور ایک بار پطرس حواری نے جو خوشامد کا کلمہ کہا تو اس کی تعریف کی اور دم بھر کے بعد جو اس نے فی الجملہ خلاف طبع آپ کے بات کہی تو اسے شیطان ٹھہرایا۔

چنانچہ انجیل اول کے باب شانزدہم کے درس ۱۶ اور ۱۷ کے ملانے سے درس ۲۲ اور ۲۳ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے ان باتوں کو نہ دیکھنا اور مضمون آیہ کریمہ واغلظ علیہم کے معنی پیغمبر سمجھے بوجھے طعنہ کرنا کیسی ناانصافی ہے۔ الحمد للہ میزان الحق کے شبہوں کا جواب ہو چکا۔ مگر ایک بات باقی رہی وہ یہ کہ اس نے اپنی کتاب کے باب دوم اور بعضی فصلوں میں باب سیوم کی بعض مضامین انجیل کو قرآن کے بعضے مضمون پر بغیر سمجھے بوجھے ترجیح دے کر اس ترجیح کو معاذ اللہ موجب عدم حقیقت قرآن اور دلیل کلام الٰہی ہونے انجیل کی گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ تقاضائے روح قرآن سے نہیں رفع ہوتا ہے اور انجیلوں سے ہوتا ہے۔ ایسی باتوں سے میں نے کہیں تعرض نہیں کیا۔ اس واسطے کہ اس کتاب کے اعتراضات کے جوابوں کے تمام ہونے پر اس کا تعرض مناسب سمجھا گیا۔

سو اب جاننا چاہیئے کہ انجیلوں میں جن باتوں کو پادری صاحب موجب رفع تقاضائے روح سمجھے ہیں دو حال سے خالی نہیں۔ توریت میں وہ باتیں ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو محض سرقہ ثابت ہوا انجیل کی بذاتہ کچھ تعریف نہ نکلی اور اگر نہیں ہیں تو دو حال سے خالی نہیں۔ اُن باتوں کا نہ ہونا موجب لبطلان اس کتاب کا جس میں ویسی باتیں نہ ہوں ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو توریت باطل ہوئی اور اگر نہیں ہو سکتا ہے تو بالفرض محال کہ قرآن شریف میں وے باتیں نہ ہوں تو بھی قرآن نہیں باطل ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وے باتیں اور اس سے بہتر بھی قرآن میں ہوں۔

اور میں سچ کہتا ہوں کہ انجیلوں میں کوئی بات جو عقلاً علی الاطلاق مستحسن ہو ایسی نہیں ہے جو کسی دین میں اس کا استحسان مذکور نہ ہو۔ کل ہمہ سب باتوں کا عیسائیوں کے نزدیک یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے کہ دشمن سے انتقام نہ لینا چاہیئے بلکہ اس کے بدلے میں سلوک کرنا چاہیئے۔

سو میں کہتا ہوں کہ آیا یہ امر وجوبی ہے یا استحبابی۔ اگر وجوبی ہے تو کئی قباحتیں لازم آویں گی اوّل یہ کہ آیا اس کا وجوب ایسا ہے کہ جس دین میں اس کا وجوب نہ ہو، سو وہ دین باطل ہے تو چاہیئے کہ توریت باطل ہو اس لیے کہ اس میں کہیں اس کے وجوب کا ذکر نہیں۔ چنانچہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اس پر اتفاق ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کچھ اعتراض نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ جیسے احکام سیاسیات متعلقہ فوجداری عدالت بلکہ عدالت دیوانی کے بھی اہل حکومت ملتِ عیسائیہ کے ہاتھوں سے ابتداء سے اب تک ہوئی اور ہوتے جاتے ہیں موجب کمال عذاب اُخروی اور ناخوشنودئ حضرت حق ہو اور سراپا کارخانہ عدالت کا عین ظلم ٹھہر جائے۔ اس لیے کہ طالب اپنے حق کا بموجب ارشاد عیسوی ناحق پر ہے۔ پس اس کی اعانت ظلم کی اعانت ہے اور اگر دشمن سے دین کا دشمن مراد ہے تو باب بست سیوم میں انجیل اوّل کے حضرت عیسیٰ نے یہودیوں کو حد سے زیادہ گالیاں دیں تو ظلم کیا اور مقاتلاتِ موسویہ اور یوشعیہ بہت بڑا ظلم ٹھہرا۔

تیسری یہ کہ انجیل سے فی الجملہ بدلہ لینا بھی نکلتا ہے۔ چنانچہ پہلی انجیل کے اٹھارہویں باب کے پندرہویں اور سولہویں درس سے بُوجھا جاتا ہے تو سرے سے وہ مسئلہ وجوب کا باطل ہو گیا اور اگر وجوبی نہیں ہے اور دشمن سے مراد دشمن دنیوی ہے تو قرآن شریف میں کئی جگہ لکھا ہے کہ عفو بہتر ہے چنانکہ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی علانیہ تعریف لکھی ہے اور وتواصوا بالصبر

وتواصوا بالمرحمہ اور ایثار دوسرے کا اپنی جان پر اور اور باتیں مواسات اور شفقت علیٰ خلق اللہ کی قرآن میں اتنی ہیں کہ انجیلوں میں نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت لوگ کہتے اور کرتے آئے ہیں۔ جیسا سعدی نے فرمایا ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ[1]

بالجملہ دشمن دنیوی سے انتقام نہ لینے کو اچھا کہنا اگر موجب ہوا اس بات کا کہ جس کتاب میں ایسا حکم لکھا ہے وہ کلام الٰہی ہے۔ تو چاہیئے کہ کتبِ حکمت عملیہ قدیمہ یونانیہ اور پارسیہ اور ہندیہ کے جو حضرت عیسیٰ کے زمانے سے پہلے کے ہیں سب کلام الٰہی ٹھہر جائیں۔ دیکھو یہ کیسی سفاہت کی بات ہے صرف مستحسنات عقلیہ کے ذکر کرنے سے کتاب کو کہنا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ یہ سوائے اس اس شخص کے جس کی عقل بالکل کھو گئی ہو اور کون کہے گا۔

اور بائبل میں جو باتیں خلاف استحسانِ عقلی لکھی ہیں اور بنظر سرسری میں نے دیکھی ہیں ان میں سے جو سردست یاد پڑتی ہیں انہیں لکھتا ہوں۔ دیکھئے تقاضائے روح کو کیا ایسی ہی باتیں رفع کرتی ہیں حاشا وکلا۔ مگر ان میں سے جو معارض قرآن شریف کے نہیں ہیں ان کو تکذیباً میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ مجھے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور توہین سے محفوظ رکھے۔ مگر صرف پادری صاحبوں کے الزام کے لیے نقل کرتا ہوں اور بعضی باتوں کا پتہ اسی جگہ دیتا ہوں اور بعضی باتوں کا پتہ اسی میری کتاب کے اور مقاموں سے مل سکتا ہے اور بعضی ایسی ہیں کہ اگرچہ بائبل میں نہیں مذکور ہیں مگر عیسائیوں کے عقیدے میں داخل ہیں جس طرح ہمارے عقیدے میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ داخل ہے اور کسی عیسائی کو اس سے انکار نہیں

ازاں جملہ پیدائش کی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا آدمیوں کے بنانے سے بہت شرمندہ ہوا اور پچھتایا۔

ازاں جملہ اسی میں لکھا ہے کہ خدا آدمی بن کر رات بھر یعقوب سے کشتی لڑتا رہا اور جب مغلوب نہ کر سکا تو اس کے پاؤں کی نس چڑھا کر دے مارا۔

ازاں جملہ خدا اسحٰق کی دعا کو جو عیص کے حق میں انہوں نے کی تھی یعقوب کے حق میں سمجھا۔

---

[1] بدی کا بدلہ بدی سے دینا آسان ہے اگر تو جوان مرد ہے اس سے نیکی کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی ہو۔

ازآں جملہ گئوسالہ پرست اور بُت پرست کو نبی کرنا کہ عین زمانہ نبوت میں انہوں نے گئوسالہ پرستی کروائی اور بُت پرستی کی جیسا کہ معاذ اللہ حضرت ہارون اور حضرت سلیمان کی نسبت توریت میں لکھا ہے۔

ازآں جملہ زبور یک صد و چہارم میں لکھا ہے کہ یہوواہ نے بدلیوں کو اپنا مرکب بنایا اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا پھرتا ہے۔

ازآں جملہ زبور ہفتاد و ہشتم میں لکھا ہے کہ خدا بندے سے چونکا اور اُس نے مانند پہلوان مے خوردہ کے عربدہ کیا اور اپنے دشمنوں کی پچھاڑی ماری۔

ازآں جملہ خدا مریم کے پیٹ میں نو مہینے رہا اور پیدا ہو کر بڑھتے بڑھتے جب جوان ہوا تو یحییٰ پیغمبر کا مرید ہوا اور آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔

ازآں جملہ خُدا نے موسےٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ کر فرعونیوں سے زیور طلائی اور برتن نقرئی وغیرہ اور کپڑے اچھے اچھے فی کس عاریت لیویں اور لے کر دغے سے بھاگ جائیں۔

ازآں جملہ خدا نے موسےٰ کو حکم دیا کہ بدوں تبلیغ دعوت اپنے مخالفوں اور ان کے زن و فرزند اور ننھے ننھے بچوں کو مار ڈالو اور اُن کو بالکل لوٹ لو اور چھوٹی لڑکیوں کو اپنے لیے رہنے دو۔

ازآں جملہ موسےٰ کو حکم دیا جو کوئی غیر خدا کی نذر مانے اسے مار ڈالیو یعنی بدوں فہمائش اور بدوں انتظار توبہ کے۔

ازآں انجیلوں میں ہے کہ خدا کا احمقانہ کام آدمیوں کے عاقلانہ کام سے بہتر ہے۔

ازآں جملہ انجیل میں ہے کہ مردوں کو واجب ہے کہ عورتوں کو چاہا کریں مانند اپنے بدن کے۔

ازآں جملہ انجیل سے ظاہر ہے کہ زانیہ عورت کا زنا اگرچہ ثابت ہو تب بھی اس کو سزا مت دو۔

ازآں جملہ پہلی انجیل والا گیارہویں باب کے نویں ورس میں حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتا ہے کہ یحییٰ کا مرتبہ نبی سے زیادہ ہے اور پھر گیارہویں ورس میں کہا کہ یحییٰ سے زیادہ بزرگ کوئی آدمی نہیں

ہوا ہے۔ معہذا اسی جگہ یہ بھی کہا کہ آسمانی بادشاہت میں جو چھوٹا ہے وہ بھی یحییٰ سے بڑا ہے اور سب عیسائی بالاتفاق کہتے ہیں کہ آسمانی بادشاہت عبارت ہے راہِ نجات سے۔

پس دیکھیے ان سب باتوں کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو تمام انبیاؤں سے زیادہ بزرگ ہے یعنی یحییٰ وہ آسمانی بادشاہت میں نہیں داخل ہوگا اور آسمانی بادشاہت والا اگرچہ کمترین ہو وہ حضرت موسےٰ اور یحییٰ سے بھی افضل ہے۔

ازاں جملہ اس باب کے بارہویں درس میں ہے کہ یحییٰ کے وقت سے اب تک آسمان کی بادشاہت پر جبر اور زبردستی کیا کرتے ہیں اور زبردست اسے چھین لیتے ہیں۔ دیکھو یہ کیسی بات ہے راہِ نجات پر زبردستی اور اس کا چھین لینا کیسا۔

ازاں جملہ پہلی کتاب کے دسویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء درس ۳۴: یہ گمان مت کرو کہ میں ملاپ کرانے آیا ہوں ملاپ کروانے نہیں آیا ہوں تلوار چلوانے آیا ہوں۔ ۳۵۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ سے اور بیٹیوں کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں حالانکہ خود ہی کہا تھا کہ مبارک وے ہیں جو صلح کروانے والے ہیں وے خدا کے فرزند کہلائیں گے۔

چنانچہ اسی انجیل کے پانچویں باب کے نویں درس میں ہے یہ کیسی باتیں خلاف تقاضائے روحِ انسانی ہیں۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے بارہویں باب میں درس ۴۳ سے ۴۵ تک حضرت عیسیٰ سے نقل کیا کہ ناپاک روح جب آدمی سے جدا ہوتی ہے اور سوکھے مکان میں آرام نہیں پاتی ہے تو جہاں سے نکلتی ہے وہاں آتی ہے اور اس مقام کو اچھا پاک صاف پاکر سات روحیں ناپاک اور بولا لاتی ہے وے سب مل کر وہاں رہتی ہیں۔

اول دیکھیے کہ جب مطلق روح ناپاک کا یہ حال ہے تو اور سات روحیں ناپاک اس کے ساتھ کہاں سے آویں گی۔ اس لیے کہ وہ بھی اپنے اپنے مکانوں میں جہاں سے نکلی ہیں جائیں گی۔

دوسرے یہ کہ جس مکان سے نکلی ہیں اس سے کیا مراد ہے۔ اگر اس کا بدن مراد ہے سو وہ تو گل سڑ جاتا ہے اور چونکہ بری روح کا بسیرا ہوتا ہے اچھا پاک صاف کیونکر ہوگا۔ اور اگر مراد اس مقام سے ہے جہاں وہ مرا تھا سو وہ مکان اکثر سوکھا بھی ہوتا ہے اور سوکھے مکان کو کہا ہے

کہ ایسی ناپاک روح کو آرام نہیں ملتا ہے۔
تیسرے یہ کہ روح تو بالاتفاق غیر جسمانی ہے سو اس کو سوکھے اور تر مکان کے ڈھونڈنے سے کیا علاقہ۔

ازاں جملہ اسی باب کے درس ۲۵ اور ۲۶ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں باعانت دیووں کے سردار کے دیووں کو نہیں دفع کرتا ہوں اور اس کی دلیل یہ لاتے ہیں کہ اگر دیووں میں نفاق اور اختلاف ہو تو ان کی سلطنت کاہے کو قائم رہے۔ حالانکہ بقول پادریوں کے عقل کی رو سے یہ صرف مغالطہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے بعضے ظالم بادشاہ ایک مدت تک اپنے لوگوں پر آپ ظلم کیا کرتے ہیں اور ان کی سلطنت شخصی قائم رہتی ہے چہ جائیکہ جنسی چنانچہ انگلستان کی تواریخ سے ظاہر ہے کہ آگے وہاں بھی بڑے بڑے ظالم بادشاہ گزرے ہیں معہذا وہ سلطنت قائم رہی۔ یہ صحیح ہے کہ اگر برابر ہمیشہ ویسا ہی ظلم ہوتا رہے تو البتہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ سو حضرت عیسیٰ کا زمانہ بہت قلیل تھا اتنی مدت قلیلہ تک اگر رئیس دیووں کا اپنے لوگوں کے خلاف مرضی ان پر ظلم کرتا اور اس کی سلطنت میں خلل نہ پڑتا تو ممکن تھا۔ علاوہ بریں دیووں کا باز رکھنا آدمیوں کو ناحق تصرف کرنے سے ظلم نہیں بلکہ عدل ہے۔ پس اگر دیووں کا سردار اپنے لوگوں کو ظلم سے باز رکھتا تو پھر چاہیے کہ موجب بقا اس کی سلطنت کا ہوتا نہ کہ موجب زوال کا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے باب تیئسویں کے درس پینتیسویں میں ہے کہ ہابیل کے خون سے لگا کر زکریا کے خون تک سب کا خون تم پر ہے۔ دیکھو یہ کیسی بات ہے کہ گناہ کرے کوئی پکڑے جائیں اور لوگ سب۔

ازاں جملہ احکام عشرہ کے بیان میں توریت میں لکھا ہے کہ بدکاروں کا بدلہ دوسری تیسری چوتھی پشت تک لیا جاتا ہے۔ دیکھو کیا یہی باتیں تقاضائے روح کو رفع کرتی ہیں۔

ازاں جملہ ایک انجیل کے مؤلف نے حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اور باپ ایک ہوں اور اس کے معنی عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے یہ جو کہا سو اپنی الوہیت کا اظہار کیا۔

اور دوسری جگہ انجیل میں کہا کہ باپ کچھ نہیں کرتا ہے سارے عالم کا اختیار مجھے حوالے کیا

ہے اور اس کو بھی عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی الوہیت کا اظہار کیا۔ سو دیکھئے کہ یہ کیسی بات ہے کہ عیسیٰ اور خدائے حقیقی جس جہت سے کہ ایک تھے سو یہ دو شخص کیونکر ہوئے کہ ایک نے اپنی سلطنت اور اپنے سب اختیارات دوسرے کو دے دیئے تو تثلیث کا مسئلہ کیونکر صحیح ہوا مساوات نہیں رہی۔ بلکہ ایک کا تعطل اور دوسرے کی کارکنی ثابت ہوتی ہے۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے اٹھارہویں باب میں اپنے شاگردوں کے حق میں خدا سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگی جو تو نے مجھے دی ہے میں نے انہیں دی۔ تاکہ وے جس طرح سے کہ ہم ایک ہیں ایک ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح سے خدائے حقیقی نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اسی طرح حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو خدا بنایا۔ علاوہ بریں حضرت عیسیٰ نے اپنی سب شہادت کو اپنے بڑے شاگرد پطرس کو کہا کہ تو شیطان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاذ اللہ جس کو حضرت عیسیٰ نے خدا بنایا وہ شیطان ہوا۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے چودہویں باب کے ورس دوازدہم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں ان کاموں سے بہتر کام وہ کرے گا۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کے معجزوں سے ان کی خدائی ثابت ہوتی ہے تو چاہیے ان کے ایمان لانے والے اُن سے بہتر خدا ہوں اور چاہیے کہ کوئی عیسائی اس زمانے کا ایسا نہ سمجھا جائے کہ وہ عیسیٰ پر ایمان لایا ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی کام ویسا بھی نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ اس سے بہتر۔

ازانجملہ پہلی انجیل کے پانچویں باب کا ورس ۴۸ یہ ہے کہ جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے تم بھی کامل ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا خدا ہونا ممکن ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے باب دوازدہم کے ورس ۴۶ سے تا ۵۰ جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے منجملہ احکام عشرہ ابدی البقا کے ایک حکم کو بالکل متروک کیا یعنے اکرام والدہ نہ کیا۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے نویں باب کے ورس ۱۴ سے ۱۵ تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ نبی کے ہوتے ہوئے اس کے امتی کو ریاضت کرنا نہ چاہیئے۔ سو دیکھو یہ بات کیسی تقاضائے روح کے خلاف ہے۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے باب پانزدہم کے ورس ۲۲ سے ۲۸ تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر

ہے کہ دُکھیا جو اپنا دُکھ کہے تو اسے جھڑک دینا اور اپنی قوم کے مقابلے میں اسے کُتا کہنا درست ہے۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے باب بست ویکم کے ورس ۱۸ و ۱۹ اسے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نباتات پر خفا ہوئے تھے۔ دیکھو یہ بات تقاضائے روح کے کیسی خلاف ہے۔

ازاں جملہ حضرت عیسیٰ نے کہا ہے کہ جس وقت تارے آسمان سے گریں گے اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے مجھے سب آسمان پر سے آتے دیکھیں گے اور اس وقت تک اس زمانے کے لوگ زندہ رہیں گے۔ دیکھو یہ بات پوری نہ ہوئی

ازاں جملہ اسی انجیل کے باب نوزدہم کے ورس بست وہشتم سے ظاہر ہے کہ حضرت نے اپنے بارہ شاگردوں کو فرمایا کہ جب ابن آدم یعنی میں اپنے تختِ حشمت پر بیٹھوں گا تم بھی بارہ تختوں پر بیٹھو گے۔ حالانکہ انہیں بارہوں میں سے ایک بقول اہل اناجیل حضرت عیسیٰ کی شب شہادت کو مُرتد ہو گیا۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے چوتھے باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۶ء ورس ۵: اس وقت شیطان اُسے شہر مقدس میں لے گیا اور بڑی عبادت گاہ کے کنگرے پہ کھڑا کر کے اس سے کہا۔ ۶۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو آپ کو نیچے گرا دے۔ الیٰ قولہ۔ ۸۔ یسوع نے کہا کہ تو اس خداوند کو جو تیرا خدا ہے امتحان مت کر۔ دیکھو اگر امتحان دینا مقصود نہ تھا تو شیطان کے کہنے سے کنگرے پر چڑھنا کیسی حرکت ہے کیا روح حضرت عیسیٰ کے حق میں ایسی ہی تعلیم دیتی تھی۔

ازاں جملہ گیارہویں باب کے ورس ۲۹ سے ۳۰ تک حضرت عیسیٰ کا قول لکھا ہے کہ میرا جوا آسان ہے میرا بوجھ ہلکا ہے۔

اور باب ہفتم کے ورس ۱۳۔ سے ۱۴ تک لکھا ہے کہ نجات کی راہ بہت سخت اور دشوار گزار ہے۔ ان دونوں مضمونوں کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیروی میں نجات نہیں ہے۔

ازاں جملہ اسی باب کے پچیسویں ورس میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۶ء اے باپ آسمان و زمین کے مالک تیرا شکر کرتا ہوں کہ تُو نے ان چیزوں کو حکیموں اور عاقلوں سے چھپایا اور لڑکوں پہ کھولا۔ ۲۶۔ ایسا ہونے میں تیری رضامندی تھی۔ دیکھو حق بات کا چھپا رہنا موجبِ رضامندی خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔

اور بقول پادریوں کے معلوم ہوتا ہے کہ فہمیدہ آدمیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے لیے لوازم نبوت

نہیں ثابت ہوئے تھے صرف بے وقوفوں نے ان کو نبی سمجھا تھا۔ انتہیٰ

بالجملہ ایسی ایسی باتیں حواریوں خصوصاً پولوس کے خطوں میں بہت ہیں اور ایسی باتیں یہودیوں کی دستاویز انکار واقع ہوئی ہیں مگر میں بفضلہ تعالیٰ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت سوء ظن سے بری ہوں۔

بالجملہ انجیلوں میں ان باتوں کے سوا اور باتیں جو ہیں ان کو بلکہ ان کی ساری تعلیمات کو میں پوچھتا ہوں کہ وے سب موافق ان علامتوں کے ہیں جو پادری صاحب نے الہام حقیقی کی شناخت کے لیے بیان کی ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو بقول پادری صاحب کے انجیلیں الہام حقیقی نہیں اور اگر ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ تعلیمات توریت کی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو توریت الہام حقیقی نہ ٹھہری۔ اور اگر ہیں تو بقول پادری صاحب کے سرقہ لازم آیا کہ انہیں باتوں کو توریت سے لے کر انجیلیں بنائی ہیں۔

اور بعضے پادری لوگ اپنی نافہمی سے کہتے ہیں کہ معجزاتِ بیّنہ کا ظہور موجب ظہور نبوت اور مفید تمیز بین النبی والمتنبی نہیں ہوتا ہے۔ سو ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ ایک شخص موافق توریت و انجیل کے تعلیم دے اور معجزہ ظاہر نہ کر سکے اور کہے کہ میں نبی ہوں تو چاہیے کہ وہ نبی برحق شمار کیا جائے۔ سو ایسی بات وہ شخص کہے گا جو تقاضائے روح الامانی سے بالکل بے بہرہ اور نابلد ہے۔ انتہیٰ

میزان الحق کے پہلے اور تیسرے باب کا جواب ہو چکا اور میں نے جو اس کے جوابوں کے ادا کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ پادری صاحب کی فضول تقریریں نہیں لکھیں اور ان کے لفظ لفظ سے میں نے تعرض نہیں کیا سو اس کا سبب یہ ہے کہ طرز بیان اور تقریریں لاطائل اگر صرف دو ہی تین رسالوں میں پادریوں کے ہوتیں اور وے لوگ ایسے ہوتے کہ ان کی تقریروں کی لغویت کے ثابت کر دینے سے اور پادری لوگ سربگریباں ہو جاتے اور اور صاحبان انگریز ان کو آئندہ ویسی لغو تقریروں کے کرنے سے منع کر دیتے تو البتہ ان تقریروں کے لفظ لفظ کی بحث کا لطف تھا اور ہرگاہ ایسا حال نہیں ہے۔ بلکہ ہزاروں پادری اسی کام کی روٹی کھاتے ہیں اور یہی ان کی معاش ہے اور ملتوں پر اعتراضیں کیا کریں عام اس سے کہ معقول ہو یا نہ معقول ہوں۔ اور نت نئے رسالے بے سرو پا لکھ کر چھپوایا کریں اور اپنے لڑکے بالوں کے پیٹ پالنے کے لیے شب و روز اسی کام

میں مصروف رہتے ہیں اور معہذا جس کسی پادری کی بعضی تقریروں کی نامعقولیت ثابت کر دیجئے تو اور کوئی عیسائی متاثر نہیں ہوتا اور ان کو سمجھاتا نہیں ہے کہ ایسی نامعقول تقریریں نہ کیا کرو۔ ایسی صورت میں بھلا بتلاؤ ہم لوگ کہ اشاعت دین کا پیشہ نہیں رکھتے۔

اور صاحبان عالی شان انگلشیہ باوجود دوست رکھنے مناظرہ معقول کے مناظرہ کرنے پر صرف انہیں کو نوکر رکھتے ہیں اور اور ملت والوں کو اس کام پر کچھ نہیں دیتے۔ کہاں تک پادریوں کی تقریروں کے لفظ لفظ سے بحث کریں۔ اتنا ہی غنیمت ہے کہ اہالیان سرکار کمپنی نفس الاعتراضات کے جواب دینے کو منع نہیں کرتے اور جو ان میں حکمت پسند ہیں وہ سخن معقول کو جو معرض جواب میں لکھا جاتا ہے پسند کرتے ہیں اور نفس الاعتراضات محصور بھی ہیں۔ اس لیے صرف انہیں کے جوابوں پہ اکتفا کرنا مستحسن معلوم ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ عیسائیوں کو جس قدر گنجائش فی الجملہ معقول گفتگو کی بمقابلہ اہل اسلام ہے سو اسی قدر ہے جو رسالے مذکورہ میں ساتھ اور نامعقول تقریروں کے مندرج ہے۔ اور دوسرے رسالہ تحقیق دین حق میں جہاں کہیں تھوڑا سا میزان الحق کی بعضی باتوں کا پرتو ہے۔ وہ تو البتہ فی الجملہ معقول ہے اور باقی قدر کثیر اس میں میزان الحق کی نامعقول تقریروں سے زیادہ تر نامعقول بیان ہے۔ چنانچہ اس دوسرے رسالے میں چار باتیں اور ایک ان کا تتمہ ہے۔ ان میں سے پہلے اور چوتھے باب میں البتہ بعضی اعتراضیں فی الجملہ معقول اور قابل التفات کے ہیں اور ان کے سوا اور بعضی باتیں اور سارا باب دوم اور سیوم اور اس کا تتمہ محض بیہودہ اور نامعقول ہے۔ نہیں معلوم لکھنے والا کیا سمجھ کر لکھتا ہے۔ اس لیے میں صرف پہلے اور چوتھے باب کا جواب لکھتا ہوں۔

اور جاننا چاہیئے کہ اس رسالے میں دو طرح کی اعتراضیں ہیں۔ ایک قرآن شریف کے بعضے بعضے مضمونوں پہ اور دوسرے بعضی احادیث کے مضمونوں پہ۔ اور دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ ہمارے اصول ملت اسلامیہ میں داخل ہیں اور دوسری وہ کہ بسبب عدم ثبوت قطعی کے ہمارے اصول میں داخل نہیں ہیں۔ سو میں تیسری قسم کی باتوں سے بحث نہیں کرتا۔ الا ماشاء اللہ کہیں کہیں بطور تفنن طبع کے بعضی بات جو تیسرے قسم کی ہے اس سے بھی میں نے تعرض کیا۔ جس کو میں نے جانا کہ پادری لوگ اپنی دانست میں اس اعتراض کو اپنے بہت عسیر الحل اور سخت مشکل جانتے ہیں۔

پہلا باب: اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بعضی باتیں ایسی مذکور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ قدوس اور عادل اور رحیم اور عالم الغیب اور صادق القول اور غیر متغیر نہیں ہے۔ سو اولاً پادری صاحب صفحہ ۹ سے تا صفحہ ۳۲ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں یعنی لقد ذرءنا لجھنم کثیرًا من الجن والانس کو فنڈر صاحب نے بھی اپنے رسالے میں اس کو نقل کیا ہے۔ اور ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم اور لو شآء اللہ ما اشرکوا اور من یشأ اللہ یضللہ ومن یشأ یجعلہ علیٰ صراط مستقیم اور انہیں مضمون کی حدیثوں سے خدا کی قدوسیت اور عدالت اور رحمت میں نقصان لازم آتا ہے۔

جواب: ایسی آیتوں اور حدیثوں کے جمع کرنے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تقدیر کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ آدمیوں کے افعال بمشیت الٰہی ظہور میں آتے ہیں۔ سو تقدیر کے معنی ہمارے اصول میں یہ ہیں کہ جو کچھ عالم ظہور میں نمودار ہوتا ہے منجملہ جواہر ہو خواہ منجملہ اعراض سب کا اندازہ ظہور کا یعنی یہ کہ کیا اور کون اور کیسا اور کتنا اور کب وغیرہ لوازم ظہور ازل سے خداوند تعالیٰ کے علم میں داخل ہے سر مو اس کے خلاف ظہور میں نہیں آ سکتا اور جو چیز جس انداز سے ظاہر ہوتی ہے وہ خداوند تعالیٰ کے سابقہ علم ازلی سے باہر نہیں ہو سکتی۔ سو جو کچھ اسے معلوم ہے اس کا ظہور اس کی مشیت سے ہوتا ہے یعنی اگر وہ چاہتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے اور اگر نہیں چاہتا ہے نہیں ظاہر ہوتا ہے۔

پس اگر پادری لوگ سابقہ علم ازلی الٰہی سے بکرہ ہاتر خدا کے عالم الغیب ہونے سے وہی منکر ٹھہرے نہ کہ ہم۔ اور ان کو چاہیے کہ انبیاء کی پیشین گوئیوں سے ہاتھ اٹھاویں۔ کیونکہ اگر محض اٹکل ان کی ہے تو کچھ کرامت نہیں ہے۔ اور خدا کی بتائی ہوئی تو آپ کہہ ہی نہ سکیں گے۔ اس لیے کہ خدا آگے جانتا ہی نہ تھا بتاتا کہاں سے۔ اور نسخ کے معنی بگمان فاسد جو اپنے نزدیک ٹھہرا کر مسلمانوں کو الزام دیتے ہیں کہ اس میں خدا کی نامآل اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ سو وہ معنی حقیقۃً انہیں پر عائد ہوں گے یعنی خدا ناماآل اندیش ٹھہرے گا۔

رہا دوسرا مسئلہ مشیت کا سو ہمارے اصول میں اس طرح پر ہے کہ معلومات حضرت حق جل وعلیٰ کا ظہور نہیں ہوتا ہے مگر بموجب اسی کے ارادے کے نہ کہ اور کسی کے ارادے سے، اور

جس چیز کو خداوند تعالیٰ نے عرصۂ ظہور میں ذی علم اور صاحب ارادہ بنایا ہے مثلاً انسان کو سو اُس کے ارادے کے آثار نہیں متفرع ہوتے ہیں اس طرح پر کہ اس میں ارادہ الٰہی کو دخل نہ ہو۔ بلکہ جس طرح انسان کی ہستی حدوثاً اور بقاءً سراسر حضرت وجود واجب کے فیض ارادے کی محتاج ہے۔ اسی طرح انسان کے خواص و لوازم کے آثار بھی حدوثاً اور بقاءً اسی فیض کے محتاج ہیں۔

سو اگر اس مسئلے کی دقت کالحاظ نہ ہوتا اور توریت و انجیل میں اس کی تفصیل مفصلاً نہ ہوتی تو بحول اللہ و قوتہ بتصدق نعال مقدسہ غلامان شہنشاہ دوجہاں حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس مقام پر اس مسئلے کے ثبوت کی دلیلیں اور اس پر جو ظاہراً قباحتیں وارد ہوتی ہیں اس کے رفع کی تقریریں تحقیقی وضع پر لکھتا ایسی کہ سننے والوں کو خدا چاہتا تو مزا ملتا۔ مگر اب بائبل میں بھی وہ مسئلہ مفصلاً مذکور ہے تو صرف جواب الزامی پر اکتفا کرتا ہوں: جاننا چاہیے کہ جواب الزامی اس کا دو طرح پر ہے ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔

جواب اجمالی

یہ بات بالاتفاق مسلم الثبوت ہے کہ خدا ہر چیز کو اس کے ظہور سے پہلے جانتا ہے۔ اور یہ بھی بالاتفاق مسلم الثبوت ہے کہ آدمی کو مع اس کے لوازم اور خواص کے خداوند تعالیٰ نے بنایا ہے یعنی جیسی اس کو ہستی دی ہے ویسی ہی اس میں قوت ارادیہ وغیرہ کی ہستی کو بھی ودیعت کیا ہے ہر گاہ یہ دونوں باتیں متفق علیہ ٹھہریں تو ہم کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ پہلے سے جانتا تھا کہ فلانے فلانے لوگ از روئے اپنے فہم و ادراک اور ارادے اور قدرت کے قتل عیسوی کے درپے ہوں گے۔ اور تدبیریں کر کے مار ڈالیں گے اور یہ بھی جانتا تھا کہ جو لوگ مرتکب ایسے امر قبیح کے ہوں گے وہ میرے غضب میں گرفتار اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے اس حرکت سے داخل ہوں گے۔

اور باایں ہمہ خداوند تعالیٰ نے اُن لوگوں کو پیدا کیا اور ان کی ذات کے پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ان کو ادراک اور ارادہ وغیرہ بھی دیا اور معہذا اس حرکت پر انہیں مستوجب عذاب ابدی بھی کیا۔

اس صورت میں بقول پادری صاحب کے ان کے پیدا کرنے سے اس طرح سراسر ان پر ظلم

ہوا اور معاذ اللہ خداوند تعالیٰ ظالم اور بے رحم اور غیر مقدس بھی ٹھہرا۔ پس جس قباحت کی جہت سے پادری لوگ اس مسئلہ مشیت سے منکر تھے وہی قباحت بعینہا عائد ہوئی۔

جواب الزامی تفصیلی

کتاب خروج کے ساتویں باب میں خطاب خداوندی حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی نسبت یوں منقول ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۳، ۴ میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا وہ تمہارا شنوا نہ ہوگا۔

اور اسی باب میں اس کا مصداق مؤلف توریت نے یوں نقل کیا ہے۔ ورس ۱۳: اس نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ وہ جیسا یہواہ نے فرمایا تھا شنوا نہ ہوا۔ دیکھو پھر کیا فرعون بسبب اس عدم شنوائی کے مورد غضب الٰہی نہیں ہوا اور کیا جہنم میں نہیں گیا اور اگر ایسا ہوا تو بقول پادری صاحب کے خدا ظالم اور بے رحم ٹھہرا کہ آپ ہی شنوا نہ ہونے دیا اور آپ ہی اس کے شنوا نہ ہونے پر اس کو عذاب میں ڈالتا ہے۔

اور اشعیا کی کتاب کے چھٹے باب میں یوں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۹: برو ایں قوم را بگو بشنوید لیکن درک مکنید بہ بینید لیکن دریافت مکنید۔ ۱۰۔ دل ایں قوم را گندہ گردان و گوشہائے ایشان را گران نما و چشمہائے ایشان را تیرہ کن مبادا کہ ایشاں از چشمہا بہ بینید و بگوشہائے بشنوند و بدلہا بفہمند و توبہ کنند و من ایشاں را شفا بخشم۔ غور کرو کہ یہ احکام تکوینی ہیں یا تشریعی۔ اگر تشریعی ہیں تو معلوم ہوا کہ معاذ اللہ حضرت اشعیا مظہر اضلال اور شیطان محض تھے یا معاذ اللہ شیطنت اور شریعت ایک ہی چیز ہے اور اگر تکوینی ہیں تو وہی ہمارا عقیدہ ثابت ہوا اور بقول پادری صاحب کے ظلم اور بے رحمی خدا کی نسبت عائد ہوئی۔

اور اسی کتاب کے باب چہل و پنجم میں ہے۔ ورس ۶: منم خدا بجز من دیگرے نیست سازندہ نور و آفرینندہ تاریکی ہستم صلح دہندہ و ظاہر کنندہ شر منکہ خدا ایم ایں ہمہ را بوجود مے آرم۔ نسخہ ۱۸۲۵ء میں یہواہ ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں۔ میں روشنی بناتا ہوں اور شر خلق کرتا ہوں۔ میں یہواہ یہ سب کچھ کرتا ہوں۔ دیکھو ظاہر کرنے والا شر کا کون ٹھہرا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے سوا

کئی بھی نہیں۔ چہ جائیکہ تین شخص قدیم بالذات اور غیر مخلوق اور قادرِ مطلق اور خدا ہوں۔

اور پہلی انجیل کے گیارہویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۲۰: پھر اُن شہروں کو جن میں اس
کے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے تھے ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ الیٰ قولہ
۲۵۔ اسی وقت یسوع پھر کہنے لگا کہ اے باپ آسمان اور زمین کے مالک میں تیرا شکر کرتا ہوں
کہ تُو نے ان چیزوں کو حکیموں اور عاقلوں سے چھپایا ہے۔ اور لڑکوں پر کھولا ہے۔ ۲۶۔ ہاں باپ ایسا
ہونے میں تیری رضامندی تھی۔ دیکھئے حضرت عیسیٰ اس بات کو کہ جو لوگ اپنے تئیں دانشمند جانتے
تھے اور اپنی حکمتوں پر مغرور تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت اور حقانیت نہ دریافت کر سکے اور جو لوگ
اُمّی اور نادان کہلاتے تھے وہ اس کی حقیقت اور حقانیت دریافت کر کے ایمان لائے۔ خداوند
تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ تیری خواہش تھی۔ سو اگر رضامندی کے معنی یہاں خوشنودی کے ہیں
تو شیطنت لازم آئی اور اگر خواہش اور مشیت کے ہیں تو ہمارا عقیدہ ثابت ہوا اور چونکہ اس پر حضرت
عیسیٰ شکر کرتے ہیں تو بقول پادری صاحب کے ان کے دونوں خدا ظالم اور بے رحم ٹھہرے۔
ہاں اتنا فرق البتہ ہوا کہ آسمان پر والا خدا خود مرتکب ظلم ہوا اور خدائے مجسم زمین پر والا مرتکب ظلم
نہیں ہوا۔ مگر اس پر خوش ہوا اور ظلم پر خوش ہونے والا بھی بالاتفاق ظالم ہے۔

اور دوسری انجیل کے چودہویں باب میں جہاں حضرت عیسیٰ کی شب شہادت کی باتیں لکھی ہیں
یُوں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۱۲ء ورس ۳۵: زمین پر گر کے دُعا مانگی کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے
۳۶۔ اور کہا اے باپ سب کچھ تجھ پاس ممکن ہے اس پیالے کو یعنی میرے قتل کو مجھ سے دُور کر لیکن
جس طرح تو چاہتا ہے نہ اس طرح جو میں چاہتا ہوں۔ دیکھو دوسرا خدا زمین والا اپنی جسمیت کی راہ
سے اپنی مشیت کا قصور بیان کرتا ہے اور اپنی شہادت کو جو اس کے جسمیت کی رُو سے ہوئی آسمان
والے خدا کی مشیت کی بحث میں داخل کرتا ہے تو بقول پادری صاحب کے اپنے کو ظلم سے مبرا کرتا ہے
اور دوسرے خدا آسمان والے کو ظالم ٹھہراتا ہے۔ کیوں کہ بار ہا کہتا تھا کہ میرا مارا جانا ظلم سے
ہو گا۔

اور تیسری انجیل کے بائیسویں باب میں حضرت عیسیٰ اپنے گرفتار اور قتل ہونے کی نسبت
فرماتے ہیں۔ نسخہ ۱۸۱۶ء ورس ۲۲: فرزند انسان بحسب تقدیر میرود لیکن وائے بر آنکس کہ او را گرفتار

مے کناند" نسخہ ۱۸۱۷ء ابن آدم جیسا مقدر ہے جاتا ہے لیکن اس شخص پر جس کے سبب سے وہ پکڑوایا جاتا ہے واویلا ہے" دیکھو سبب سے یہاں کیا مراد ہے۔ اگر اپنا اظہار دین جدید اور دعویٰ صداقت مراد ہے تو اس پر واویلا کیسا۔ اور اگر یہوداے اسخروطی گرفتار کروانے والا مراد ہے تو وہی بات ہماری ثابت ہوئی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نہیں پکڑے گئے مگر مقدر سے اور مقدر کے معنی نہیں ہیں مگر وہی تقدیر الٰہی اور پکڑوانے والا جہنمی بھی ہوگا۔ اس صورت میں وہی تمشیت الٰہیہ بامر قبیحہ اور بقول پادری صاحب کے ظلم اور بے رحمی حضرت حق تعالیٰ عن ذالک علواً کبیراً کی لازم آئی۔

بالجملہ ایسے مضامین مقتر بائبل میں بہت ہیں مگر مجھے سردست معلوم نہیں ہوتے۔ علاوہ بریں خداوند تعالیٰ بالاتفاق علی الاطلاق اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ جس آدمی سے جس بات کو چاہے نہ ہونے دے اور معہذا وہ کسی شریر کو شرارت کرنے سے باز نہیں رکھتا۔ اور جانتا ہے کہ اس شرارت سے یہ ہمیشہ کی آگ میں پڑے گا پس بالبداہتہ بقول پادری صاحب کے بے رحمی اور خلاف قدوسیت اس کی ثابت ہوئی۔

اور پادری لوگ ایسے ورسوں کی اگر کچھ تاویل کر سکتے ہیں تو قرآن اور حدیث کی ایسی باتوں کی تاویل کرلیں تکذیب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غایت الامر یہ کہ اس تاویل میں مخالفت شعریہ وغیرہ فرقہائے جمہوریہ اسلامیہ کی لازم آوے گی سو آیا کرے۔ قرآن کی تکذیب کر کے اپنے تئیں ہلاکت ابدی میں کیوں ڈالتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں کہ مسئلہ تقدیر و مشیت سے کچھ خلاف عدل ورحم اور تقدس درحقیقت نہیں لازم آتا ہے۔ اور جو بظاہر لازم آتا ہے سو صرف اسی جہت سے لازم آتا ہے کہ صفات اور افعال الٰہیہ کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں بعضے لوگ جانتے ہیں ان لفظوں کے جو معنی آدمیوں میں ہیں وہی معنی اللہ صاحب میں بھی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ الفاظ تو البتہ مشترک ہیں مگر معنوں کی حقیقت جداگانہ ہے۔ مثلاً سمیع کہ آدمی کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اللہ کو بھی لکھتے ہیں۔ لیکن معنی کی حقیقت ایک نہیں ہے آدمی کی سماعت کی اور حقیقت ہے اور خداوند تعالیٰ کی سماعت کی اور حقیقت ہے ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

بالجملہ عدل ورحم کے معنی خداوند تعالیٰ میں اس طرح پر نہیں ہیں جو آدمی میں ہوتے ہیں۔

اعتراض

صفحہ ۱۴: ملائکہ کے سجدہ کرنے کو جو آدم کے لیے کہا۔ پادری صاحب کہتے ہیں کہ بت پرستی اور ناپاک کام ہے۔

جواب: تعظیمی سجدہ اور عبادت مترادف نہیں ہیں صرف عبادت یعنی اعتقاد رکھنا اس بات کا کہ بڑائی کی بات میں ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور اس قسم کی تعظیم کی نیت سے کوئی کام کسی کے لیے کرنا یہ البتہ حضرت واحد حقیقی مدبر کل کائنات کے سوا اور موجودات میں سے کسی کے لیے نسبت اعتقاد رکھنا یا اس کے لیے کوئی کام کرنا بت پرستی اور ناپاک کام ہے جیسا اہل تثلیث کرتے ہیں کہ تین شخص اس مرتبے کے ٹھہراتے ہیں اور ہندو لوگ دس۔ اور صرف سجدہ یعنی کسی کے لیے سر کو زمین پر رکھ دینا علی الاطلاق ناپاک کام نہیں ہے۔ ہاں اگر اس قسم کی تعظیم کی نیت سے کرے جو اوپر لکھی گئی تو البتہ عبادت ہوگی۔

جواب الزامی: کتاب پیدائش کے باب سی و ہفتم کے ورس ہفتم میں حضرت یوسف کا جواب لکھا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ تارے مجھے سجدہ کرتے ہیں اور اسی باب کے ورس یازدہم میں حضرت یعقوب سے اس کی تعبیر یوں منقول ہے کہ یوسف کو اس کے والدین اور گیارہوں بھائی سجدہ کریں گے۔

اور باب سی و چہارم کے ورس بست و ششم میں جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے مصر میں یوسف کو سجدہ کیا۔ سو کیا یوسف نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت یعقوب وغیرہ ان کو معبود جانیں گے اور کیا یوسف کو انہوں نے اپنا معبود ٹھہرایا تھا جس طرح عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو اور ہندو لوگ رام چندر اور کنہیا کو ٹھہراتے ہیں حاشا و کلا محض غلط ہے۔

اعتراض

صفحہ ۱۵۔ آیہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم کو لکھ کر کہتے ہیں کہ فلانے فلانے مفسروں نے جو اس کے معنی لکھے ہیں ہمیں بیان کرتے شرم آتی ہے۔ شاید ان مفسروں نے

یہاں وہ معنی بھی لکھے ہوں گے جو شیعوں کے یہاں مقرر ہیں، سو ان کے لکھنے سے اور شیعوں کے اُن معنوں کے مقرر کرنے سے قرآن شریف پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انّی شئتم کے معنی صرف یہی نہیں کہ جدھر سے چاہو بلکہ یہ بھی ہیں کہ جس طرح سے چاہو اور حرث کا لفظ کہ اس کے معنی ہیں کھیتی مشعر بتوالد و تناسل ہے اور اذیٰ کا لفظ کہ اس کے معنی ہیں نجاست اور وطی فی الحیض کی ممانعت کے اسباب میں دوسری جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ یہ دونوں لفظیں مقتضی ہیں کہ یہاں انّی شئتم کے وہی دوسرے معنی مقصود ہیں۔ یعنی جس طرح سے اپنی زوجہ سے صحبت کرو کہ اس کی تقسیم تقسیم کرنے والوں نے چھتیس ۳۶ قسم پر کی ہے اور اس آیت کے شان نزول سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اور اگر فرقہ مختلفہ اسلامیہ کی اختلافی باتوں سے اصل ملتِ اسلامیہ میں کچھ خلل آتا ہے تو اختلاف اصولی اور فروعی مذاہب مختلفہ عیسویہ سے اصل ملتِ عیسائیہ میں بھی خلل آوے گا۔ حالانکہ آپ ایسا نہیں جانتے مثلاً رومن کا تھلک حاملہ متوفیہ کے جنین کا اصطباغ بھی منجملہ ضروریات دین جان کر اس کے مکان مخصوص میں پچکاری کھونس کر مارتے ہیں۔

اور ہم نے سُنا ہے کہ کتاب خروج کے باب پانزدہم میں جو یہ لکھا ہے نسخہ ۱۸۲۵ء درس ۲۰: ہارون کی بہن مریم نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں دفوں کے ساتھ تھرکتی ہوئیں اس کے پیچھے چلیں: اس کے موافق اور جو ویسے ہی اور کہیں لکھا ہو اس کی رُو سے بھی آپ لوگ جو اپنے ساتھ جورو بیٹی کو لے کر ناچتے ہیں، سو اس کو منجملہ مستحبات دینیہ جانتے ہیں اور جوان بیٹی بہن اور بے گانی جورو سے گالوں اور ہونٹوں کی مچھے بازی کرنا اور چھاتیوں پر ہاتھ پھیرنے کو آپ لوگ ایسا جانتے ہیں جیسا ہمارے یہاں مردوں میں مصافحہ کرنا اور چھوٹے بچوں سے پیار کا اختلاط کرنا یعنی مستحب اور مندوب جانتے ہیں۔

اگر یوں ہی ہے جیسا ہم نے سُنا اور یہ باتیں آپ کے یہاں منجملہ ممنوعات شرعیہ نہیں ہیں تو بڑے شرم کی بات ہے اور اپنی جورو سے جب کہ تغنید وغیرہ درست ہوئی تو اس بات میں جو شیعوں کے یہاں مقرر ہے کوئی شناعت عرفیہ بھی عقلاً نہ رہی۔ چہ جائیکہ عقلیہ کہ وہ صرف عیسیٰ کو دوسرا خدا اور روح القدس کو تیسرا خدا کہنے میں جتنی ہے اتنی سوائے ایذا دہی خاصانِ خدا کے اور کسی بات میں نہیں ہے۔

اعتراض

صفحہ ۱۵: مضمون نکاح زوجہ مطلقہ متبنی اور اشارہ قصہ ماریہ قبطیہ کو قرآن سے نقل کر کے پادری صاحب اپنی عاقبت درست کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ قولہ۔ اس مقدمہ میں عقل حیران ہے کہ گویا خدا شہوت کا فرمانبردار ہے۔

جواب: اگر مطلب یہ ہے کہ زنان محلّلہ کے ساتھ نکاح اور صحبت کی اجازت دینے سے شہوت کی فرمانبرداری خدا کی نسبت لازم آتی ہے تو جھوٹ ہے ہرگز نہیں لازم آتی۔ اور بالفرض محال اگر لازم آتی ہے تو توریت اور انجیل سے بھی لازم آتی ہے کیونکہ اس میں بھی بتصریح جورو بنانے کے مسئلے لکھے ہیں۔ چنانچہ اسی سخن کی بحث میں آگے لکھ چکا ہوں۔

اور اگر زنان محلّلہ سے صحبت کرنے اور ان کو اپنے لیے جائز الصحبت ٹھہرانے سے پادری صاحب کے گمان فاسد میں کچھ شہوت، نبوت میں خلل لازم آتا ہو تو محض ضلالت ہے۔ اور ایسا ہی خلل بزرگترین انبیاے پیشین میں بھی لازم آوے گا۔ چنانچہ اس کی بحث بھی مفصلاً اوپر گزری ہے۔ اور پادریوں کو شرم نہیں آتی کہ ان کی بائبل سے ظاہر ہے کہ بت پرست اور زنا کار اور وہ کہ جس کی نسبت میں دو جگہ لفظ زنا تھا ان سب کو خدا نے اپنا بیٹا اور نبی برحق اور شفیع مطلق اور رئیس الابدی ٹھہرایا ہے اور اس کے کسی فضل وعظمت میں خلل نہیں آیا اور ایک نبی کو زنان محللہ سے صحبت کرنے کی اجازت دی اور اس نبی نے جوان کی صحبت کو اپنے لیے جائز ظاہر کی تو اس میں خدا شہوت پرست ٹھہر گیا اور نبی عیر نبی ہو گیا۔ اس بے انصافی کا جواب خدا سے ملے گا۔

اعتراض

صفحہ ۱۷: بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ ایک عابد مغرور بمقابلہ ایک عاصی شرمسار کے جہنم میں کھینچا گیا اور وہ عاصی شرمسار بہشتی ہوا۔ اس پر پادری صاحب کہتے ہیں کہ یہ خلاف عدل ہے۔

جواب: تیسری انجیل کے اٹھارہویں باب میں بعینہٖ ویسا ماجرا لکھا ہے جو وہاں معنی میں وہی اس روایت کے بھی ہیں۔

اعتراض

صفحہ ۴۰: ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں کہ اسی کے صدمے سے مر گیا۔ سو وہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہونے کی برکت سے بخشا گیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ امت گذشتہ اسرائیلیہ سے ایک شخص نے سو خون کیے تھے اور پھر اس نے توبہ کی تو بخشا گیا۔ یہ سب باتیں خلاف عدل ہیں اور پہلا باب، خصوصاً اس روایت کی بھی ہے کہ جس میں وارد ہے۔ اپنے تئیں آپ مار ڈالنے والا جہنمی ہے۔

جواب: ہمارے اصول میں داخل ہے کہ سوائے کفریات کے باقی گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ اگر کبائر سے آدمی اچھی طرح بچتا رہے تو گمان غالب ہے کہ صغائر بخش دیئے جائیں بشرطیکہ ان پر تعمد اصرار نہ ہو ورنہ وہ بھی منجملہ کبائر ہو جاتے ہیں۔ اور کبائر دو قسم ہیں۔ ایک حق اللہ، ایک حق العباد۔ پہلی قسم کے کبائر کی نسبت یہ گمان ہے کہ بے توبہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اِلّا اِنشاءاللہ خدا اگر بعضوں کو بخش بھی دے تو ہو سکتا ہے۔ جیسا حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ دولت مند ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ نکل جائے۔ ہاں مگر اللہ کے نزدیک سب ممکن ہے اور دوسری قسم کے کبائر کی نسبت یہ گمان ہے کہ جب تک صاحب حق عفو نہ کرے خدا بھی نہیں معاف نہیں کرے گا اور جو معاصی صرف استغفار سے بخشے جاتے ہیں وہ ببرکت بعضی حسنات کے بھی کبھی بخشے جاتے ہیں۔ اور حق العباد بخشے جانے کی یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل حق کے دل کو کسی سے خوش کر دے کہ وہ اپنے ظالم کو اپنا حق بخش دے۔

بالجملہ جس طرح خداوند تعالیٰ نے اسباب جلب لعنت اور عقوبت کے تکویناً اور تشریعاً مقرر کیے ہیں۔ اسی طرح اسباب جلب رحمت اور مغفرت کے بھی تکویناً اور تشریعاً ٹھہرائے ہیں اور موازنہ ان سب کے اثروں کا بخصوصیات امزجہ شخصیہ کسی کو نہیں معلوم ہے۔ گو کہ نوعیہ آثار اُن کے از روئے شرع کے معلوم ہوں۔ جیسے اکثر ماکولات اور مشروبات وغیرہ کے اثروں کا موازنہ نوعی از روئے تجربہ سب اطباء حاذقین کو معلوم ہوتا ہے۔ مگر موازنہ ان اثروں کا از روئے امزجہ شخصیہ افراد بشری کے مہبت وشواری سے بعضے نفوس کو کبھی معلوم ہو جاتا ہے۔

جب یہ بات ٹھہر چکی تو از روئے عقل ظاہر بین کے بھی گنہگار کے بلا عقوبت بخش دینے میں مخالفت عدل کی نہیں ثابت ہو سکتی جب تک موازنہ حسنات اور سیئات شخصیہ کا بحسب طبیعت شخصیہ محسن اور مسی کے درباره کیفیت اور کمیت آثار احسان اور اساءۃ کے معلوم ہو کر یہ نہ ثابت ہو جائے کہ فلانے شخص میں اثر حسنات کا کم ہے اثر سیئات سے۔ ہاں اگر کسی دلیل سے پہلے یہ ثابت ہو لے کہ فلانے شخص میں اثر سیئات کا غالب ہے اور معہذا خدا نے اسے بخش دیا تو البتہ عقل ظاہر بین اسے کہہ سکتی ہے کہ یہ معاملہ خلاف عدالت ہوا اور دنیا کے انتظام کی عدالت نوعیہ پر عاقبت کی عدالت شخصیہ کو قیاس کرنا حماقت ہے۔ پس جب تک قواعد مذکورہ کے امتناع اور بطلان پر کوئی برہان عقلی یا شرعی نہ قائم ہو لے تب تک کسی کا کوئی اعتراض ویسا جیسا پادری صاحب یہاں کرتے ہیں نہیں لگ سکتا ہے۔

مگر اس بحث میں از روئے توریت و انجیل کے جو اعتراض قائم ہوتا ہے میں نہیں جانتا کہ کوئی پادری اس کو مرتفع کر سکے اور وہ یہ ہے کہ کتاب خروج باب ۳۴ میں در ضمن احکام عشرہ کہ حضرت موسیٰ کو عیسائیوں کے نزدیک دو لوحوں پر حرف بحرف وہی لکھ کر دیے تھے اور وہ ممتنع النسخ ہیں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۶۲۵ء ۵۔ لانی اللّٰہ ربک القادر الغیور مطالب بذنوب الاباء مع البنین والثوالث والروابع لشانئی ۶۔ وصانع الاحسان لالوف من محبی وحافظی وصایای نسخہ ۱۸۲۵ء اس لیے کہ میں یہواہ تیرا خدا غیور ہوں آباء کی بدکاریوں کی سزا ان کے لڑکوں کو جو میرا کینہ رکھتے ہیں ان کی تیسری اور چوتھی نسل تک دینے والا ہوں اور ان میں سے ہزاروں پر جو مجھے دوست رکھتے ہوں اور میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرنے والا ہوں۔ نسخہ ۱۸۳۹ء اناں رو کہ من خداوند خدائے غیور ہستم انتقام گیرندہ گناہان پدراں از اولاد تا سیوم و چہارم طبقہ کسانیکہ مرا دشمن دارند و رحم کنندہ بر ہزاراں از کسانیکہ مرا دوست دارند و احکام مرا داشتہ ماند۔ دیکھو یہ کیسی ظلم کی بات ہے کہ باپ دادے جو خدا سے دشمنی کریں۔ اس کا بدلہ ان کی چوتھی پشت تک لیا جائے اور یہ بات کیسی خلاف عدالت ہے کہ ایک دوستی کرنے والے کے ہزاروں تک کے گناہوں سے مواخذہ نہ ہو۔ اس مقدمے میں عقل حیران ہے کہ گویا خدا ظلم کا دوستدار ہے کہ ایسی آیتیں نازل کیا کرتا ہے۔

اور زبور یک صد و نہم کے درس دواز دہم میں یوں ہے۔ کسے مباد کہ دست شفقت بر اے

وے دراز کند و کسے مباد کہ بر یتیمانش مہربانی کند۔ دیکھو گنہگاروں کے حق میں دعائے بد کی اور ظاہر ہے کہ یتیم طفل غیر مکلف ہوتا ہے۔ سوا اسکے بھی بد دعا دی۔ حالانکہ وہ گنہگار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کیسی ظلم کی دعا کلام الٰہی میں ہے۔

اور تیسری انجیل کے گیارہویں باب میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۵۱۔ ہابیل کے خون سے لے کے زکریا کے خون تک جو قربان گاہ اور عبادت گاہ کے بیچ مارا گیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ سب کا بدلہ اس زمانے کے لوگوں سے لیا جائے گا۔ دیکھو یہاں دو طرح کا اشکال ہے۔ ایک تو وہی کہ گناہ کرے کوئی اور اس کے ساتھ پکڑے جائیں اور لوگ بھی۔ دوسری مخالفت توریت کی یعنی اس میں چار درجے تک مجرم کی اولاد کے مواخذے کی وعید ہے۔ اور یہاں چار درجے سے زیادہ کو کہا اور اس میں بھی اولاد مجرم کی قید نہیں۔ کیا خدا ظلم کا تابعدار ہے کہ ایسی آیتیں بیان کیا کرتا ہے۔

اور پہلی انجیل کے باب دوازدہم کے ورس سی ویکم اور سی دوم میں یوں ہے نسخہ ۱۸۳۹ء لوگوں کا ہر طرح کا گناہ اور کفر معاف کیا جائے گا مگر وہ کفر جو روح کے مقابلے میں ہو آدمی کو معاف کیا نہ جائے گا۔ اور جو کوئی ابن آدم کی بدگوئی کرتا ہے یہ اسے معاف کیا جائے گا پر جو کوئی روح القدس کی بدگوئی کرے یہ اسے معاف نہ کیا جائے گا نہ اس جہان میں اور نہ اس جہان میں۔ دیکھو اس سے بوجھا جاتا ہے کہ سوائے تکذیب انجیل حقیقی کے باقی سب گناہ چاہے ہزار وں خون اور لاکھوں غصب کیوں نہ ہوں قطعاً معاف ہوں گے یہ کیسی ناانصافی کی بات ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے اور کیسا عدل کہ خاک میں ملاتا ہے خدا ایسی ہی صفتیں رکھتا ہے۔

اور دوسری انجیل کے تیسرے باب میں ہے۔ ورس ۲۸: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ آدمیوں کے سب گناہ اور کفر جو وے کرتے ہیں معاف کیے جائیں گے۔ ۲۹۔ لیکن جو روح القدس کے حق میں کفر کی بات کہے اس کی معافی کبھی نہ ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ کی سزا میں گرفتار ہوگا۔ یہاں دو اشکال ہیں ایک تو وہی لزوم ظلم بسبب عفو قطعی سب گناہوں کے اور دوسری مخالفت زبور کی یعنی کہ حضرت عیسیٰ روح القدس کی خدمت میں بے ادبی کرنے والے کو کہتے ہیں کہ ابدی عذاب میں رہے گا۔

اور زبور یک صد و سیوم نسخہ ۱۸۳۹ء کے ورس نہم سے ظاہر ہے کہ کوئی شخص ابدی عذاب میں نہ رہے گا۔

اور تیسری انجیل کے باب ہفتم میں لکھا ہے۔ ورس ۳۷ تا ۵۰ : اس شہر میں ایک عورت جو گنہگار تھی۔ آئی قولہ اس کے پاؤں چومنے اور ان پر عطر ملنے لگی الیٰ قولہ اس عورت کی طرف دیکھ کے شمعون سے کہا۔ الیٰ قولہ اس کے گناہ جو بہت ہیں معاف کئے گئے کیونکہ اس نے بہت پیار کیا ہے پر جس کے تھوڑے معاف کئے گئے ہیں وہ تھوڑا پیار کرتا ہے۔ دیکھو بقول پادری صاحب یہ کیسی عدالت شکنی ہوئی کہ صرف حضرت عیسیٰ کو پیار کرنے سے وے گناہ عورت بدکارہ کے جو بہت سے تھے معاف کئے گئے اور یہ کیسی ناانصافی ہے کہ کیسا ہی کوئی گناہ کرے اور کتنا ہی وہ بڑا گناہ اور کیسے ہی بہت سے ہوں۔ یہاں تک کہ ہزاروں خون اور لاکھوں غضب عمل میں لایا۔ جب وہ حضرت عیسیٰ کو پیار کرے سب معاف ہو جائیں اور کچھ اس کو کسی بات کی سزا نہ دی جائے۔

بالجملہ روایتوں کے مضمونوں کی رد سے پادری صاحب ناحق ظلم کا اعتراض کرتے ہیں ان روایتوں کے بالفاظ قطعی الثبوت ہونے میں ہمارے یہاں شبہ ہے بخلاف توریت و انجیل کے ان درسوں کے ثبوت میں اہل کتاب کو شبہ نہیں ہے پس دیکھئے پادری لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔ لوگو! خدا کے لیے انصاف کرو کہ عیسائیوں کا اصل الاصول دین و ملت کا یہ ٹھہرا ہے کہ ہر آدمی گنہگار ہے اور کسی طرح وہ گناہوں سے رستگار نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے عدل و رحمت کے برابر کرنے کے لیے خدا نے دوم نے جسم پکڑا اور یہودیوں سے ایذائیں سہیں۔ یہاں تک کہ از روئے حیثیت کے قتل ہوا اور ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔ پس اگر ایسا نہ ہوتا تو یا مخالفت عدل کی لازم آتی یا مخالفت رحم کی۔

بھلا غور کرو کہ اس حرکت بے معنی نامعقول ممتنع الوقوع سے اور عدل و رحم کے جبر و نقصان سے کیا علاقہ۔ جیسے کہتے ہیں کہ پرچ پادر ہوا وہ ایسی ہی بات ہے۔ اس عقیدہ مہملہ باطلہ کو نہ دیکھنا اور گناہ کو شرمساری اور محبت نبوی اور توبہ کے سبب سے بخش دینے کو ظلم کہنا کیا ناانصافی ہے۔

اعتراض

صفحہ ۳۳: آیہ اولیٰ سورہ اسریٰ یعنی سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لکھ کر کہتے ہیں۔

ذلہ اورشلیم کی ہیکل تھی وہ جس کو رومیوں نے محمد صلعم سے سو برس پیشتر نیست و نابود کر ڈالا

اس پر کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہا کیا قرآن کے بانی نے یہ بات نہ جانی۔

جواب: اسی سورہ میں تھوڑی دور آگے چل کر اس ہیکل کی پہلی خرابی جو باتفاق مورخین توریت اور بعض مورخین اسلام کے بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی اور دوسری بار اس کی آبادی جو بالاتفاق بادشاہِ فارس کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور دوسری بار خرابی اس کی جو بالاتفاق طیطوس رومی کے ہاتھ سے ہوئی۔ ان تینوں حالتوں کا بیان وارد ہے۔ اور علاوہ اس کے مکے والوں کے نزدیک بسبب پیشہ تجارت کے اورشلیم کے حالات مشہورہ ایسے ظاہر تھے جیسے ہم لوگوں کے نزدیک کلکتے کے حالات مشہورہ پادری صاحب شاید صرف در و دیوار و طاق و محراب کے بہت اچھی طرح درست رہنے کو مسجد کا قائم رہنا جانتے ہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔

مسجد نام ہے صرف اس زمین کے علو و سفل کا جو خدا کے عبادت کے لیے باذن عام وقف کر دی گئی ہو۔ سو ایسی چیز میں کسی متصرف کے تصرف اور مخرب کی تخریب سے کچھ خلل نہیں آتا۔ اور کسی طرح وہ مسجدیت سے باہر نہیں ہو سکتی اور بعضی روایتوں میں جو کچھ وہاں کی بقیہ عمارت کا ذکر ہے سو وہ واقعہ رومیہ کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی اکثر تخریب بالذو دگی اور اناباشتگی ہوتی تھی۔ نہ یہ کہ مطلق نام و نشان اس کی عمارت کا اس وقت نہ باقی رہا ہو اور بعد اس کے پھر کسی نے اس کے کسی نشیمن کو مطلق نہ بنایا ہو۔

اور اگر بالفرض کسی تاریخ میں ایسا لکھا بھی ہو تو کچھ ضروری نہیں کہ سچ بھی ہو۔ تاریخوں میں بعضی باتیں محض غیر واقعی بھی لکھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ٹیٹلر صاحب اورشلیم کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہاں حضرت عمرؓ کی قبر ہے۔ اس لیے مسلمان لوگ اس کی زیارت کو وہاں جاتے ہیں۔ حالانکہ کافہ مورخین گواہی دیتے ہیں اور متواتر متوارث ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کا مزار مدینہ منورہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے

علاوہ سب یہ زبور نہم میں ہے ورس ۸: بسرائید بجمد خدائے کہ در صیہون است۔ اور زبور یک صد وسی و دوم میں ہے۔ ورس ۱۳: صیہون تا ابد الآباد باقی خواہد ماند۔ دیکھو صیہون اورشلیم کی عبادت گاہ قدیم کا نام ہے اسی کو ابدی کہا۔ سو اسی کے بعضے نشیمن کو حضرت عمرؓ نے بوقت فتح اورشلیم

صاف کر کے نماز پڑھی تھی اور اسی کا ذکر ہے جو حدیث معراج میں آیا ہے مگر یہ بتایئے اس کے معنی کیا ہیں۔ جو انجیل اول باب بست و چہارم کے درس دوم میں اس عبادت گاہ کی نسبت حضرت عیسیٰ سے منقول ہے کہ وہاں اینٹ پہ اینٹ کبھی نہ رہے گی۔ حالانکہ اسی مقام خاص میں عبدالملک ابن مروان کی بنائی ہوئی مسجد اب تک قائم ہے جس کا ذکر خود ہی پادری صاحب نے کیا ہے۔

اعتراض

صفحہ ۳۰۳: قولہ۔ توریت اور زبور اور نبیوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسیح آوے گا اور دُکھ سہے گا اور لوگوں کے گناہ کے واسطے مارا جائے گا اور پھر تیسرے دن جی اُٹھے گا۔ اور انجیل میں لکھا ہے کہ ہزاروں کے سامنے مارا گیا۔ اور تواریخ رومی اور یونانی اور یہودی اور سب عیسائی بھی گواہ ہیں ان باتوں کے۔ گمان سب سے خلاف قرآن انکار کرتا ہے۔ اگر قرآن کا بانی تواریخ جانتا تو ایسی بات کبھی نہ لکھتا۔

جواب: عہد عتیق کے کسی رسالے میں یہ نہیں لکھا ہے جو پادری صاحب لکھتے ہیں یہ محض ان کا گمان فاسد ہے۔ اوّل تو حضرت عیسیٰ کی خبر ہی ایسی صاف صاف کہیں نہیں لکھی جیسے ہمارے پیغمبر خدا کی خبریں لکھی ہیں سوائے اس خبر کے کہ ایک کنواری بیٹا جنے گی سو اس میں اوّل تو کچھ اُن کی حقیت اور نبوت کے لوازم کا ذکر نہیں۔ علاوہ بریں کنوار پن عورت کا منجملہ علامات ظاہر یہ نہیں جو منکر پر حجت پر ہو۔ خصوصاً جب کہ اس عورت کا شوہر بھی موجود ہو اور شوہر کرنے کے بعد جنے۔ اور جس قدر حضرت عیسیٰ کی اگلی کتابوں میں خبر ہے اس کا حال استفسار شانزدہم میں لکھ چکا ہوں۔ بہر حال قتل عیسیٰ کی خبر کو جو پادری صاحب عہد عتیق کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ افترا محض اور بہتان صرف ہے۔

اور پادری صاحب کو یہ نہیں سُوجھتا کہ قرآن خود ہی معترف اور مظہر ہے اس بات کا کہ یہودی اور عیسائی حضرت عیسیٰ کے مقتول ہونے کے قائل ہیں۔ اور بایں ہمہ وہ لکھتے ہیں کہ بانی قرآن کو یہ بات تواریخ کی نہیں معلوم ہوئی۔ ایسے یاوہ گو کا جواب خدا سے ملے گا۔

ذرا انصاف کیجئے اور گریبان میں سر ڈال کر تامل فرمایئے کہ صاحب قرآن کا اس میں کیا

فائدہ تھا کہ ایک گروہ عظیمہ اور انبوہ کثیرہ کے خلاف کہتا کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں کئے گئے۔ بلکہ بعینہٖ بدن عنصری آسمان پر چلے گئے۔ بلکہ اس گروہ عظیمہ کی اس بات میں موافقت کرنے میں تو صاحب قرآن کو فائدہ تھا یعنی مخالفت کم ہوتی اور بطلانِ الوہیت عیسویہ کی تائید پائی جاتی۔ اور جو یونانیوں اور یہودیوں سے اور اس عصر کے عوام لوگوں سے سُن کر مؤلفین اناجیل نے جو لکھا سو سچا لکھا غلط نہیں لکھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی بعینہٖ شکل و ہیئت کا آدمی گرفتار ہوا اور پھانسی دیا گیا۔

اس نا انصافی کا کچھ جواب نہیں ہے کہ قرآن میں جو بات موافق بائبل کے ہے سو اس پہ تہمت سرقے کی لگے اور جو خلاف ہے اس پر تہمت کذب کی لگائی جائے۔ اس طرح کی طعن بعینہٖ حضرت عیسیٰ پر بھی عائد ہوتی ہے۔

رہی یہ بات کہ سب انجیلوں میں مکرر خود حضرت عیسیٰ کا قول منقول ہے کہ میں مارا جاؤں گا اور قبر سے بعد دفن ہونے کے جی اُٹھوں گا۔ تو اگر بالفرض ایسے اقوال عیسوی جن کا ترجمہ مترجم یونانی نے ایسا کیا ہے جس سے وہ مضمون بُوجھا جاتا ہے بعینہٖ صحیح اور درست سمجھے جائیں۔ اور ثبوت تحریف اور فقدان اسناد سے قطع نظر کیا جائے تو ان کی تاویل بھی ہو سکتی ہے مگر اس مضمون کی تاویل بیان کرنے سے پیشتر یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ آیا عیسائی لوگ بائبل کے کسی جملے کے معنی کی تاویل کرتے ہیں یا نہیں۔ اور اگر وہ تاویل کرتے ہیں تو ان کی وہ تاویل بہ نسبت ہماری تاویل کے جو اس جگہ ہم کرنے والے ہیں معانی لغویہ اور عرفیہ سے قریب تر ہے یا ہماری تاویل۔

سو جاننا چاہیئے کہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں جگہ عیسائی لوگ بائبل کے جملوں کی تاویلیں دور از کار وبعید از محاورہ کیا کرتے ہیں سب کو انتخاب کر کے لکھنا بے فائدہ دردِ سر کرنا ہے جو عیسائی ذی علم اور فہمیدہ ہو گا بے شک اس بات میں تصدیق میری کرے گا مگر دو باتیں بطور مشتے نمونہ مجھے یہاں لکھنا ضروری ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے دسویں باب میں یُوں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۴: یہ گمان نہ کرو کہ میں زمین پر ملاپ کروانے آیا ہوں۔ ملاپ کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں دیکھو ظاہرا یہ مفسدوں کی بات ہے

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے چھٹے باب میں ہے ورس ۵۴: جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہے ہمیشہ کی زندگی پاتا ہے اور میں اسے اخیر روز میں اُٹھاؤں گا۔ ۵۵: کہ میرا گوشت

فی الحقیقت کھانے کی اور میرا لہو فی الحقیقت پینے کی چیز ہے ۵۶۔ وہ جو میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہے مجھ میں رہتا ہے اور میں اس میں۔ ۵۷۔ جس طرح جیتے باپ نے مجھے بھیجا اور میں باپ سے جیتا ہوں اسی طرح جو مجھے کھاتا ہے مجھ سے جئے گا۔ یہاں اولاً لطلانِ تثلیث کو سمجھیئے کہ حضرت عیسیٰ اپنی صفتِ حیات کو جو خدا میں عین ذاتِ خدا ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ باپ کی جہت سے ہے پس جب کہ حیات کہ حضرت اُلوہیت میں عین ذات ہے حضرت عیسیٰ میں ان کی ذات سے نہ تھی بلکہ خدا سے تھی تو تعین شخصی باطنی ان کا کہ ضرور ہے کہ وہ حی ہو جو اس کا تقامو قوف تھا حضرت حق جل وعلیٰ پر کیونکہ خدا کے مرتبے کے برابر ہو سکتا ہے تاکہ اس مرتبہ باطنی میں تعدد نکلے۔ اس طرح کہ ہر واحد متعددین سے مساوی الرتبہ ہو۔

اور جب اس مرتبہ میں ویسا تعدد نہ نکلا تو تثلیث باطل ہوئی۔ کیونکہ مرتبہ تعدد میں ہم سبھی از روئے صادریت کے برابر ہیں۔ بعد اس کے دیکھیئے کہ حضرت عیسیٰ اپنے میں اپنے عاشقوں کے فنا ہونے اور اپنی محبت کو اُن کے ساتھ کن لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں کہ جملہ محاورات السنہ مشہورہ سے علیحدہ ہے۔

ازاں جملہ چوتھی انجیل کے دوسرے باب میں ہے۔ ورس ۱۸ و ۱۹: تب یہودیوں نے اس سے پُوچھا تو کون سا معجزہ ہمیں دکھاتا ہے کہ یہ کام کرتا ہے۔ یسوع نے جواب میں انہیں کہا اس عبادت گاہ کو ڈھا دو۔ میں اسے تین دن میں کھڑا کر دوں گا۔ دیکھو یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک معجزے کا دعوےٰ کرتے ہیں ایک یہ کہ ہیکل سلیمانی کو بعد مسمار کرنے کے تین دن میں بنا سکتا ہوں چنانچہ اس پر یہودیوں نے اس کے جواب میں کہا۔ ورس ۲۰: چھیالیس برس میں یہ عبادت گاہ بنی۔ یہ تو اسے تین دن میں کھڑا کرے گا۔ اور مولف انجیل بلا ضرورت عقلیہ اور شرعیہ اس کی تاویل یُوں کرتا ہے ورس ۲۱: اس نے اپنے بدن کی عبادتوں کی بات کہی۔ یعنی عبادت گاہ سے حضرت عیسیٰ کی مراد خود اپنی عبادت بدنی تھی۔

ازاں جملہ اور اور باتیں بھی اسی قبیل کی ہیں۔ چنانچہ بعضی ان میں سے اوپر کے استفسار دل سے ظاہر ہوتی ہیں۔ القصہ جب یہ بات ثابت ہو چکی بلا ضرورت عقلیہ بھی عیسائی لوگ علی الخصوص مولفین اناجیل کلام عیسوی کی تاویلیں ایسی کرتے ہیں۔ ہم بھی حضرت عیسیٰ کے ویسے کلام کی جس سے ظاہراً یہ

بوجھا جاتا ہے کہ اپنے قتل کی خبر دیتے ہیں تاویل کر سکتے ہیں۔ اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ نے بارہا بعبارات گوناگوں اپنے شاگردوں کی نسبت فرمایا ہے کہ جو کوئی معاملہ تم سے کرتا ہے اور کرے گا اس نے درحقیقت وہ معاملہ مجھ سے کیا۔ چنانچہ کچھ بیان اس کا استفسار سیوم میں گزرا پس ہرگاہ یہ ثابت ہو چکا تو سنئے کہ ہمارے یہاں بعض روایتوں میں آیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ جس رات کو حضرت عیسیٰ کی گرفتاری کی تدبیر یہودیوں نے ان کے قتل کے لیے کی تھی اس رات کو قبیل گرفتار کرنے والوں کے دوڑ آنے کے شاگردوں کی طرف مخاطب ہو کر حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ کون تم میں سے فدیہ ہونا قبول کرتا ہے۔ ایک نے فرطِ محبت سے عرض کیا کہ میں۔ بس جس وقت لوگ آپ کے پکڑنے کو آئے اکثر شاگرد آپ کے بھاگ گئے۔ سو اسی ہول دہل میں حضرت عیسیٰ غائب ہو گئے اور وہ حواری فدائی ان کے شکل پر ہو گیا اور وہی گرفتار ہو کر پھانسی دیا گیا۔ اس صورت میں جو معاملہ کافروں نے اس فدائی کے ساتھ کیا درحقیقت حضرت عیسیٰ کے ساتھ کیا اور آنحضرت کو مرتبہ شہادت کا حاصل ہوا اور وبال ان کے قتل کا ان کافروں پر پڑا اور جو آثار مترتب ہونے والے تھے ہوئے۔

اور رہا یہ کہ اس کی لاش تیسرے دن قبر سے غائب ہو کر کہاں گئی۔ سو ہو سکتا ہے کہ جو اس امر کو مشتبہ کرنا اور ملتبس رکھنا اللہ کو منظور تھا فرشتوں نے اس لاش کو وہاں سے غائب کر دیا ہو گا۔

اور یہ جو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میں قبر سے جی اُٹھوں گا تو اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دنیا سے آسمان پر بعد واقعہ صلیب کے تیسرے دن جو جاؤں گا تو مصلوب کی قبر یہ سے جاؤں گا اور قبر سے مطلق دنیا بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ کفار اور دنیاداروں کو سب محاوروں میں مُردہ کہتے ہیں۔

اور دلائل ہماری اس تاویل کے ثبوت کے اور صحتِ ترجیح کے یہ ہیں۔

پہلی دلیل، عقلاً تاویل مذکور جائز اور از روئے محاورے کے غیر ممتنع ہے اور جب وہ عقلاً غیر ممتنع ٹھہری تو صاحب معجزات کا خبر دینا اس کے ثبوت کے لیے کفایت کرتا ہے۔ پس جو دلیل ثبوتِ قیامت کی ہے وہی دلیل حضرت عیسیٰ کے عدم قتل کی ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عیسیٰ کے حواری واقعہ صلیب کے بعد تک بھی اس بات کا عقیدہ نہیں

رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ قتل ہو کر جی اُٹھیں گے اور یہ مطلب ہمارا خود مؤلفین اناجیل کے اظہار سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو اپنے عقیدے کے بات وہ لاتے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کا وہ کہنا تو ایسا ہی ہے جیسا اب کے عیسائی کہتے ہیں اور وہ اظہار ان کا جو ہمارا مستدل بہ ہے سو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کے دوسرے باب کے بائیسویں ورس میں مؤلف اس کا کہتا ہے کہ جب وہ مردوں سے جی اُٹھا تب اس کے شاگردوں کو یاد آیا کہ اس نے یہ کہا تھا۔ اور وہ کتابوں اور یسوع کی کہی ہوئی بات پر ایمان لائے۔

ذرا انصاف کیجئے کہ حضرت عیسیٰ تا شب شہادت کہتے رہے ہوں کہ میں مارا جاؤں گا۔ اور بعد اس کے جی اُٹھوں گا۔ بایں ہمہ شاگردوں کو ان کا وہ کہنا یاد نہ رہا ہو اور وہ تا عدم ظہور اس ماجرے کے ایمان اس بات کا نہ لائے ہوں کوئی عاقل ایسی بات کہے گا۔

اور اسی انجیل کے بیسویں باب میں مؤلف اس کا کہتا ہے۔ ورس ۹: وہ ہنوز کتاب نہیں سمجھتے تھے کہ وہ مردوں سے جی اُٹھے گا۔ دیکھئے مؤلف انجیل پطرس وغیرہ اجلّہ حواریین عیسوی کو کہتا ہے کہ وہ نہ حضرت عیسیٰ کا مطلب سمجھے تھے اور نہ اگلے نبیوں کا کلام۔ سبحان اللہ پادری لوگ تو خوب سمجھے کہ اگلے انبیاء کہہ گئے تھے کہ عیسیٰ شہید ہو گا اور پھر جی اُٹھے گا۔ اور مقربین عیسوی تا دم مفارقت حضرت عیسیٰ کے اس بات کو نہ سمجھے یہ بات کون باور کرے گا۔

اور اسی انجیل کے بارہویں باب میں ہے۔ ورس ۳۲: اگر میں زمین سے اٹھایا جاؤں گا سب کو آپ تک کھینچوں گا۔ الیٰ قولہ۔ ۳۴۔ لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے کتاب میں سُنا ہے کہ مسیح ہمیشہ رہے گا پھر تو کیوں کر کہتا ہے کہ ابن آدم کا اُٹھایا جانا ضرور ہے یہ ابن آدم کون ہے۔ ۳۵۔ تب یسوع نے انہیں کہا کہ روشنی ابھی تمہارے ساتھ ہے جب تک روشنی تمہارے ساتھ ہے چلو نہ ہو کہ اندھیری تمہیں چھپا لے۔ یہاں سے وہ سخن پادریوں کا کہ اگلی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسیح مارا جائے گا کیسا غلط ہو گیا۔ اس پر بھی وہ اس کہنے سے باز نہیں آتے۔ اور میں نے جو لکھا ہے کہ یہ کہنا پادریوں کا محض غلط ہے کیسا سچ ہو گیا۔ اس پر بھی وہ نہیں مانتے۔

اور دیکھئے یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معاملے کو اس زمانے میں مشتبہ رکھنا خدا کو منظور تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں کے سوال کے اصل جواب کو ٹال کر کہا کہ تمہیں میری پیروی کرنا چاہیئے

یعنی ہر بات کے بھید کو جاننا سنجات میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔

بالجملہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ حواریوں کا عقیدہ اس مقدمے میں تا واقعہ صلیب یہی تھا جو کہ قرآن میں ہے کہ ما قتلوہ وما صلبوہ۔ اور بعد واقعہ صلیب کے حواریوں کا عقیدہ بدل جانا جیسا مؤلف انجیل کہتا ہے یہ صرف گمان فاسد ہے جیسے ہمارے یہاں کے امامیہ مذہب والے کہ ہرگاہ انہوں نے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی موافقت اصول میں جمہور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرون اولیٰ میں ایسی ثابت دیکھی کہ اس سے انکار نہ کر سکے۔ بلکہ خود بھی روایت کرنے لگے اور یہ بات ان کے اپنے بعض اصول کے خلاف تھی۔ سو کہنے لگے کہ وے ناراض تھے صرف ظاہر میں کسی مصلحت سے موافقت رکھتے تھے۔ علاوہ بریں اگر فرض کیا جائے کہ حواری لوگ بعد واقعہ صلیب کے اس معاملے کا اعتقاد لائے تو بھی ہماری دلیل تمام ہے کیونکہ پیغمبروں کے ساتھ ہونے کے زمانے میں ان کے ساتھیوں کا جو عقیدہ ہو وہی درست اور صحیح ہے بہ نسبت اس عقیدے کے جو اس کے خلاف مفارقت کے زمانے میں وہ بہم پہنچاویں۔

تیسری دلیل: انجیل چہارم باب سیزدہم ورس ۳۳: جیسا میں نے یہودیوں سے کہا کہ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آ سکتے۔ ویسا اب میں تمہیں بھی کہتا ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ اس مقام سے مر کر جانا مراد نہیں۔ کیونکہ وہ سب مر کر جانے والے تھے اور جنت اور اعلیٰ علیین مراد نہیں۔ ورنہ حواریوں کی نسبت ویسا نہ فرماتے پس مراد نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جس حالت سے میں یہاں سے جانے والا ہوں اس حالت سے تم نہیں جاؤ گے یعنی بہیں بدن عنصری بلا حیلولت موت۔

چوتھی دلیل: انجیل اول باب ۲۸ ورس ۲۰: میں زمانے کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ یہاں دو باتیں دیکھئے۔ ایک یہ کہ زمانے کے آخر تک کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا کے آخر تک یعنی قرب قیامت تک۔ اس لیے کہ زمانے کی کوئی حد نہیں ہے جسے اس کا آخر ٹھہرائے۔ اور معیت باطنی بھی مراد نہیں کیونکہ وہ تو ابدی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مراد بہ ساتھ جسم عنصری ہے۔ دوسری یہ کہ ہمیشہ کا لفظ دیکھئے یعنی فرماتے ہیں کہ بہیں ظہور عنصری دنیا کی تمامی تک ہمیشہ ہوں گا نہ یہ کہ بیچ میں سے سلسلہ ہمیشگی کا منقطع ہو جائے اور صرف روح کا باقی برابر رہنا سبھی کے لیے ہے اور معیت حواریوں کی آنحضرت کے ساتھ عالم ملکوت میں ہمیشہ تک ہے نہ دنیا کی تمامی تک اور مرکر

آسمان پر جانا سبھی اہل نجات کے لیے ہے اور جو بدکار لوگ ہیں ان کے ساتھ معیت عیسیٰ کی اب بھی نہیں ہے۔ بالجملہ دنیا کی تمامی تک برابر باقی رہنا از روئے ظاہر لفظ کے دلالت کرتا ہے کہ بیچ میں آپ کی نسبت موت نہیں حائل ہوگی۔

پانچویں دلیل: قاطع اور برہان ساطع پہلی انجیل کے ستائیسویں باب کے چالیسویں درس میں شخص مصلوب کے حال میں لکھا ہے کہ بروقت صلیب پانے کے کہنے لگا۔ الٰہی الٰہی لما ترکتنی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

اب غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ صرف پیغمبر خدا تھے یا خدا بھی۔ اگر خدا بھی تھے تو سارا جملہ جھوٹ ہے اس لیے کہ اگرچہ دوسرے خدا تھے اور ایک خدا آسمان پر تھا مگر آسمان والا ان کی خدائی کی حیثیت سے ان کا معبود نہیں تھا اور چھوڑ دینے کا مضمون محض بے معنی ہو جاتا ہے۔ اور اگر صرف پیغمبر خدا تھے تو صرف دوسرا جملہ یعنی لما ترکتنی جھوٹ ہو جائے گا کیوں کہ نبی کی شہادت اس کے کمال مقبولیت کا وقت ہے نہ کہ متروکیت اور مطرودیت کا۔

علاوہ بریں اصل عبری لفظ اس جگہ از روئے اکثر نسخوں کے لما سابقتانی ہے یعنی تو مجھ سے آگے کیوں چلا گیا اور مجھے دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑ گیا۔ چنانچہ نسخہ اردو ۱۸۳۹ء اور نسخہ ۱۸۱۶ء اور ۱۶۷۱ء اور ۱۸۱۱ء سے ظاہر ہے بعضے مترجموں نے سبقتنی کے مضمون سے جو لازم آتا تھا یعنی چھوڑ آنا اسی کو اس جگہ لکھ دیا بس کیا معبود حضرت عیسیٰ کا کوئی ایسا نہ تھا جو پہلے یہاں تھا اور پھر یہاں سے ان سے پیشتر چلا گیا۔

الغرض یہاں سے بیاں صاف ثابت ہو گیا حضرت عیسیٰ بذاتِ خاص نہیں مصلوب ہوئے۔ اور اگر کوئی کہے کہ درصورتے کہ حواری مصلوب ہو تو بھی متروکیت اس کی غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ اس کی بھی مقبولیت ہی کا وقت تھا تو ہم کہیں گے کہ وہ حواری ہمارے نزدیک معصوم نہیں ہے کہ کلمہ کاذبہ کا اس کے منہ سے بروقت اضطرار بھی نکلنا محال ہو جاتا ہے کہ گھبراہٹ سے یہ کلمہ اس سے بمقتضائے بشریت نکل گیا جیسا کہ پطرس سے واقع ہوا۔

علاوہ بریں اس تاویل کی حاجت ہمیں اس وقت ہے جب کہ لما ترکتنی کا کلمہ مسلمہ ہو۔ ورنہ ہرگاہ اصل عبری میں لما سبقتنی کا مضمون ہے تو کچھ کذب بھی نہیں ہے ہاں صرف اضطراب

ثابت ہوا سو ہو کچھ قباحت نہیں۔ رہا الٰہی الٰہی کا لفظ سو یہاں غالبًا ویسا لفظ ہو گا جیسا حضرت داؤد صالحین امت کو فرماتے تھے کہ تم خدا ہو۔ یعنی حواری نے بھی بہمیں معنی حضرت عیسٰی کو خدا کہا ہو گا نہ بایں معنی کہ اب عیسائی کہتے ہیں کہ ایسا کوئی اور آدمی نہیں ہو سکتا۔

بالجملہ حواری کو مصلوب کہنے میں حواریوں[۱] کا اگلی کتابوں سے یہ سمجھنا کہ حضرت عیسٰی مقتول نہ ہوں گے درست ہو جاتا ہے اور[۲] یہ بدگمانی بقیہ حواریوں پر سے اُٹھ جاتی ہے کہ وہ واقعہ صلیب کے بعد تک بھی حضرت عیسٰی کی سب باتوں کی تصدیق پوری نہیں کر چکے تھے۔ اور[۳] حضرت عیسٰی پر سے قباحت کذب کی اور عیب اضطراب عامیانہ کا مرتفع ہوتا ہے۔ اور معہذا آنحضرت کی اس بات میں کہ میں مار ڈالا جاؤں گا کچھ خلل نہیں لازم آتا۔ اور[۴] قرآن شریف کے اس جملے کے معنی کہ ما قتلوہ وما صلبوہ اپنے ظاہر پر مسلم رہتے ہیں۔ اور[۵] وہ دغدغہ جو حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب سے ہلاکتِ ابدیہ کا ہے نہیں باقی رہتا اور حضرت عیسٰی کو مقتول ٹھہرانے سے وے سب قباحتیں لازم آتی ہیں گو کہ ایک جملہ ان کی باتوں کا بلا تاویل ٹھہرتا ہے۔

ف۔ موسٰے کی کتاب میں کوئی جملہ جو مصدّق بقال اللہ ہے معارض کسی جملہ قرآنیہ کے نہیں ہے بجز اس کے کہ جابجا ان میں بعضے احکام مختصہ ملتِ موسویہ کی نسبت وارد ہے کہ یہ حکم ابدی ہے سو اس کی غلطی حضرت عیسٰی ہی ثابت کر گئے۔ نہیں معلوم اصل میں کیا لفظ تھا جس کے مقام پر یہودی لوگ ابدی کا لفظ لکھتے ہیں۔ غالب کہ ایسے مقاموں میں یہ مضمون ہو گا کہ متصلًا برابر یہی احکام عمل میں لایا کرنا سو اس صورت میں مطلب یہ ٹھہر سکتا ہے کہ جب تک دوسرا حکم نہ پہنچے۔

اور زبور وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کے وہ رسالے جن میں اکثر ان کے الہامات لکھے ہیں کوئی جملہ کلام الہامی کا قرآن شریف کے کسی جملے کے معارض نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انجیل میں یعنی کلام عیسوی میں کوئی جملہ کسی جملہ قرآنیہ کے معارض نہیں ہے بجز ان جملوں کے جن سے بظاہر یہ بوجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی اپنے مارے جانے کی خبر دیتے ہیں۔ سو اس کا حال یہ ہے جو مذکور ہوا یعنی قطع نظر اس بات سے کہ انجیلوں میں دخل و تصرف مؤلفین یونانیہ کا ثابت ہے۔ اور علاوہ اس ثبوت کے جو انہیں کتابوں سے نکلتا ہے بسبب عدم امتناع عقلی کے صاحب معجزات کے کہنے سے بھی وہ ثابت ہے۔ اس طرح کے جملے از روئے اناجیل کے واجب التاویل ٹھہرتے ہیں اور ہرگز

واجب التاویل ٹھہرے۔ بلکہ جائز التاویل ہونے کی صورت میں بھی ہم کہتے ہیں کہ عیسائیوں کو تکذیب قرآن سے بڑا حذر چاہیئے کہ اس میں ہلاکت ابدیہ کا اندر وئے عقل الحادی کے بھی دغدغہ شدید ہے۔

علاوہ بریں قرآن کے اس جملے یعنی ما قتلوہ و ما صلبوہ کی بھی ایک تاویل بعید ہو سکتی ہے بایں تقریر کہ جو کوئی جس کسی کو قتل کرتا ہے سو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ روز رستخیز تک کے لیے میں نے اس کی روح کا انزہاق کر دیا۔ اس صورت میں جو مقتول ایسا کہ اس پہ اثر قتل کا صرف دو ہی ایک دن باقی ہے اور بعد اس کے پھر وہ جوں کا توں زندہ ہو جائے تو در حقیقت وہ قتل اس کا عدم قتل کے برابر ہے اور ہر گاہ قتل اور عدم قتل برابر ہوا تو دونوں باتیں ایسے مقام پہ صحیح ہو سکتی ہیں یعنی یہ بھی کہنا صحیح ہو گا کہ وہ مار ڈالا گیا۔ اور یہ بھی کہنا صحیح ہو گا کہ نہیں مار ڈالا گیا۔ کیونکہ زندہ اسی بدن سے موجود ہے۔

بریں تقدیر مقتضائے حزم و احتیاط یہ ہے کہ قرآن کی عیسائی لوگ تاویل کر لیں نہ کہ تکذیب کہ اس میں ہلاکت ابدیہ ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ عیسائی لوگ تو ایسے ہی جانتے تھے تو پھر اس کہنے سے کیا فائدہ ہوا کہ ما قتلوہ و ما صلبوہ۔ تو ہم کہیں گے کہ یہودی اور مشرک لوگوں کے کہنے کے موافق مسلمانوں کا گمان ہو گا نہ کہ عیسائیوں کے۔ کہنے کے موافق اس لیے وہ مضمون قرآن میں فرمایا گیا۔

اعتراض

صفحہ ۱۳۲ قولہ۔ قرآن کا حکم ہے کہ ہر روز پانچ وقت نماز پڑھو۔ الیٰ قولہ۔ جو لوگ کہ قطب کے پاس رہتے ہیں اور وہ سردی سے آنکھ کے سوا کوئی عضو ننگا نہیں کر سکتے۔ اگر وضو نہ کریں تو نماز کیسے پڑھیں اور کس طرح یہ حکم مانیں اور جہاں کہ چھ مہینے کی رات اور ایسا ہی دن ہے تو وہاں کے مسلمان شاید برس بھر میں پانچ دفعہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا حکم دے تو کون اسے ہمہ دان کہے گا۔ اس اعتراض کو پادری لوگ بہت بڑا بھاری اور سخت مشکل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی تکلیف عام اور تعمیم الحکام باطل ہوتی ہے اور اس بطلان کو مسلمان لوگ نہیں باطل کر سکتے۔ حالانکہ بہت بودا اعتراض اور محض مغلطہ اور سفسطہ ہے۔ کیونکہ وضو کی نسبت یہ جواب ہے کہ ایسے مقاموں میں آدمی کا رہنا سہنا دو حال سے خالی نہیں یا خشک زمین پہ ہو گا یا جہاز پر۔ ان دونوں صورتوں میں اگر پانی کے استعمال

سے ہلاکت یا حدوث مرض شدید کا گمان غالب ہے تو تیمم ہو سکتا ہے اور تعداد نمازوں کی نسبت جواب یہ ہے کہ ہرگاہ ان کی توقیت لیل و نہار پر ہے تو جس طرح اطول النہار یعنی سولہ گھنٹے میں ظہر و عصر کی آٹھ رکعتیں پڑھتے ہیں اور معہذا اقصر النہار یعنی آٹھ گھنٹے میں بھی وہی آٹھ رکعتیں فرض ہیں۔ اسی طرح چھ مہینے کے دن میں بھی وہی آٹھ رکعتیں پڑھیں گے پس حکم اسلام کا ادا ہو جائے گا۔ اور جہاں مہینوں کا دن رات ہوتا ہے وہاں صبح شام بھی ہوتی ہے۔ سو فجر و مغرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور رات کو عشاء بھی۔ پس کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

اعتراض

قولہ۔ پھر قرآن میں حکم ہے کہ رمضان کے سارے مہینے روزہ رکھو اور فجر سے شام تک کھانا پینا منع ہے۔ الیٰ قولہ۔ بھلا یہ حکم قرآن کا قطب کے آس پاس رہنے والے کس طرح مانیں گے کہ بعضوں کے یہاں تین یا چار یا چھ مہینے کا دن ہے۔ اس کا جواب بھی عقلاً از روئے قرآن کے ظاہر ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں جابجا وارد ہے کہ لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعہا۔ اور حدیثوں میں یہ مضمون متواتر المعنی ہے ما بعثت معسّراً انما بعثت میسّراً یعنی کہ پیغمبر خدا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو کسی حکم کی تکلیف نہیں دیتا ہے مگر موافق اس کے وسعت اور استطاعت کے اور فرمایا کہ میں سخت گیری کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں مگر تسہیل اور آسانی کے لیے۔ چنانچہ صاحب الانجیل فرماتے تھے کہ میرا جُوا آسان ہے۔ میرا بوجھ ہلکا ہے۔

تنقیح بحث

ایسے اعتراضوں کا اصل مادہ یہ ہے کہ تعمیل بعض احکام شرعیہ میں بعض اوقات کچھ عذرات درپیش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بات کہ بروقت لاحق ہونے ان عذروں کے کیا کرنا چاہیئے ان حکموں کے ساتھ مفسّراً منصوص نہیں ہوتی۔ سو یہ معاملہ صرف شریعت اسلامیہ میں نہیں ہے۔ بلکہ توریت و انجیل کے احکام میں بھی یہی حال ہے۔ فرق اتنا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں از روئے کسی حجت کے منجملہ حجتہائے اربعہ کے اجمالاً یا تفصیلاً اور کلیۃً یا جزئیۃً کوئی نہ کوئی بات ایسی مقرر ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو

جاتاہے کہ بوقت پیش آنے اُن عذروں کے کیاکرنا چاہیئے۔ چنانچہ روزے کے مسئلہ میں بیان کیا گیا بخلاف شریعتِ توریت وانجیل کے کہ اس میں سے ایسا کچھ نہیں نکلتا ہے۔ چنانچہ آگے بیان کیا جاتا ہے مگر قبل اس بیان کے جاننا چاہیئے کہ احکام تعبدیہ دو قسم ہیں۔ ایک موقتہ۔ دوسرے غیر موقتہ اور ہر واحد دو قسم ہیں۔ بدنی یا مالی۔ اور عذرات عائقہ ان کے کئی ایک ہیں۔ مثلاً خوف حدوثِ مرض یا شدتِ مرض اور نقصان بدن یعنی کہ مثلاً اندھا ہونا یا بہرا یا لنگڑا یا لولا ہونا۔ اور سہو و خطا اور نسیان اور فقدانِ وقت اور فقدانِ مال اور افلاس شدید اور خوف دشمن یا رہزن وغیرہ اسباب تعذر ہو ہم یہاں دو جواب لکھتے ہیں۔ ایک الزامی کہ مشتمل ہے ایسے احکام بائبل پر جن میں اکثر احکام مزبورہ سے کوئی نہ کوئی عذر بحسب طبیعت بشری اور عادت زمانے کے کبھی نہ کبھی ضرور لاحق ہوتا ہے۔ دوسرا تحقیقی کہ اس میں صرف حوالی قطب کی بابت بحث ہے۔

جواب الزامی

کتاب خروج نسخہ ۱۸۲۵ء باب بستم ورس ۸: اور سبت کے دن کو مقدس جان کے یاد رکھیو۔ ۹۔ تو چھ دن تک محنت اور اپنے سب کام کیجیو۔ ۱۰۔ لیکن ساتواں دن تیرے یہواہ خدا کا ہے اس میں کوئی کچھ کام نہ کرے۔

اور باب سی و پنجم ورس ۲۔ چھ دن تک کاروبار کیا جاوے اور ساتواں دن تمہارے لیے روز مقدس یہواہ کی راحت کا سبت ہوگا۔ جو کوئی اس میں کام کرے گا مار ڈالا جائے گا۔ ۳۔ تم سبت کے دن اپنے گھروں میں آگ مت جلائیو۔ یعنی کھانا تک نہ پکائیو۔

اور کتاب احبار باب شانزدہم ورس ۳۱۔ یہ تمہارے لیے سبت راحت کا ہوگا تم اس دن اپنی جان کو دُکھ دیجیو۔ یہ تمہارے لیے ہمیشہ کو رسم ہوگی۔ یعنی روزہ رکھنا کما ہو عند الیہود۔

اور باب بست و سیوم ورس ۸۔ ساتواں دن مقدس منادی کا ہے تم اس روز کوئی دنیوی کام زنہار مت کیجیو۔ دیکھو تعطیل یوم سابع کو دنیوی سب کاموں کی یہاں تک کہ کھانا پکانے کی نہی فرض عین ہے اور اس کو اہل کتاب منجملہ احکام ابدیہ جانتے ہیں معہذا وہ اعتراض جو پادری صاحب نے بہ نسبت نماز و روزے کے کیا بعینہٖ یہاں عائد ہوتا ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ بھی ظاہر ہے کہ مریض سے بعض

مرضوں میں ایک دن کا بھی دکھ نہیں اٹھایا جاتا ہے اور بعضی دفعہ سفر سخت میں بھی اس کا نباہنا منجملہ محالاتِ عادیہ کے ہو جاتا ہے اور اور بھی بعضے عذر منجملہ عذرات سابقۃ الذکر کے لاحق ہو جانے کا بھی احتمال ہے۔ بہ ہیں ہمہٰذا کوئی سبیل اس کی درصورت پیش آنے ان عذروں کے نہیں بتائی نہ کلیۃً نہ جزئیۃً۔

ازآں جملہ کتاب احبار نسخہ ۱۸۲۵ء باب دوازدہم ورس ۲۔ جو عورت کہ حاملہ ہو پھر لڑکا جنے تو وہ سات دن جیسے حیض کے دنوں میں وہ رہتی ہے ناپاک ہوگی۔ ۳۔ اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جاوے۔ ۴۔ اور وہ نفاس کے لہو کے سبب سے تینتیس ۳۳ دن ٹھہری رہے۔ الیٰ قولہ۔ ۵۔ اور اگر لڑکی جنے تو وہ دو ہفتے جیسے اس کے حیض کا حکم ہے ناپاک رہے گی اور چھیاسٹھ ۶۶ روز نفاس کے خون کے لیے ٹھہری رہے گی۔ دیکھو حوالی قطب میں ساری عمر عورت کی صرف ناپاکی میں گزر جائے گی اور وہ کسی کام کی نہیں ہو سکتی اور ختنہ آٹھویں دن کا آٹھویں برس ہو جائے گا اور اگر لڑکا کچھ ماندہ ہو تو ختنہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اور اگر نہ کیا جائے تو کب کیا جائے۔ یہ کچھ نہیں لکھا۔ اور اگر یہ کہیئے کہ ختنہ اسی واسطے ہم نے موقوف کر دیا۔ سو یہ آپ کا موقوف کر دینا شریعت اسرائیلیہ پر سے اس اعتراض کو نہیں مرتفع کرتا۔ اس طرح تو ملاحدہ باطنیہ جو لباس اہلِ اسلام میں ہو گئے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے ہی اعتراضوں کے سبب سے ہم نے جانا کہ نماز روزے سے یہ نماز روزہ مراد نہیں ہے جو اور مسلمان لوگ سمجھتے ہیں۔

ازآں جملہ اسی کتاب کے گیارہویں باب میں بہت سے جانوروں کے کھانے بلکہ چھونے کو حرام شدید کہا ہے۔ معہٰذا ظاہر ہے کہ بہت سے مرضوں کی بعضی انہیں جانوروں کا استعمال کرنا دوا ہے۔ بلکہ بعض اوقات سوائے اس کے اور کوئی دوا مفید ملتی نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے یہ کچھ نہیں لکھا۔

ازآں جملہ تیرہویں باب میں مبروص کی نسبت بعضے احکام لکھے ہیں کہ ان پر بھی ویسے ہی اعتراضات عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔ ورس ۴۵۔ اور وہ ابرص جس کے بدن میں بلا ہے اس کے کپڑے پھاڑے جاویں اور سر ننگا کیا جاوے تو وہ اپنا منہ چھپاوے اور چلا چلا کے کہے ناپاک ناپاک۔ ۴۶۔ جتنے دنوں تک یہ بیماری اسے رہے وہ گندہ رہے گا وہ ناپاک ہے وہ اکیلا رہا کرے اوس کا مکان خیمہ گاہ سے باہر ہووے۔ دیکھیئے کہ حوالی قطب میں جہاں آنکھ کے سوا کچھ بدن نہیں کھولا جا سکتا ہے اگر ابرص کے کپڑے پھاڑے جاویں تو کیونکر وہ جیئے گا اور بعد ان کپڑوں کے پھاڑنے کے پھر وہ کچھ

پہننے یا نہ پہننے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ گونگا ہوگا تو چلا کر ناپاک کا لفظ کیوں کر کہے گا اور خیمہ گاہ سے باہر اگر چور یا درندے کا ڈر ہو تو کیا کرے اور اگر محتاج دوسرے آدمی کا ہو تو اکیلا کیونکر رہ سکے گا۔

اور بعد اس کے لکھا ہے کہ اس کے کپڑے کے داغ دیکھے جائیں گے اور یہ کہا جائے گا ورس ۵۰۔ کاہن اسے دیکھ کر سات دن تک رہنے دے۔ الیٰ قولہ ۵۴۔ تو وہ حکم کرے اس چیز کو جو داغی ہے کہ دھوویں اور پھر اسے اور سات دن تک رکھ چھوڑے۔ دیکھو سفر میں ہر جگہ کاہن بعضے اوقات ساتھ نہیں ہوتا ہے اور حوالی قطب میں برف کے مارے دھو کیونکر سکے گا اور دو ہفتے کے چودہ برس ہو جائیں گے۔

ازاں جملہ اسی کتاب کے چودھویں باب میں مبروصوں کی نسبت اور احکام بھی ایسے ہی کچھ لکھے ہیں کہ ان میں بھی وے قباحتیں سب لازم آتی ہیں مثلاً لکھا ہے۔ ورس ۳۸۔ کاہن گھر سے باہر نکل کر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھر کو سات دن تک بند رکھے۔ ۳۹۔ اور ساتویں دن آ کے پھر نظر کرے اگر وہ بلا گھر کی دیواروں پر پھیل گئی ہو۔ الیٰ قولہ۔ ۴۱۔ پھر اس کو اندر سے چاروں طرف کھرچوائے۔ الیٰ قولہ۔ ۴۲۔ اور وہ پتھر لے کے ان پتھروں کی جگہ پیوستہ کریں اور وہ دوسری مٹی لے کر گھر کو لیپے۔ دیکھئے حوالی قطب میں بیچارہ مبروص کیا کرے گا اور گھر کیونکر لیپے گا اور اگر کہیں پتھر نہ ملیں تو کیا کیا جائے یہ کچھ نہیں لکھا۔

اور آگے چل کر اسی گھر کی نسبت یہ کہتے ہیں۔ ورس ۴۹۔ تب اس گھر کی پاکی کے لیے دو چڑیاں اور شمشاد کی لکڑی اور قرمز اور زوفا لیوے۔ دیکھو جہاں شمشاد کی لکڑی یا زوفا وغیرہ نہ ملتا ہو یا کوڑی پیسا پاس نہ ہو تو کیا کرے اس کا حکم کچھ نہیں بتایا۔

ازاں جملہ باب پانزدہم ورس ۱۳۔ اور جب وہ جسے جریان کا مرض ہے چنگا ہو جائے تو وہ سات دن اپنے پاک ہونے کے لیے گنے۔ تب وہ اپنے کپڑے دھووے تب وہ پاک ہوگا۔ ۱۴۔ اور آٹھویں دن دو قمریاں یا کبوتر کے دو بچے یہواہ کے حضور جماعت کے خیمے کے دروازے پر کاہن کے پاس لاوے۔ دیکھو حوالی قطب میں چڑیاں کہاں ملتی ہیں اور جہاں کہیں نہ ملیں تو کیا کیا جاوے اور برف کے مارے وہاں کپڑے کیونکر دھووے گا اور آٹھ دن آٹھ برس ہو جائیں گے۔

ازاں جملہ باب مذکور ورس ۱۶۔ اور جب کوئی شخص مُنزِل ہو تو وہ اپنا سارا بدن پانی سے دھووے اور شام تک ناپاک رہے گا۔

آزاں جملہ ورس ۱۸۔ اور جب مرد عورت کے ساتھ جماع کرے اور مُنزل ہو تو وے دونوں پانی سے غسل کریں اور شام تک ناپاک رہیں گے۔

آزاں جملہ ورس ۱۹۔ اور جو عورت حائض ہو وہ سات دن جُدا کی جائے جو کوئی اسے چُھوئے گا شام تک ناپاک رہے گا۔ دیکھو حوالی قطب میں سات دن کے سات برس ہو جائیں گے اور شام تک چھ مہینے ہوں گے اور غسل وہاں کیونکر ہو سکے گا اور شدتِ مرض میں یہ احکام کیوں کر بجالائے جائیں گے الغرض بقول پادری صاحب کے بانی توریت لوگوں کے سب طرح کے حالات اور حاجات کو نہیں جانتا تھا ورنہ ایسے احکام صادر نہ کرتا۔

آزاں جملہ باب بست سیوم ورس ۵۔ پہلے مہینے کی چودہویں تاریخ زوال اور غروب کے درمیان یہواہ کی عید فصیح ہے۔ ۶۔ اور اسی مہینے کی پندرہویں تاریخ یہواہ کی عید فطیر ہے۔ دیکھو پہلا مہینہ عبارت ہے اس مہینے سے جس مہینے میں حضرت موسےٰ مع بنی اسرائیل قلزم سے پار ہوئے سو بھلا حوالی قطب میں جہاں مہینے مہینے اور دو دو مہینے اور تین تین اور چار چار مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں وہ حساب کیونکر ٹھیک ہو سکتا ہے۔

آزاں جملہ انہیں بعض عیدوں کی نسبت یہ لکھا ہے ورس ۱۵۔ اور تم سبت کے دوسرے دن سے جس دن اُومر کی قربانی ہلائی جاتی ہے سات ہفتے کامل گنو۔ ۱۶۔ ساتویں سبت کے دوسرے دن تک پچاس دن گن لو تب تم یہواہ کے لیے نئی نذر کی قربانی گزرانو۔ دیکھو حوالی قطب میں سات ہفتے کے سات برس ہو جائیں گے اور پچاس دن کے پچاس برس اور اگر قربانی کا ذرا بھی مقدور نہ ہو اور آدمی محض مفلس ہو تو کیا کرے۔

آزاں جملہ ورس ۲۷۔ اور ساتویں مہینے کا دسواں روز کفارہ دینے کا دن ہے تمہارے لیے مقدس منادی ہوگی تم اس دن آپ کو غمزدہ بنائیو اور یہواہ کے لیے آگ کی قربانی گزرانو۔ الیٰ ان قال۔ ورس ۳۱۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہارے سارے گھروں میں تمہارے قرنوں کے لیے رسم ابدی ہوگی۔ یہاں اوّل یہ دیکھئے کہ اس عید کو رسم ابدی کہا اور حضرت عیسیٰ کے وقت سے وہ موقوف ہوگئی۔ پس دو حال سے خالی نہیں یا ابدی کا مضمون تحریفی ہے یا مصروف عن الظاہر اور تاویلی ہے اور بعد اس کے یہ دیکھئے کہ حوالی قطب میں کیونکر اس کی تعمیل ہوگی۔

ازآں جملہ ورس ۳۴۔ ساتویں مہینے کی پندرہویں تاریخ سے لے کے سات دن تک یہواہ کی عید خیام ہے۔ دیکھو قلزم کے پار ہونے کی تاریخ سے حوالی قطب میں وہ حساب کیوں کر ٹھیک آوے گا دنوں کے برسوں ہو جائیں گے۔

ازآں جملہ کتاب خروج باب بست ویکم ورس ۲۔ اگر تو عبرانی غلام مول لے تو وہ چھ برس تیری خدمت کرے اور ساتویں برس مفت آزاد ہو جائے گا۔ دیکھو قطب کے پاس رہنے کی صورت میں وہ غلام بے چارہ بہت برسوں تک آزاد نہ ہوگا۔

ازآں جملہ باب بست وسیوم ورس ۱۷۔ سب مرد تین بار ہر سال یہواہ کے سامنے حاضر ہوں۔ دیکھو حوالی قطب کے لوگ کیوں کر وہاں کے حساب سے حاضر ہو سکتے ہیں۔

اور بقول پادری صاحب کے بانی توریت جس طرح امتداد مکانی کے حالات سے نہیں آگاہ تھا اسی طرح امتداد زمانی کے حالات سے بھی نہیں آگاہ تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے۔ کتاب مزبور اور باب ستائیسواں ورس بستم۔ تو بنی اسرائیل کو حکم کر کہ میرے پاس کٹے ہوئے زیتون کا خالص تیل لاویں تاکہ چراغ ہمیشہ روشن رہے۔ ۲۱۔ اور چاہیئے کہ قدس میں باہر اس پردے کے جو شہادت کے صندوق پر ہے اس کو رکھیں۔ یہ رسم ہمیشہ کے لیے واسطے بنی اسرائیل کے ہے۔ دیکھئے حضرت عیسیٰ سے سینکڑوں برس پہلے سے وہ صندوق جو گم ہوا تو آج تک کچھ اس کا پتہ نہیں ملتا۔ ایسی ناپائیدار چیز کی نسبت احکام ابدیہ بجالانے کا قانون کوئی نہیں دے گا۔ مگر وہ کہ جو اس کی ناپائیداری سے آگاہ نہ ہو۔

اور کتاب خروج کے باب بست ویکم میں ہے۔ ورس ۳۲۔ اگر بیل کسی کی لونڈی یا غلام کو سینگ مار بیٹھے تو وہ اس کے مالک کو مثقال کے وزن کے تیس روپے دیوے اور بیل پتھراؤ سے مارا جائے۔

اور کتاب استثنار کے بائیسویں باب میں بہ نسبت زناغیر محصنہ کے یہ لکھتا ہے۔ ورس ۱۹۔ اور وہ اس سے سو مثقال روپیہ تاوان لیویں اور لڑکی کے باپ کو دیں۔ دیکھو اگر وہ شخص جس پر وہ جرمانے مقرر کئے گئے ہیں بے مقدور ہو یا بے مقدوری ظاہر کرے تو کیا کیا جائے۔ یہ کچھ نہیں لکھا ہے۔

آمدم برانجیل

یوم السبت کے سب احکام کو اہل کتاب ابدی کہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ تخصیص بعض عبادات کی یوم سابع کے لیے بے شک ابدی ہے بس یوم سابع کی نسبت جو اشکال توریت پر عائد ہوتا تھا بعینہ انجیل پر عائد ہوگا کہ اس میں بھی وہ سنبھال رکھا گیا تھا چنانچہ معمول بہ عیسائیوں کا ہے۔

علاوہ بریں پہلی انجیل کے سترہویں اور دوسری انجیل کے نویں باب میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو کہ وہ آسیب زدہ تھا حضرت عیسیٰ کے پاس جھاڑ پھونک کے لیے لے آیا اور اس نے کہا کہ میں اسے تیرے شاگردوں کے پاس لے گیا تھا وہ نہ اچھا کر سکے۔ حضرت عیسیٰ اپنے شاگردوں پر خفا ہوئے اور آسیب زدہ کو جھاڑ کر اچھا کیا۔ اس پر شاگردوں نے جو پوچھا کہ ہم اسے کیوں نہ اچھا کر سکے۔ آپ نے فرمایا بسنحہ ۱۸۱۴ء درس ۲۰۔ عیسیٰ نے انہیں کہا کہ اپنی بے اعتقادی کے سبب سے۔ اس لیے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تمہیں رائی کے دانے کے برابر اعتقاد ہووے تو اگر تم اس پہاڑ کو کہو کہ اس مکان سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جائے گا اور کچھ تمہارے آگے ناممکن نہ ہوگا۔ ۲۱۔ لیکن یہ جنس بے نماز روزے کے نہیں دور ہوتی۔ دیکھئے پہلے کہا کہ بے اعتقادی کے سبب سے تم بیمار کو نہ اچھا کر سکے اور بعد اس کے فرمایا کہ اگر رائی کے برابر بھی تمہارا اعتقاد درست ہوتا تو کوئی بات تمہاری نظروں میں غیر ممکن نہ ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذرا بھی ان کا اعتقاد درست ہوتا تو اس آسیب زدہ کو وے مقرر اچھا کر سکتے اور بعد اس کے فرمایا کہ ایسا آسیب بے نماز روزے نہیں دور ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بے نماز روزے ذرا بھی اعتقاد درست نہیں ہوتا۔

اب جاننا چاہیے کہ نماز عیسوی کی صفت تو عیسائیوں میں کچھ باقی ہی نہیں رہی بجز اس کے آٹھویں روز بے طہارت ایک وقت یہ دعا مانگیں کہ اے عیسیٰ ہمارے خدا تو پھر دنیا میں ظاہر ہو۔ مگر روزہ بالاتفاق اسی کا نام تھا کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت سے صحبت کرنے سے علیحدہ رہنا۔ اور بتواتر ثابت ہے کہ آگے نصاریٰ اسی کو روزہ کہتے تھے اور انجیلوں سے بھی ایسا ہی بوجھا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی انجیل کے چھٹے باب کے درس ۱۶ تا ۱۷ میں لکھا ہے کہ روزہ دار کو چاہیے کہ ترش رو نہ رہے اور اپنا منہ دُھو کھانہ رکھے بلکہ تازہ رُو رہے اور تیل ملے بس اگر کھانے پینے سے

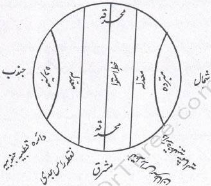
رُکنے کا نام روزہ نہ ہوتا۔ تو بتکلف تازہ رُوئی حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سو دیکھیے کہ حوالی قطب والے کسی طرح عیسائی ہو ہی نہیں سکتے۔ ایسے کہ حضرت عیسیٰ کے نزدیک ان کا ایمان رائی برابر بھی درست ٹھہرے۔

اور اگر آپ لوگ کہیں کہ ہم نے اسی واسطے روزے کی فرضیت کو ساقط کر دیا ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ کے ساقط کر دینے سے ہمارا الزام انجیل پر سے نہیں اُٹھ سکتا۔ ورنہ بنظر اصول فرقہ باطنیہ کے در لباس اہل اسلام بھی ویسے لوگ ہو گئے ہیں یعنی جو کہا کئے ہیں کہ روزہ ترک خورد و نوش کا نام نہیں بلکہ یہ سب ہمیشہ جائز ہے روزہ صرف دل سے چاہیئے اسلام پر سے بھی وہ اعتراض اٹھ جائے گا۔

جواب تحقیقی

ہر چند جو اصل غرض حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہے اس کے لیے کوئی عذر کبھی کسی کے واسطے کسی وقت کسی مقام میں نہیں ہو سکتا سوائے معارضات نفسانیہ کے مگر جو عادتِ الٰہیہ اس طرح پر جاری ہے کہ وہ غرض اصلی یعنی وصول الی اللہ نفوس بشریہ کے لیے نہیں حاصل ہو سکتی مگر بواسطہ بعض اسباب کے کہ ازاں جملہ ذکر اللہ اور مخالفت نفس ہے۔ ناگزیر حضرات انبیاء علیہم السلام در بابِ ذکر الٰہی اور مخالفت نفس کے بعض احکام محض تعبّدی صادر فرماتے ہیں اور جو احکام تعبدیہ عام ہوتے ہیں ان کا دار و مدار آدمیوں کے خواص نوعی پر ہوتا ہے نہ کہ خواص شخصیہ پر اور علیٰ ہذا القیاس ان کے عوائق اور موانع کی صورتیں وہی بیان کی جاتی ہیں جو خواصِ نوعی سے متعلق ہیں نہ وہ کہ متعلق بخواص شخصی ہوں۔ پس بنا ان حکموں کی اُمور واقعیّہ بلکہ صرف اُمور کثیرۃ الوقوع پر ہوتی ہے نہ کہ امور فرضیہ یا قلیلۃ الوقوع پر۔

جب یہ بات ٹھہر چکی تو اس بات کو سمجھئے کہ زمین بعضی حیثیت سے باتفاق حکمائے پیشین و پسین منقسم ہے پانچ حصوں پر چار خطوں سے کہ ان کے بیچوں بیچ میں پانچواں خط استواء واقع ہے اور ان چار خطوں سے بسبب گردش فلکی یا ارضی کے چار دائرے موہومہ زمین پر مرتسم ہوتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک دائرہ مدار راس سرطان اور ایک دائرہ مدار راس جدی اور ایک دائرہ قطبیہ جنوبیہ اور ایک دائرہ قطبیہ شمالیہ باین شکل اور ان حصوں میں ایک کا نام محرقہ ہے۔



اور دو حصے معتدلے کہلاتے ہیں اور دو مبردے. محترقہ وہ حصہ ہے جو مدار سرطان اور مدار جدی میں ہے جس کے بیچ میں خط استوا واقع ہے اور اس پر آفتاب سالانہ جس کی جہت سے جاڑے گرمی ربیع و خریف کی فصلیں بدلا کرتی ہیں. اسی نقطہ راس سرطان اور نقطہ راس جدی کے درمیان میں رہتا ہے چھ مہینے اِدھر سے اُدھر اور چھ مہینے اُدھر سے اِدھر اور معدلہ اس حصے کا نام ہے جو ہر ایک جانب جنوب و شمال میں منتہائے سیر آفتاب سے دائرہ قطبیہ تک واقع ہے اور اسی دائرہ قطبیہ کو دائرہ تمام میل کلی بھی کہتے ہیں اور مبردہ اس حصے کو کہتے ہیں جو ہر ایک جانب جنوب و شمال میں دائرہ قطبیہ کے اندر ہے اور دائرہ قطبیہ خطِ استوا سے ساڑھے چھیاسٹھ درجے یعنی ہمارے کوسوں کے حساب سے تخمیناً دو ہزار ایک سو اٹھائیس کوس پر ہے۔

اور سب اہل جغرافیہ قدیم و جدید بالاتفاق لکھتے ہیں کہ مبردے حصوں پر شعاعیں آفتاب کی جب پڑتی ہیں تو ایسی ترچھی پڑتی ہیں جیسے ہمارے ملکوں کے جاڑوں میں تین چار گھڑی دن چڑھے تک پڑتی ہیں. سو اس جہت سے وہاں کا برف کبھی پانی نہیں ہونے پاتا ہے۔

اور سب اہل جغرافیہ قدیمہ اور جدیدہ لکھتے ہیں کہ دائرہ قطبیہ تک بڑے سے بڑا ایک دن چوبیس ساعت نجومی سے زیادہ نہیں ہوتا اور اسی چوبیس ساعتوں میں سوائے دونوں مبردوں کے اور

سب حصوں میں دن و رات ہو جایا کرتا ہے۔

بالجملہ از روئے سب جغرافیات کے یہ بات ظاہر ہے کہ دائرہ قطبیہ میں کوئی آدمی معتدل الخلقت بحسب مزاج نوعی اپنے کے بود و باش نہیں کر سکتا۔ مگر کہتے ہیں کہ اب تھوڑے دنوں سے کچھ کچھ وحشی لوگ خال خال ستر اسی درجے تک بھی رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ سو اس روایت کا سچ و جھوٹ خوب تحقیق نہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ساڑھے چھیاسٹھ درجے سے پرے بلکہ وہاں تک بھی برف باری ایسی ہمیشہ برابر رہتی ہے کہ آدمی وہاں نہیں گھر بنا سکتا۔

ہرگاہ یہ بات ثابت ہولی تو اب جاننا چاہیئے کہ ہمارے پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ایک پیشین گوئی اس طرح پر کی ہے۔ زویت لی الارض مشارقها و مغاربها وسیبلغ ملك امتی ما زویت لی الارض جس کا بیان استفسار پانزدہم میں گزرا۔ اس کے ضمن میں ایک اور معجزہ بھی مندرج ہے۔ وہ یہ کہ مشارق اور مغارب کا تعدد اور تغائر بین جسے کہتے ہیں بُعد المشرقین وہ نہیں ہوتا ہے مگر اسی دائرہ قطبیہ تک کہ وہی منتہی ہے عمرانات معتدبہا کا اور آگے اس سے بلکہ اچھی طرح وہاں تک بھی آبادی بطور شہر اور قریہ کے نہیں ہے۔ کچھ لوگ بطور گوجر وغیرہ کے کہیں کہیں رہتے ہیں اور از روئے جغرافیہ کے اوپر مذکور ہو چکا کہ دائرہ قطبیہ تک چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے زیادہ کوئی دن نہیں ہوتا۔

اور پر ظاہر ہے کہ چوبیس گھنٹے ایسے نہیں ہیں کہ آدمی اس میں روزہ نہ رکھ سکے۔ ہم لوگ اکثر اپنے ملکوں کے رمضان شریف میں صرف چوبیس گھنٹے پر کھانا کھایا کرتے ہیں یعنی صرف ایک ہی بار کے کھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

پس مطلب یہ کہ جس طرح حضرت سرور کائنات نے یہ فرمایا تھا کہ میں سارے جہان کے لوگوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور سبھی مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ اسی طرح پیش گوئی سابق الوصف کے ضمن میں گویا یہ بھی فرمایا کہ دائرہ تمام میل کلی یعنی ساڑھے چھیاسٹھ درجے سے آگے مسلمان لوگ بطور تمدن اور توطن کے بود و باش نہ کریں گے اور وہاں کے رہنے والے مسلمان نہیں ہوں گے الغرض جس بقعہ ارض کی نسبت پادری صاحب کو اعتراض ہے اس کی نسبت پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ وہاں مسلمان رہیں گے نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں شعائر اسلامیہ جاری نہ ہو سکیں وہاں رہنا شرعاً بھی

ممنوع ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ ہم فرض کرتے ہیں کہ مسلمان وہاں جاکر رہے تو وہ کیا کرے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی جہت سے سمندر میں شب و روز رہنے لگے اور پھر اس میں جاکر رہے تو نماز کیوں کر کھڑے ہو کر بادائے ارکان پڑھے گا۔ پس جو جواب اس کا ہے وہی جواب اس کا ہے۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ اگر پادری صاحب ایسا اعتراض نہ کرتے تو ہم کو اس پیشین گوئی کا یہ دوسرا اعجاز کیونکر کھلتا اور یہ کیوں کر معلوم ہوتا کہ تکوینًا بھی وہاں مسلمانوں کا ہونا ممنوع ہے۔

اعتراض

صفحہ ۳۵: قرآن شریف میں ذوالقرنین کے سفر کے بیان میں وارد ہے۔ حتّٰی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ الآیہ۔ یعنی مغرب کی جانب وہاں تک پہنچا کہ آفتاب کو اس نے دلدل میں ڈوبتے پایا۔ اس پہ پادری صاحب اعتراض کرتے ہیں اور اپنی فہم کی خوبی سب پر ظاہر کرتے ہیں۔

قولہ۔ سورج چار سو پچھتر لاکھ کوس زمین سے دور ہے اور دس لاکھ مرتبے زمین سے بڑا۔ اور قرآن کا بانی کہتا ہے کہ دلدل کی ندی میں ڈوب جاتا ہے کیا تماشے کی بات ہے۔ اس تقریر سے میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اس سے پادری صاحب کی قابلیت آفتاب کی طرح روشن ہو گئی اور معلوم ہوا کہ وہ نادانی کے دلدل میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہیں اور نخوت کے سبب سے کوچہ سخن فہمی سے نابلد محض یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ تمام جہان کے لوگ انبیاء اور حکماء اور خواص و عوام اور توریت و انجیل سب یہ محاورہ رکھتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوا۔ آفتاب طلوع ہوا۔ سو آفتاب کسی چیز میں گھس جاتا ہے اور اس سے پھر نکل آتا ہے۔ وہ تو ہمیشہ نکلا ہی ہوا رہتا ہے کسی چیز میں کبھی نہیں ڈوبتا ہے۔ سو شاید پادری صاحب کے نزدیک جتنے لوگ یہ محاورہ رکھتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ نہیں جھوٹے ہیں۔ پادری صاحب بے وقوف ہیں۔ ہم نے اکثر ذی علم ریاضی دانوں سے جنہوں نے جہاز کا سفر کیا ہے یہ بولتے سنا ہے کہ سمندر پہ ایک عجب عالم آب ہوتا ہے کہ آفتاب پانی ہی سے طلوع کرتا ہے اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ پس جو معنی یہاں ہیں۔

وہی معنی اس آیت کے ہیں۔ یعنی ذوالقرنین نے آفتاب کو دلدل میں ڈوبتے دیکھا نہ یہ کہ آسمان تلے اتر کر دلدل میں گھس گیا۔

اب یہاں واسطے تسکین عوام کے بائبل سے چند جملے مجھے نقل کرنا ایسے مناسب ہیں کہ جو بظاہر خلاف حکمت طبعی اور ریاضی کے ہیں اور بعضے ایسے کہ فی الواقع خلاف فنون حکمت کے ہیں کہ ہمارے یہاں قرآن شریف میں ویسا کوئی مضمون نہیں ہے۔

ازاں جملہ جابجا توریت میں چنانچہ کتاب خروج کے تیسرے باب کے ورس ہشتم میں ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء۔ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے نجات بخشوں اور اس زمین سے نکال کے اچھی بڑی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے کنعانیوں وغیرہ کی جگہ میں لاؤں۔ دیکھو سرزمین کنعان میں کبھی کہیں دودھ اور شہد کا حوض بھی نہ تھا چہ جائیکہ ندی ہو کہ موج مارے۔

ازاں جملہ زبور بستم میں حضرت داؤد کہتے ہیں۔ ورس ۱۳۔ مرا از گور برخیزانندہ۔ حالانکہ بائبل سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد مر کر پھر نہیں جیے۔

ازاں جملہ جو پہلی انجیل کے گیارہویں باب میں حضرت عیسیٰ کا خطاب کفرناحوم نامی بستی کی طرف یوں نقل کیا۔ نسخہ ۱۸۳۹ء۔ اے کفرناحوم تو آسمان تک بلند ہوئی ہے۔ دیکھو اگر کفرناحوم آسمان تک بلند ہوتی تو ہم یہاں بیٹھے اس کو مقررہ دیکھتے یہ تو ہندوں کے یہاں کا سمیر پربت ٹھہرا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے بارہویں باب میں ہے۔ ورس ۴۲۔ دکھن کی رانی اقصائے زمین سے سلیمان کی حکمت سننے آئی۔ دیکھو جغرافیہ کی رو سے ثابت ہے کہ زمین کروی الشکل ہے اور شکل کروی کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر جگہ اس کا کنارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا خدا عیسائیوں کا زمین کی شکل سے آگاہ نہیں تھا۔ ورنہ اقصائے زمین یعنی انتہائے زمین کا لفظ نہ بولتا۔

ازاں جملہ اسی انجیل کے باب ۲۴ کے ورس ۳۱ میں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء۔ از اطراف اربعہ از اقصائے فلک تا آں طرف دیگر جمع خواہند نمود۔ دیکھو آسمان کا کوئی کنارہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی گول ہے۔ سو یہ بھی غلط کہا۔

ازاں جملہ پہلی انجیل باب ۲۴ ورس ۲۱۔ نسخہ ۱۸۱۲ء۔ اس وقت بڑی تنگی ہوگی جو ابتدائے عالم سے اب تک کبھی نہیں ہوئی۔ ۲۲۔ اور وے دن کوتاہ نہ ہوتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا۔ وے دن

بزرگوں کے لیے کوتاہ کیئے جائیں گے۔ اگر دن سے وہ دن ورات ملا کر مراد ہے سو وہ تو چوبیس گھنٹے سے کم و زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اگر نہار مراد ہے سو وہ جہاں کہیں کوتاہ ہوتا ہے سب کی نسبت برابر کوتاہ ہوتا ہے صرف اچھے لوگوں کی تخصیص نہیں ہوتی ہے۔

ازاں جملہ پہلی انجیل کے دوسرے باب کے آغاز میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے تولد کے وقت پورب سے ان کا تارا دکھائی دیا اور وہ تارا دیکھنے والوں کی روش پہ ان کے ساتھ ساتھ چلا آیا۔ یہاں تک کہ اس مکان کے مقابلے میں جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے ٹھہر گیا۔ دیکھو تارے کا آدمی کی روش پر چلنا خلاف علم طبیعی اور ہیئت ہے اور اس سے علم نجوم کی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ توریت علم نجوم کو باطل اور نجومی کی بات سننے کو حرام کہتی ہے۔

ازاں جملہ یوحنا حواری اپنے مشاہدات میں لکھتا ہے۔ باب دوازدہم نسخہ ۱۸۱۶ء علامتی عظیم در آسمان سرزد کہ زنے پوشیدہ بود خورشید را و ماہ در زیر پایہائے او بود و برسرش تاجے بود دوازدہ ستارہ۔ یہ تو بالکل تمام علوم عقلیہ کے خلاف ہے۔

ازاں جملہ یوشع کی کتاب میں جہاں توقف شمس کا ماجرا لکھا ہے جسے ہم نے شق القمر کی بحث میں نقل کیا یہ بھی لکھا ہے کہ آفتاب کے ساتھ چاند کو بھی حضرت یوشع نے کہا تھا کہ تو بھی ٹھہر اردو۔ حالانکہ جس وقت آفتاب وسط السماء میں ہوگا چاند وہاں کہاں ہو سکتا ہے اور ایسے وقت میں جرم قمر معلوم بھی نہیں ہوتا ہے اور اس کے ٹھہرے رہنے سے مطلب کیا یہ بالکل خلاف علم ہیئت ہے۔

ازاں جملہ اشعیا نبی کی کتاب میں ہے باب ۵۱ ورس ۶ نسخہ ۱۸۳۹ء۔ آسمان چوں دود ناپدید خواہد شد۔ دھواں سا آسمان تو اب دکھائی دیتا ہے آئندہ کس طرح ناپدید ہو سکتا ہے۔ اس میں تو تحصیل حاصل لازم آتی ہے۔ کیونکہ وہ تو اب بھی ناپدید ہے اور باتفاق کافہ حکما جو دھواں سا نظر آتا ہے وہ آسمان نہیں ہے اور تحصیل حاصل منجملہ ممتنعات عقلیہ بدیہیہ ہے۔

ازاں جملہ زبور یک صد و چہارم نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۳۔ اس نے یعنی خدا نے اپنے بالاخانے کی کڑیوں کو پانیوں پر قائم کیا ہے اور بدلیوں کو اپنا مرکب بنایا ہے اور ہوا کے بازوؤں پر سیر کرتا پھرتا ہے۔ دیکھو یہ بالکل خلاف الٰہیات اور طبعیات اور ریاضیات کے ہے۔

ازاں جملہ زبور پنجم ورس ۳۔ آسمان مصنوع انامل تست۔ دیکھو یا ہیئت فیساغورثی جھوٹ ہے

یا یہ یعنی شئے معدوم کو مصنوع صانع کہنا۔

ازاں جملہ زبور نوزدہم ورس ۲۔ روز با روز حرف مے زند و شب با شب علم مے آموزاند۔ سو لغتی و عبارتی نیست کہ قول ایشاں وراں شنیدہ نہ شود۔ آزروئے علم ہیئت کے ثابت ہے کہ رات یا دن کے کئی حصے نہیں ہیں جس پر صادق آوے کہ رات نے رات سے یا دن نے دن سے کہا بلکہ ضوء آفتاب کا نام دن ہے جو برابر نصف کرۂ ارض کو روشن کئے ہوئے رہتا ہے اور رات زمین کے سائے کا نام کہ وہ بھی برابر نصف کرے پر پھرا کرتا ہے اور وہ تن دار چیز نہیں ہے جس میں بات کہنے کی استعداد ہو۔ چہ جائیکہ ہر لغت میں باتیں کرتی ہو۔ یہ تو بقول پادری صاحب کے سراپا غلط ہے

ازاں جملہ باب مذکور ورس ۴، ۵، ۶۔ در آنہا یعنی در افلاک برائے آفتاب خیمہ را قرار دادہ کہ مانند داماد از حجلہ بیروں مے آید و چوں پہلواناں در دویدن خوشنود است بر آمدن آں از انتہائے آسماں است و باز گشتن آں با نتہائے ہماں۔ دیکھو آفتاب کا آسمان پر خیمہ اور حجلہ کون سا ہے جس سے وہ نکلتا ہے وہ تو آسمان پر برابر نکلا ہوا رہتا ہے اور افلاک کیا چیز ہیں جن میں اس کا خیمہ ہے اور آسمان میں کنارہ کہاں ہے کہ اس کے ایک کنارے سے وہ نکلتا ہے اور دوسرے کنارے کے طرف پھر جاتا ہے۔ بقول پادری صاحب کے افسوس کہ بانی زبور ہیئت نہ جانتا تھا۔

ازاں جملہ زبور سی و نہم ورس ۵۔ اینک تو ایام مرا بقدر یکدست طول دادہ۔ دیکھو ایام ان کمیتوں میں سے نہیں ہے جس کی درازی اور کوتاہی کا حساب پیمائش سے ہو۔ زبور والا معاذ اللہ طبیعی ریاضی کچھ نہیں جانتا تھا۔

ازاں جملہ زبور یک صد و چہارم نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۵۔ زمین کو جنبش نہیں ہے۔ زبور یک صد و نوزدہم ورس ۹۰۔ زمین ٹھہر رہی ہے۔ دیکھو نفیاً اور اثباتاً دونوں طرح زمین کو ساکن کہتے ہیں۔ پس یا زبور سے انکار کیجیے یا ہیئت فیثاغورثی سے۔

ازاں جملہ زبور یک صد و سی و ششم نسخہ ۱۸۲۹ء ورس ۶۔ زمین را بر آبہا گستردہ۔ زبور بست و چہارم ورس ۲۔ او بنیادش را بر آبہا نہادہ و بر آنہار قرار دادہ۔ دیکھو پانی زمین پر ہے یا زمین پانی پر۔ علم طبیعی اور ریاضی دونوں اس کو باطل ٹھہراتے ہیں۔

ازاں جملہ زبور بست و نہم ورس ۳۔ خداوند بر آبہا است۔ خدائے ذوالجلال رعد مے کند

خدائے برآبہائے فراواں است. الیٰ قولہ. خدا بسبیلہا جلوس فرمودہ است. دیکھو ایک خدا عیسائیوں کا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ دوسرے خدا کو کہتے ہیں کہ آسمان پر ہے اور زبور یہاں کہتی ہے کہ پانی پر ہے. اور ایک جگہ کہتی ہے کہ بدلیوں اور ہواؤں پر اُڑتا پھرتا ہے اور رعد کی حقیقت تو ہر کوئی جانتا ہے کہ آسمان کے گرجنے کو کہتے ہیں سو کیا وہ اللہ گرجتا ہے جس طرح مریم کے پیٹ میں جو تھا اسے تم اللہ کہتے ہو.

ازاں جملہ زبور یک صد و چہل و ہشتم ورس ۴. اے سماء السمٰوات اور استائش کنید والے آبہا کہ فوق آسمانہا ہستید. پانی تو سب قسم کا آسمان کے نیچے ہے. آسمان سے اُوپر ہونا از روئے طبیعی اور ریاضی کے بالاتفاق باطل ہے.

ازاں جملہ کتاب پیدائش باب اول نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۱. ابتداء میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا. ۲. سو زمین در وسبت نامربوط تھی. ۳. اور خدا نے کہا اُجالا ہو گیا. الیٰ قولہ. ۵. اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات. سو شام و صبح کا پہلا دن ہوا. ۶. پھر خدا نے کہا کہ ہوا پانیوں کے بیچ فاصل ہو اور پانیوں کو پانیوں سے جدا کرے. ۷. تب خدا نے ہوا بنائی اور اس پانی کو جو ہوا کے تلے تھا اس پانی سے جو ہوا کے اوپر تھا جدا کیا. ۸. اور خدا نے اس ہوا کو آسمان کہا. سو شام و صبح دوسرا دن ہوا. الیٰ قولہ. تیسرا دن ہوا. الیٰ قولہ. ۱۴. اور خدا نے کہا کہ روشنی دینے والی چیزیں آسمان کے صحن میں ہوویں تا کہ دن رات کو جدا کریں. ۱۵. اور وے آسمان کے صحن میں ایسی روشنی دینے والے ہوں کہ زمین کو روشن کریں. ۱۶. خدا نے دو بڑے نیر بنائے ایک نیر اعظم جس کا تسلط دن پر ہووے اور ایک نیر اصغر جس کا تسلط رات پر ہووے اور اس نے تارے بنائے. ۱۷. اور خدا نے ان کو آسمان کے صحن میں رکھا. الیٰ قولہ. چوتھا دن ہوا. الیٰ قولہ. ۲۳. پانچواں دن ہوا. الیٰ قولہ. ۲۷. تب خدا نے آدمی کو اپنی صورت بنایا. خدا کی صورت پر اسے پیدا کیا. پھر اُسے نر و مادہ بنایا. الیٰ قولہ. ۳۱. یہ چھٹا دن ہوا. دیکھئے جس طرح پادری لوگ قرآن شریف اور احادیث مصطفویہ پر اعتراضیں کرتے ہیں. اگر ہم نسبت بہ احادیث موسویہ اور عیسویہ جو معتبر بہ توریت و انجیل ہیں اعتراضیں کریں تو شاید کمتر کوئی ورس طولانی ایسے اعتراضوں سے بچے گا. اور اس کا نمونہ یہ ہے کہ ورسہائے مذکورہ پر غور کیجئے کہ از روئے فنون حکمیہ کے کتنے اعتراضوں کا ہجوم ہے کہ لکھنے میں نقل کرتا ہوں.

پہلا: دوسرے درس میں کہتا ہے کہ زمین نامربوط تھی تو کیا غذا بے ربط تھا جو اس نے زمین کو نامربوط بنایا یا نشیب وفراز تھا سو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسرا: جب ایک طرف زمین کے اُجالا ہوگا مزور ہے کہ دوسری طرف اندھیرا ہو۔ اس میں جعل جاعل کو دخل نہیں ہے۔ حالانکہ درس پنجم میں کہتا ہے کہ اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کیا۔ اس کو طبیعی ریاضی الٰہی تینوں فن حکمت کے باطل ٹھہراتے ہیں۔

تیسرا درس یکم اور پنجم سے ظاہر ہے کہ آسمان پہلے دن بنا۔ اور درس ہشتم سے ظاہر ہے کہ آسمان دوسرے دن بنا۔

چوتھا: درس ششم و ہفتم سے ظاہر ہے کہ پانی ہی تھا جو ہوئے اوپر ہو کے آسمان بن گیا۔ پس آسمان کا مادہ پانی ٹھہرا۔ حالانکہ جمیع فنون حکمت اس کو باطل ٹھہراتے ہیں۔

پانچواں: درس سیوم اور چہارم اور پنجم سے ظاہر ہے کہ دن رات پہلے دن مقرر کئے گئے تھے اور درس شانزدہم سے نوزدہم تک جو لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ آسمان چوتھے دن بنا۔ حالانکہ دن صرف ظہور آفتاب کا نام ہے۔

چھٹا: ہیئت فیثاغورثی میں ثابت ہو چکا ہے کہ آفتاب کسی شخص میں نہیں گھٹا ہے اور نہ اور کوئی تارہ۔ پس یا وہ ہیئت جو مذہب مختار حکمائے فرنگ کا ہے جھوٹی ہے یا توریت۔

ساتواں: علم ہیئت فیثاغورثی میں ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ایک سیارہ یعنی عطارد اور زہرا اور مریخ اور مشتری اور زحل وغیرہ مثل ارض کے ہے کہ خود روشنی نہیں رکھتا اور آفتاب کے گرد گھومتا ہے اور منجملہ معمورات کے ہے۔ پس زمین کو علیحدہ گنا اور تاروں کو علیحدہ اور اس قمر کو نیر اصغر اور رات کا متسلط کہنا کہ ادھ تاروں کو۔ اور صرف اس آفتاب کو آفتاب اور نیر اعظم کہنا اور اور ثوابت کہ وہ بھی شمس ہیں ان کو علیحدہ گنا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی توریت ہرگز حکیم نہ تھا بلکہ محض عامی سوقی شخص تھا۔ اس کے دھیان میں بھی یہ سب کچھ ایسا ہی تھا جیسا عوام سوقیوں کے دھیان میں ہے۔

آٹھواں: دن رات تو متعدد چیزیں نہیں ہیں ان کو چھ دن اور چھ راتیں کہنا صریح خلاف واقع ہے اور جب تک آفتاب نہیں بنا تھا دن رات کا شمار محض بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اعتراض

میں نے اس واسطے لکھا کہ اگر توریت میں زمین و آسمان کی پیدائش کے زمانے کو مقدر بہ شش یوم نہ لکھا ہوتا اور صرف قرآن ہی میں ہوتا تو مقرر پادری لوگ ایسا بے معنی اعتراض کرتے۔

دوم: از روئے حکمت کے ثابت ہے کہ جب سے آفتاب اور زمین ہے تب ہی سے ایسے ہی دن رات تمام عالم میں ہوتے ہیں جیسے اب ہوتے ہیں اور منجملہ درسہائے مزبورہ از روئے ورس ۲۷ تا ۳۱ ظاہر ہے کہ آسمان و زمین اور آدم سب ایک ہی ہفتے میں بنے۔ پس بموجب مسئلہ مقدم الذکر کے وہ ہفتہ نہ ہوگا مگر ایسا ہی ہفتہ جیسا اب ہوتا ہے ورنہ اس مدت کو ہفتہ کہہ کے تعبیر کرنے سے کچھ فائدہ نہ تھا اور دوسرا دن اور چھٹا دن کہنا غلط ہوتا۔ اور از روئے بائبل کی تاریخ بندی کے باتفاق اہل کتاب بعد آفرینش آدم سے اب تک چھ ہزار سال شمسی پورے نہیں ہوئے۔ حالانکہ تمام جہان کی تاریخیں اور پارسیوں اور ہندوؤں کے یہاں کی آسمانی کتابیں اس کے خلاف گواہی دیتی ہیں۔ پس اگر بالفرض خلاف تاریخ یہود اور نصاریٰ کے کوئی بات قرآن و حدیث میں ہو تو اس کو دستاویز کر کے قرآن کی تکذیب کیجئے اور یہ جو سارے جہان کی اور بھی حکمت الٰہیہ کے خلاف زمین و آسمان کے بننے کے زمانے کو اب تک پانچ ہزار کئی سو برس جو بائبل سے ظاہر ہوتا ہے درست اور صحیح کہیئے یہ بھلا کیسی ناانصافی کی بات ہے اسی کو ہٹ دھرمی کہتے ہیں۔

اور اسی کو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ اپنی آنکھ کے شہتیر کو نہ دیکھنا اور بیگانی آنکھ کا تنکا دیکھنا۔ پادریوں کو ذرا بھی شرم نہیں آتی اور کہیں ذرا بھی غیرت انہیں چھو نہیں گئی۔ اور ہمارے یہاں قرآن شریف اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں کچھ تعیین مدت آغاز آفرینش زمین و آسمان کی بلکہ آدم کی بھی نہیں لکھی، تاکہ سارے جہان کے لوگوں کی مخالفت کا اعتراض ہم پر عائد ہو۔ اور جو بعضی روایتوں میں آغاز آفرینش آدم کا ذکر ہے تو وہ معارض روایت صحیحہ کے باسناد غیر صحیحہ وارد ہے اور ہمارے یہاں کے علماء جو کچھ لکھتے ہیں سو وہی توریت سے لکھتے ہیں کچھ قرآن و حدیث صحیح میں نہیں وارد ہے

اعتراض

صفحہ ۳۶ کی نویں سطر سے صفحہ ۳۸ کی تیسری سطر تک تحویل قبلہ اور منسوخیت عدم جہاد کے مضمون کو نقل کر کے مسئلہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خدا کی ناماآل اندیشی ثابت ہوتی ہے۔ سو اس کا

جواب پہلے رسالے کے جواب میں مفصلاً گزرا۔ کیا ناانصافی کی بات ہے کہ توریت کے احکام ابدیہ حضرت عیسیٰ کے آنے پر موقوف ہو جائیں اور ہم جو احکام غیر ابدیہ کے نسخ کو جائز سمجھیں تو اس میں قباحت لازم آوے۔ نہیں معلوم پادری صاحبوں کا فہم و انصاف کہاں گم ہو جاتا ہے۔ اور در ضمن تحویل قبلہ ایک تعریض خفی در بارۂ تعیین قبلہ بھی انہوں نے کی ہے۔ سو اس کا جواب الزامی یہ ہے کہ اگلے اہل کتاب سب بیت المقدس کو اپنا قبلہ کرتے تھے اور زبور نہم کے ورس یازدہم میں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء۔ خدا در صیہون ساکن است۔ زبور نوزدہم ورس نہم۔ خدا را تمجید کنید و سوئے کوہ مقدس او سجدہ نمائید۔ اگرچہ بعضے نسخوں میں کوہ کا لفظ گرا دیا گیا ہے مگر بعضے نسخوں میں ہے۔ بالجملہ عبادت الٰہیہ کے لیے جہت مقرر تھی۔

اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ جب خدا کو زمین پر کوئی سجدہ کرے گا تو ضرور ہے کہ کسی جہت پر واقع ہو بس خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی مسجد کو بنظر ان کے اخلاص کے ایسا قبول کیا کہ ساری مسجدوں کا اسے قبلہ کر دیا۔ جس طرح حضرت ابراہیم سب انبیاء مشہورین کے قبلہ گاہ تھے نہ یہ کہ خدا مسجد ابراہیمی میں رہتا ہے۔ جیسا کہ زبور میں بیت المقدس کی نسبت لکھا اور منطقہ عوام کا اعتبار نہیں۔ اس سے کیا زیادہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارہا فرمایا کہ خدا آسمان پہ ہے کہ از روئے ظاہر معنوں کے اس میں بھی خدا کے لیے جہت ثابت ہوتی ہے آدمی کو مبدء کل کائنات دھیان کرنا شرک و کفر ہے عقلاً یہ کہ خدا کو سجدہ کرنا مسجد ابراہیمی کی طرف اور اس مسجد کا طواف کرنا اور بوسہ دینا خدا کے لیے کہ اس میں عقلاً کچھ اعتقاد امر غیر واقعی کا نہیں لازم آتا ہے۔ بخلاف تثلیث اور سگن اوپاسنی کے جیسا عیسائیوں اور ہندوؤں کا اصل دین و ایمان ٹھہر رہا ہے اور جو ان میں سے بعضے علی سبیل الشذوذ تثلیث اور سگن او پاشنا نہیں رکھتے وہ اس کو باطل نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ مثل بدعات کے جانتے ہیں سو وہ بھی ان میں داخل ہیں۔ ہاں جو کوئی اس کو قطعاً باطل سمجھے اور درست سمجھنے والوں کو کافر جانے وہ نصرانی اور ہندو نہیں ہے۔ نہ ہمارے نزدیک اور نہ نصاریٰ اور ہنود کے نزدیک سو ایسا علی العموم کوئی نہیں ہوتا سوائے محمدی کے۔

اعتراض

صفحہ ۳۸۔ قولہ قیامت کے مقدمے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ دن ہزار برس کے برابر ہوگا۔

الیٰ قولہ۔ پھر دوسری جگہ لکھا ہے کہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ الیٰ قولہ۔ اب دونوں باتوں میں سے کون بات صحیح ہے الیٰ قولہ۔ یا جیسا تیسری جگہ لکھا ہے یعنی نگاہ کی لپک بلکہ اس سے قریب تر۔

جواب: جہاں کہیں قرآن میں لکھا ہے کہ ہزار برس کا دن وہاں سے قیامت کا دن سمجھنا پادری صاحب کی غلطی ہے اور جہاں پچاس ہزار برس کا دن لکھا۔ وہاں البتہ بعضے مفسروں نے قیامت کا دن جانا ہے۔ مگر قرآن میں وہاں بھی ایسی کچھ تصریح نہیں ہے جس سے قطعاً قیامت کا دن بوجھا جائے اور محققین کے نزدیک دونوں طرح کے مقاموں سے یہ مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بعضے معاملات کی مدتیں بیان کرتا ہے یعنی کسی معاملے کا آغاز و انجام طرف زمانی میں ہزار برس کے اندر ہوتا ہے اور کسی معاملے کا پچاس ہزار برس کے اندر۔ چنانکہ زبور نودم میں لکھا ہے درس ۴۔ نسخہ سنہ ۱۸۲۵ء۔ ایک ہزار برس اس کی نظر میں کل کا دن ہے بلکہ پہر بھر۔ رہی وہ تیسری بات یعنی نگاہ کی لپک بھر سو وہ روز قیامت کے امتداد کی حیثیت کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اہوال وغیرہ کے دفعی انتشار کا ذکر ہے یعنی جو حوادث عامہ مثلاً قحط اور وبا اور تسلط ظالم دنیا میں واقع ہوتے ہیں، سو اکثر بتدریج پھیلتے ہیں اور قیامت میں جو سوانح عامہ ہوں گے سو بہت جلد گویا دفعۃً سارے عالم کو گھیر لیں گے۔ جیسا حضرت عیسیٰ نے ساعۃ موعودہ کے حق میں فرمایا کہ جس طرح بجلی چمک جاتی ہے اور پچھم تک روشن کرتی ہے۔ الحاصل کچھ تناقض نہیں ہے ہاں بائبل میں ایسے تناقضات بہت ہیں کہ بعضے جو مجھے سردست معلوم ہوئے ہیں انہیں جابجا میں نے اس کتاب میں آگے پیچھے لکھے ہیں۔

اعتراض

صفحہ ۴۹۔ قولہ۔ امتحان کی رُو سے ثابت ہے کہ بادل تین کوس سے اُونچا ہرگز نہیں ہوتا۔ اکثر اس سے نیچے ہے۔ قولہ۔ اس نے کہا ہے کہ بہتر برس کی راہ پر ہے۔

جواب۔ یہ محض پادری صاحب کا افترا ہے۔ کہیں کسی روایت میں خصوصاً مشکوٰۃ کے کتاب چہارم کے باب پنجاہ و یکم کی فصل اوّل میں جس کا پتہ پادری صاحب دیتے ہیں ابر کی نسبت ایسا کچھ مذکور نہیں ہے ہاں البتہ آسمان کی نسبت وارد ہے۔ سو اس میں بھی اختلاف روایات ہے اور طبقات ارضیہ کی نسبت بھی جو وارد ہے اس میں بھی اختلافِ روایت ہے۔ سو اس لیے یہ باتیں ہمارے اصول قطعیہ میں داخل

نہیں ہیں۔ ان میں شبہ کرنے والا اسلام سے باہر نہیں ہوتا معہذا ان سب روایتوں کے مضامین کسی نہ کسی احتمال عقلی کی رُو سے عقلاً جائز اور ممکن بھی سمجھے جا سکتے ہیں۔ کوئی بات اُن میں ایسی نہیں ہے کہ اُس میں کوئی صورتِ احتمالیہ بھی عقلاً صحیح نہ ہو سکے۔ اور از روئے براہینِ عقلی کے قطعاً رد باطل ٹھہرے جیسا تثلیث کا مسئلہ ہے کہ وہ قطعاً از روئے براہین عقلیہ اور نقلیہ کے باطل ہے اور یہ جو آپ کی نسبت لکھا کہ تین گز سے اونچا نہیں ہو سکتا سو غلط لکھا۔ عادۃً محال ہو تو ہو عقلاً محال نہیں ہے۔

اعتراض

قولہ۔ گرہن کی بابت کہا ہے کہ یہ خدا کے بندوں کے ڈرانے کے واسطے ہے لیکن کون ڈرے گا جو پہلے ہی سے اس کے آنے کا وقت جانتا ہے۔ یہ اعتراض محض ملحدانہ ہے یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کا قاعدہ ہے کہ حتی الوسع ادراکات مکلفین کو ہر بات میں متوجہ بحضرت جامع جمیع صفات کمال کیا کرتے ہیں اسی طرح ان کے دشمن ملحد لوگ اُن کی ضد پر جہاں تک ہو سکتا ہے ادراکات بشری کے علاقے کو حضرت موصوف سے منقطع کرتے ہیں اور مادیات میں پھنساتے ہیں۔ اور اکثر پادری لوگ بعداوت حضرت خاتم النبیین ملحدوں کی سی بھی باتیں کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو اعتراض مبنی بر اصول الحادیہ ہے وہ بعینہٖ حضرت موسٰے اور حضرت عیسٰی پر بھی عائد ہوتا ہے ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

سو اس کا جواب تحقیقی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو گرہن لگنے کی ترکیب رکھی ہے اس میں ایک بڑا مطلب یہ ہے کہ بندگانِ خدا عبرت پذیر ہوں کہ وہ ایسا صانع بالادست ہے کہ ایسے جسم الور کو ایک اپنی صنعت سے ایسا منظلم کر دیتا ہے کہ اس کی ضروری تاثیر یعنی روشنی بھی زمین تک نہیں پہنچنے پاتی۔ ہرگاہ اس کی ضروری تاثیر اس صانع بالادست کے اختیار میں ہے تو طنی تاثیروں کا نہ پہنچنے دینا بطریق اولیٰ اس کے اختیار میں ہو گا۔ اور جب سب تاثیریں اس کی صانع بالادست کے اختیار میں ہوئیں۔ سو وہ یعنی آفتاب ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو معبود قرار دیجئے۔

اور اگر پادری لوگ ایسے واقعوں سے عبرت پذیر نہ ہوں تو اس میں ان کی کچھ بزرگی نہیں نکلتی۔ مصر کے لوگ فرعون والے ان بلاؤں اور آفتوں سے جو بطریق غیر معہود صرف بدعائے موسوی

بطور خرق عادت کے پڑی تھیں ہرگز عبرت پذیر نہیں ہوئے۔ تو کیا اس میں کچھ ان کی بزرگی ثابت ہوئی۔ حاشا و کلا علاوہ بریں کسوف آفتاب منحصر صرف بسبیل معہود پر وجوباً نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی اور وقائع ہائلہ سے بھی ہو جایا کرتا ہے۔ چنانکہ انجیل میں لکھا ہے کہ بروقت شہادت عیسوی آفتاب تاریک ہو گیا تھا اور سارے جہان میں اندھیرا چھا گیا۔ چنانکہ شق القمر کی بحث میں گزرا۔ سو ظاہر ہے کہ بلاد دور دست والے تشخیص اس واقعہ کی نہ کر سکے ہوں گے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ظلمت آفتاب کی نہیں ہوئی۔ مگر تخویف اور تہویل کے لیے اسی طرح جائز ہے کہ جو کسوف بطریقہ معہودہ ہوتا ہے۔ وہ بھی صرف تخویف اور تہویل کے لیے ہوتا ہو۔ چنانکہ دُنیا کی بہت سی مصیبتیں باسباب معہودہ ہوتی ہیں اور معہذا انبیاء لوگ ان مصیبتوں کو بیان کر کے تخویف اور تہویل کیا کرتے ہیں۔

جواب الزامی

کتاب استثناء کے اٹھائیسویں باب کا خلاصہ یہ ہے کہ توریت کے موافق عمل کرنے والوں پر مصیبتیں قحط و وبا اور جلا وطن اور تسلط ظلمہ وغیرہ کی نہ پڑیں گی اور جو لوگ توریت کے خلاف پر چلیں گے ان پر وہ مصیبتیں پڑیں گی۔ سو جو کوئی تجربہ کار اور مصائب دنیویہ کے اسباب کو جانتا ہے سو کاہے کو ایسے دھڑکوں سے ڈرے گا اور ایسی باتوں سے نہ ڈرے گا مگر وہ کہ احمق اور مغلوب الوہم اور بودا نامرد ہو گا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سے زیادہ کسی پر منجملہ بنی اسرائیل کے کوئی مصیبت نہیں پڑی اور جو مصیبتیں حواریانِ عیسوی پر پڑیں اس کا عُشر عشیر بھی اب کسی یہودی پر ہم نہیں دیکھتے بلکہ ہزاروں مخالفین عیسوی ایسے ناز و نعمت میں ہیں کہ حواریوں نے کبھی خواب میں بھی وے نعمتیں دنیویہ نہ دیکھی ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس باب کا مطلب سب غلط ہے اور ویسی باتوں سے وہ کاہے کو ڈرے گا جو زمانے کے عادات سے مطلع ہے۔

اور درضمن احکام عشرہ کہ ابدی النفاذ ہیں لکھا ہے کہ والدین کی تکریم سے اولاد کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور اولاد سعادت مند کی عمر دراز ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہتیرے پدر آزاد مادر بیزار بوڑھے ہو کر مرتے ہیں اور ماں باپ اُن کے پہلے مر جاتے ہیں اور بہتیرے فرزندان سعادتمند جوان مرگ مرتے ہیں اور اپنے جوان مرنے کا داغ والدین کو دے جاتے ہیں۔ پس بقول پادری صاحب

کے بانی توریت کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور جتنا ہم لوگ جانتے ہیں اتنا بھی وہ نہیں جانتا تھا اور جو انجیل والے نے اسے مسلم جانا سو اس پر بھی وہی شناعت لاعلمی کی عائد ہوئی۔

اعتراض

صفحہ ۴۰۔ قولہ۔ جسے ستارے کا گرنا کہتے ہیں وہ ایک آگ ہے جو بجلی کی طرح پیدا ہوتی ہے اس کو کہا ہے کہ یہ پتھر ہیں جو شیطان کے سر پر پھینکے جاتے ہیں۔

جواب: یہ بھی ملحدانہ اعتراض ہے اور یہ جملہ کہ یہ پتھر ہیں محض جھوٹ ہے کیونکہ یہ نہیں کہا کہ یہ پتھر ہیں۔ ہاں اس کے شیاطین کی طرف چلنے اور ان کے اس سے بھاگنے کی تشبیہ سنگساری سے دی ہے نہ یہ کہ حقیقت میں وہ پتھر ہیں۔ اور یہ جو پادری صاحب نے کہا کہ وہ بجلی کی طرح پیدا ہوتی ہے سو غیر ثابت ہے اس پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں۔ ہاں اٹکل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح پیدا ہوتی ہے۔ سو وہ اٹکل اگرچہ صحیح بھی ہو تب بھی اسی طرح کے پیدا ہونے پر اس کا حصر عقلاً کسی طرح نہیں بن سکتا۔ اور اگر اس کے پیدا کرنے میں یہ بھی فائدہ ہو کہ شیطان اس سے متاذی ہو کر بھاگتے ہوں سو ہو سکتا ہے۔ کوئی برہان طبیعی یا ریاضی کی اس کے امتناع پر نہیں قائم ہے جیسی کہ برہان الٰہی تثلیث کے امتناع پر قائم ہے۔ اور جب کہ برہان اس کے امتناع پر نہ قائم ہوئی اور صاحب معجزات نے خبر دی تو اس کی تصدیق عقلاً واجب ولازم ہو گئی۔

اسی طرح جملہ کائنات الجو کا تکوّن اور اس کے تکوّن کے منافع منحصر نہیں اسباب اور باتوں میں نہیں ہیں جو عقلی اٹکل میں آتی ہیں جائز ہے کہ ان کا تکوّن اس طرح بھی ہو جو عقلی اٹکل میں آتا ہے اور اور طرح پر بھی ہو پس عقلاً جائز ہے کہ شہاب ثاقب کا تکوّن حرارت کوکبیہ سے بھی ہوتا ہو اور نجوم سماوی سے اُن کا مادہ حاصل ہوتا ہو اور ایسے تاروں کی حرکتیں جو اکثر خطِ مستقیم پر نہیں ہوتی ہیں بلکہ ہواؤں کے خلاف اُن کی روش ہوتی ہے اس طرح پر کہ داہنی طرف سے نکلتے ہیں اور بائیں طرف جا کر بجھ جاتے ہیں عقلاً بھی دلیل ہے اس بات کی کہ ان کی حرکتیں طبیعی نہیں ہیں بلکہ قسری ہیں اور یہ بھی عقلاً جائز ہے کہ قبل ظہور حضرت سرور کائنات کے اُن تاروں سے یہ کام نہ لیا جاتا ہو اور آنحضرت کے ظہور کے زمانے سے یہ کام یعنی رجم شیاطین کا بھی ان سے لیا جاتا ہو۔ عیسائیوں کو تو ممتنعات عقلیہ کے وقوع

میں بھی گنجائش اعتراض کی نہیں ہے۔ اگر صاحب معجزات اس کی خبر دے کیونکہ آدمی کا خدا ہونا باطل ترین امُور باطلہ ممتنعات عقلیہ قطعیہ سے ہے۔ سو اس گمان سے کہ انجیل سے ایسا بُوجھا جاتا ہے نہ یہ کہ قطعاً اس سے ثابت ہے۔ اس کو قطعاً ثابت جانتے ہیں اور صرف بعض ظنیات حکماء کے خلاف ہونے سے قرآن وحدیث پر اعتراض کرتے ہیں کیا ناانصافی ہے۔

اعتراض

قولہ۔ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو سردی کے سبب سے کہ یکایک اس پہ باہر کی سردی غالب ہوتی ہے چلا اُٹھتا ہے۔ اسے کہاکہ یہ چلاّنا شیطان کی چھیڑ کے سبب سے ہے۔ ہر چند یہ بات منجملہ ہمارے اُصول کے نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ بھی ملحدانہ اعتراض ہے۔ اس لیے کہاجاتا ہے کہ اگر تحقق ہر امر کا منحصر ہوا نہیں باتوں پر جو عقل کی اٹکل میں آتی ہیں تو حضرت عیسیٰ کا بن باپ پیدا ہونا محض جھوٹ ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی عورت بن صحبتِ مرد کے حاملہ نہیں ہوتی ہے۔

اور اس روایت کا امتحان یوں بھی ہوسکتا ہے کہ حاملہ کو حمام میں جب خوب گرم ہو کہ اُس میں دم خفہ ہوتا ہو جنوائیے۔ اگر پیغمبر خُدا نے مطلقاً وہ فرمایا ہے جو پادری صاحب نے لکھا تو بے شک لڑکا وہاں بھی رو دے گا۔ حالانکہ وہاں سرد ہوا نہیں ہے اور بن باپ پیدا ہوتا آدمی کا کسی طرح امتحان میں نہیں آسکتا۔

اور زبور یک صدو چہل چہارم میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۵۔ جبال را اس کن تا دود برآید۔ زبور یک صدو چہارم ورس ۲۲۔ چوں نظر بر زمین مے اندازد آں می لرزد ودست بکوہ ہا میزند۔ آں دود برمے آید۔ پہاڑوں سے دھواں اور زمین میں زلزلہ احتباس بخارات سے ہوتا ہے۔ خدا کے چھونے اور دیکھنے کی کیا حاجت ہے۔

اور زبور یک صدو چہل و پنجم میں ہے ورس ۱۶۔ دست خود را میکشائی و ہر جاندار امیخورانی۔ ہم تو اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں اور کوئی ہاتھ ہمیں نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر القول پادری صاحب کے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ زبور والے کو مالیخولیا تھا کہ زمین کے زلزلے کو جانتا تھا کہ کوئی اور اُسے ہلاتا ہے اور ہر ایک کے کھانے کو جانتا تھا کہ کوئی اور اسے کھلاتا ہے۔

اعتراض

صفحہ ۴۰. قولہ. تواریخ میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر کے ملک سے نکلے تو وہاں پھر نہیں گئے بلکہ کنعان میں داخل ہوئے اور قرآن میں لکھا ہے کہ پھرے. اس جگہ پادری صاحب نے قرآن کی آیتیں متضمن برآمد ہونے بنی اسرائیل اور پیچھا کرنے فرعونیوں کے لکھ کر یہ آیت لائے.

فاخرجناهم من جنات و عيون و كنوز و مقام كريم كذلك واورثناها بنی اسرائیل.

اور بعد اس کے کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے. چنانکہ قطع نظر بیان تاریخ سے خود قرآن کے دوسرے مقام کی رُو سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وے پھر مصر کے ملک میں نہیں گئے.

جواب: یہ جو پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن کے دوسرے مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ وے پھر مصر کے ملک میں نہیں گئے محض غلط لکھتے ہیں قرآن میں اسکی تصریح نہیں. باقی رہیں تاریخیں سو ہرگاہ توریت و انجیل کا بسبب فقدان اسناد اور تخلیط کلام صاحب کتاب و غیر صاحب کتاب وغیرہ مراتب ثبوت تحریف کے بمقابلہ قرآن بلکہ بخاری و مسلم وغیرہ کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہیں تو اور تاریخوں کی ہر بات ثابت و صحیح ہونا ضروری نہیں.

علاوہ بریں آیہ کریمہ موصوفہ میں جو بنی اسرائیل کا لفظ واقع ہے کچھ ضروری نہیں کہ اس سے وہی طبقہ بنی اسرائیل کا مراد ہو جو حضرت موسے کے ساتھ قلزم سے پار ہوا تھا. بلکہ جائز ہے کہ اور طبقے والے کہ مطلق بنی اسرائیل میں وہ داخل ہیں مراد ہوں. سو اس صورت میں تواریخ اسرائیلیہ کے بھی خلاف نہیں رہا. کیونکہ تمام تواریخ ملک شام اور بلادِ اسرائیلیہ سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی سلطنت ملک مصر تک بڑھائی تھی.

علاوہ بریں یہ محاورہ بھی صحیح ہے مثلاً جو کہیں کہ شہنشاہی اور سلطنت عظمیٰ کیانیوں بلکہ مطلق پارسیوں سے نکل گئی اور اب فرنگیوں کو ملی ہے. حالانکہ ہنوز ایران و توران وغیرہ ممالک کثیرہ میں فرنگیوں کی حکومت نہیں ہے. اسی طرح اس آیت کا بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی نعمتیں فرعونیوں سے چھین لی گئیں اور بنی اسرائیل کو ملیں یعنی کچھ یہ ضروری نہیں ہے کہ خاص خاص وہی چیزیں دنیا کی جو فرعونیوں کے پاس تھیں بنی اسرائیل کو ملیں اور مطلق نعمائے دنیویہ کا ملنا بنی اسرائیل

کو بعد غرق فرعونیوں کے بالاتفاق مسلم الثبوت ہے۔

علاوہ بریں آیہ مصدرۃ الذکر میں اور ثنا ھا کے جملے میں جو ضمیر بارز منصوب متصل لگی ہے۔ سو مؤنث کی ہے اور وہ راجع نہیں ہے مگر مجموع اشیائے مذکورہ کی طرف یا ان میں سے قریب کی طرف جو اس ضمیر کے لائق ہو۔ پس جائز ہے کہ قائل کے نزدیک وہ ضمیر مجموع کی طرف نہ پھیرے بلکہ صرف قریب تر کی طرف پھیرے مگر وہ قریب تر جو اس ضمیر کے لائق ہو۔ سو مقام کریم کا لفظ ایسا نہیں ہے جس کے لیے ضمیر مفرد مؤنث کی ہو۔ اس صورت میں قریب تر اس کے پھرنے کے نہیں ہے مگر کنوز کا لفظ کہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ ہم نے فرعونیوں کو باغوں اور نہروں اور نقود و اموال منتقلہ اور اچھی جگہ سے نکال کر باہر کیا اور نقود و اموال منتقلہ کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا۔ پس اگر یہ آیت موصوفہ میں بنی اسرائیل کے لفظ سے وہی طبقہ مراد ہو جو حضرت موسےٰ کے ساتھ اُترا تھا۔

اور از روئے تاریخ اور بقول پادری صاحب کے قرآن کے بھی دوسرے مقام سے ثابت ہو کہ اس طبقے والے پھر مصر میں نہیں گئے تو بھی اس آیت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کتاب خروج کے باب سیوم میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے حالات کے بیان میں یوں لکھا ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء ورس ۲۲۔ ہر ایک عورت اپنے پڑوس سے اور اس سے جو اس کے گھر میں رہتی ہے روپے اور سونے کے برتن اور لباس عاریت لے گی اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو غارت کرو گے۔ دیکھئے غارت کرنا نہیں بولتے۔ مگر جب کہ کوئی بالکل کسی کا مال منقولہ لے لیوے۔

اور باب یازدہم میں ہے ورس ۲۔ ہر ایک مرد اپنے پڑوسی اور ہر ایک عورت اپنی پڑوسن سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن عاریت لیوے۔

اور باب دوازدہم ورس سی و ششم میں یوں ہے "انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔

اور توریت کے اور مقاموں سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں جب قلزم سے اُترے ہیں چھ لاکھ صرف جنگی جوانمرد تھے اور اتنی ہی اُن کی بیبیاں اور بوڑھے اور لڑکے اور عورتیں ان سے علاوہ اور ہر ایک مرد و عورت نے سونے چاندی کا اسباب ہر ایک مرد و عورت مصری سے لیا تو لحاظ کیجئے کہ کروڑوں روپے کی دولت ہوئی۔ چنانچہ زبور یک صد و پنجم میں ہے۔ ورس ۳۷۔ ایشاں را باسیم و زر بیرون آورد۔ یعنی خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کو چاندی سونے کے ساتھ مصر سے نکال لایا۔ اور

پر ظاہر ہے کہ وہ ایک روپیہ فی کس کے لے کے چلنے کو نہیں بولتے کہ چاندی سونے کے ساتھ نکلے۔ بالجملہ ثابت ہوا کہ بہت بہت سا سونا چاندی لے کے نکلے تھے۔ بلکہ جتنا مصریوں کے پاس تھا سب لے کے آئے تھے اور اسی کو کنز اور کنوز کہتے ہیں کہ بعد غرق ہونے مصریوں کے وہ کروڑوں روپے کے گنج بنی اسرائیل کے قبضے میں ہو گئے۔

اعتراض

قولہ سب جانتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل مصر کے ملک میں تھے تو اُن کا بادشاہ نہ تھا کیونکہ وے خود غلام تھے اور قرآن میں لکھا ہے۔ واذ قال موسٰے لقومہ یاقوم اذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکاً۔ بعد اس کے کہتے ہیں کہ تواریخ اور قرآن کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ الیٰ قولہ موسٰے اور ہارون اور اُن کے ستر مدد گار کے سوا اُن کے درمیان کوئی نبی بھی نہ تھا تو یہی لکھا ہے۔ وضربت علیھم الذّلۃ والمسکنۃ وباءوا بغضبٍ من اللّٰہ ذٰلک بانھم کانوا یکفرون باٰیات اللّٰہ و یقتلون النّبیّین بغیر الحق۔ بعد اس کے کہتے ہیں کہ موسٰے کے وقت کئی نبیوں کو انہوں نے مار ڈالا۔

جواب۔ دوسری آیت سے جو پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موسٰے کے عہد کا ذکر ہے سو یہ ان کی غلط فہمی ہے یا مغالطہ دہی۔ یہ تو اس مذلّت کا ذکر ہے جو بعد حضرت عیسیٰ کے اُن کے نصیب ہوئی اور قتل انبیاء کو جو اُن کے ہاتھوں نے کیا۔ سو وہ ہے جو بعد حضرت موسیٰ کے اُن کے ہاتھوں سے ہوا کہ ان دونوں کی تصدیق بائبل سے ظاہر ہے۔

اور جعل فیکم انبیاء کی تصدیق تو خود پادری صاحب کرتے ہیں کہ موسٰے اور ہارون اور ان کے ستر مدد گار نبی تھے اور حضرت یوسف آگے نبی ہو چکے تھے اور باوجود اس لکھنے کے پھر جو پادری صاحب اس جملے کی صداقت میں شبہ کرتے ہیں اس کو ہمارے یہاں مالیخولیا کہتے ہیں رہی یہ بات کہ جعلکم ملوکاً۔ یہ البتہ قابل استفسار کے ہے۔ پہلے یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ بادشاہ کسے کہتے ہیں۔ آیا صرف اسے کہتے ہیں جو سارے کرہ کا حاکم ہو یا اس سے کم مرتبے والا بھی بادشاہ کہلا

سکتا ہے۔ اگر بادشاہ صرف پہلے رُتبے والے کا نام ہے تو چاہیئے کہ آج تک کسی پر یہ اطلاق صحیح نہ ہو کیونکہ کوئی ایسا نہیں ہوا۔ حالانکہ بادشاہ کا اطلاق بہت لوگوں پر ہوتا رہا ہے اور اگر اُس سے کم رُتبے والا بھی بادشاہ کہا جا سکتا ہے تو چاہیئے کہ ادنیٰ مرتبے کی جو بادشاہت رکھتا ہو وہ بھی بادشاہ کہا جائے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ جو کسی کا باج گذار اور نوکر اور رعیت نہ ہو اس پر کوئی دُنیا کا حاکم نہ ہو اور کچھ زمین خراجی اور رعیت رکھتا ہو وہ بھی بادشاہ کہلایا جا سکتا ہے۔ سو بنی اسرائیل کا حضرت موسےٰ کے آخر زمانے میں ایسا ہو جانا توریت سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء کے باب اوّل میں لکھا ہے کہ موسےٰ نے کئی بادشاہوں کو قتل کیا اور اسی کتاب کے تیسرے باب میں لکھا ہے کہ ان علاقہ جات مفتوحہ کو حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل کی ٹولیاں باندھ کر ان پر تقسیم کر دیا۔

اور بجز توریت کے کوئی حاکم ان پر نہ تھا بس جس طرح ان علاقوں کے اگلے مالکوں کو توریت میں بادشاہ کہا۔ اسی طرح ان کے پچھلے قابضوں کو قرآن میں بنقل قول موسوی بادشاہ کہا۔ چنانچہ اسی جہت سے ڈاکٹر ٹیلیڈ صاحب نے اپنی کتاب لب التواریخ کے اوائل میں لکھا ہے کہ کتاب مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے میں تھوڑے تھوڑے علاقے کے مالکوں کو بھی بادشاہ کہتے تھے۔ اور اگر بادشاہ کے کچھ اور معنی ہیں تو ان معنوں کے قطعاً صحیح اور اس کے سوا اور معنوں کے قطعاً غلط ہونے کی دلیل چاہیئے از روئے عرف و محاورے کے۔

مگر یہ بتایئے کہ جو زبور یکصد و پنجم میں بنی اسرائیل کا فرعون کے ہاتھوں سے رہائی پانے کا ذکر کر کے ان کے اسی زمانے کے حال کی نسبت ورس بست و چہارم میں لکھا ہے کہ خدا نے اُن کو ان کے دشمنوں سے زیادہ بڑا آدمی کر دیا۔ سو دیکھئے سارے تاریخ دان جانتے ہیں کہ فرعون سے زیادہ کوئی اسرائیلی اس زمانے میں بڑا آدمی نہیں ہو گیا تھا۔ اس کا جواب کیا ہے؟

اعتراض

قولہ۔ صفحہ ۲۴۹۔ سورۃ توبہ کی تیسویں آیت میں لکھا ہے۔ وقالت الیھود عزیز ابن اللّٰہ و قالت النصاریٰ المسیح ابن اللّٰہ۔ عیسائی البتہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے لیکن یہودیوں نے کبھی نہیں کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

جواب: پادری صاحب کی کچھ عقل ماری گئی ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ صاحبِ قرآن کی ہجرت گاہ میں سینکڑوں یہود و نصاریٰ رہتے تھے۔ کیا ان کے اصول صاحبِ قرآن کو نہیں معلوم تھے جو علانیہ اپنے تئیں ان کی نظروں میں بے فائدہ محض غلط گو ٹھہراتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب بہتیرے نبیوں کو ابناء اللہ کہتے تھے۔ چنانچہ جابجا اس کا ذکر ہو چکا ہے پس ضروری نہیں ہے کہ جس طرح عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں اسی طرح یہود حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ یہاں کے یہود سے تمام یہود مراد ہوں۔ جائز ہے کہ الف لام عہد ذہنی یا عہد خارجی کا ہو مگر اس طرح کا جو اعتراض انجیل وغیرہ پر ہوتا ہے اس کا جواب میں نہیں جانتا کہ عیسائیوں نے سرانجام دیا ہو۔

از آں جملہ پہلی انجیل کے اکیسویں باب کے ستائیسویں ورس میں ہے۔ نسخہ ۱۸۱۶ء۔ تمام خلق یحیی را بہ پیغمبری دانستند۔ دیکھو صریح جھوٹ ہے کیونکہ اسی انجیل کے گیارہویں باب کے ورس ہیجدہم سے ظاہر ہے کہ صرف بنی اسرائیل بھی سب ان کو پیغمبر نہیں جانتے تھے چہ جائیکہ سارا جہان۔ اور اور ملکوں والے تو ان کا نام تک بھی نہیں جانتے تھے۔

از آں جملہ چوتھی انجیل کے پانچویں باب کے آخر میں حضرت عیسیٰ کا خطاب یہودیوں کی نسبت نقل کیا۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۴۶۔ اگر تم موسیٰ پر ایمان لاتے تو مجھ پر بھی ایمان لاتے۔ دیکھو یہ کیسی جھوٹ بات ہے سارا جہان جانتا ہے کہ یہودی انہیں کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے اور سارے بنی اسرائیل اس زمانے سے اب تک حضرت موسیٰ کی پیغمبری پر ایمان رکھتے ہیں۔

از آں جملہ زبور یک صد و سی ہشتم میں ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۴۔ اے خداوند تمامی بادشاہان روئے زمین ہر گاہ سخنان تُرا بشنوند شکر گزاری خواہند کرد۔ دیکھو بقول پادری صاحب کے معاذ اللہ یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ صرف اشیائے روم کے بادشاہ بھی خدا کی باتیں حضرت عیسیٰ سے سُن کر ایمان نہیں لائے تھے چہ جائیکہ سارے جہان کے بادشاہ۔

از آں جملہ اشعیا کی کتاب کے تئیسویں ۲۳ باب کا سترہواں ورس یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۲۵ء۔ ستر برس کے بعد ایسا ہوگا کہ یہواہ صور پر نگاہ کرے گا اور وہ پھر خرچی کے لیے جائے گی اور زمین کے اوپر ساری مملکتوں سے زنا کاری کروائے گی۔ صور نام ہے ایک شہر کا۔ اس کے رہنے والوں کی نسبت

حضرت اشعیا وہ کلام فرماتے ہیں۔ سو دیکھیئے کہ صور والوں نے اب تک ہندوستان میں آ کر چھنالا نہیں کروایا اور کوئی عورت ان میں سے یہاں خرچی پہ نہیں آئی۔ چہ جائیکہ عہد اشعیا نبی سے ستر برس گزرنے پر اور اب تو وہ لوگ مر مٹ گئے اور دیکھیئے کی یہواہ کی نگاہ میں کیا یہی تاثیر ہے کہ جس پہ پڑے وہ چھنال ہو جائے۔ یہواہ کی قدوسیت اس میں شاید خوب ثابت ہوتی ہے اور تقاضائے روح کو یہی باتیں رفع کرتی ہیں۔ شاید ایسی باتوں سے بائبل کو قرآن پر ترجیح حاصل ہے۔ العیاذ باللہ من ذٰلک۔

اعتراض

صفحہ ۴۴ : انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم۔ اس آیت کے لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ قولہ۔ تمام عیسائی عیسٰی کی عبادت کرتے ہیں اور قرآن میں لکھا ہے کہ مسیح کو خدا آسمان پہ لے گیا۔ یہاں پادری صاحب نے بمثل مشہور کہ حق بر زبان جاری است۔ قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے صاف اقرار کیا کہ حضرت عیسٰی کی جو دون اللہ ہے عیسائی لوگ عبادت کرتے ہیں۔

اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ خطاب مشرکین عرب کی نسبت ہے نہ کہ تمام منکرین اور مشرکین کی نسبت۔ مگر جو اس زمانے میں بھی بعضے حمقا کے گمان میں ایسا ہی اعتراض گزرنے والا تھا اس لیے بعد اس کے دوسری آیت میں جس کو پادری صاحب نے چھوڑ دیا کہہ دیا گیا تھا کہ حضرت عیسٰی ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ایسی اعتراضیں کہ اگلی پچھلی بات کا دھیان نہ کر کے اعتراض کرنا۔ اگر ہم انجیلوں کی نسبت کرنے پر آویں تو شاید کمتر کوئی ورس باقی رہے گا جس پر اعتراض وارد ہو۔ بلکہ دنیا میں کسی کا کوئی کلام نہ ہو گا جس پر اس طرح کے سینکڑوں اعتراض نہ وارد ہوں۔

اعتراض

والذین آتیناھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین اور فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک۔ یہاں پادری صاحب دو اعتراضیں کرتے ہیں۔ ایک بہ نسبت پہلی آیت کے بدین تقریر

قولہ یہودی اور عیسائیوں نے قرآن کی صداقت کا شروع سے انکار کیا اور آج تک تمام دنیا میں کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے تمام اہلِ کتاب مراد نہیں ہیں اور بعضوں کا ایمان لانا قرآن کے دوسرے مقاموں اور روایات متواترہ المعنی سے ایسا ثابت ہے کہ انجیل کا کوئی واقعہ اس طرح نہیں ثابت ہے۔

اور دوسری آیت پر جو اعتراض ہے اس کا جواب پہلے رسالے کی بحث میں ہو چکا ہے۔ اور یہ حال اہلِ کتاب کا کہ واقع میں پیغمبر خدا کی صداقت انہیں معلوم ہو۔ مگر حسد کی راہ سے عناداً انکار رکھتے ہوں حضرت عیسیٰ کے وقت میں بھی تھا۔ چنانچہ انجیل سیوم کے گیارہویں باب میں خطاب عیسوی بنسبت علمائے یہود کے یوں منقول ہے نسخہ ۱۸۴۶ء درس ۵۲۔ اے فقیہو! تم پر افسوس ہے کہ تم نے علم کی کنجی لے لی ہے تم آپ داخل نہیں ہوتے اور انہیں جو داخل ہوا چاہتے ہیں باز رکھتے ہو۔

اعتراض

صفحہ ۴۴۔ قولہ۔ بعضے وقت جھوٹ بولنا بھی قرآن اور حدیث کے موافق روا ہے۔ الیٰ قولہ۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب تم بیماروں کی ملاقات کو جاتے ہو تو اُن کو تسلی دو اور کہو تم اچھے ہو جاؤ گے۔ قرآن کی طرف منسوب کرنا ایسی بات کا محض افترا۔ اور بہتان ہے اور حدیث کی طرف منسوب کرنا محض تلبیس اور مغالطہ دہی ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ بعضی روایتوں میں جو قطعی الثبوت ہیں وارد ہے۔ سو اس طرح پر ہے جس طرح حضرت عیسیٰ نے مَری لڑکی کو واسطے تسلی اس کے اولیاء کے کہا کہ مری نہیں سوتی ہے۔ چنانچہ اوپر کئی جگہ گزرا۔ اور اور کہیں جو ایسا کچھ ہے جس سے پادری صاحب سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔ سو بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسا پہلی انجیل کے سولہویں باب میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ قیصریہ فلپی کی سرحد میں گئے اپنے شاگردوں سے یوں فرمایا۔ نسخہ ۱۸۳۹ء درس ۲۰۔ پھر اس نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ کسی سے نہ کہو کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسی یہ بات ہے ویسی ہی ہمارے یہاں بھی ہے۔ اور بعضے اہل بدعت جو اُن لوگوں کے لیے جو بالفرض من جانب اللہ مامور واسطے تمیز بین الحق والباطل ہیں تلبیس بین الحق والباطل تجویز کرتے ہیں سو ان کے تجویز کرنے سے قرآن یا اسلام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ورنہ پوپوں کی سب برائیاں

حضرت عیسیٰ کی طرف عائد ہوں گی۔

اور بیمار کی عیادت کا مسئلہ جو پادری صاحب نے نقل کیا اس میں سے انشاء اللہ تعالیٰ کا لفظ انہوں نے ساقط کر دیا۔ اسی کا نام تحریف ہے اور جب کہ انشاء اللہ کا لفظ بھی کہا تو جھوٹ کاہے کو ہوا۔

اعتراض

صفحہ ۵۔ قولہ۔ جو آپ کو صادق کہتا ہے اور پھر اپنے کلام کو رد و منسوخ کرتا ہے ایسے کو غیر متغیر کون کہے۔ مسئلہ نسخ کی گفتگو پہلے رسالے کی بحث میں ہو چکی ہے۔ لوگو! خدا کے لیے انصاف کرو اور پادریوں کے ہاتھوں سے ہماری فریاد کو پہنچو۔ اگر خدا ایک وقت کہے کہ میرا فلانا کام کرو اور دوسرے وقت اپنے دوسرے کام کو کہے اس میں بڑا تغیر اس کا لازم آوے۔ اور بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار اور غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی اور موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کرے۔ اس میں کچھ تغیر اس کا نہ سمجھا جائے۔ اور معاذ اللہ اس بات میں بڑی ہی اس کی بزرگی نکلے کہ آدمی کو بنا کر پچھتاوے۔ اور آدمی بن کر یعقوب سے رات بھر کشتی لڑتا رہے بے داؤں کے اُسے مغلوب نہ کر سکے اور اسحاق کی دُعا کو جو عیص کے حق میں تھی یعقوب کے حق میں سمجھے اور گوسالہ پرست کو اپنا نبی اور بُت پرست کو جو زنا سے ہوا ہو اس کو اپنا بیٹا اور رئیس ابدی قوم اسرائیل کا بنا دے اور اس پر اپنا کلام اُتارے۔ اور جس کی نسبت نامہ مادری میں دو جگہ نطفہ زنا ہو اس کو شفیع مطلق قرار دے بلکہ وہ خود ہی ہو کہ ایک عورت کے رحم میں جنین بن کر رہا ہو اور بعد اس کے بعادت معہودہ پیدا ہو کر آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہے اور کبھی کہے کہ میں ایک بھی ہوں اور تین بھی۔ اور کبھی کہے کہ آسمان والے خدا نے سب اختیارات مجھ دوسرے خدا کو دیئے ہیں اور وہ آپ کچھ نہیں کرتا۔ اور پہلے کہہ کیا ہو کہ میں صرف بنی اسرائیل کے لیے آدمی کے لباس میں ظاہر ہوا ہوں اور پھر بقول پادریوں کے کہے کہ میں سارے جہان کے لیے آیا ہوں اور پہلے غیر بنی اسرائیل کی طرف متوجہ نہ ہو اور کہے بیٹوں کی روٹی کتوں کو نہ دینا چاہیئے اور بعد اس کے پھر اسی وقت متوجہ بھی ہو۔ یہ سب کچھ واہیات اور خرافات خدا کی ذات میں ہو اور کسی طرح یہ ذرا سا بھی

تغیر کا شبہ چھو نہ جائے۔ سبحانک ھذا بہتانٌ عظیم۔

چوتھا باب۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف معجزہ نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی معجزے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ سو پہلی اور دوسری بات کا جواب پہلے رسالے کے جواب اور استفسار یانزدہم میں گذرا۔

رہی تیسری بات اس کا میں نے وعدہ یہاں پہ لکھنے کا آگے کیا تھا۔ سو لکھتا ہوں مگر تھوڑی سی بات ان پادری صاحب کے مقابلے میں بھی بہ نسبت پہلی بات کے میرا لکھنے کو جی چاہتا ہے سو وہ یہ ہے کہ پادریوں کو معجزے کی حقیقت ہی نہیں معلوم ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اہتمام الزام اپنی رسالت کا مکلفین پر کس جہت سے ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ قرآن کے اعجاز کو کیا سمجھیں گے۔ آن کا اعتراض اس کے اعجاز پر ویسا ہی ہے جیسا ناواقف ہندنژاد منشیوں سے سنا ہے کہ ابواب الجنان ملا رفیع واعظ کی شیخ عنایت اللہ کی بہار دانش سے عبارت میں اچھی نہیں ہے بلکہ بہار دانش کی عبارت زیادہ تر رنگین ہے یا بعضوں سے سنا گیا ہے کہ سہ نثر ظہوری مینا بازار پہ عبارۃً کچھ ذرا بھی فوقیت نہیں رکھتی۔ پہلے پادری صاحب یہ بتلاویں کہ ملا رفیع کی کتاب اور شیخ عنایت اللہ کی کتاب میں باعتبار بلاغت کے کچھ فرق ہے یا نہیں اور اگر فرق ہے تو وجوہ اس فرق کی بتاویں نہ یہ کہ عنایت اللہ ہندنژاد تھا اور ملا رفیع ایران نژاد تھا۔ اس جہت سے ان کی کتابوں کی بلاغت میں فرق ہے۔ بلکہ تفصیل وجوہ ممیزہ کی بیان کریں تب ہم جانیں کہ پادری صاحب اس قابل ہیں کہ ان سے کلام بلیغ اور ابلغ میں تفرقہ کرنے کی بحث کی جائے اور پادری صاحب کو شاہنامہ کا وہ حال معلوم نہیں ہے جو ٹرنر مکان صاحب نے اس کے نسخہ مطبوعہ پہ جو مقدمہ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے؎ اور التزام اس بات کا کہ سوائے الفاظ کثیرۃ الاستعمال عربیہ کے اور لفظ عربی نہ آنے پاوے اور صنعت ہے اور محض بلیغ اور ابلغ ہونا یہ اور بات ہے۔ کاتبی اور نظامی کی رزمی مثنویاں دیکھئے اور بتائیے کہ کس بات میں از روئے بلاغت کے وہ شاہنامے سے کم ہیں اور اگر کم ہیں تو وجوہ اس کمی کی بتائیے نہ یہ کہ شاہنامے میں عربی الفاظ بہت کم ہیں۔

جس کتاب عربی یا فارسی کو پادری صاحب بہت ہی ابلغ جانتے ہوں۔ اگر کہیں تو مثل

اس کے بقدر معتد بہ یعنی بقدر ایک حکایت یا ایک فصل کے اب بھی بازار انشار کا بالکل سرد ہے لکھ دیا جاسکتا ہے۔ ان کتاب والوں نے بادعائے نبوت ان کی عبارتوں کو پیش کر کے تحدی نہیں کی. یعنی معجزہ قرار دے کر معارضہ اپنے منکروں سے نہیں چاہا۔ ورنہ ان کی دھجیاں لے ڈالی جاتیں میری دیکھی ہوئی یہ بات ہے کہ ایک صاحب علم بلاہت کے سبب سے ایک پادری کی مغالطہ دہی میں اس طرح پر آگئے کہ اس نے فیضی کی بعضی عبارتیں عربی غیر منقوطہ سامنے کر کے کہا بھلا دیکھئے کہ اس کا جواب بھی کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ بھولے صاحب ایسے اکھڑ گئے کہ بیان میں نہیں آتا۔

ایک صاحب نے جو شعر و شاعری کا ملکہ نہیں رکھتے تھے چند ساعت میں بیس پچیس شعر عربی کے اسی صنعت اہمال میں پر مضمون بڑی آب و تاب کے کہہ دیئے۔ تب جا کر ان بھولے صاحب کا جیتا ٹھکانے ہوا اور وہ پادری صاحب بہت شرمندہ ہوئے۔

اسی طرح بعضے نادان امامیہ مذہب کے ایک عبارت عربی جو صاحب دبستان نے بنامزد سورۃ النورین لکھی ہے پیش ہو کر کہنے لگے کہ اس میں اور قرآن کی عبارت میں کیا فرق ہے۔ بندے نے عرض کیا کہ انشار کی بلاغت اور البغیت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کوئی سمجھ لے۔ سوائے اس کے جو صاحب زبان اور اس زبان کا منشی بھی ہووے۔ سب مل کر بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ جواب تو ہر کوئی دے سکتا ہے۔

بندہ خاموش ہو رہا اور علیحدہ ہو کر اس عبارت سے زیادہ تر طویل ایک عبارت میں آپ بنا لایا بنامزد سورۃ النفاق اور میں نے کہا بھلا بتلایئے کہ اس میں اور اس عبارت میں جو صاحب دبستان نے نقل کی کیا فرق ہے سب دنگ ہو کر رہ گئے۔ حالانکہ مجھے احمد عرب شروانی کے ادنے شاگردوں کے برابر بھی سلیقہ عربی انشار لکھنے کا نہیں ہے۔ مگر ویسی عبارت میں نے ایک گھنٹے یا چار گھڑی میں لکھی تھی۔

بالجملہ پادریوں کو اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح اور معجزات فعلیہ اور قولیہ بظاہر ملتبس بہ سحر و تنجیم و رمل ہوتے ہیں ویسے ہی بلاغت قرآن کی بھی غیر عرب العرباء مہرہ انشار عربی کی نظر میں ملتبس بکلام بشر ہے۔ لیکن جس طرح معجزات موسویہ اور عیسویہ کا معارضہ نہ کر سکنا اہل سحر وغیرہ کا ثابت ہے۔ اس سے زیادہ اعجاز قرآنی کا معارضہ نہ کر سکنا پہلے طبقے والوں کا ثابت ہے۔ پس جیسا اعتراض

التباس سحر و رمل کا معجزات موسویہ اور عیسویہ پر ہوتا ہے ویسا ہی اعجاز قرآن پہ التباس کلام بشر بلیغ اللسان کا اعتراض ہوتا ہے اور جو جواب تحقیقی وہاں ہو سکتا ہے وہی یہاں بھی ہے۔ اور ہمیں جواب تحقیقی لکھنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ پادیوں کو اپنی دانائی کا بڑا گھمنڈ ہے۔ دیکھیں ان کے پاس جواب تحقیقی اس التباس کا کیا ہے۔

اگر ملحد یا دہری کا مقابلہ ہوتا تو ہم ضرور جواب تحقیقی لکھتے۔ ایسا کہ جب تک وہ سوفسطائی نہ بنتا۔ تب تک اس کو ہماری بات کے تسلیم کرنے سے عقلاً چارہ نہ ہوتا۔ گو کہ منہ سے چاہتا انکار کئے جاتا۔ اور جو واقع میں سوفسطائی ہو یعنی امتیازات اذعانیہ بالکل اس کے مدرکے سے بالاضطرار ساقط ہو گئے ہوں وہ مکلّف اور مخاطب بہ تکلیفات شرعیہ نہیں۔ گو کہ واسطے فائدے عام کے قانون سیاست کا اس پہ بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مگر الزام تشریعی کا روئے سخن اس کی طرف نہیں ہے۔

اور در باب افادہ حسن عقائد اور عبادات اور وصول اللہ اور نجات اخروی کے اگر قرآن کی نسبت پادری صاحب کو گفتگو ہے تو ان کی تفصیلی اعتراضوں کا وہ جواب تو ہو چکا ہے اور مجملاً اس کی گفتگو یہ ہے کہ در باب افادہ معرفت و نجات قرآن شریف کی مثل بمقابلہ توریت وہ ہے جو مشہور ہے کہ ریت سے بھی چاندی نکلتی ہے مگر روپے کے بارہ آنے ہو جاتے ہیں۔ سو اس توریت و انجیل کا اب یہی حال ہے۔

اور ایک اکسیر ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ پاؤ رتی یا دن تولے یعنی پاؤ رتی سے باون تولے سونا بنتا ہے۔ تو یہ حضرت قرآن شریف کا حال ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلے بایدت رو ز و متاب

وان لم تومنوا به فتعالوا نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين۔

؎ گر نہ بیند بروز شپر چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کوئی رکوع بلکہ کوئی پنج آیت بلکہ کوئی آیت متوسطہ خالی نہیں ہے جس میں امور مفصلہ ذیل سے کوئی نہ کوئی بات نہ ہو۔ ۱۔ حضرت معبود جل شانہ کی صفات کاملہ کا بیان۔ ۲۔ ترغیب ذکر الٰہی۔ ۳۔ نصیحت بتقوائے الٰہی۔ ۴۔ تاکیدات رجوع الی اللہ در ہر امر۔ ۵۔ نصیحت بتہذیب اخلاق مجملاً۔ ۶۔ ستائش اخلاق حسنہ مثل حلم و تواضع و عفت و کرم و سخاوت و شجاعت و عفو و سماحت۔ ۷۔ نکوہش اخلاق

رذیلہ مثل تہور و جبن و وقاحت و بخل و کبر و ظلم و اتلاف حق۔ ۸۔ ترغیب بتوکل و زہد و قناعت و اخلاص و حرّیت۔ ۹۔ تہدید از ریا و سمعہ و عجب و تملق و چاپلوسی و حرص و حب دُنیا۔ ۱۰۔ ترغیب محبت مع اللہ و اہل اللہ۔ ۱۱۔ تہدید از صحبت بے ادباں و ارباب جہل مرکب۔ ۱۲۔ مسائل تدبیر منزل ۱۳۔ سیاسات مدنیہ۔ ۱۴۔ ذکر خیر حضرات انبیاء علیہم السلام۔ ۱۵۔ نکوہش دشمنان آنہا۔ ۱۶۔ حکم بایمان آوردن بموسےٰ و عیسیٰ وغیرہما بنی اسرائیل و ابراہیم و نوح وغیرہما از انبیائے پیشین خصوصاً و عموماً علی نبیّنا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۷۔ سخنان معرفت و حقیقت کہ موثر قوی برائے وصول الی اللہ باشد۔ ۱۸۔ ذکر معاد انسانی و لذت و الم جاودانی از برزخ تا جنت و نار۔ ۱۹۔ ذکر بے ثباتی ارکان عالم۔ ۲۰۔ دعوت بتوحید الٰہی۔ اور یہ بیسویں بات جو ایسی تھی کہ سب انبیاء اسی کے واسطے مبعوث ہوتے رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں کمتر اس کا اجراء ہوا۔ اور جس قدر ہوا بعد چندروز کے وہ بھی بگڑ گیا اور معاملہ اُلٹ گیا۔ یعنی توحید کی جگہ ثنویت اور تثلیث اور شگن اور پاشا پھیل جایا کیا۔ اس لیے یہی بات گویا موضوع قرآن ٹھہرا۔ سارا دارو مدار شریعت محمدیہ کا اسی پہ ہے اور اور ساری جڑ بنیاد اجرائے اسلام کی اسی پہ قائم کی گئی آور اور باتیں تو ایسی تھیں کہ کمتر ان میں اختلاف ہوتا رہا۔

آور سوائے امور مذکورہ اور باتیں جو عین غذائے روح اور موجب تزکیۂ نفس اور مفید وصول الی اللہ ہیں کہ اس وقت میرے ضبط میں نہیں آسکتیں قرآن میں مذکور ہیں اور توریت کے رسالے ان باتوں سے خالی ہیں اور کتاب موسیٰ کی بابیں کی بابیں ان باتوں سے خالی ہیں اور معاد انسانی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں ہے اور احکام عبادت میں جو ہیں سو اکثر بلدان اور ہوم کے ہیں یا صندوقِ شہادت جسے ہمارے علماء تابوتِ سکینہ کہتے ہیں۔ اس کے بنانے اور اس کی ٹھاٹھ درست کرنے کے ہیں یا حدود و قصاص اور سزائے اعمال کہ جو دُنیا میں تشریعاً یا تکویناً مناسب اور واقع ہونے والی تھی مذکور ہیں اور انجیل میں البتہ چند مسئلے تہذیب اخلاق اور دو ایک باتیں معرفت کی ہیں اور باقی سب ماندہ و بود حضرت عیسیٰ کی مذکور ہے اور اگر معاذ اللہ ایمان بہ تثلیث کا حکم ہونا بائبل میں فرض کیا جائے تو قطعاً اور حتماً باطل اور واجب الترک ہے اور اس باب میں تو ہندوؤں کے یہاں کا اوپنکھد اور جوگ بشست اور پارسیوں کے یہاں کی دساتیر بہ مراتب بہتر ہے۔

اب رہی تیسری بات یعنی کہ پادری صاحب کہتے ہیں صفحہ ۶۷۔ قولہ۔ قرآن میں لکھا ہے کہ محمد صلعم نے کبھی کرامتیں ظاہر نہیں کیں۔ تعداس کے چند آیتیں انہوں نے اپنی دانست میں اپنی اس دعوے دروغ بے فروغ کے اثبات میں لکھی ہیں۔ مگران میں سے صرف پانچ چھ آیتیں میں نقل کرتا ہوں کیونکہ باقی وہ آیتیں ان آیتوں میں سے یا کسی کے ساتھ متحد المضمون ہیں یا پادری صاحب کے طور پر اُن کے مطلب کے افادے میں اور ول سے کمتر ہیں۔

مگر ان کے لکھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بفرض محال ان آیتوں سے اگر یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت سے کوئی معجزہ نہیں ہوا تو بنظر ان آیتوں کے جو مشتمل ہیں بیان معجزات مصطفویہ پر اور ان کو ہم نے استفسار پانزدہم میں لکھا ہے تعارض واقع ہوگا نہ کہ نفی قطعی معجزات کی ثابت ہو۔ بس غایت الامر پادری صاحب کو اگر اعتراض کرنا پہنچتا تھا تو یہ پہنچتا تھا کہ قرآن سے کہیں ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت سے معجزے ہوئے ہیں اور کہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں ہوئے۔ سو ان میں سے کون بات سچ ہے۔

نہ یہ کہ پادری صاحب یہ اعتراض کریں کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت سے قطعاً معجزے نہیں ہوئے۔ یہ طریقہ خلاف قاعدہ مناظرہ عقلیہ کے ہے۔

آمدم برسر مطلب

سورۂ انعام وان کان کبر علیك اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء فتاتیھم بایۃ ولو شآء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ۔ اس آیت کا اتنا ہی مطلب ہے کہ اگر تجھے ان کا انکار ناگوار ہے۔ سو اگر تیرے اختیار میں ہو تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی اور کوئی آیت ان کے پاس لا اور اگر اللہ چاہتا تو مقرر سب کو راہ راست پر کر دیتا۔ غور کرو کہ یہاں کسی لفظ سے یہ مستنبط بھی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ ظاہر ہو کہ پیغمبر خدا سے کبھی کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا۔

پس بنظر آیہ کریمہ ملما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین۔ و آیہ کریمہ شھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات وغیرہما۔ یہ معلوم اور ظاہر ہوتا ہے کہ قبل ظہور کسی معجزے

کے ان لوگوں کے سامنے جن کے اعراض کا ذکر ہے بسبب ان کے نہ ماننے کے اور وں کے دیکھنے، کو حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص واسطے ان کی گرویدگی کے ظہورِ معجزے کی جلدی ہوگی۔ اس پر فرمایا کہ اگر تجھے ان کی انکار گراں گذرتی ہے۔ سو اگر تیرے اختیار میں کوئی معجزہ ہو تو کر دکھلا۔ یعنی اعراض معرضین سے گھبرانا نہ چاہیئے ۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

یا یہ کہ جملہ فتاتیہم بآیۃ میں جو آیۃ کا لفظ نکرہ واقع ہے۔ سو یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد کوئی اور معجزہ ہو سوائے ان معجزوں کے جو وہ دیکھ چکے ہیں۔ بریں تقدیر مطلب یہ ہوا کہ اگر تجھے ان معجزوں پر قناعت نہیں ہے اور تو اور معجزے کے لیے گھبراتا ہے تو تیرا اختیار اگر کچھ ہو تو کر دکھلا۔

یا یہ کہ بقرینہ جملہ اخیرہ یعنی لوشاء اللہ لجمعہم علی الھدیٰ۔ یہ مطلب اس آیت کا ہو گا کہ آنحضرت نے جو دیکھا کہ یہ لوگ سمجھانے بجھانے اور معجزات کے دیکھنے سے ایمان نہیں لاتے تو شاید آپ کے جی میں یہ بات آئی ہو کہ کوئی ایسی بات ہو کہ یہ سب بالاضطرار ایمان لے آویں جیسے حضرت یونس کے وقت میں ہوا۔ یا کفریات کی سزا کو پہنچیں جیسے حضرت نوح کے وقت میں ہوا۔ اس پر فرمایا کہ اگر ایسی کوئی بات تم سے زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کے لائی جائے تو لے آؤ اور اگر ہمیں مقصود ان سب کی نجات ہوتی تو کیوں نہیں بلا صدور کسی آیت کے ہم ان کو راہ راست پر کر دیتے۔

دوسری آیۃ سورۂ موصوفہ واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جآءتھم اٰیۃ لیؤمنن بھا قل انما الاٰیات عند اللہ۔ یعنی بتاکید تمام اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آوے تو مقرر ایمان لاویں تو کہہ کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں۔ یعنی میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہر گاہ ایک جگہ قرآن میں فرمایا کہ لما جآءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین اور اور مثل اس کے اور یہاں کافروں کا قول نقل کیا کہ لئن جآءتھم اٰیۃ لیؤمنن بھا۔ اس بظاہر ہوا کہ یا یہاں سے وہ کافر مراد ہیں جن کے سامنے کوئی معجزہ نہیں ہوا تھا اور اوروں کے کہنے کو انہوں نے باور نہ کیا اور کہا جو کچھ کہا۔ یا یہ کہ ان معجزوں کے سوا جو سب دیکھ چکے تھے انہوں نے اور معجزہ کوئی اس سب

سے زیادہ مانگا یعنی تزئین آیت کی تنوین تفخیم کی ہو۔ اس پر فرمایا کہ تو کہہ کہ معجزات تیرے اختیار میں نہیں ہیں یا آیت سے وحی الٰہی مراد ہو کہ بالخاصہ مفید یقین کو ہے یعنی کافروں کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح وحی الٰہی اس کے پاس بار بار بہت سی آتی ہے اگر ہمارے پاس ایک بار بھی آوے تو ہم مقرر مان لیویں۔ اس پر کہنے کو فرمایا کہ یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔

تیسری آیت۔ سورۂ رعد ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ قل ان اللہ یضل من یشآء و یھدی الیہ من اناب۔ یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی اس پر نشانی تو کہہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو کوئی اس کی طرف رجوع لاتا ہے اسے منزل مقصود کو پہنچاتا ہے۔ بنظر ان آیتوں کے جن سے معجزات ہونے کا ثبوت ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ یا یہ سخن ان کافروں کا ہے جن کے سامنے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا اور اوروں کے دیکھنے کو انہوں نے باور نہ کیا۔ یا یہ کہ کافر لوگ یہ چاہتے ہوں گے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے کوئی چیز عجیب وغریب آسمان سے اس پر اترے تاکہ ہمیں کچھ شبہ باقی نہ رہے۔ اس پر فرمایا کہ ایسا ہونے میں بھی کچھ ضروری نہیں کہ تم راہ راست پر ہو جاؤ اور منزل مقصود کو پہنچ جاؤ اور جیسا شبہ سننے میں ہوتا ہے مثل اس کے بعضے شبہے دیکھنے کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔

بالجملہ ایسی آیتوں سے یہ کسی طرح نہیں بوجھا جاتا ہے کہ کبھی کوئی معجزہ آنحضرت سے نہیں ہوا۔ تاکہ ان آیتوں سے تعارض ہو جن میں معجزات کے ظہور کا ذکر ہے۔ اور ان روایات متواترۃ المعنی سے تناقض ہو جن سے بقدر مشترک ظہور معجزات کا ایسا ثابت ہے جیسا آنحضرتؐ کا ہونا اور نفی قطعی معجزات کے صادر ہونے کی قرآن سے نکالنا ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ نماز پڑھنا بڑا گناہ ہے کیونکہ قرآن میں لکھا ہے ویل للمصلین۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ فہمیدہ آدمی کی نظر میں اس مقام میں غایۃ الامر اتنا ہی اشکال ہے کہ بموجب اور آیات قرآنیہ اور روایات متواترۃ المعنی کے جو لوگ معجزہ طلب کرتے تھے ان سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ معجزے ہوئے تو ہیں دیکھنے والوں سے تحقیق کرو۔ سو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تحقیقی، ایک الزامی۔

جواب تحقیقی: یہ بات تجربہ ثابت ہے اور جس کا جی چاہے دریافت کرے کہ جو لوگ مثلاً

بھوت پریت اور جادُو کے کارخانے سے نابلد ہوتے ہیں۔ ان میں سے وہ لوگ جو اپنے تئیں دانشمند جانتے ہیں اور آپ کو منجملہ اتباع حکماء گنتے ہیں ان کے سامنے ہزار کوئی کہے کہ ہم نے بھوت پریت کے کرشمے اور جادُو کے چھل بل دیکھے ہیں ہرگز باور نہیں کرتے۔ اور اکثر کہنے والوں کو محض جھُوٹا جانتے ہیں اور جس پر بسبب کثرتِ معاشرت کے اُس کا حال وثاقت دریافت کر کے اعتماد صداقت کا ہوتا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ چھل بل ہو گا یعنی یا کچھ دست چالاکی اور کرتب ہو گا یا تمہارا وہم یا استعمال مادیات سے ہو گا۔ غیر اسباب، مادیہ کا گمان محض حماقت ہے۔ ہاں اگر ہم آپ اس طرح تجربہ کر لیں کہ کسی طرح کا شبہ لاگ اور ہٹ پھیر اور استعمال مادیات کا باقی نہ رہے تو البتہ ہم مانیں۔ ورنہ ہم کسی طرح زینہار زینہار باور نہیں کرتے۔

پس ہرگاہ ایسے مزخرفات کی نسبت جس کو دین و ملت سے کچھ علاقہ نہیں اُن لوگوں کا یہ حال ہے تو کرامات اور معجزات جس پر ظاہرًا مدار دین و ملت کا ہے اسے تو کسی طرح واقعی اور نفس الامری جانتے ہی نہیں اور اس دین اور ملت والوں کو کیسے ہی ثقہ ہوں محض دروغ گو اور کاذب جانتے ہیں۔ اب بتائیے کہ ایسے لوگوں کے مقابلے میں جس وقت وہ طالب کسی کرامت کے ہوں۔ آیا یہ کہنا موافق مقتضائے حال کے ہے کہ میرا اس میں کچھ اختیار نہیں ہے جو اللہ کرے سو ہو۔ یا کہنا کہ جن لوگوں نے دیکھا ہے اور دیکھ کر ایمان لائے ہیں ان سے پُوچھ لو۔ حاشا و کلا یہ دوسرا جواب بالکل خلاف مقتضائے حال ہے اور موافق مقتضائے حال وہی پہلا جواب ہے اور اسی کا نام بلاغت ہے اور جو کوئی اتنی بات بھی نہ سمجھے وہ قابل مناظرے کے نہیں ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اتصال ظہور معجزات کا شرط ثبوت نبوت کا نہیں ہے اور ظاہر ہونا ان کا بعضے اوقات اور نہ ظاہر کر سکنا ان کا دوسرے اوقات میں باوجود تشنیعات و تعریضات مخالفین اور طعن و طنز معاندین اور شرمندگی اپنے توابع کی ان دشمنوں کے سامنے اور دغدغہ بازگشت بہ نسبت بعض اپنے عوام تابعداروں کے اقرب بر دفع شبہ سحر و طلسم و نیرنج ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کرتبوں کے ماہر ہیں ان کے اختیار میں اظہار خوارق عادات ظاہریہ کا ایسا ہوتا ہے جیسے ہمارے اختیار میں کھانا پینا لکھنا پڑھنا کہ بروقت اُمید حصول جاہ و مال یا خوف زوال عزت و آبرو کے خواہ نخواہ بہر گونہ وہ اپنے کرتبوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

جواب الزامی: ہرگاہ غایۃ الاشکال اس مقام پر یہ ہے کہ اگر کوئی معجزہ ہوا تھا تو اُن کافروں سے جن کا قول نقل کیا گیا اور جن کے اعتراض کا حال بیان ہوا۔ یہ کیوں نہ کہا گیا کہ اوروں سے پُوچھ لو کہ انہوں نے ہمارے معجزے دیکھے ہیں۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ایسا ہوا ہے یا نہیں۔ سو انجیلیں گواہی دیتی ہیں کہ ان سے بھی ایسا ہوا ہے کہ کافروں نے معجزہ مانگا اور حضرت عیسیٰ نے نہ کوئی معجزہ دکھلایا اور نہ اپنے مبرات کے دیکھنے والوں سے گواہی دلوائی بلکہ انکار محض کیا یا سکوتِ بحت۔

تو ہمارے حضرت سرور کائنات کے اس جگہ کے کلام اور حضرت عیسیٰ کے اس مقام کے کلام سے فرق اتنا ہی ہے کہ ہمارے حضرت نے اپنی عبودیت اور عاجزی بیان کی اور حوالہ بخدا کیا۔ اور حضرت عیسیٰ نے ان کافروں کو جھڑک دیا اور تہدید و وعید الٰہی کی یا کچھ نہیں بولے چپکے بیٹھے رہے اور اُن کے ہاتھوں سے ذلتیں اُٹھایا کئے۔ دیکھئے اعتدال کدھر ہے اور افراط و تفریط کدھر۔

چنانکہ پہلی انجیل کا سولہواں باب نسخہ ۱۸۳۹ء ورس ۱۔ تب فروسی اور صدوقی آئے اور امتحان کے لیے اس سے عرض کی کہ ایک آسمانی معجزہ ہم کو دکھلا۔ ۲۔ اس نے جواب میں انہیں کہا۔ الیٰ قولہ معجزہ طلب کرتے ہیں پر کوئی معجزہ سوائے یونس نبی کے معجزے کے انہیں دکھلایا نہ جائے گا۔ تب وہ ان سے جُدا ہو کر چلا گیا۔ دیکھئے اس مضمون سے کہ کوئی معجزہ انہیں دکھلایا نہ جائے گا اور اس مضمون میں کہ انما الاٰیات عند اللہ فرق اتنا ہی ہے کہ حضرت عیسیٰ انکار محض کرتے ہیں اور حضرت سرور کائنات حوالہ بخدا کرتے ہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ سوائے معجزہ یونس نبی کے۔ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اس قابل ہو کہ تم پر عذاب آسمانی اُترے تب تم مانو گے۔ چنانچہ حضرت یونس کا وہ معاملہ جیسے کافر لوگ دیکھ کر ایمان لائے وہ تو بالاتفاق از روئے توریت و قرآن کے یہی تھا کہ آسمانی عذاب نمودار ہوا۔ اور یہ فرمانا حضرت عیسیٰ کا بطور وعید کے نہ تھا۔ جس کا واقع ہونا ضروری ہوتا۔ بلکہ صرف بطور تہدید کے تھا کہ واقع نہ ہوا۔

اور اسی انجیل کے بارہویں باب میں یُوں ہے۔ ورس ۳۸۔ تب بعضے کاتبوں نے اور فروسیوں نے پھر کے کہا کہ اے استاد ہم چاہتے ہیں کہ تیرا ایک معجزہ دیکھیں۔ ۳۹۔ پر اُس نے

انہیں کے جواب میں کہا کہ اس زمانے کی بدذات اور حرام کار قوم معجزہ ڈھونڈتی رہے پر انہیں کوئی معجزہ سوا یونس نبی کے نشان کے دکھایا نہ جائے گا۔ دیکھو یہاں بھی وہی جواب دیا مگر اس جگہ مؤلف انجیل یا مترجم یونانی نے اپنی عقل ناقص میں یہ ٹھہرایا کہ استثنار نشان یونس نبی کا جو حضرت عیسیٰ نے کیا تو درحقیقت یہ وعدہ واثق اور حکم ناطق اس کے ظہور کا تھا اور بعد اس کے اس نے دیکھا کہ وہ نشان یونس نبی کا جس پر معجزے کا اطلاق حقیقۃً صحیح ہوتا تھا۔ یعنی عذاب آسمانی کا منکروں پر نمودار ہونا ظاہر ہوا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سے وہ نشانِ یونسی نہیں مراد ہے بلکہ وہ مراد ہے جو حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں تین دن رات رہے تھے۔ اس واسطے اس مؤلف یا مترجم نے حسب العادت اس کلام عیسوی کے ساتھ بطور ادراج کے ورس بھی یہ ملا دیا۔ اس واسطے کہ جس طرح یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں تھا اسی طرح ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔ مگر وہ مؤلف یا مترجم اتنا نہ سمجھا کہ اس ملا دینے سے وہ الزام یعنی منکروں کا طلب کرنے پر کوئی معجزہ نہ دیکھنا نہیں رفع ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کو قبر سے زندہ ہو کر نکلتے کسی نے نہیں دیکھا۔ چہ جائیکہ اس قوم خاص نے جس نے معجزہ مانگا تھا علاوہ اس کے غلط فہمی مترجم کی اور ورس مذکور کا غلط ہونا کئی وجہوں سے ظاہر ہے

اوّل یہ کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں معجزہ یونس نبی اور یہ نہیں فرماتے کہ مثل معجزہ یونس نبی۔ پس ہرگاہ کوئی لفظ حضرت کے کلام میں ایسا نہیں ہے جس سے مماثلت کے معنی سمجھے جائیں۔ تو چاہیے تھا کہ وہی نشانِ یونسی جس کو مؤلف انجیل نے مصداق سخن عیسوی ٹھہرایا ہے بعینہٖ حضرت عیسیٰ کے لیے ہوتا۔ یعنی وہ بھی تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہ کر نکلتے۔

دوسرے یہ کہ حضرت یونس زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں گئے اور حضرت عیسیٰ شہید ہو کر قبر میں گئے تھے تو مماثلت ٹھیک نہیں ہوتی۔

تیسری یہ کہ یونس کے حال میں مؤلف توریت لکھتا ہے کہ تین دن رات برابر مچھلی کے پیٹ میں رہے اور از روئے اناجیل کے ظاہر ہے کہ شخص مصلوب جمعہ کی شام کو دفن ہوا اور اتوار کی صبح سے لاش اس کی قبر سے غائب معلوم ہوئی۔ پس صرف دو راتیں ایک دن وہ لاش قبر میں رہی نہ کہ تین دن رات برابر رہی۔

چوتھی یہ کہ معجزہ عبارت ہے اس خرق عادت سے کہ کوئی اور آدمی دیکھے۔ اگر ایسی خرق عادت کا نام معجزہ نہ ہوتا تو صرف نبوت نبی کی بھی معجزہ کہلاتی اور اس کے ثبوت کے لیے کوئی خرق عادت درکار نہ ہوتا۔

ہرگاہ یہ بات ٹھہر چکی تو ہم کہتے ہیں کہ از روئے توریت کے ظاہر ہے کہ جن لوگوں پر حضرت یونس پیغمبر خدا مقرر ہو کر گئے تھے انہوں نے نہ ان کو مچھلی کے پیٹ میں جاتے دیکھا اور نہ تین دن رات کے بعد نکلتے دیکھا سو وہ معجزہ کاہے کو ٹھہرا وہ تو حضرت یونس کی خبر ہے جس طرح کہ ان کی نبوت کی خبر تھی اور وہ بات ان کی جو کافروں نے دیکھی سو وہی عذاب آسمانی کا نمودار ہونا تھا۔

پانچویں یہ کہ شخص مصلوب کو قبر سے زندہ ہو کے نکلتے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا یہاں تک کہ مخصوص حواریین اور حضرت مریم وغیرہ نے بھی نہیں دیکھا چنانکہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے سو وہ بات ان کافروں کی نسبت معجزہ نہیں ٹھہر سکتی۔ پس وعدہ عیسوی جس کے لیے مؤلف انجیل نے اپنی فہم ناقص سے ورس بہم کا ادراج کیا پھر جھوٹے کا جھوٹا ہی رہا اور سچا نہ ہوا کیونکہ جیسا وہ وعدہ تھا ویسا انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔

بالجملہ وہ ورس مدرجہ محض غلط ہے اور قطع نظر اس کے غلط ہونے کے ہمارے الزام کو رفع نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر کوئی بلکہ یہی فروسی اور صدوقی حضرت عیسیٰ کو قبر سے زندہ ہو کر نکلتے دیکھتے تو البتہ فی الجملہ ہمارے الزام میں نقصان عائد ہوتا اور بالکل نہ جب بھی نہ مرتفع ہوتا کیونکہ اس وقت تو حضرت عیسیٰ نے معجزے سے انکار کیا اور اپنے معجزات دیکھنے والوں سے گواہی نہ دلوائی۔ پس بعض اوقات اظہار معجزے سے انکار کرنا اور اگلے معجزات کا ذکر نہ کرنا ہر صورت ثابت ہوتا ہے۔

اور تیسری انجیل باب بست و سیوم ورس ۸۔ ہیرود یسوع کے دیکھنے سے بہت خوش ہوا کیونکہ وہ بہت دن سے اسے دیکھنا چاہتا تھا اس لیے کہ اس نے اس کی بہت سی باتیں سُنی تھیں اور اس امید میں تھا کہ اس کے کسی معجزے کو دیکھے۔ ۹۔ اس نے اس سے بہت سے سوال کئے پر یسوع نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ ۱۰۔ اور سردار امامول اور کاتبوں نے کھڑے ہو کر اس پر ناشیں کیں تب ہیرود اور اس کے لشکر نے اسے حقیر کر کے ٹھٹھا کیا۔ دیکھو ہیرود بادشاہ اوّلاً باخلاص پیش

آیا اور نالشیوں کے الزام دینے کے لیے جیسا کہ اور انجیلوں سے ظاہر ہوتا ہے معجزے مانگے جس پر حضرت عیسیٰ نے کچھ جواب نہ دیا۔

چوتھی آیۃ : سورۂ بنی اسرائیل وقالوا لن نؤمن لک. الی قولہ تعالیٰ الا بشرًا رسولًا۔ اس مقام میں کافروں نے کئی چیزیں بر سبیل تردید طلب کیں۔ ۱۔ چشمہ زمین سے بہا نکالے۔ ۲۔ باغ خرمے اور انگور کا تیرے لیے ہو اور اس میں نہریں بہا نکالے۔ ۳۔ آسمان ہمارے اوپر گرا دے ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ ۴۔ اللہ کو لے آ ملائکہ کے ساتھ۔ ۵۔ تیرے لیے ایک گھر طلائے خاص کا ہو جائے۔ ۶۔ یا تو چڑھ جائے آسمان پہ اور چڑھ جانے پر بھی تیرے ہم ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ تو ایک کتاب نہ لے آوے جسے ہم پڑھیں۔ تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ معجزات مطلوبہ کفار کا بر سبیل تخصیص ظاہر نہ ہونا نبی سے قادح صحت نبوت عقلاً نہیں ہو سکتا۔

پانچویں آیۃ : سورۂ موصوفہ ما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الاولون۔ یعنی بنظر اس بات کے کہ اگلے کافروں نے نشانیوں کو نہ مانا۔ اس واسطے ہم نے نشانیاں نہ بھیجیں۔ اس آیت میں بالآیات کا لفظ بصیغہ جمع ساتھ الف لام تعریف کے وارد ہے۔ پس وہ یا استغراق کا ہے یا عہد کا ہے۔ در صورت اول معنی یہ ٹھہرے کہ جتنی نشانیاں متصور ہو سکتی ہیں یا جتنی سب اگلے پیغمبروں سے ظاہر ہو چکی ہیں ہم نے نہیں بھیجیں اور در صورت دوم معنی یہ ٹھہرے کہ جتنی نشانیاں یہ کافر لوگ مانگتے ہیں۔ چنانچہ اوپر اس کی تفصیل گزری ہم نے نہیں بھیجیں۔ پس کسی صورت کوئی قباحت عائد نہیں ہوتی۔ اور یہ نہیں نکلتا ہے کہ پیغمبر خدا سے معجزے مطلق نہیں ہوئے۔ ہاں اگر الآیات کے مقام پہ آیۃ کا لفظ ہوتا تو بسبب وقوع نہ کرنے کے تحت نفی فائدہ عموم کا حاصل ہوتا اور یہ بات ثابت ہو جاتی کہ کوئی معجزہ آنحضرت سے نہیں ہوا۔ اس وقت البتہ اس آیت کو ان آیتوں اور سنن متواترۃ المعنی سے تعارض ہوتا۔ جیسے معجزات کا ظاہر ہونا آنحضرت سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی اس وقت لازم آتا جب کہ اس لفظ کے افراد اور تنکیر کے ساتھ یہ بھی کہیں سے ثابت ہو جاتا کہ یہ آیت آنحضرت کے مرض الموت میں دمِ احتضار نازل ہوئی اور اگر اتنا نہ ثابت ہوتا تو در صورت افراد اور تنکیر اس لفظ کے بھی کچھ ان آیتوں سے جو مثبت معجزات ہیں تعارض نہ ہوتا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری تھی اس طرح پر کہ اگر معجزات مخصوصہ حسب الطلب

کافروں کے۔ مگر بروقت ان کے طلب اور عہد کرنے کے ظاہر ہوتے تھے اور اس پر بھی وہ ایمان نہ لاتے تھے تو ان پر دُنیا ہی میں عذاب حاقہ آسمان سے آتا تھا جیسے قوم لوط، قوم صالح اور قوم ہود کی نسبت ہو اور اس عذاب کے نازل ہونے میں یہ ضرور تھا کہ نبی اپنی امت دعوت سے باہر نکل جائے اور علیحدہ ہو بیٹھے۔

تو ایسی بات حضرت رحمۃ للعالمین کے وقت میں ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ آپ سارے جہان کے لیے نبی تھے تو اگر عذاب اُترتا تو سب پر اُترتا اور ایسا عذاب عام اُترنا بموجب اس وعدے کے جو خداوند تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے کیا تھا محال تھا اور آنحضرت کو اپنی امت دعوت سے کہ ساری دُنیا اس میں داخل تھی کسی طرح سرک بیٹھنا بھی متصور نہ تھا۔ اس قاعدے کی رو سے آیات مخصوصہ مطلوبہ کفار بار بار نہیں ظاہر ہوئیں۔ اصل مغالطہ پادری صاحب کو آیاتِ موصوفہ کی رو سے یہ واقع ہوا ہے کہ کافروں سے سب کافر اس زمانے کے سمجھے ہیں سو یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ سارے جہان میں اس زمانے میں آنحضرت کی دعوت کی خبر نہیں پہنچی تھی اور نہ عرب کے سارے کفار مراد ہیں۔ اس لیے کہ بہتیرے سینکڑوں ہزاروں ان میں سے ایمان لا چکے تھے ان پر اطلاق کافر کا درست نہیں ہو سکتا۔ اور نہ سب باقیماندہ کافر مراد ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن شریف آنحضرت سے یُوں نہیں ظاہر ہوا جس طرح حضرت موسےٰ سے کتاب استثناء کی یا الواح عطیہ خداوندی بلکہ متفرق متفرق جس طرح لوگ باتیں کرتے ہیں آنحضرت آیتیں اس کی بیان کرتے تھے نہ مثل تالیف کتاب کے۔ پس جس وقت جس گروہ کفار نے ویسا کچھ کہا اس کا آنحضرت نے از روئے وحیِ الٰہی کے جواب دیا۔ پس ہر جگہ گروہ خاص کفار مراد ہے نہ کہ باقیماندہ سب کفار۔

جس طرح اردو میں محاورہ ہے کہ جب کسی شخص کی نسبت کچھ لوگ کوئی مدح یا ذم کی بات آپس میں کہنے لگتے ہیں تو وہاں بولا جاتا ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں تو اس سے مراد سارے شہر کے لوگ اور ہر ہر شخص مقصود نہیں ہوتا اور نہ اگلے پچھلے سب لوگ مراد ہوتے ہیں بلکہ خاص وہی چند کہنے والے مراد ہوتے ہیں۔

اور آفتاب نیم روز سے زیادہ یہ بات روشن ہے کہ جن چیزوں کو سینکڑوں برس، لاکھوں کروڑوں آدمی نسلاً بعد نسلٍ اپنا خدا سمجھتے چلے آئے ہوں ان کو وہ لوگ چھوڑ دیں اور صرف تنزیہہ

مطلق اور واحد حقیقی کو جو ادراک و وہم سے پرے ہے معبود ماننے لگیں اور اپنے طور پر جو مطلق العنان اور مرخص رہتے تھے اس حُریت کو چھوڑ کر قیودِ کثیرہ جن سے دُنیا کا کچھ فائدہ بظاہر متصور نہیں ہے اختیار کرلیں اور اس اختیار کرنے میں بالکل ان کی خانہ بربادی ہو جائے اور محض بے خانماں ہو کر بیٹھ رہیں اور اپنی جان و مال و آبرو اور آرام وچین سب دفعۃً خاک میں ملا دیں یہ بھلا ہو سکتا ہے۔ بدوں اس کے کہ ایسی ہی کچھ علاماتِ بیّنہ اور تبینات ظاہرہ اور براہین ساطعہ ان پہ کھلی ہوں یہ سب باتیں اختیار کرلیں۔

اور سالہائے دراز تک سینکڑوں مصیبتوں کے متحمل ہوں اور اپنی قوم میں حقیر اور ذلیل اور متروک اور مبغوض رہیں اور گالیاں اور مارپیٹ اور خارج البلد ہونا یعنی دیس نکالا قبول کریں اور معہذا وہ اور ان کے اتباع مصدر اخلاق جلیلہ اور منبع خوارق عادات بیّنہ اور محوِ محبتِ الٰہیہ اس طرح پر ہو جائیں کہ ان کے ایسے حالات کا ثبوت ایسا ہو جیسے حاتم کی سخاوت اور سکندر کی بادشاہت کہ اس طرح پر کسی حواری عیسوی کی کوئی بات نہیں ثابت ہے۔ بلکہ بفضلہ تعالیٰ اب بھی وہ بات موجود ہے کہ جو ان لوگوں کی روش کو ظاہراً اور باطناً اختیار کرے اور جو بات سینہ بسینہ چلی آتی ہے اس کو ظاہر کرے۔ تو دیکھیے وہ بات جسے حضرت عیسیٰ نے اوّل احکام شرعیہ اور حیات جاودانی کہا ہے یعنی محویت دل و جان سے خدا تعالیٰ میں کس کیفیت سے حاصل ہوتی ہے کہ زینہار زینہار وہ محویت ہرگز طریقہ عیسائیہ میں اب نہیں ہو سکتی اور وہ بات جو حضرت عیسیٰ نے فرمائی ہے کہ تمہارا اگر ایمان درست ہو تو پانی پہ چلے جاؤ اور پہاڑ کو اپنی جگہ سے ٹال دو کسی طرح ظہور میں آتی ہے اور مریضوں کو اچھا کرنا اور ظالموں کو پست کر دینا اور محتاجوں کو مالدار اور متکبروں کو بے مایہ کر دینا اور سینکڑوں کوس سے لوگوں کے حالات کو دریافت کرلینا اور سینکڑوں کوس دم بھر میں چلا جانا اور دیو بھوت کو صرف ڈانٹ کر نکال دینا ان باتوں کو وہ لوگ بہت دو دن مرتبہ دیکھتے ہیں اور دل کی بات کہہ دینا اور پس دیوار کے حال کو دریافت کرلینا اور آئندہ کی بات کو جان لینا یہ تو ان کی گویا عادیات اور طبیعات سے ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہم لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز اس میں شبہ نہیں اور اس پر بھی میں مباہلہ کرنے کو موجود ہوں۔ عیسائیوں کو صرف چند حواریوں کے اعمال پہ نازش ہے اور یہاں قرونِ متوسطہ تک تو سینکڑوں اور

خال خال اب تک بھی حواریوں سے زیادہ زبردست لوگ ہوتے رہے ہیں اور محویت فی اللہ تو کیا ان کی تعریف کی جائے اگر حضرت عیسیٰ ہوتے قرآن کی قدر جانتے کہ جس بات کو وہ اپنے اور اپنے حواریوں کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ میں باپ میں اور باپ مجھ میں اور میں تم میں اور تم مجھ میں اور جس طرح میں اور باپ ایک ہوں ہم تم بھی ایک ہیں۔ ان حضرات میں کس کیفیت سے حاصل اور نمایاں تھی جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔

اندھوں کو کیا معلوم ہو فانوس کیسی ہی بلوری ہو اور اس میں کیسی ہی کافوری شمع روشن ہو اندھا سوائے اس کے کہ جس طرح دیوار ایک جسم ہے یہ بھی ایک جسم ہے کچھ اس میں اور اس میں فرق نہیں ہے اور کیا کہے گا۔ تھوڑی سی باتیں حضرت مولانائے روم کی مثنوی اور حضرت فتوح الغیب سے غوث الثقلین کی اور بعض ابواب فتوحات مکیہ اور عوارف وغیرہ کتابوں سے اگلوں کے ظاہر ہیں۔ اور پچھلوں کی اور کتابوں اور حالات سے آشکارا ہیں اور سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ ٹوٹ کر ان کے زمرے میں داخل ہو جائیے۔

دیکھیے کہ اصل انجیل کی وہ باتیں جو حضرت عیسیٰ نے فرمائی ہیں محمدیوں میں ہیں یا عیسائیوں ہیں۔ وانی علیٰ بیّنة من ربّی فقط۔ بعد اس کے جو کچھ پادری صاحب نے تتمّہ اور ملحقات میں لکھا ہے وہ سب پوچ پادر ہوا ہے۔ ان سب کا جواب تحقیقی ہر حرف شناس بطور خود اور جواب الزامی اس کتاب سے نکال کر دے سکتا ہے اور بعضی روایتیں انہوں نے ایسی نقل کیں کہ محض جھوٹ ہیں۔

ازاں جملہ صفحہ ۶۹۔ قرآن میں لکھا ہے کہ آدم کا قد ساٹھ گز لمبا اور سات گز چوڑا تھا۔ ہاں بعضی روایتوں میں البتہ آیا ہے سو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ازاں جملہ صفحہ ۷۰۔ قرآن میں لکھا ہے کہ موسٰے اسّی برس تک ایک نبی کی تلاش میں دریا کے کنارے کنارے چلا گیا۔

ازاں جملہ۔ قرآن میں لکھا ہے کہ داؤد اور سلیمان نے شیطان کی مدد سے زرہ تیار کی۔

ازاں جملہ۔ قرآن میں لکھا ہے کہ عیسٰی نے یہودیوں کو بندر بنایا۔

ازاں جملہ قرآن میں لکھا ہے کہ سلیمان نے ہیکل کی تیاری سے ایک سال پیشتر وفات پائی۔ قرآن سے صرف اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنی عمارت کے انجام سے پہلے وفات پائی نہ

یہ کہ مسجد کے انجام سے پہلے اور نہ ایک سال کی قید ہے۔ اسی طرح دو تین روایتیں جھوٹ بنا کر آگے لکھ چکے ہیں۔ ایک وہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ ابر زمین سے ستر برس کی راہ پر ہے۔ دوسرے وہ کہ مبحث تقدیر میں بنظر بعضی روایتوں کے مطلق لکھ دیا کہ تقدیر اشیاء کی ان کے ظہور سے چالیس یا پچاس برس پہلے ہوئی ہے۔

اور جو مشکات سے بعضی روایتیں بلا تحریف نقل کی ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ سو ان کی بے عقلی ہے اور بے حیائی بھی۔ بے عقلی اس جہت سے کہ کوئی امر اس میں منجملہ ممتنعات عقلیہ نہیں ہے اور بے حیائی اس جہت سے کہ اپنے یہاں کی مزخرف باتیں جن کا ذکر مکرر ہو چکا نہیں دیکھتے اور مشاہدات حضرت یوحنا کے ملاحظہ نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے یہاں کی مہابھارت میں بھی ویسی بے سر و پا باتیں نہیں لکھی ہیں۔

چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے یہ ہے۔ نسخہ ۱۸۳۹ء باب دوازدہم ورس ۱۔ ایک بڑا عجیب نشان آسمان میں نظر آیا۔ ایک عورت آفتاب کو اوڑھے ہوئے اور مہتاب اس کے پاؤں کے تلے اور اس کے سر پہ بارہ ستاروں کا تاج۔ الیٰ قولہ۔ ۳۔ پھر ایک بڑا سرخ اژدہا جس کے سات سر اور دس سینگ اور سات تاج اس کے سروں پہ تھے۔ ۴۔ اس کی دم نے آسمان کے ستارے کے تیسرے حصے کو کھینچ کر زمین پر گرایا۔ الیٰ ان قال: ۷۔ اس کے بعد آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اور اس کے فرشتے اس اژدہے سے لڑے اور اژدہا اور اس کے فرشتے لڑے۔ دیکھو کوئی بڑ کسی مجذوب کی اس سے بڑھ کر ہوگی کبھی نہ ہوگی۔

اور جتنی روایتیں پادری صاحب نے حیات القلوب اور عین الحیات سے نقل کی ہیں سو اگر اگرچہ وہ ہمارے یہاں سنداً بمنزلہ روایات مخلوطہ بائبل کے ہیں۔ مگر باعتبار مضمون کے ہر ایک روایت کا جواب الزامی میری اس کتاب سے نکل سکتا ہے یعنی کوئی بات اس میں منجملہ ممتنعات عقلیہ نہیں ہے اور ویسے ہی یا مثل اس کے بائبل میں بھی ہے۔ پس سوائے بیہودہ گفتگو کے پادریوں کو کچھ نہیں آتا۔ ان کے مقابلے کے لیے یہودی اور ملحد لوگ چاہییں کہ اینٹ کی لینی اور پتھر کی دینی یا بھٹیار خانے کے اوباش کہ جھگڑا اور حجت لڑیں۔

اور صفحہ ۶۸ اور ۶۹ میں جو انہوں نے یہ لکھا ہے کہ فارس اور روم میں جو قرآن پہ مباحثہ کرتا

ہے مار ڈالا جاتا ہے۔ سو سوائے دین حقیقی کے کوئی دین اجازت نہ دے گا کہ مباحثہ کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مباحثے کی کئی صورتیں ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے جیسے مثلاً حکام دانش مند معدلت کیش بروقت فصل خصومات وکلائے متخاصمین یا متخاصمین سے گفتگو کرتے ہیں۔

سو اس طرح کی بحث اور فکر کرنے کی نبی اور کلام الہٰی کی نسبت خود قرآن شریف میں اجازت ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ قل انی اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ اور فرمایا ہے۔ افلا یتدبرون القرآن۔ اور ایک مباحثہ کی صورت یہ ہے کہ جیسے مثلاً رعایا تے سرکش بادشاہ عادل سے یا حجتی خدمت گار اپنے آقا سے یا مدیونان ڈگری برندگان حکم نامہ جات عدالت سے مباحثہ کرتے ہیں۔ پس اگر پہلی صورت کے مباحثہ پر فارس و روم مار ڈالتے ہیں تو ظلم کرتے ہیں۔ چنانچہ قسطنطین اول کے جانشین ششم نے مائۃ رابعہ عیسویہ میں کیا اور تمام ملوک فرنگ نے اواخر مائۃ ثانی عشر سے اوائل مائۃ رابع عشر تک کیا اور جس وقت تفرقہ رومن کاتھلک اور پروٹسٹنٹ کا انگلستان میں واقع ہوا وہاں کے لوگوں نے بہت دنوں تک آپس میں کیا۔ اور دوسری صورت کے مباحثے پر بھی بلا اجتماع شروط مصرحہ کتب فقہیہ مار ڈالنا درست نہیں ہے اور در صورت اجتماع شروط مذکورہ مار ڈالنے کو اگر پادری صاحب ظلم جانتے ہیں تو موسیٰ اور یوشع اور داؤد بطریق اولیٰ اظلم الناس ٹھہریں گے۔ چنانکہ اس کی تفصیل رسالے اول کے جواب میں گزری ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت کو بھی ظلم کہنے میں یہ لازم آتا ہے کہ جہاں میں کوئی آج تک عادل نہیں ہوا۔ اور عدل کے معنی دنیا میں کسی سے ظہور میں نہیں آئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ سے بھی۔ کیونکہ انہوں نے خود اگرچہ کسی کو قتل نہیں کیا۔ مگر قتل کرنے والوں کے فعل کو مستحسن اور خود ان کو اچھا سمجھتے آئے۔ یعنی موسےٰ اور یوشع اور داؤد کو عادل سمجھا کئے اور جو ظالم کو اچھا سمجھے وہ بھی ظالم ہے۔ فقط۔

اور جو صفحہ ۷۰ میں بعضے معجزات عیسویہ کو جو قرآن میں مذکور ہیں اور انجیلوں میں نہیں ہیں لکھ کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ایسے بعضے قصوں کو عیسائیوں کی کتابوں کے بعضے قصوں سے جو کئی ایک خوش طبعی کے لیے ظریفوں نے جمع کئے ہیں لے کر لکھا ہے۔ اسی کے موافق میزان الحق والے

نے باب اول کے فصل سیوم کے صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے۔ قولہ۔ در قرآن چنین حکایات را بیان ساختہ کہ بطریق احادیث جعلی دراں ایام درمیان یہودیاں و مسیحیاں شہرت داشت۔ ہم تو آگے ہی سے جانتے تھے کہ خوش طبعی کی راہ سے یہودیوں اور عیسائیوں نے موسےٰ اور عیسیٰ کے کلام ثبوت القیام کے ساتھ آگے پیچھے بیچ میں ملاکر بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ پادریوں کو بھی اقرار ہے سو جو باتیں ان کے اندراج سے اس کلام میں علیحدہ باقی رہی ہیں ان کو بہ غلط جاننے کی کیا وجہ۔ اگر یہ یہ وجہ ہے کہ ان تالیفوں میں مندرج نہیں ہیں تو غیر صحیح۔ کیونکہ خود انجیل میں لکھا ہے کہ عیسیٰ کی سب باتیں انجیلوں میں نہیں لکھی ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسے کتاب سلاطین اور کتاب القضاۃ ہے۔ اسی طرح کی وہ کتابیں بھی ہیں جس کو پادری صاحب از روئے خوش طبعی جعلی بتاتے ہیں۔ گو کہ اس جلد میں ہم لخت نہیں ہوتیں۔ اور اگر یہ وجہ ہے کہ ہر ایک بات اس میں سے منجملہ ممتنعات عقلیہ ہے تو آدمی کے دوسرے خدا ہونے سے زیادہ تر کوئی بات ممتنع نہیں ہے۔

اور جو کچھ یوحنا صاحب نے مشاہدہ کیا اس سے بڑھ کر کسی بات کا بے معنی ہونا معلوم ہوا پس ہر گاہ یہ سب باتیں سچی ہیں تو ان کے سچے نہ ہونے کی وہ وجہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ وجہ ہے کہ ان باتوں کی سند صحیح متصل نہیں پائی جاتی ہے تو چاہیئے کہ ساری بائبل کی روایتیں غلط سمجھی جائیں اس لیے کہ ان کے لیے بھی کوئی سند صحیح مرفوع متصل نہیں ہے۔

اور اس مقام پر جو ان دونوں پادریوں نے قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت بے ادبی کی ہے اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تحقیقی۔ ایک الزامی۔

تحقیقی یہ ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ومن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ۔

اور جواب الزامی وہ ہے جو میرے سامنے ایک یہودی بڑا عالم کہنے لگا اور میں نے بمقتضائے اپنے ایمان کے اسے منع کیا۔ وہ یہ کہ عیسیٰ بڑھئی کا بیٹا تھا اور معاذ اللہ نکاح سے نہیں تھا۔ اس نے ہم لوگوں میں نشست برخاست کر کے بعضی باتیں سیکھیں اور بعد چند روز کے کہنے لگا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں بلکہ خدا ہوں۔ بھلا یہ کیسے خدا تھا کہ تیس برس تک اس نے نہ جانا کہ میں خدا ہوں۔ اور توریت کی باتیں اور مجوسیوں اور یونانیوں کے یہاں کی بعضی باتیں تہذیب اخلاق وغیرہ

کی سکے کر کہنے لگا کہ یہ کلام الٰہی ہے جو میرے منہ سے نکلتا ہے۔ اور کوئی بات اس نے اچھی نہیں کہی جو اور دین والوں کے دین و حکمت کی کتابوں میں اس سے پہلے نہ مندرج ہو چکی ہو اور یہ جو اس نے کہا کہیں خدا ہوں اس سے وہ بالکل عقلاً اور نقلاً جھوٹا ٹھہرتا ہے۔

اور مولفین اناجیل نے جو عجائب غرائب باتیں اس کی نقل کی ہیں سو وہ بعینہٖ ویسی ہی ہیں جیسے خوش طبعی کی راہ سے لوگوں نے امیر حمزہ اور جعفر عیار کے داستان بنائے ہیں اور محض جعلی ہیں جیسے حاتم کی ہفت سیر اور بہار دانش میں جہاندار شاہ کا قصہ العیاذ باللہ من ذٰلک الکفریات اللّٰھم اعذنا من ذٰلک وارزقنا الولہ والحب لمحمد رسول اللہ وعیسیٰ ابن مریم صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہما ابدًا دائمًا سرمدًا۔

اور صفحہ ۱۷ میں کہتے ہیں۔ قولہ یہودی اور عیسائی ایمان نہ لائے اور مکے کے لوگوں نے خود مقابلہ کیا۔ ایسی بات بادعائے عیسائیت بمقابلہ اہل اسلام نہ لکھنے کا گو ہی شخص جس کو ذرا بھی عقل نہ ہوگی پس اگر پادری صاحب کا یہ مطلب ہے کہ بعضے یہود و نصاریٰ بھی ایمان نہیں لائے تو محض غلط ہے کیونکہ خود قرآن میں بعضے یہود و نصاریٰ کی تعریف موجود ہے۔ سو اگر وہ ایمان نہ لائے ہوتے صاحب قرآن ان کی تعریف کیوں کرتا۔ آں صرف نہ بچھوے ملاح ایمان نہیں لائے بلکہ جہابذہ ؔ اور یہود و امرائے نصاریٰ قبل از تشریح جہاد اور بعد بھی بلا اکراہ صرف بطیب خاطر ایمان لائے اور ان کا ایمان لانا اس طرح باسناد صحیحہ ثابت ہے کہ اس طرح پر کوئی واقعہ مندرجہ بائبل میں نہیں ثابت ہے۔

اور اگر مطلب یہ ہے کہ جمہور یہود و نصاریٰ ایمان نہیں لائے تو سچ ہے۔ اس لیے کہ ایسا ہونا تو ضروری تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک بڑی پیشین گوئی حضرت عیسیٰ کی کہ بسبب اس کے مختلف فیہ ہونے کے میں نے اس کو استفسار سیزدہم اور پانزدہم میں منجملہ آنحضرت کی پیشین گوئیوں کے نہیں شمار کیا مگر بجائے خود اس کو استفسار شانزدہم میں منجملہ آنحضرت کی پیشین گوئیوں کے میں نے لکھا ہے) غلط ہو جاتی وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ نے خبر دی تھی کہ آسمانی بادشاہت آنے والی ہے اور از روئے بیانات مندرجہ استفسار شانزدہم کے اس کا مصداق کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ والذین معہ۔ سو ایک جگہ اور حضرت عیسیٰ اسی بادشاہت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ انجیل

اوّل باب ہشتم نسخہ ۱۸۵۵ء درس ۱۱۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب پچھم سے آویں گے اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمانی بادشاہت میں بیٹھیں گے۔ تعنی جس طرح وہ اس بادشاہت کے قائل تھے اسی طرح اور ادھر ادھر کے لوگ بھی قائل ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور بعد اس کے حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ ۱۲۔ پر اس بادشاہت کے لوگ باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہے۔ دیکھو اس بادشاہت کا اشارہ نہیں ہے مگر اپنی امت کی طرف۔ سو بموجب اس پیشین گوئی کے ضروری تھا کہ اکثر لوگ امتِ عیسویہ کے اس بادشاہت میں داخل نہ ہوں۔ وللاکثر حکم الکل اشہد ان علیٰ عبدالله ورسوله فانه صادق لاریب۔

اور یہ جو کہا پادری صاحب نے کہ کتے والوں نے مقابلہ کیا سو یہ بھی موافق فرمانے حضرت عیسیٰ کے ہے۔ کیونکہ پہلی انجیل کے تیرھویں باب میں ہے۔ درس ۵۷۔ یسوع نے انہیں کہا کہ نبی بے عزت نہیں ہے مگر اپنے ملک میں اور اپنے گھر میں۔ ۹ اور حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ خدا کی یہی خواہش ہے کہ حکیموں سے حق باتیں چھپی رہیں اور لڑکوں پر کھلیں۔ چنانکہ اوپر گزرا مطلب یہ کہ جن لوگوں کو اپنی عقل و دانش کا غرور ہے۔ جیسے روم و شام کے لوگ تھے ان پر پیغمبر خدا کی حقیقت نہ کھلی۔ اور جو مانند لڑکوں کے اُمّی اور نادان کہلاتے ہیں جیسے اکثر عرب کے لوگ تھے اُن پر پیغمبر کی حقیقت کھلی۔

اور یہ بھی حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ دروازہ سنجات کا تنگ ہوتا ہے اس میں کم لوگ داخل ہوتے ہیں اور دروازہ ہلاکت کا وسیع ہوتا ہے اس میں بہت لوگ داخل ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی مکرر فرمایا ہے کہ بُلائے گئے بہت ہیں اور برگزیدہ کم ہیں۔ یہاں ایک لطف کی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اگر اکثر علمائے یہود و نصاریٰ پیغمبر خدا کے موافق ہو جاتے تو دشمنوں کو زیادہ تر گنجائش احتمال شیطانی اور واہمہ نفسانی کی اس طرح پر ہوتی ہے کہ ان سے کچھ سیکھا ہے اور اگر سب کتے والے موافق ہوتے تو اور کافروں کو اس کہنے کی گنجائش بہت زیادہ ہو جاتی کہ سب لوگوں نے مشورہ کر کے اس کو کھڑا کیا ہے اور اپنی طرف سے باتیں بنائی ہیں۔

اور اگر بعضے علماء یہود و نصاریٰ نے بھی اور بعضے قریشی بھی ایمان نہ لاتے تو مخالفوں کو اس

اعتراض کی گنجائش ہوتی کہ جب ماہرین کتب سابقین کے اور وطن والے جو عمر بھر کی حرکات اور سکنات سے آگاہ تھے ایمان نہ لائے تو باہر ہند و لوگوں کے کہنے کا کیا اعتبار ہے۔ بالجملہ عجب حکمتِ الٰہیہ واقع ہوئی نہ وہ ہوا نہ یہ ہوا۔ اور باینہمہ جو کافر لوگ منجملہ ان دونوں طرح کے کسی طرح کا اعتراض کرتے ہیں سو ان کا اعتراض محض بیہودہ ہے۔

اور اصل حقیقت یہ ہے کہ عدم سے وجود میں سوائے حضرت واجب تقدس وتعالیٰ کے کوئی چیز کسی چیز کو نہیں لاتی ہے اور نہ لا سکتی ہے خواہ منجملہ جواہر ہو یا منجملہ اعراض۔ سو ایمان لانا یا نہ لانا کسی کا کسی پیغمبر پہ صدور اور عدم صدور معجزات سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ انجیلیں اس بات کی گواہ ہیں۔

از انجملہ پہلی انجیل کے اکیسویں باب کے ستائیسویں ورس میں ہے کہ تمام خلقت حضرت یحییٰ کو پیغمبر جانتی تھی۔ حالانکہ چوتھی انجیل کے دسویں باب کے اکتالیسویں ورس میں ہے کہ یحییٰ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اور پہلی انجیل کے گیارہویں باب کے ورس بستم سے ظاہر ہے کہ جن شہروں میں حضرت عیسیٰ نے بہت سے معجزے دکھلائے وہ ایمان نہیں لائے۔ اور جس نے اناجیل اربعہ دیکھی ہوں گی اس پہ یہ بات خوب روشن ہو گی کہ منجملہ حواریان مخصوصین کے کسی کے ایمان لانے کے ذکر میں یہ نہیں لکھا ہے کہ فلانا معجزہ دیکھ کر وہ ایمان لایا۔ بلکہ ان میں سے جہاں جس کا حال لکھا ہے سو اکثر یہی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہو لے وہ ہو لیا۔ یا یہ کہ صرف نصیحت اور صحبت سے ایمان لایا۔ اسی جگہ سے وہ بات ہے جو مولوی روم فرماتے ہیں ؎

معجزہ از بہر قہر دشمن است ۔۔۔ بوئے جنسیت پے دل بردن است

اور ذرا غور کیجئے اور انصاف فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ نے بقول عیسائیوں کے کوئی حکم توریت کا منسوخ نہیں کیا۔ چہ جائیکہ اس کے احکام ابدیہ اور نہ توریت کو وہ منحرف اور ساقط عن الاعتبار کہتے تھے اور نہ انہوں نے بنی اسرائیل میں کوئی نیا دین نکالا تھا۔ اور نہ بنی اسرائیل بت پرست تھے کہ ان کے معبودوں کو حضرت عیسیٰ غیر جائز العبادۃ فرماتے اور نہ بنی اسرائیل منکر معاد اور منکر بعث و نشر کے تھے۔ تاکہ اس کے متعلق باتیں جو حضرت عیسیٰ فرماتے اس جہت سے لوگ وہاں کے ان سے منحرف ہوئے۔ غرضکہ اصول ملت میں کچھ بھی فرق اور اختلاف درمیان بنی اسرائیل اور حضرت عیسیٰ

کے نہ تھا. بجز اینکہ حضرت عیسیٰ بطور امر بالمعروف اور نہی منکر کے ان کو اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ سے جن کی قباحت اور رذالت مسلم الثبوت بالاتفاق تھی منع کرتے تھے اور اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کی جن کی محمدت ان سب کے نزدیک مسلم تھی تاکیدیں فرماتے تھے. مع ہذا منجملہ لاکھوں بنی اسرائیل کے حضرت عیسیٰ کی حیات تک صرف سو یا سوا سو آدمی مسلمان ہوئے سو وہ بھی اکثر مچھوے ملاح. حالانکہ سب کے سب وہاں کے لوگ ذی علم و دانش تھے اور اور لوازم نبوت اور پیغمبری کے آثار خوب پہچانتے تھے. عموماً اور خصوصاً مسیح موعود کے. بخلاف حضرت خاتم النبیین روحی فداہ کے کہ بہ نسبت سارے جہان کے ایک نیا دین انہوں نے نکالا کہ اس کے اصول و فروع اس زمانے کے بالکل سب ملت والوں کے خلاف تھے اور سارے عربستان کے معبودوں کو علانیہ ہیچ و پوچ بتاتے تھے اور ان کے طریقۂ آبائی کو قاطبۃً ضلالت اور موجب ابدیت فی النار فرماتے تھے اور عرب والے بلکہ اکثر اور لوگ بھی وقائع بعث و نشر اور لوازم قیامت کو منجملہ ممتنعات عقلیہ جانتے تھے. مع ہذا ان کو ان کے خلاف معتقدات مزمنہ دیرینہ کے اس باب میں بھی تکلیف دی اور سینکڑوں قیدیں نماز روزے اور زکوٰۃ اور وضو اور غسل اور محرمات نکاح کی ان پر بڑھائیں.

اور عرب والے قطعاً نہیں جانتے تھے کہ نبی کیا چیز ہوتا ہے. حضرت ابراہیم کا نام سنتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر وہ نبی ہوں گے تو اس طرح پر جیسے اور آدمی نشست و برخاست اور حرکات و سکنات اور لوازم و آثار بشری رکھتے ہیں کا ہے کو وہ رکھتے ہوں گے اور ان کے پاس کوئی کتاب کسی نبی معتقد علیہ کی نہ تھی. جس میں نبی آئندہ کی کچھ کسی طرح کی خبر لکھی ہوئی ہوتی اور بمقابلہ اہل انجیل آنحضرت تثلیث کو قطعاً باطل اور قتل عیسوی کو خلاف واقع اور انکار کو نبوت عیسوی سے بمقابلہ یہود کے موجب خلود فی النار اور بمقابلہ ان سب کے بائبل کو بالکل محرف اور بے اعتبار محض اور احکام مختصہ ملت اسرائیلیہ کو بالکل منسوخ فرماتے تھے. مع ہذا قبل از اشاعت جہاد اور پیش از ظہور غلبہ ملوکانہ اسلامیہ کے ہزاروں قریشی اور بیسیوں اہل علم اور اہل دولت منجملہ نصاریٰ اور بعضے ان کے ملوک اور علیٰ ہذا القیاس منجملہ یہود بعض جہابذہ علماء ان کے اور کتنے لوگ یہودی اور بھی اپنی دُنیا کی وجاہت اور اعتبار اور آرام و چین اور عزت اور آبرو خاک میں ملا کر اور گھربار اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے گرویدہ ہو گئے

اور جان و مال اور ننگ و ناموس دُنیوی اپنا آنحضرت پر نثار کرنے لگے اور یکتا پرست اور کریم النفس اور تارک الدنیا اور محوِ محبت الٰہیہ ہو گئے۔ کیا یہ سب کچھ یُونہی ہو گیا اور کچھ آثار و علاماتِ بیّنہ منجملہ شواہدِ نبوت کے انہوں نے نہیں پائے تھے۔ خوشا بحال شان ان لوگوں کی قدر حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ اگر ہوتے تو جانتے اور قیامت کو ان کی قدر وہ کریں گے ہم لوگ کیا جانیں۔ ہاں البتہ ان کے نام لیوا اسم ہیں۔ اُن کے نام کی برکت سے ہمیں بھی بخش دے اور جو ثمرات از قبیل پیشین گوئی اور کشف مغیبات، اور شفاتے مرضیٰ اور محبتِ الٰہیہ اور خشیت خدا و غیرہ خوارقِ عادات اور علوِ مقامات عموماً صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرطِ محبت کی جہت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان کا حاصل ہونا ایسا ظاہر ہوتا ہے جیسا کہتے ہیں کہ الکافور بارد والمسک حار۔ یہ علاوہ ہیں اُن باتوں سے جو اُوپر لکھی گئیں۔

اور یہ وہی باتیں ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ نے بار ہا درباب معرفت، نبی اور متنبی اجمالاً فرمایا ہے کہ تعرفونہم بثمراتہم۔ بھلا بتایئے کہ نوح سے عیسیٰ علیہم السلام تک کوئی نبی بھی ایسا ہوا ہے۔ جس سے خیر محض باین کمیت و کیفیت جاری ہو کر سینکڑوں برس تک مثل دریا کے اس سرے سے اس سرے تک پھیلی ہو حاشا و کلا کوئی ایسا نہیں گزرا کما یشہد بہ تواریخ العالم ؎

گرچہ شیریں دہناں بادشہانند ولے | او سلیمان زمان است کہ خاتم با اوست
روئے خوب است و کمال ہنر و دامن پاک | لاجرم ہمت پاکاں دو عالم با اوست

اور لطف یہ ہے کہ اکثر اگلے انبیاء مشہورین سب پڑھے لکھے تھے اور ایسے ملکوں میں وہ رہتے تھے جہاں سینکڑوں حکیم اور دانا لوگ بود و باش رکھتے تھے اور اس سرزمین میں رہتے تھے جہاں کے لوگوں کو روم و فارس والے منجملہ حیوانات وحشیہ جانتے تھے۔ معہذا ایک سمندر حکمتِ الٰہیہ اور عملیہ کا ان سے پھوٹ نکلا اور سارے اکناف عالم کو اس نے گھیر لیا اور معارف و حقائق الٰہیہ جو امم سابقہ میں سوائے حکمائے مخصوصین سو وہ بھی کم کم اور کوئی جانتا ہی نہ تھا اور فارس اور ہند میں جس قدر تھے وہ بطور کنوز مخفیہ کے علماء اور سلاطین کے صندوقوں اور توشک خانوں میں بند رہتے تھے سارے عالم میں اس طرح پھیل گئے کہ ہر کوچہ و بازار میں ہر کس و ناکس کی زبان پہ جاری ہو گئے۔

ولنعم ماقیل ؎

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت ؎ بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

ہر گاہ وہ لوگ جن کی منقبت، واقعہ یہ ہے ؎

بروز میکدہ رندان قلندر باشند ؎ کہ ستانند و دہند افسرِ شہنشاہی

برخشت زیر سر و بر تارک ہفت اختر پای ؎ دست قدرت نگر و منصبِ والا جاہی

جن کے سرحلقہ مرشدین اسد اللہ الغالب حضرت علی المرتضیٰ اور بعد ان کے غوث الثقلین حضرت عبد القادر جیلانی بھی ہیں۔ آنحضرت کی غلامی کو اپنا فخر جانتے ہیں اور اس مناقب کے حاصل ہونے کو منحصر اسی غلامی میں دیکھتے ہیں سو مجھ سگِ دنیا ناپاک کی کیا حقیقت ہے جو اس ناپاک منہ سے کچھ تعریف کر سکے پر اتنا بتاتا ہوں ؎

دامن جھٹک کے جس جا وہ نازنین چلے

اس جا پہ سجدہ کرنے کو روح الامین چلے

لاریب فیہ اللّٰھم احینی علیٰ ذلک وامتنی علیہ وارزقنی الایمان والعافیۃ بحرمتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اٹھارہواں استفسار

چند خوبیاں ایسی کہ از روئے برہانِ عقلی اور اقتضائے عقلِ سلیم کے ان کی خوبی اور ان کے خلاف کی ناخوبی گویا منجملہ بدیہیات، اولیہ ہے اور عقلاً اور نقلاً دین وملت میں ان خوبیوں کے سوا کوئی خوبی ایسی نہیں متصور ہو سکتی کہ اُن کی برابری کرے اور ان خوبیوں کا ہونا ملتِ محمدیہ میں اور نہ ہونا دوسری مشہور ملتوں میں ایسا آشکارا ہے کہ کوئی ذی علم اس سے انکار نہیں کر سکتا اور وہ خوبیاں یہ ہیں۔

پہلی خوبی

توحید جس کا ادنیٰ مرتبہ ہے کہ کوئی چیز کسی بڑائی کی بات میں ماسوا سے بے نیاز نہ سمجھی جائے

سوائے واحد حقیقی واجب بالذات حضرت مبدءِ کل کائنات تبارک وتعالیٰ کے اور کوئی چیز منجملہ موجودات کے کسی آن فی الجملہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی اور اس اعتقاد سے کوئی حرکت کسی کے لیے تعظیماً کرنا اکبر کبائر معاصی اور اضل ضلالات بعیدہ تصور کیا جائے۔ چہ جائیکہ منجملہ ان شخصوں کے جن کا ظہور اس سے مسلم الثبوت ہو لیا ہے۔ کوئی شخص اس کے ہمرتبہ سمجھا جائے اور منجملہ اس کے موجودات کے کوئی چیز مبدءِ کل کائنات اور ظاہر فی کل موجودات دھیان کی جائے اور کوئی چیز منجملہ ممکنات کے بالکل عالم میں تاثیر و تصرف کرنے کے لیے مفروض الاستقلال اعتقاد کی جائے۔

کہ یہ تو بطریق اولیٰ باطل ترین امورِ باطلہ اور سخت ترین جرائم خبیثہ اور بدترین معاصی کبیرہ ہے اور یہی توحید تفسیر ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی اور متفق علیہ اساطین سبعہ یونان اور اُن کے تابعین بالاحسان کی ہے اور کوئی مسئلہ منجملہ مسائل حکمیہ کے برہانی الثبوت کہ خلاف اس کا برہانی البطلان ہو۔ اس مسئلہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

یہاں تک کہ الزام سوفسطائیہ کا بھی کسی طرح اس پر متطرق نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ دہریہ کا کہ ان کے شبہے بعض طرق پر جو واسطے اثباتِ توحید کے مقرر ہیں عائد ہوتے ہیں نہ کہ سب طریقوں پر کہ از انجملہ طریقہ فلاسفہ حقہ ہے جس کا اشعار استفسار نخستین میں کیا گیا۔ اور یہی توحید اول احکام عشرہ منصوصہ توریت اور اناجیل ہے اور اسی کی تصریح جابجا ان رسالوں میں ہے جنہیں پارسی لوگ صحائف آسمانی اور کلام ربانی جانتے ہیں۔ اور اسی کا بیان ہے ہندوؤں کے یہاں کی کتاب میں جو خلاصہ ہے یعنی اونکھد میں اور ان کے بڑے بزرگ اوتار کے کلام میں یعنی جوگ بشست میں تو وہ توحید جس کمیت اور کیفیت سے منجملہ شعائر ضروریہ اور اصولِ التزامیہ کے قرار پا کر عموماً ملتِ محمدیہ میں رائج ہوئی۔ اور مشارق و مغارب تک یعنی اقصائے اندلس اور فارس و بربریہ وغیرہ بلکہ جزائر خالدات تک کہ حد غربی ربع مسکون کی ہے اور اقصائے چین بلکہ جزائر شرقیہ چین تک کہ حد شرقی مسکون کی ہے اور سواحل جنوبیہ افریقیہ مثل کیپ وغیرہ اور زنگبار اور جزائر جنوبیہ ہند مثل لنکا وغیرہ کہ حد جنوبی ربع مسکون کی ہے اور پچاس پچپن بلکہ ساٹھ باسٹھ درجے یعنی اقصائے شمالی اشیائے روس تک کہ منتہیٰ عمرانات معتد بہا جانب شمال ربع مسکون کا ہے بطفیل محمد رسول اللّٰہ والذین معہ کے ایسی پھیلی کہ جب سے آدمی دنیا میں پھیل پڑے کبھی نہ پھیلی تھی۔ اور باقی تمام اور ملت والے ایسے کہ اُن میں

سینکڑوں سلاطین گیتی ستان شمشیرزن اور ہزاروں علماء اور حکماء ذوی المجد صاحب فن گزرے اور سینکڑوں ہزاروں برس وہ پایہ حکومت اور حکمت پر رہے اس کے خلاف ہوتے رہے اور اب تک ہیں۔

چنانچہ بڑی عظیم الشان ملت قدیمہ مجوس کی ہے کہ اس میں ہزاروں برس سے منجملہ شعائر ضروریہ اور اصول التزامیہ دین کے یہ بات ٹھہر رہی ہے کہ بعض چیزیں موجود کی ہوئی واجب الوجود کی حضرت وجود واجب سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ اور در باب تصرف ایجاد اور افنائے اجزاء عالم کے مفوض الاستقلال ہیں اور بعد پرستش ایزد کے ان کی پرستش منجملہ ضروریات دینیہ کے ہے اور منجملہ مصدورات واجب کے بعض شخص ضد غالب اس کا ہے کما یشہد بہ کتبہم۔

اور دوسری ملت قدیمہ براہمہ ہند کی ہے۔ سو ہزاروں برس سے اس کے اصول التزامیہ اور شعائر ضروریہ دین میں سے ہے کہ سگن اور پاشنا یعنی کسی مظہر کو منجملہ مظاہر الہیہ جو مثلاً سرچشمہ فیضان کثیر ہو مثل اجرام علویہ اور بسائط سفلیہ اور نفوس ملکیہ اور بعض افراد کاملہ جنیہ اور انسیہ کو برہم یعنی مبدء کل کائنات اور ظاہر فی کل موجودات، دھیان کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور قدر مشترک متواترہ ملت قدیمہ اہل چین سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

اور ملت موسویہ کہ اگرچہ ظاہراً ایسا سنا جاتا ہے کہ دو ہزار برس سے غیر خدا پرستی کا رواج ان میں نہیں ہے مگر بعد حضرت موسیٰ کے کئی بار سب کے سب بت پرست ہو ہو جایا کئے اور سینکڑوں برس بت پرست رہے۔ کما یشہد بہ التورات۔ معہذا وہ بمقابلہ اہل اسلام اقل قلیل بلکہ کالعدم متصور ہیں۔

اور منجملہ ملت جدیدہ بڑی عظیم الشان ملت نصرانیہ ہے۔ جس سے گویا سارا یورپ بھرا ہوا ہے اور اکثر ربع مسکون میں اب انہیں کی حکومتیں ہیں۔ سو اس میں اواخر مائۃ اولیٰ یا اوائل مائۃ ثانیہ عیسویہ سے منجملہ شعائر ضروریہ اور اصول التزامیہ دین کے یہ بات ٹھہر رہی ہے کہ واجب تعالیٰ شانہ ایک شخص بھی ہے اور تین شخص بھی ہیں۔ اور عیسیٰ مسیح اور روح القدس اگرچہ واجب سے صادر ہوئے ہیں۔ مگر بجمیع الوجوہ اسی مرتبہ تعدد شخصیہ میں اس کے برابر اور قدیم بالذات اور خدا ہیں کہ ویسا اور کوئی منجملہ موجودات کے نہیں ہو سکتا۔

اور ملل مذکورہ میں سے جو کوئی خال خال یکتا پرست ہوتا ہے سو وہ بھی اپنے بزرگوں کی غیر خدا پرستی کو منجملہ ضلالات بعیدہ اور اباطیل قطعیہ سے نہیں جانتا ہے بلکہ غایت الامر منجملہ بدعات مخترعہ سمجھتا ہے سو در حقیقت وہ بھی گویا انہیں میں سے۔ اور علیٰ ہذا القیاس منجملہ ملل قدیمہ جداگانہ ہند ملت بُدھ اور جین دھرم کی ہے کہ اس کا ایک شعبہ ہے جسے سراؤگی کہتے ہیں وہ تو واجب تقدس و تعالیٰ کو کچھ جانتے ہی نہیں بلکہ اقرب بدہریہ ہیں اور جو جانتے ہیں سو معطل محض جانتے ہیں اور جینیوں میں اب اکثر یہی مذہب رائج ہے۔

اور سوائے ملل مذکورہ کے اور کوئی بڑی عظیم الشان ملت جس میں سینکڑوں اہل سلطنت اور اہل حکمت گزرے ہوں اور سینکڑوں برس تک اس کا قیام ہوا اور کروڑوں آدمی اس دین میں ہوئے ہوں کوئی نہیں ہے اور نہ کبھی تھی اور ان کے سوا جو تھے سو محض وحشی جانور یا محض بت پرست بلا ادعائے دین آسمانی تھے خواہ اب بھی ہوں۔

دوسری خوبی

جن ملت والوں کا اوپر ذکر ہو چکا کہ سوائے اہل اسلام کے ربع مسکون میں کوئی ملت صاحب منصب ان کے سوا نہیں ہے ان کے اصلی شارعین کا جنہیں وہ نبی شریعت جانتے ہیں وہ حال و قال جو عقلاً منجملہ لوازم نبوت اور مثبتات رسالت ہو سکتا ہے اور ان باتوں سے الزام وجوب ان کی تصدیق اور ان کی شریعت کی تسلیم کا مکلفین پر عقلاً تمام سمجھا جا سکے منجملہ سمعیات ہو گیا ہے اور اسی طرح اہل اسلام میں بھی۔

بریں تقدیر اس ضابطہ عقلیہ کی رو سے جو واسطے ثبوت سمعیات کے عقلاً درکار ہے کہ استفسار دوازدہم اور اوائل استفسار پانزدہم میں اس کا بیان گزرا۔ اس قدر حال و قال معتد بہ جس کے ذریعہ سے ملت والے اپنے شارع کی تصدیق اور اس کی شریعت کی تسلیم کا الزام مکلفین پر عائد کر سکیں کسی ملت کے شارع کا نہیں ثابت ہو سکتا ہے سوائے حالات حضرت شارع ملت اسلامیہ کے یعنی جس طرح از روئے اسانید متصلہ صحیحہ غیر محصورہ کے قدر مشترک معتد بہ تفاصیل جزئیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال و قال ثابت ہوتا ہے اس طرح پر اور کسی صاحب شریعت کا حال و قال بسبب

انعدام فنِ اسناد اور فقدان اسناد صحیحہ متصلہ متعددہ اور وقوع اختلافات کثیرہ بسبب، امتداد مدت اور تحریف اہل خیانت اور عدم سابقہ رواج نقل واشاعت تالیف کتب دینیہ اور عدم ترویج کثرۃ درس وتدریس اور ترقیم وتحریر دینیات وغیرہ کے نہیں ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ حضرت عیسیٰ اور نہ حضرت موسیٰ کا چہ جائیکہ مہ آباد اور زرتشت اور برہما اور بیاس کا۔ اور اگر صرف لکھا ہونا سفید کاغذ پر سیاہ روشنائی سے کسی بات کا اس بات کے ثبوت واقعی کے لیے کفایت کرے تو چاہیے کہ داستان امیر حمزہ اور جعفر عیار اور کہانیاں الف لیلہ اور بہار دانش اور قصہ آلہا اودل اور ہفت سیر حاتم کی اور وہ کتابیں عیسائیوں کی جنہیں صاحب میزان الحق احادیث جعلی ان کی اور صاحب تحقیق دین حق خوش طبعی اور ظرافت ان کی بتاتا ہے سب درست اور واقعی الثبوت سمجھی جائیں اور جو نوشتہ عدالت میں احد المتخاصمین گزرانیں علی الاطلاق بلا شواہد بینہ واجب التمسک ہو جائے۔

اور اگرچہ بسبب امتداد مدت چند صد سالہ اور مخفی در آنے دشمنانِ اسلام کے اسلام میں خصوصاً بعضے یہود اور اکثر مجوس کے ملت اسلامیہ کی بھی بہت سی باتوں میں اختلال اور اختلاف ہو گیا۔ مگر در صورتیکہ الف وعادت اور تعصب وحمیت بے جا اور بلادت اور کج بحثی سے علیحدہ ہو کر اور ملل کے یہاں کا قدر مشترک اختلال کا میزان انصاف میں تولیے تو ہر شخص تولنے والے پر مانند اس کے اپنی ہستی کے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اگر ملت اسلامیہ کی مثلاً کسی بات کی آنکھ میں ذراسی پھلی ہے تو اور ملتوں کی ویسی بات کی آنکھ میں شہتیر ہے اور اگر یہاں کسی بات کے چہرہ پر چھائیں ہے تو وہاں جذام ہے۔ اور یہاں اگر سسکتی سی جان باقی ہے تو وہاں بالکل مر کر سڑ گل گئی ہے الجملہ حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال دو خال جس قدر کہ عقلاً واسطے الزام دینے منکرین کے کفایت کرے۔ سمعیات کے ثبوت عقلی کے ضابطے کے موافق جیسا ثابت ہے ویسا اور اتنا کسی کا نہیں ثابت ہے یعنی مثلاً جتنے معجزات تفصیلی اور مستحسنات عقلیہ عقائد اور اعمال کے مفصلاً حضرت سرورِ کائنات کے اس ضابطے کے موافق ثابت ہیں۔ اس طرح پر اور اس ضابطے سے حضرت موسیٰ کا نہ کوئی معجزہ ثابت ہے اور نہ کوئی بات عقائد اور اعمال کی اور نہ حضرت عیسیٰ کا کوئی معجزہ اور نہ کوئی عقیدہ اور عمل تعبدی چہ جائیکہ مہ آباد اور زردشت اور برہما اور بیاس

کا اور نہ ان کی کسی کی کتاب کی کوئی سند صحیح متصل دستیاب ہو سکتی ہے خصوصاً قرونِ اولیٰ کی اور نہ وہ علیٰ صرافتہ بلا دخل کلام غیر کے اور بلا اختلاف صحت اور غلطی الفاظ اور تراکیب کے باقی ہے. غایت الامر صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی بزرگ اور واجب التعظیم ہیں اور اور کوئی امر جزئی بطور قدر مشترک جس سے کہ وہ اہل اسلام کو الزام دیں اور امہات اصول متنازعہ فیہا میں نقلاً وہ اپنی حجت تمام کریں نہیں ثابت ہو سکتا ہے.

اور جو اصل غرض بعثت انبیاء علیہم السلام کی صرف اتنی ہی تھی کہ صفات اور افعال حضرت مبدء جل شانہ اور معاد انسانی کے حالات جس قدر کہ واسطے وصول الی اللہ کے جاننا اور دریافت کرنا ان کا مناسب بلکہ ضروری ہے اور اور باتیں خصوصیت فنا فی المحبت شخص اقدس نبوی کی کہ رکن اعظم وصول الی اللہ کا ہے دنیا میں پھیل جائیں اور تقریراً الزام ان باتوں کی تسلیم کا عقلاً تمام ہو جائے اور یہ امر بتصدق شرف نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم میں پھیل پڑا آنحضرت پر نبوت ختم کی گئی اور جس طرح ختم نبوت کا اظہار اپنی ذات کی نسبت آنحضرت سے ثابت ہے کسی نبی سے نہیں ثابت ہے بلکہ مروی بھی نہیں. اسی واسطے فرمایا. قدتبین الرشد من الغی. یعنی خوب واشگاف اور آشکارا ہو کر ممتاز ہو گیا امر نیک امر بد سے. اور فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً.

تیسری خُوبی

متعبدین ہر ملت کے جانتے ہیں اور بالاتفاق از روئے عقل و نقل ثابت ہے کہ تزکیہ نفس کا اور تکمیل اس کی موقوف ہے. اعتقادات صادقہ اور اخلاق حمیدہ اور ریاضات لائقہ پر جو بذکر الٰہی اور مخالفت نفس کے ہو یعنی مرتبہ کمال محبت الٰہیہ کا کہ اصل مقصود ہے بدوں امور سہ گانہ مذکورہ کے نہیں حاصل ہوتا. (اور یہ جو بعضے سمجھے ہیں کہ صرف تحقق امور سہ گانہ کا کمال نفس انسانی کا ہے اور آگے کوئی حالتِ منتظرہ حصولِ کمال کے لیے باقی نہیں ہے سو محض غلط ہے ہاں دوزخ سے نجات کے لیے البتہ تحقق امور سہ گانہ مذکورہ کا درصورت معاف ہو جانے معاصی کے کفایت کرتا ہے.) اور علیٰ ہذا القیاس یہ بھی باتفاق مسلم الثبوت ہے کہ درباب حصول اصل مقصود

کے بذریعہ اُمورِ سہ گانہ مزبورہ کے خصوصیت ارشاد مرشد کامل کو بہت بڑا دخل ہے۔ بلکہ وہ بھی گویا موقوف علیہ اس کا ہے یہاں تک کہ وہی باتیں بالفرض اگر کوئی اپنے ذہن سے نکال کر مقرر کرے تاہم ثمرۂ مذکورہ ان باتوں پر اس کمیت اور کیفیت کے ساتھ مرتب نہیں ہو گا۔

ہرگاہ یہ بات ٹھہر چکی تو دیکھئے کہ جتنے امور اقسام ثلاثہ مذکورہ کے ملتِ اسلامیہ میں ہیں سو اگرچہ ویسی ہی باتیں اور ملتوں میں ہوں سو قطع نظر اس بات سے کہ جس لطافت اور خوبی سے اسلام میں ہیں اور کہیں نہیں ہیں اور بھی قطع نظر اس بات سے کہ بسبب فقدان توحید خالص کے ملل مذکورہ سے سب اُمور تعبدی ان ملتوں کے منجملہ لغویات محضہ ہیں درصورت سوا آوری ان امور سہ گانہ مذکورہ کے ثمرہ سابقۃ الذکر ملت اسلامیہ میں مرتب ہو سکتا ہے۔ اور اور کسی ملت میں نہیں ہو سکتا کیونکہ ان ملتوں میں فن سند مفقود ہے اور بسبب امتداد زماں اور عدم ترویج ان کی کتب دینیہ کے ان کے ترجمان اصلی میں اور وقوع تحریف کے وہ سب باتیں ان ملتوں کی مختل ہو گئی ہیں اور اب یہ نہیں ثابت ہو سکتا ہے کہ ان کے صاحب شریعت نے اس بات میں کیا لفظیں فرمائی ہیں بخلاف ملت اسلامیہ کے کہ بسبب موجود ہونے اسناد متواترہ کے اوّل سے آخر تک صاحب شریعت کا حال و قال بہ نسبت امور سہ گانہ مذکورہ کے بجنسہ اور بالفاظہ ثابت اور موجود ہے پس عقلاً انتساب ان باتوں کا اور ملتوں میں صاحب شریعت کی طرف صحیح نہیں متصور ہو سکتا ہے اس بحث کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ہم لوگ ہر روز بطہارت بدنی پانچ وقت خدا کی تکبیر اور تہلیل کرتے ہوئے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور سب مراتب تعظیم کے بجالاتے ہیں اور ہر وقت مکرر کام یہ کرتے ہیں۔ سو اگرچہ اور ملتوں میں ذکرِ الٰہی مشروع و مروج ہے سو قطع نظر اس سے کہ وہ اس جامعیت اور خوبی کے ساتھ نہیں ہے۔

جیسے ہمارے یہاں کی نماز ہے اور بسبب اس کے ہونے کے درضمن شنویت اور تثلیث اور شگن اور پاشنا کے سراسر باطل اور موجب وبال ہے۔ یہ دھیان کہ اس طرح کے ذکر الٰہی میں خدا کے پیغمبر سے تشبہ حاصل ہوتا ہے اور اس طرح کی عبادت میں حضرت مہبط وحی الٰہی کے ساتھ تشبہ کا فائدہ ہے سوائے اہل اسلام کے اور کسی ملت والے کو عقلاً نہیں حاصل ہو سکتا یعنی یعنی مثلاً ملت اسرائیلیہ میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت موسٰے اور حضرت ہارون یا حضرت

داؤد اور حضرت سلیمان اور از راہ جسمیت حضرت عیسیٰ کن حرکات و سکنات سے خدا کی عبادت اور اپنے حق عبودیت کو ادا کرتے تھے۔ کیونکہ ایک بات بھی ان سے بسند متصل صحیح ثابت نہیں ہے چہ جائیکہ بحد تواتر پہنچی ہو بخلاف حضرت خاتم النبیین کے جس طرح آنحضرت کا ہونا اور دنیا میں ظہور کرنا ثابت ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت پانچ بار بالوجوب اس طور پہ ذکر الٰہی کرتے تھے۔

سو صرف بہ نیت تشبہ حضرت مہبط وحی الٰہی کے خدا کی عبادت ایک طرز خاص پہ ادا کرنا اور بلانیت اس تشبہ کے ادا کرنے میں دربارہ حصول نورانیت اور شرف و منزلت کے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگرچہ ہم عوام لوگوں کو بسبب انہماک کے معاصی شدیدہ میں ثمرہ مذکورہ نمایاں نہ ہو۔ مگر از روے اس مقدمہ متفق علیہا کے جو آغاز تمہید میں لکھا گیا اور بھی از روئے اقتضائے عقل سلیم کے ممکن الحصول ہونا اس ثمرے کا بہ نسبت اور ملت کے اسلام میں زیادہ تر ثابت ہے یا مثلاً روزہ رکھنا۔ سو اگرچہ اور ملتوں میں بھی ہے اور گو کہ علاوہ از اشراک باللہ اکثر لوگوں میں اس کی صورت بھی خراب ہو گئی ہے۔ یعنی ہندوؤں کے یہاں اکثر صرف حبوب اور غلات سے دن بھر پرہیز کرنے کو اور اکثر نصاریٰ کے یہاں صرف لحوم سے دن بھر پہ ہیز کرنے کو روزہ کہتے ہیں مگر اس نیت سے کہ کسی نبی کا فعل ہے اور ہمیں اس کا تشبہ چاہیئے تھا عقلاً کسی کے نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اکثر احکام عملیہ اور اخلاق اور جملہ عقائد ضروریہ میں شرف مذکور بسبب بقائے حضرت، قرآن شریف کے جو اہل اسلام کو حاصل ہو سکتا ہے اور ملتوں میں غیر ممکن۔

چوتھی خوبی

عزت ما قرآن شریف جن صفتوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ اور موجود ہے ان صفتوں کے ساتھ کوئی کلام مبسوط بلکہ غیر مبسوط بھی منجملہ تبلیغات نبوت الٰہیہ کے کسی ملت، کے صاحب تشریع سے منجملہ ملل سابقۃ الذکر کے ماخوذ اور موجود نہیں ہے کہ ہر صفت ان صفتوں سے ایسی ہے کہ درصورت، اس کے نہ ہونے کے اس کلام میں وہ کلام بمقابلہ اس کلام کے جو جامع ان صفتوں کا ہو لیاقت احتجاج اور استدلال سے ساقط ہے۔ خصوصاً جب کہ سب منجملہ سمعیات اور

منقولات ہوں اور وہ صفتیں یہ ہیں :۔

پہلی صفت

وہ کلام اس زبان میں ہو جو زبان مکلّفین کی ہے اور اس کے لیے ایسے قواعد ہوں کہ اگر اربابِ السنہ مختلفہ اس کے مکلف ہوں تو وہ بھی مدلولات ضروریہ اس کلام کے بذریعہ اُن قاعدوں کے دریافت کر لے سکیں۔ نہ یہ کہ ایسی زبان میں ہو کہ اب عالم میں کسی کی زبان نہیں اور نہ اس کی لغت اور صرف و نحو کسی کو معلوم ہو سکے اور اس کلام کے ناقلین اوّلین اور ماننے والے اس کے خود کہتے ہوں کہ یہ کبھی کسی کی زبان دُنیا میں تھی ہی نہیں۔ اور اب بھی نہیں ہے اور جو اس کے ناقلین اوّلین کی زبان کے قاعدے ہیں۔ وہ خود ہی کہتے ہوں کہ ان قاعدوں سے اس کلام کا مطلب نہیں دریافت ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اور کسی زبان کے قاعدوں سے۔

دوسری صفت

حضرت مبدءِ حقیقی سے جس صاحبِ تشریع کو وہ کلام واسطے تلقین مکلفین کے بطور القاء کے حاصل ہوا ہو لا اقل وہ صاحبِ تشریع ایسا تو ہو کہ اس کے ماننے والے اور اس کے حال کے پہلے بیان کرنے والے اس کی رسم و تعریف میں ایسے مضطرب البیان تو نہ ہوں جس اضطراب کی جہت سے یہ کچھ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ شخص مَلَک تھا یا بشر یا جن یا اور کسی نوع کا فرد۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ درصورتِ بشر نہ ہونے کے سائر مکلّفین بنی آدم اس کے اس طرح کے حالات کو جس سے الزام اس کی تصدیق اور تسلیم کا عقلاً تمام ہوتا ہے کیوں کر دریافت کر سکیں گے اور ضروری ہے کہ ایسا ہو کہ ماننے والے اس کے سخن کو مسائل دینیہ میں ایسا جانتے ہوں۔ جیسا پارسی اور یہود اور نصاریٰ اور مسلمان اپنے اپنے صاحبِ تشریع کے سخن کو جانتے ہیں۔

یعنی اس کی مخالفت کو مسائل دینیہ میں ضلالت جانتے ہوں۔ نہ یہ کہ از قبیل اجتہادیات اور اس سے اختلاف کرنے کو بطور اختلاف مجتہدوں کے از قبیل جائزات نہ سمجھتے ہوں کہ اس منصب میں سبھی مکلّفین شریک ہو سکتے ہوں۔

تیسری صفت

وہ کلام جس مہبط الہٰی سے ظاہر ہوا ہو وہ اس کلام کو بالفاظہٖ کلام الہٰی کہتا ہو۔ نہ یہ کہ اس کے ماننے والے بہ نسبت اس کلام کے مہبط وحی الہٰی سے یہ نقل کرتے ہوں کہ وہ اس تبلیغات الہٰیہ کو بطور روایت بالمعنی کے بیان کرتے ہیں کہ اس میں سے وہ فائدہ جو بالفاظہٖ کلام الہٰی میں حاصل ہے۔ خواہ نخواہ جاتا ہی رہتا ہے۔ چنانکہ اہل کتاب اس کلامِ الہٰی کو جو توریت میں مخلوط ہے اور انبیائے بنی اسرائیل تبلیغاً من اللہ بیان کرتے تھے کہتے ہیں کہ وہ اسی طرح پہ ہوتا تھا جس طرح ہمارے پیغمبر خدا حدیث اور اولیاء ان کی اُمّت کے مطالب الہامیہ بیان کرتے ہیں۔ آور لااقل اتنا تو ہو کہ جو اس مہبط وحی الہٰی سے بقرار داد تبلیغ رسالت ظاہر ہوا ہے وہ تو بالفاظہٖ ہو نہ کہ وہ بھی بالفاظہٖ نہ ہو۔ بلکہ اس کا ترجمہ دوسری زبان میں ہو۔

چنانکہ انجیل کا حال ظاہر ہے۔ اور سب رومن کاتھلک کہ دو سو تین سو برس پہلے کافہ نصارے اسی طریقہ پہ تھے۔ کہتے ہیں کہ انجیل عبری زبان میں تھی نہ کہ یونانی زبان میں کہ وہی اب بجائے اصل کے قرار دی جاتی ہے اور اب بھی سوائے انگلیسیوں کے جمہور عیسائی اسی مذہب پہ ہیں۔ مگر فرقہ جدیدہ پروٹسٹنٹ کا کہ عموماً انگلیسیوں کا مذہب ہے۔ کہتا ہے کہ اصل انجیل اسی یونانی زبان میں تھی۔ حالانکہ یہ بات روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ متقدمین یعنی رومن کاتھلک اس کے خلاف اپنے اسلاف سے نقل کرتے ہیں اور درایت بھی مقتضی ہے کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ عبری نژاد اور جن لوگوں پر پہلی بار وہ مبعوث ہوئے یعنی بنی اسرائیل وہ بھی عبری نژاد تھے اور تا عدم وقوع واقعہ طیطوس رومی اکناف عالم میں وہ منتشر نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی ولایتِ خاص میں تھے۔

چوتھی صفت

صاحبِ تبلیغ رسالت اس کلام کا امورِ باطلہ قطعیہ کی تعلیم اور ترویج سے معصوم ہو نہ یہ کہ اپنی ساری اُمتِ موجودہ کے لیے بعد نبی ہو چکنے کے گئو سالہ سونے کا ڈھال کر بنا دے اور ان سب

پر منادی کرے کہ یہی ہمارا معبود ہے اس کے حضور میں نذریں چڑھاؤ. جیسا کہ معاذ اللہ بائبل میں حضرت ہارون کی نسبت مفصّل لکھا ہے.

یا یہ کہ سب کو سکھلاوے کہ آسمان والے خدا سے دو خدا اور نکلے ہیں اور وہ تین شخص بھی ہیں اور وہ تینوں ایک شخص بھی ہیں کہ یہ منجملہ ممتنعات بدیہیہ اور مہملات جلیّہ کے ہے اور یہ کہ ایک خدا ان میں سے عورت میں جنین بن کر اترا اور بعادۃ معلومہ نکل کر بتدریج جوان ہوا. بعد اس کے آسمان پر والے خدا کے پاس سے وہ تیسرا خدا کبوتر کی صورت بن کر اس پر اترا. بعد اس کے وہی دوسرا جو جنین بنا تھا آخر کا ملعون ہوا اور تین دن دوزخ میں رہ کر پھر اٹھ کر آسمان والے کے پاس جا بیٹھا. اور اس تیسرے کو پھر شعلوں کی صورت پر متفرق الاجزاء کر کے ایک آندھی کے ساتھ اپنے خاص بندوں پر اتار دیا.

چنانچہ اہل کتاب بالاتفاق حضرت عیسٰی کی نسبت اس تعلیم کا جزماً اعتقاد رکھتے ہیں. مگر عیسائی لوگ بطور مدح کے اور یہودی لوگ بطور مذمت کے یا یہ کہ خوف آبرو دنیوی بلکہ خوف جان سے بلکہ صرف بخوف مال کے اپنے بعض پیشواؤں کی نسبت تمیز بین الحق والباطل فی الدین کی فرضیت عینیہ کی جگہ جمہور مکلفین کی نظر میں تلبیس بین الحق والباطل فی الدین قولاً اور فعلاً اور تقریراً تینوں طرح سے جائز بلکہ واجب بلکہ واقع کہیں. جیسا کہ متقدین مجوسیوں کی کتابوں میں لکھا ہے اور مجوسیوں کے ایک پیغمبر کی پیشین گوئی کے مصداق والوں میں طشت از بام ہے.

پانچویں صفت

وہ کلام رسالتِ الٰہیہ کا اس طرح جمع کیا گیا ہو کہ اس میں میل صاحب الرسالت کے بشری کلام کا نہ ہو چہ جائیکہ اس کے سوا محض غیر نبی کا کلام بھی اس میں اس طرح ممزوج اور مخلوط ہو کہ از روئے استطاعت بشریہ تمیز محال ہو جائے جیسا بائبل کا حال آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے.

چھٹی صفت

وہ کلام مجموع بین الدفتین شرق سے غرب تک جہاں تک اس کے ماننے والے پھیلتے

جائیں قرنِ اوّل سے تا بقائے اس شریعت کے پھیلتا جائے اور پھیلتا ہوا ہو نہ یہ کہ اب وہ بر سبیل شذوذ و ندرت پایا جاتا ہو وہ بھی ناقص و ناتمام کیونکہ ظاہر ہے کہ تواتر قرونِ اولیٰ کا لحوقِ غرابت کے نقصان کو جو قرونِ اخیرہ میں ہوا ہے تلافی نہیں کر سکتا اور بقاعدہ ثبوت سمعیات، مفید الزام مکلفین عقلاً نہیں ہو سکتا۔ اور علیٰ ہذا القیاس کثرت شہرت قرونِ اخیرہ کی سابقہ غرابت کے نقصان کا جو قرونِ اولیٰ میں ہوا ہو جبر نہیں کر سکتی اور بقاعدہ ثبوت سمعیات وہ بھی مفید اتمام الزام مزبور عقلاً نہیں ہو سکتی۔

ساتویں صفت

جس صاحب رسالت نے اس کلام کو ظاہر کیا ہو اُس کے قرن میں اس کا پھیل جانا اور تقسیم اس کی بلا تشبیہ بطور باب، وفصل یا قصیدے اور غزل اور رباعی کے اسی صاحب رسالت سے مشہور ہو جانا اس حد کو پہنچا ہو کہ جب پھر وہ صاحب الرسالت اپنے قرن کے لوگوں سے عموماً یا اس قرن کے خواص لوگ اور عوام لوگوں سے اس کلام کی کسی بات یا اس کے متعلق کسی بات کا ذکر کرتے ہوں تو صرف پتہ دینے پر اس کے اجزاء کے جو بلا تشبیہ بطور باب یا فصل یا قصائد یا غزلیات اور رباعیات کی تالیف کی طرح پر ہتے اکتفا کرتے ہوں اور بعینہا اس مقام کی عبارت سب پڑھنا ضروری نہ جانتے ہوں کیونکہ یہ معاملہ بالبداہت گواہی دیتا ہے کہ ساری قلمرو میں وہ کلام پھیل گیا تھا۔ جیسے بلا تشبیہ حکام محکمہ جات، فوقانیہ دولت انگلشیہ کے اپنے ماتحت کے لوگوں کو جب قانون وغیرہ کی کوئی بات بتاتے ہیں تو صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ فلانے قانون کی فلانی دفعہ دیکھو نہ یہ کہ اُس دفعہ کی بجنسہ عبارت حکم نامہ جات میں لکھتے یا زبانی پڑھ دیتے ہوں۔ سو یہ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ نہیں ہوتا ہے مگر اس جہت سے کہ قانون وغیرہ ساری قلمرو میں پھیل رہا ہے نہ یہ کہ صرف حکام کے صندوقوں میں بند ہے کہ اس صورت میں ضرور ہوتا۔ اس مقام کی عبارت کا بعینہا لکھ دینا یا پڑھ کر سُنانا۔

اور یہ بات یعنی صاحب الرسالت اور اس کے قرن کے خواص لوگوں کا اس کلام کے کسی سخن کے بتانے کا وہ طریقہ تھا جو لکھا گیا باسنادِ متصلہ متکاثرہ غیر محصورہ بقدر مشترک ایسا ثابت ہو

جیسا ان سب کا اس زمانے میں ہونا۔ نہ یہ کہ ایک روایت بھی بسند صحیح متصل ہر فروع ایسی نہ پائی جاتی ہو جس سے اس طرح کا حال بقدر مشترک مظنون بھی ہو، چہ جائیکہ ثابت چنانچہ توریت و انجیل کا حال ہے۔

آٹھویں صفت

کلام کو اولاً انہوں نے لکھا ہو جنہوں نے اُسے خود صاحبِ رسالت سے سُنا اور یہ لکھنا ان کا اس طرح باسناد متصلہ متکاثرہ ثابت ہو جس طرح ان کا اس زمانے میں ہونا۔ نہ یہ کہ صرف اس بات کا دعویٰ ہی ہو اور سندِ صحیح متصل ایک بھی نہ ہو۔ جیسا کہ اسرائیلی ملت والوں کا اپنی اپنی آسمانی کتاب کی نسبت دعوے ہے۔

نویں صفت

وہ لکھنے والے صرف دو ہی تین آدمی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہوں اور سب نے مل کر بہیئت اجتماعی لکھا ہو اور اس جماعت والے وہ لوگ ہوں کہ اکثر امضائے کاروبارِ شرعیہ صاحب الرسالۃ کا انہیں کے ہاتھ سے ہوتا ہو اور لکھنے والوں کا متعدد ہونا اور ان سب کا مل کر لکھنا اور ان کا صاحبِ امضائے اُمورِ شرعیہ صاحب الرسالۃ کا ہونا باسناد متصلہ غیر محصورہ ایسا ثابت ہو جیسا ان کا اس زمانے میں ہونا۔

دسویں صفت

صاحب الرسالۃ کے جن ملازمین خدمت نے اس کلام کو لکھا ہو ان سے اسی کا درس و تدریس بہ ترتیب تفصیلی انہیں اوصال اور فواصل اور بہ تعیین انہیں الفاظ اور تراکیب سے جس ہیئت تفصیلیہ سے وہ کلام سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ باسناد صحیحہ متصلہ مشہورہ اسی طرح پر ثابت ہو کہ اتنی سندوں اور ان سندوں کی ویسی وثاقت سے اس کے اوصال اور فواصل موجودہ کے منافی کوئی بات مروی بھی نہ ہو چہ جائیکہ لکھی ہوئی ان کی چلی آتی ہو کہ اس طرح پر لکھی ہوئی تو ایک سند ضعیف بھی نہیں۔

گیارہویں صفت

سوائے ان جامعین کے باقی اجلّہ ملازمین خدمت صاحب الرسالۃ کے بھی جنہیں ان جامعین کے دشمن

لوگ دشمن ان جامعین کا بتاتے ہوں، اسی نسخے کو منظور اور مقبول رکھتے رہے اور اسی کی درس وتدریس اور ترویج اور تمہید کرتے رہے ہوں اور ان کا اسی نسخے کا درس دینا باسناد متصلہ صحیحہ متعددہ مشہورہ ایسا ثابت ہو کر کوئی قول ان کا منافی اس کے اتنی اور ویسی سندوں سے نہ ثابت ہو سکے۔

بارہویں صفت

بقیہ احقہ ملازمین خدمت صاحب رسالت سے سُنیئے۔ سوائے جامعین اس نسخہ خاص کے جو متداول ہے کسی سے کوئی نسخہ اس کلام کا خلاف وصل وفصل وغیرہ اس نسخے کے بروئے کار نہ ہوا ہو۔ بلکہ یک وقت سند صحیح متصل بتفاصیلہ مروی بھی نہ ہو۔ چہ جائیکہ ثابت ہو اور بروئے کار نہ ہونا دوسرے نسخے کا ان سے اس طرح پر ظاہر ہو جس طرح ان کا خارج از اسلام نہ ہونا ظاہر ہے۔

تیرہویں صفت

جس طرح قلمبند ہونا اس کلام کا حسب بیانات سابقہ ثابت ہوا، اسی طرح اس کا محفوظ سینۂ حفاظ ہونا بھی موافق انہی مراتب سابقۃ الذکر کے ثابت ہو۔ نہ یہ کہ ایک کا بھی کہیں سارا یاد ہونا ثابت نہ ہو۔ جیسے توریت وانجیل کا حال ہے کہ کروڑوں یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بھی اس کا حافظ من اولہ الی آخرہ نہیں ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نوشتہ جات کی تصدیق اور ماجرا ہائے محسوسہ کا ثبوت گواہوں سے ان گواہوں کے بجنسہ اس نوشتہ اور ماجرے کے سرتاسر یاد رکھنے میں جس طرح قطعی اور واجب الاذعان ہوتا ہے ویسا درصورت ذہول اور یادآوری سے اس کے صرف دوسرے کے یاد دلانے یا نوشتے کے دیکھنے سے نہیں ہوتا۔

چودہویں صفت

اس کلام کا بالفاظہ اور بجمیع اوضاعہ ماخوذ ہونا صاحب الرسالت سے ایسا ثابت ہو کہ اس کے جامعین کے دشمنوں کے زمرے سے محققین گواہی دیں کہ یہ جو موجود ہے بجمیع الفاظہ اور اوضاعہ اور بجمیع حرکاتہ وسکناتہ بعینہٖ صاحب الرسالت سے ماخوذ ہے اور کوئی بھی ان کے دشمنوں سے منجملہ

تسلیم کرنے والوں اس صاحب الرسالت کے کسی کلام نبوۃ التیام کو جو کسی معصوم سے وہی نقل کرتا ہے درصورتیکہ اس کے خلاف اور منافی ہو ہمرتبہ اور معارض مساوی نہ قرار دیتا ہو کہ اس میں کمال ثبوت اس کا از حد زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور ماورلئے ان کے اور جو کوئی کوئی بات منافی اس کے حال کے منقبل لکھتا ہو تو اس کے ثبوت کے مقابلے میں اس روایت کو کان لم یکن یا ماوّل جانتا ہو۔

پندرہویں صفت

وہ کلام ایسا ہو کہ صاحب الرسالت سے اس کے ضمن میں اس کی نسبت یہ بھی انہیں صفات مذکورہ سے ثابت ہو اور کوئی دشمن اس کے جامعین کا اس خاص بات کے ثبوت میں کچھ گفتگو نہ کر سکتا ہو کہ فاتوا بسورۃ من مثلہ الیٰ قولہ ولن تفعلوا یعنی صاحب الرسالت نے اس کی بلاغت کے لیے تحدی کی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انّا نحن نزلنا الذّکر وانّا لہ لحافظون یعنی اس کا ظہور بلا دخل خلق ہے۔ اسی طرح اس میں کچھ کمی بیشی دخل وتصرف خلق سے نہ ہو سکے گی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ یعنی کمی بیشی اس میں ایسی کہ اس کے اوصال اور فواصل کو مرتبہ حجیت سے ساقط کر دے نہ ہونے پاوے گی کیونکہ اس طرح کا دخل وتصرف بدترین امور باطلہ کا ہے۔ بلکہ وہ دشمن اس کے جامعین کے بھی احبّہ ملازمین حضرت رسالت سے اس کے حق میں بطور اپنے تواتر کے نقل کرتے ہوں کہ لا یھدم ارکانہ یعنی قرآن کا کوئی جزنہیں گرایا جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی نقل کرتے ہوں کہ لیس علیٰ احد بعد القرآن من فاقہ یعنی کوئی چیز محتاج الیہ حصول نجات کی نہیں ہے بعد قرآن موجود کے نہ یہ کہ خود نبی متاخر نبی متقدم کے تبلیغات الہیہ کی نسبت گواہی دے کہ علماء نے اس امت کے اس کلام کو متغیر کر ڈالا ہے اور اس کی باتوں کو بدل ڈالا ہے اور اپنی بدعتوں کی رونق کے لیے اسے ناکارہ کر دیا ہے۔ اور اس کی تحریف کرنے والے ہیں اور آئندہ اس میں دروغ ملانے والے پیدا ہوں گے۔ جیسا نکہ توریت وانجیل کی نسبت ارمیا اور اشعیا اور عیسیٰ علیہم السلام اور پولوس حواری نے کہا ہے۔

سولہویں صفت

جس زبان میں وہ کلام ہے اس زبان کے اصل زبان والے اس کے معارضے سے عاجز آئے ہوں اور ان کا عاجز آنا ایسے ہی ظاہر ہو۔ جیسا ان کا اس زمانے میں ہونا اور تمام ماہرین اس زمانے کے اس کو ابلغ الکلام کہتے ہوں اور برابر سینکڑوں گواہیاں اس پر چلی آتی ہوں۔

سترہویں صفت

اس کلام میں ان عقائد اور اخلاق اور اعمال حسنہ کے ساتھ جو علی الاطلاق سب کے نزدیک عقلاً مستحسن ہیں اور باتیں بھی منجملہ مستحسنات عقلیہ اور مطبوعات روحانیہ ایسی ہوں کہ کبھی کسی نے نہیں بیان کیں گو کہ بعض ایسی ہوں کہ بادی النظر میں نہ معلوم ہوں اور باوجود ذکر بندوبست معاملات دنیویہ کے کہیں ذکرِ الٰہی سے غفلت نہ ہو اور کوئی آیت طولانی بلکہ متوسط خالی اس سے نہ ہو۔ جس میں خدا کا ذکر کسی نہ کسی طرح پر نہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی بات منجملہ اُن بیس باتوں کے جو استفسار ہفدہم میں بجواب رسالہ تحقیق دینِ حق لکھی گئیں نہ ہو نہ کہ جیسے بائبل کہ رسالے کے رسالے اس میں محض داستان سرائی ہے۔ اس طرح کہ اس میں اُن باتوں میں سے کوئی بات کہیں مذکور نہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ کوئی کوئی بات شاید کہیں کہیں ہے فقط۔ بھلا بتلایئے کسی ملت میں کوئی کتاب دین کی اس طرح کی ہے جس میں وہ سب صفات ہفدہ گانہ مجتمع ہوں۔ حاشا وکلا کوئی کتاب کسی صاحب تشریع کی کسی شریعت میں نہیں ہے اور ملل مذکورۃ السابق میں جو کتابیں ہیں سو منجملہ ان صفات ہفدہ گانہ کے بہت سی صفتوں سے بے بہرہ ہیں۔

پانچویں خوبی

یہ صرف بمقابلہ عیسائیوں کے کہی جاتی ہے اور من وجہٍ سب کے مقابلے میں ہے کہ وہ نفس قدسی جس کی خوبی کی صاحب معجزات نے گواہی دی اس کو سچا جاننا اور دل وجان سے اس کی محبت کے خریدار ہونا اور اس کی بات سے اعتراض معتردانہ کرنے کو موجب ہلاکت ابدی سمجھنا

اور اس کی نافرمان برداری اور بے حرمتی کو تمام انبیاء کی نافرماں برداری اور بے حرمتی جاننا اور اس کو صرف کلمۃ اللہ سے موجود ہونے والا سمجھنا اور جس بات کو وہ حیاتِ ابدی کہتا تھا یعنی خدا کے رُتبے میں سوائے واحد حقیقی مبدءِ کل کائنات کے دوئی کی گنجائش نہیں۔ اس کے خلاف کو باطل قطعی جاننا اور اس کو مرشدِ عالم سمجھنا اور اس کے حرکاتِ غریبہ کو صرف افعالِ الٰہیہ اعتقاد کرنا اور اوّل بار کے اس کے ظہور کو صرف بنی اسرائیل کے لیے جاننا۔ گو کہ اور گمراہوں کی گمراہی اس کی پیروی سے دور ہوتی ہو۔ اور دوسری بار کے اس کے ظہور کو کہ آئندہ ہونے والا ہے سارے عالم کے لیے واسطے تشئید مبانی بادشاہت آسمانی کے اعتقاد کرنا سوائے محمدیوں کے اور کسی ملت میں نہیں ہے یعنی حضرت عیسیٰ کو خدا کا رسول برحق اور نبی صاحب العزم اور مروّج توحید اور اُن کے کلام کو بلا تعارض کوئی نہیں سمجھتا۔ سوائے اہلِ اسلام کے۔ پس یہ جو بعض متعصبین دولت انگلشیہ کے بمقابلہ اہلِ اسلام کے مقدمات دینیہ میں غیر معتقدین حضرت عیسیٰ اور ان کے منکرین نبوت کی پچ کرتے ہیں اور ان منکروں کے مقابلے میں اہلِ اسلام کو زیادہ تر اپنے مذہب کا دشمن جانتے ہیں صریح ناانصافی ہے۔

چھٹی خُوبی

وہ وہ خوبی ہے کہ پایۂ تقریر میں مناظرۃً بطور امور مذکورہ کے ہم نہیں لا سکتے گو کہ عند التحقق وہ سب خوبیوں سے بڑھ کر خُوبی ہے کہ جس کے لیے متحقق ہو اس کو امورِ محسوسہ سے زیادہ تر اس کا حق الیقین ہوتا ہے یعنی حصُولِ محبتِ الٰہیہ احتراز کے تکذیب سے حضرت خاتم النبیین صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ سائر المرسلین کے۔ اور کمال فنائی حب اللہ بدون فرطِ محبت کے آنحضرت کی خدمت میں اور بدول تسلیم ان کے احکام کے اس حیثیت سے کہ انہوں نے صادر کئے ہیں اور ان سے اُن کا صُدور ایسا ثابت ہے جیسے ان کا ہونا محض غیر ممکن اور محض ممتنع ہے ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ۔۔۔ گر دلیلی بایدت رُو متاب

الحمد للہ کتاب استفسار ۱۲۵۹ھ میں تمام ہوئی اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اور دُنیا میں اپنے فضل و کرم سے پھیلا دے اور حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی کے موافق اس کا

فائدہ ہر ایک آدمی کو مرحمت کرے اور اس عاصی بے نماز ناشستہ رو کو آنحضرت کی جوتیوں کے تصدق سے بخش دے۔

اس کتاب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تثلیث قطعاً باطل ہے عقلاً اور نقلاً دونوں طرح سے اور تحریف اور اختلال توریت و انجیل متداولہ کا قطعاً ثابت ہے عقلاً اور نقلاً دونوں طرح سے۔ اور معجزات حضرت خاتم النبیین کے عقلاً ایسے ثابت ہیں کہ کسی نبی کے نہیں ثابت ہیں اس طرح پر کہ بدون تصدیق بندگان مصطفوی کے کوئی سبیل عقلی ان کے تسلیم کی ہو۔ اور بشارات انبیائے پیشین کی آنحضرت کے حق میں اس کیفیت سے ثابت ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے لیے نہیں ہیں۔ اور کوئی اعتراض اور شناعت عقلیہ حضرت خاتم النبیین کے حال و قال پر نہیں عائد ہوتی ہے مگر ویسی ہی جیسی کہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل پر عائد ہوتی ہو کہ درحقیقت شناعت نہیں ہے اور جو شرف ملت اسلامیہ کے لیے عقلاً ثابت ہے وہ شرف بلکہ مثل اس کے بھی کوئی شرف کسی ملت کے لیے نہیں ہے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده وان محمداً عبده ورسوله وان
عيسىٰ عبد الله وابن امته وكلمته القها الىٰ مريم وروح منه
يا مقلب القلوب ثبت قلبى علىٰ دينك ثبتنى على الاسلام حتى القاك
اللهم ارزقنى حبك وحب من يحبك والعمل الذى
يقربنى الىٰ حبك. اللهم اجعل حبك احب الى من
نفسى واهلى ومن الماء البارد
۱۲۵۹ھ



آمین یا رب العالمین بحرمة النبی الامین وآله الطیبین واصحابه اجمعین۔ ۱۴۱۲ھ

خالد محمود عفا اللہ عنہ